

دچپ اور سنی خیز کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ جاؤ کی رائجت

فروری 2015

مگران اسٹر

معراج رسول

PDFBOOKSFREE.PK



توت سیاہ

گلے کے درد، ورم اور خراش کے لیے مؤثر



- گلے کے درد، ورم، خراش اور آواز کے بیٹھنے جانے میں مفید ہے
- گلے کے غدوہ بڑھانے (Tonsillitis) کی شکایتیں خوفزدہ ہے
- سُکریت نوشی اور خلک چیزوں کا استعمال سے گلے میں ہوئے والی خراش کے لیے انتہائی مفید ہے
- خناق، مرض میں بھی اس کا استعمال مفید ہے



سر سے سر علا
توت سیاہ صرف
فرشی کا ہی لا

مدیر اعلیٰ
عذر رسول



لکھنی میں دو شرکے شہر دو روز نے اپنے عشاں
چڑھوئیں حدوڑک کے شعلے بھر کاپیے تھے

137

گھر سراش
عکس فادمہ

ذہن کی گتھیوں اور مسلسل الجھاد یے والی
نکتہ دنکتہ کہانی کے عجیب غرب مژو... .

149

دھوکا
تبلیغی دعا

زندگی کی بساط پراندھا جو کہیں
والے کھلاڑی کی ہوش رپادستان

164

جو رائی
الحمد اقبال

سمدر کی لہروں پر ڈوبتے جہاز
میں رونما ہونے والا خونی محیل... .

207

خونی لایری
سلیمان انور

دولت کے پیچھے بھاگتے دوڑتے افیت
پسند... بیبے رحم فرمیوں کی تل غدت گری

212

پانچواں وار
مریم کے دنان

اس جال کے نیاں کی کوئی تشویش ہے لیکن
جو لوہ کو جل ہے قہل سے گزر کے جاتی ہے

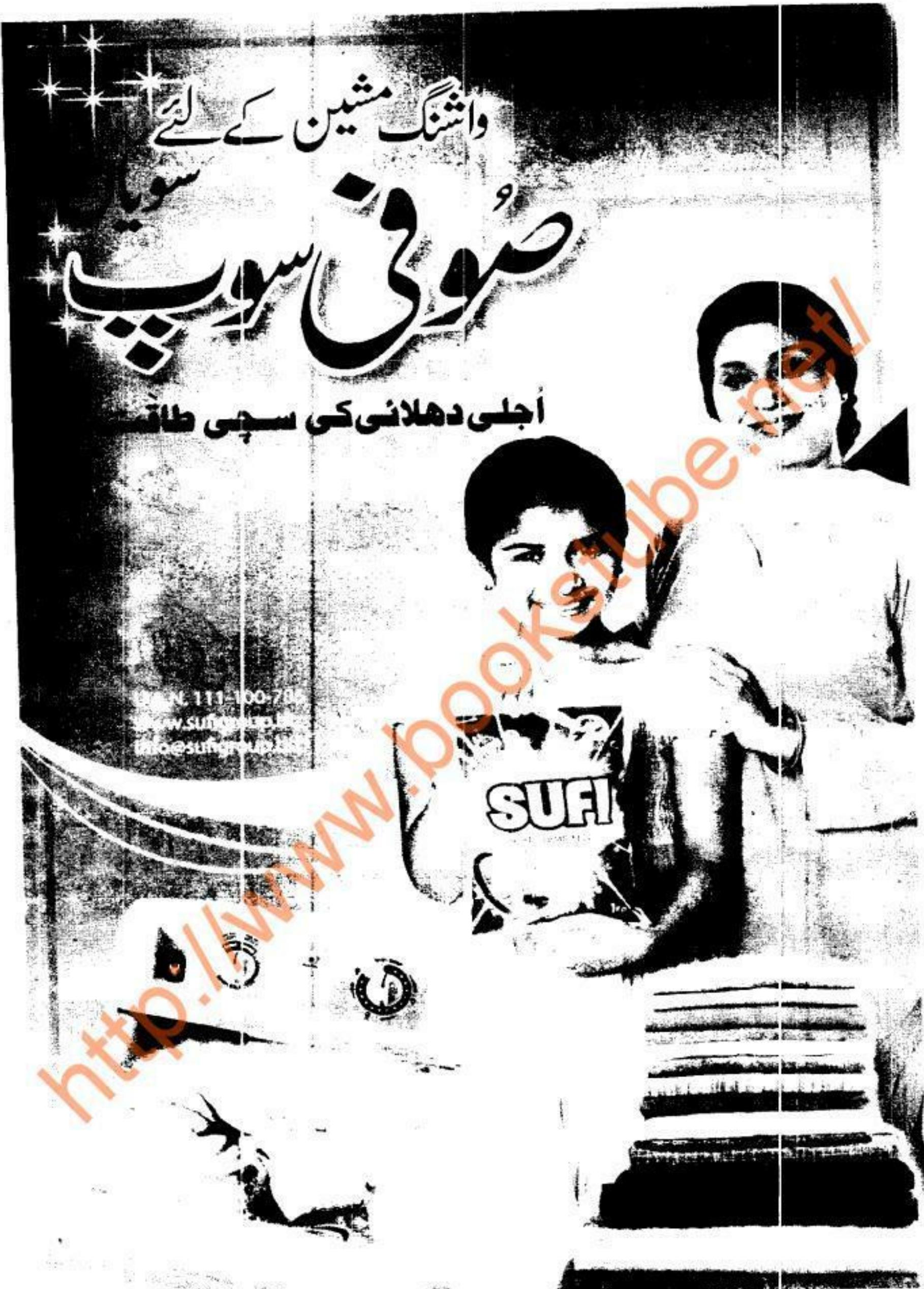
227

آخری بتوا
کاشف زبیر

انسان اہمیوں میں مشترک
درندگی کا ہلاو ہے پرانتہ مہیل

260

دوسرا جیال
عبدالرب بہنی



عزیز این من... اسلام علیکم!

امداد و اعلیٰ

چینی تک شہر چینی

کئی عشروں سے اس ادارے سے مسلسل قلمی اور قلبی وابحگی کے بعد معروف قلم کار، فلم ساز اور ہدایت کار جناب علی سفیان آفیڈی 27 جنوری کی شام خالق حقیقی سے جا لے۔ رب العالمین ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں اپنے جواہر رحمت میں جگہ عطا فرمائے... ادارے کے جملہ اراکین مر جوم کے پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ماہماہہ سرگزشت کے صفات پر مر جوم کی قلمی الف لیلہ ایک یادگار کا درجہ رکھتی ہے جسے قارئین کی غیر معمولی پندت کی سند حاصل ہے۔ اب وہ باب تمام ہوا۔ مارچ میں مر جوم کی آخری تحریر شائع ہو گی۔ وہ تجھے اور ایک روز سب ہی کو جانا ہے۔

جانے والے اپنی طبعی عمر یوہ بی کر کے جاتے ہیں تو ان کوئی دے کر دل کو قرار آ جاتا ہے لیکن ملک بھر میں دہشت و بربریت کا جو بازار گرم ہے... پچھے، بوڑھے اور جوان جس طرزِ خون میں نہلائے جا رہے ہیں، وہ پوری قوم اور اس کی اشرافی کے لیے کچھ فکر ہے۔ قانون سازی کی حد تک مثالی اتحاد سامنے آ گیا، دہشت گردوں کی سرکوبی کے عملی اطلاق پر کچھ الگ الگ آوازیں سائی دے رہی ہیں۔ ہم من جیٹھ القوم ایک ایسے موڑ پر آگئے ہیں جہاں ریاست کی بقا کے لیے اتحاد و اتفاق ناگزیر ہو گیا ہے۔ ہم سب یہ امیدی کرتے ہیں کہ اب حریفانہ چشمک کو بھول کر سب تو ہی اور سیاسی قوتیں یہ بات سمجھ لیں گی۔ اس مرحلے پر جس نے جسم پوشی سے کام لیا، آئے والا وقت اسے معاف نہیں کرے گا۔ اس خوش امیدی کے ساتھ چلتے ہیں اپنی محفل میں جہاں رنگ ہی رنگ بھرے ہو۔۔۔ ہیں۔

میانوالی سے احسان سحر کی سحرائیز باتیں ”خوش رہنا اور دوسروں کو خوش رکھنا ضرور ہے۔ مگر اہم تب یہ خوب سوت نظر آتی ہے جب وہ آپ کے چہرے پر نظر آتی ہے ورنہ مگر اہم تو اسکی چھپی ہوئی ہوتی ہے جونہ تو نظر آتی ہے اور نہ تو محض ہوئی ہے نظر نہ بھی آئے تو اس لیے مگر اہم تو ہیش۔ اپنے چہرے کا حصہ بنائے رکھیں۔ میرے چہرے پر بھی مگر اہم رہتی ہے اور یہ کہری اس وقت ہوئی ہے جب جا سوی ہاتھ آتا ہے۔ نائل سے آغاز کیا جوئے آئے والے سال کی بھر پور عکاہی کر رہا تھا۔ محفل مختلف تکلفت میں حاضری دی۔ نئی تمناؤں اور نئے جذبوں کے ساتھ ادارے والوں کا مختصر نامہ پڑھا، امیدی جیتنے کا سہارا ہے اور ہم بھی اسی پر قائم ہے۔ بلعیں خون سے سال کے آغاز میں ہی نہایاں مقام پر فائز رہ لیں، مبارک ہو۔ ماریہ خان اس دفعہ بھر پور جو بن پر نظر آئیں۔ ذیز جہاں پیار نہیں ہوتا وہاں نفرت بھی نہیں ہونی چاہیے یہ ہمارا اپنا گھر ہے۔ زویا اعجاز نے بھی ہر چیز پر کھل کر تجربہ کیا۔ بھی سیدھی کی بات ہے ہم نہیں ادبی ذوق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوئے۔ اس لیے ہمیں صرف کہانیاں پڑھنے اور ان پر کھن کر تجربہ کرنے میں ہی مزہ آتا ہے، یہ اور بات ہے کہ یہاں ہاتھ ذرا اولاً رکھتا پڑتا ہے ورنہ ہم تو دو صفاتی کہانی پر بھی پانچ کی تشریع کر سکتے ہیں۔ ہمایوں بردار، کیسر بھائی کو توانا کہ وہ شادی کے بعد سکرست گئے ہیں پر آپ کیوں پہلے سے گا جر کی طرح ہوتے جا رہے ہو۔ ملک رحمت کی رحمتیں بھی پہلی بار جا سوی پر بریں اور خوب بریں۔ باقی سب دوستوں کو سلام جن کے ہم نام نہ لھے سکے۔ سال تو کی پہلی بہر سے آغاز کیا اور یہ بات حقیقت بھی ہے کہ غیر مالک، کے اویب ایسے بھی رہے اور ہیں جنہوں نے ادب میں اپنا آب منوایا۔ مایا جاں مکمل کر کے بھی اس کا اثر ذہن پر حاوی رہا۔ کیا واقعات تھے بھی اسکی... سختی اور سُنسن فل پھوپھن کر کھو کر رہ جاتے تھے۔ مراد مختصر کمراچی کا دوش رہی۔ دوستی میں سُجت اور محبت میں سُجت ہیشی دلوں میں دراز ڈالتا ہے اور جب دلوں میں درازیں پیدا ہو جائیں تو سامنے کوئی بھی ہوا چھانبیں لگتا۔ بوش، کافی کرے اور غیر تکنی حالات کا مقابلہ ہیشی ہی حوصلے والے ہی کر پاتے ہیں۔ اوپر بنے بھی آخر ثابت کر دکھایا۔ بھی لکن اور بھر پور رحمت بھی را کھان نہیں جاتی۔ اور یہ اسی اخراج کو پہنچا۔ ذتے دار جبی نے آخر رہی دکھایا۔ انسان کے اندر ہر چیز موجود ہوتی ہے۔ علم بھی، خوشی بھی، نفرت بھی، محبت، مگر اہم بھی آنسو بھی، ذتے داری بھی اور غیر ذتے داری بھی، اچھا بھی اور برا بھی لیکن انسان بہت کم چیزیں اپنے اندر سے باہر لاتا ہے۔ اگر ان تمام چیزوں کو بواہر آنے دیا جائے تو انسان ایک مکمل انسان ہو جاتا ہے۔ ذت بھی سکھنے اور عمل کرنے کی ہے۔ آوارہ گردہ برقط میں ایکشن، نڑائی اور تیز رفتاری کی جانب گامز ن ایک نئے اور دلچسپ واقعات جنم لئی جا رہی ہے۔ کافی و سچی اور دلچسپ بنا لیا ہے ذا کٹر صاحب نے کہانی کو۔ کوں مال ایسا گروہ جو نہایت ہی صفائی سے اپنا کام کیے جا رہا۔ آخر کس سک، چلنے والا رکتا ضرور ہے۔ بھائی و الاحمق ضرور ہے۔ آخر یہ گروہ بھی قاتون کے اندر ہے اور لبے ہاتھوں کا مشکارن ہی گیا۔ اسماں سک کافی جس حرث اٹھیز اور عجیب تھی۔ اس ماہ کی مختصر استوریز میں استوری آف منھ برادری کا انصاف رہی۔ یہودیوں کی دہشت اور بربریت کا منہ بولتا شوت جس کی مثال ڈاکٹر ایڈورڈ اورڈ اسٹوڈی ایڈورڈ کار اچھارہ، جاتے جاتے اپنی بھاگ دوڑ سے ڈاکٹر ایڈورڈ اورڈ اسٹوڈی کو اپنے مخفی انجام سک پہنچا گئے۔ پہلا رنگ زندگی کافی عرصے، بعد غلام قادر صاحب نظر آئے۔ جو دیکھنے میں زم اور حیرت سے نظر آتے ہیں وہی اکٹھ گلے کا طوق برس جاتے ہیں۔ گورت بظاہر تو ایک کمزور محبت کا امین نظر آنے والا اشرافی ہے لیکن جب انعام پر آئے تو چنانوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دلتی ہے۔ دوسرا رنگ، شامی اور تیمور کا رنگ کافی یور اور بے مزہ رہا۔ ایک چوہا کی مدد کر کے شامی نے کافی مایوس کیا۔

لا ہو سے زویا اعجاز کے قلم کی جادو گری ”سال تو کی آمد ہیشہ ہی قلب بشر میں کچھ تین امیگیں اور امیدیں پیدا کرتی ہے مگر سانحہ پشاور سے 2015ء آہوں سکبؤں کی بازگشت میں طلوع ہوا۔ اسکی تھی ایک افسر وہی برلنی شام میں جا سوی ہاتھ میں آیا۔ تراشی ہوئی چنان کا منفرد

امد از بہترین تھا۔ صفت نازک پرستان سے آئی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ گران کی قیمت کا بیک گلا کسی اناڑنی درزی کے ہاتھ کی کرامت لگا۔ وہی انداز میں دانت نکوتے انکل کی فلاپ نو تھے پیٹ کے برائٹ ایمسڈ رلگ رہے تھے۔ اداریہ سو فیصد ہمارا ولی تر جان تھا۔ نئی گلیوں کا یوں بربریت سے ڈکار سقط ڈھا کا کے بعد ایک اور نہ سنتے والا زخم ہے۔ جیسے پر سن بھیس خان کا تبرہ کچھ چھلی لیے ہوئے تھا۔ باقی یہ ان کی سمجھ پر چھوڑے دیتے ہیں کہ وہ کا کامی کو سنا تھا میں لیتی ہیں۔ اسلام آباد سے ماریہ خان کا تبرہ پوری محفل کی جان تھا، ویلنڈن۔ حجی الدین اشراق! یہ فیصلہ اپنے رنک پر کیجیے گا۔ نوال، مثال، فائزہ گلزار اور گل نیمی کا شکر یہ۔ ملک رحمت کی پہلی اختری بڑی دعما کے دارستی۔ امید ہے اس دھماکے کی کوئی تجھ میں اب وہ نہیں مکونہ جائیں۔ صدر معاویہ کی محنت کے لیے نیک تھا میں۔ سید اکبر شاہ! کوئی بات نہیں ہے، اسکی چھوٹی موٹی غلطیاں نہ کریں تو نیا۔ نے کیسے کہا گیں؟ نادر سیال پر دے میں رہنے دو پر دندھا تھا۔ وہی شاہ میں! انفرادیت آپ کے قلم اور سوچ کا خاصہ ہے۔ بہت عمدہ تبرہ تھا۔ عبد الجبار روی انصاری! ہمت کرے انسان تو کیا نہیں ہو سکا؟ انھار سین اعوان! آپ کی تابع داری بھائیں بھی بھائیوں کو حکم نہیں دیا کرتیں۔ اس بار انکل سیانے کی کمی محفل میں۔ مغربی تراجم میں امجد ریس کا قلم کافی گھر تاجرا ہے۔ مافیا کے ناقابل رسائی وسائل اور جرام کی دنیا نہیں قلاباز یاں کھاتے تھے آئندہ ماہ کا ٹیک دیکھ کر یہ حالت تھی گویا کیش کھاتے ہوئے کوئی کڑوا بادام دانتوں نے آگیا ہو۔ برف زاروں کی مشرکتی بہت پیاری تھی۔ پہلے رنگ میں غلام قادر کا نام دیکھ کر بہت جوش تھا لیکن کمزور پلاٹ پر نیز منطبق کہانی پڑھ کر ہم کچھ ایسے شاکر تھے جیسے اسٹریم میں موجود تماشا یوں گوئی اسٹار پیشیں کو صفر پر آوث ہوتے دیکھ کر سانپ سو گھ جائے۔ زندگان کافی امید لیکن ٹاہت ہوئی۔ کاشف زیر کہ شامت اعمال میں ایڈ و پیجر، تحریل سب لوازمات تھے لیکن شایی اور تیمور کی مشہور زمانہ بے ساختہ بونگیاں بڑی میں کیں ہم نے۔ بہر حال عمدہ نہایت لا جیکل ایکشن اور پنڈت کردار نگاری کی بدولت یہ رنگ پہلے رنگ سے بازی لے گیا۔ اوارہ گرد میں دھوان دھار ایکشن اور جواری میں اوات کا سیزن چل رہا ہے۔ اسٹریم کی آمد نے ہمارا آغاز میں کیا گیا تبرہ درست ٹاہت کر دیا کہ ناول جلدی میں الاقوای تاعیر اختیار کرے گا۔ شارت اسٹریم کے خان نمبروں رہیں۔ جیکے اور تمدنی طور پر تاریک لندن کی مظہر نگاری نے کیا خوب سماں باندھے رکھا۔ یہودیت، ازل ہی سے سازشوں اور خوزیزی سے بھاتا تھا آئی ہے۔ ڈاکٹر ایڈ و روڈ پر لیک شروع ہی تھے کنفرم تھا۔ افسر دہ اختتام کے ساتھ یہ کہانی نا قابل فراموش ہے۔ مظہر امام کی محبت کا مارا بھروسی محبوتوں، تھہ آرزوں اور دھورے ملن کی زردست داستان۔ عورت قرنوں سے مجبوری، روایتیں اور مصلحتوں کی بھلی میں پہنچنے تھے کی دفہا رجا یا کرتی ہے۔ گول مال نے بہت دماغ چھایا۔ بے جوڑ شادیوں کا شاخانہ زر خریدے مغربی ازدواجیات اور حفظ ماقدم نے جسی بے راہ رو معاشرے کی لٹکی کھول دی۔ آسان سک اور یوس بھی اچھی تھیں۔ جبی دیل میں احساس ہتھی۔ اری کی ثابت بیداری اور چکل کے طریقہ داردات نے کافی متاثر کیا۔ کتنوں میں وانیال بالیم کے ٹھوٹے بہترین تھے۔

رجیم یار خان سے مظہر سلیم کے قلم کی روائی "جنوری کا جاسوی کیم جنوری کو ہاتھ میں آتے ہی ہم نے وہی طمانیت اور سرشاری محسوس کی جو ایک بچپن میں پسند کھلوا ہٹنے پر محسوس کرتا ہو گا، سرور ق کو ہم نے ایک آرٹس کی نظر سے دکھاتو کئی پہلوٹنے محسوس ہوئے، تاہم ڈاکر صاحب کی کاؤش پر رکھتے ہیں کہاں؟ بہر حال بھوئی طور پر سرور ق اچھاں کا بالخصوص دو شیزہ کا گردن کھما کر دیکھنے کا انداز دل بھانے والا تھا، فہرست پر اچھتی ہوئی نگاہ ڈالی اور دندناتے ہوئے محفل نکتہ جنی میں پہنچنے تو آپ کے اداریے نے ہمارے قدم روک دیے، آہ... سانحہ پشاور ایک ایسا سانحہ جس نے بہت دن سکنی میں کیتے کی کیفیت میں رکھا۔ ہم چشم تصور سے اس وقت بھی پھولوں کے لائے دیکھ رہے ہیں، ہماری سماں میں اس وقت بھی کسی اجزی میں کے میں اور صد اؤں سے بچھل رہا۔ اداریہ پڑھ کر ہم نے دل پر لگے زخموں کے ہٹکے اوھرے محسوس کیے، مجیب بے بسی کی کیفیت میں ہم نے خطوط کی طرف توجہ دی۔ پہلا خط بھیس خان کا تھا جنہوں نے اپنے تھیں پوری کوشش کی کہاں کی صاحب توجہ ہو جائیں، پر کاظمی صاحب تو اپنے آفس میں قائموں سے نہردا آزماتھے، دوسرا خط ماریہ خان کا تھا، جنہوں نے ہمیں بھاری بھر کم خیم کتابیں اٹھائے، دکھا اور ان کے بقول کے وہ ہماری اردو دلی سے کنیوز ہو گی، ہتا گیں بھلا ہم غالب کے زمانے کے ہیں؟ ہمیں سعید ہم چشمی ذرا سیاں تھی کے نام بذریعہ میں بھتی ہیں لیکن ہم رف انداز میں پہلے قلم سے کاغذ پر لکھتے ہیں، تاکہ اطاکی غلطیاں نہ ہوں۔ اس بار تمام احباب نے ہمارے تبرے کو سراہا، ہم ٹکر گزاریں۔ باقی تبرہ نگاروں میں سید ٹکلی حسکن کاظمی، زو یا اعجاز اور انھار اعوان نے اچھا لکھا۔ کہانیوں میں سب سے پہلے امجد ریس کی مایا جاں پڑھی، لمبھان لوں میں پرداں چھٹی خاموش رومان کی اسکی پڑھ اسرا داستان جس نے ہمیں اردو گرد کے ماحول سے بیگانہ کیے رکھا، دوسرے حصے کا شدت سے اتفاق رہے۔ جواری احمد اقبال صاحب کی ایک تحریر جو ہم ترجیحی بنیادوں پر پڑھتے تھے لیکن اب کہانی کا جو دبے رغبی کا باعث ہے، رہا ہے۔ سرور ق کے رنگوں میں پہلا رنگ ادارے کے پر اپنے قلم کا رغلام قادر نے زندگانی کے عنوان سے لکھا، بھوئی طور پر کہانی اچھی تھی تاہم کئی واقعات تھیں کا باعث بنے، دوسرا رنگ شامت اعمال کاشف زیر کی اسکی تحریر جس نے ہمیں تادری اپنے سحر میں جذبے رکھا، شایی اور تیمور فل ایکشن میں نظر آئے۔ آوارہ گرد بھی زیر مطالعہ ہے۔

خانیوال سے محمد صدر معاویہ کی کراچی سے آمد "جنوری 2015ء کا جاسوی چھتارنگ کو طاہر نیوز اسٹیشن سے خریدا۔ خانیوال سے پڑھنا شروع کیا اور کراچی تک ترین میں پڑھتا آیا۔ تھی ہاں سات تاریخ بروز بدھ آپ کے خوب صورت شہر کراچی میں واقع ہی اے ایف بیس سرور میں پہنچ گئے پھر ایک اور جنہاں کا کہاں پنچاب میں بارش کی طرح برستی دھند چھوڑ کر آئے لیکن یہاں پر گری ہے اور ٹکے فل اپنیہ سے چلا کرسنا پڑتا ہے (ایسے شہر میں اس طرح تو ہوتا ہے) اس سرور ق کا ایک خوب صورت ماؤل، حسکن آنھیں، دلاؤز پر چھرے اور اس کی قیمت پر ایک فصہ و رچہرہ اور ساتھ 2015ء کے ساتھ لگئے شایی کو خوب صورت، ٹھی دیا گیا۔ اپنی محفل میں پہنچ جہاں بھیس خان خوب صورت الفاظ کے ساتھ موجود تھیں۔ ماریہ خان بھی اچھا تبرہ لے کر حاضر

ہو گی۔ عجی الدین اشغال اور احسان حربی اپنے تبروں کے ساتھ موجود تھے۔ جہلم سے نوال اور مثال کی جارت اچھی بھی ویکم نو دی جاسوی۔ زویا اعجاز بھی بہترین تبرے کے، ساتھ جاسوی کے صفات پر بر اجتہان ہیں۔ ہمایوں سعید بھائی بھی چکھے چھوڑتے ہوئے جلوہ افروز ہیں۔ ملک رحمت کی زحمت بھی اچھی تھی۔ سید ٹکلیل عبد الجبار، روی انصاری اور افتخار حسین احوال بھی بیٹ تبروں کے ساتھ موجود ہیں۔ باقی سب کے تبرے بھی بیٹ تھے۔ کہانیوں میں احمد ریس مایا بال مغرب کی دنیا سے اچھی اسٹوری لائے ہیں۔ اگلی قحط کاشدت سے انتظار رہے گا۔ مراد، سیم اور کی مختصر صفات پر لکھی گئی اچھی کہانی تھی۔ بوئی میں اوبرن نے مشکل میں پڑ کے نہ صرف خود کو بحال کروایا بلکہ قتل اور ڈکھنی کا جرم بھی پکڑ دیا۔ ذلتے والی میں جسی نے آخر کارڈ تے دار بن کر دکھایا، نہ صرف گمر والوں کے کام آیا بلکہ اپنی محبت کو بھی بالیا۔ آوارہ گرد میں شیزی جس جبو جیت کی اپنیڈ سے جاری ہے، مزہ آگیا۔ گول بال میں کاشت نے مجرموں کو پکڑ لیا اور انکے دن آخری دونوں لڑکوں کو بھی پکڑے گا اور اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ گھوے گا بھی۔ آسان سک گزارے لائق تھی۔ جواری میں فرید ایک سے نکل کر دوسرا مصیبت میں پڑتا جا رہا ہے۔ اب پہاٹنیں سکندر کہاں غائب ہو گیا۔ سرور ق کا پس ارمنگ کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ پایا۔ شامتِ اعمال میں تو مزہ آگیا کیا ایڈ و پھر تھا۔ برادری کا انصاف، حفظ ماقول، محبت کا مارا اور چنگل بھی اچھی کہانیاں جس۔

کراجی سے الیمنی کی دلی خوشخبری "آخر تبدیلی آئی گئی اور وہ بھی اتنی خوبی کو اور ولفریب تبدیلی۔ جیساں اپنے جا سوی ڈا جھست میں سرور ق سے آخری صفحے تک خوب صورتی ہی خوب صورتی، سرور ق لا جواب، کہانیوں کی ترتیب و تفصیل نہایت عمدہ، الغرض ادارے کی بھروسہ توجہ اور محنت کا منہ بولتا ہوت جنوری 2015ء اجا سوی ڈا جھست (آپ نے کچھ زیادہ ذوق نہیں بر سادے یہ؟ بہر حال نوازش!) پہلا تبرہ پڑھ کر ایسا گھوس ہوا زندانہ لباس میں سرداہ آواز، جی بلقیس خان، ماریہ خان کا جاسوی ڈا جھست پڑھنے کا دلفریب انداز و ماحدول پندا آیا۔ عجی الدین اشغال سید جی اور ستری بات، لو بھائی توال اور مثال خاندان میں اک اوپنی ہو گئی، اب خوش۔ زویا اعجاز آپ گواہی کاں ہیں یا وی آئی پی، پہلے یہ فیصلہ کر لیں۔ ہمایوں سعید آپ واقعی طاہرہ گزار کے اپنے تھے۔ طاہرہ جی کے پاس تو انہوں کے ذمیر لگئے ہوئے ہیں۔ ملک رحمت یہ زحمت کیوں کی آپ نے۔ عبدالجبار، روی... اور انصاری یہ کیا تصادم ہے بھائی۔ برادر افتخار آپ کشمیر آنے کی کلی دعوت، ہم عوام کو نہیں حکومت کو دیں تو فائدہ ہو گا۔ سید ٹکلیل صاحب آپ اور ڈیکسپر کاش ٹکسپر پر سب کے بجائے پورا درخت گرجانا تو آج فریض اتنی مشکل نہ ہوتی۔ ہارون صاحب آپ پہلے بات کی تصدیق کیا کریں پھر اپنے تبروں میں تذکرہ کیا کریں۔ سرائیکی ضلع راجن پور میں گل، بہت مکملتے ہیں شاید۔ مایا جاں سے ابتدائی۔ احمد ریس صاحب نے واقعی نئے سال کا تخدید یا۔ بیٹ جی۔ سیم انور کی مراد واقعی چونکا دینے والی کہانی تھی۔ مزہ ایک ہی کہانیوں میں آتا ہے جس میں اچاک کوئی نئی بات سامنے آئے۔ زندان میں غلام قادر صاحب نے واقعی لا جواب تحریر جوں کی۔ شامتِ اعمال، کاشف زیر ہمیشہ دور کی کوڑی لاتے ہیں، کہانی بہت متاثر کرن تھی۔ دو مارچ 2015ء میں، ہم جنی کٹیکری یعنی شادی شدہ لوگوں میں شمار کیے جائیں گے۔" (مبارک ہو، من کب میخا ہو گا؟)

واہ کیتھ سے بلقیس خان کی استدعا "جنوری کے شمارے کا سرور ق ذا کر صاحب کے حسن فن کا نمونہ ہے۔ سانح پشاوریہ میر اہناغم ہے میرے گمراہی بات ہے۔ یہ تو بھی، سوچا ہی نہیں تھا کہ سرفہرست آؤں گی حالانکہ بہترین تبرے عمداً لکھے ہوتے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں۔ میں کوہستان کے سیراں میں کوئی جانی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں چھمنی کا کی ہوں یا جو سماجی لکھتے ہیں یہ ہمارا پہلا خط ہے وہ آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ ایک چھپورے کو آئینہ دکھایا تھا اب چھپوندر کی باری ہے، تم پر یہاں نہ ہوتا۔ قدرت اللہ نیازی ایک تو آپ کا ہم اپنے نام کی طرح ورنی سے اور دوسرا آپ غیر حاضر رہنے لگے ہو۔ اب کہانیوں پر بات ہو جائے۔ انتہائی مہذب، قانون پندا، اعلیٰ انصاف اور نسلی برتری کی دعوے دار قوم کے گروہ چھرے سے نقاب نوجیت برادری کا انصاف۔ مریم کے خان کی طرف سے سال نو کا بہترین تحفہ تھی۔ طوائف کسی بھی معاشرے کا سب سے مظلوم طبقہ ہے اور اس کی عالی ہست ایتا عالی مرتبہ شہزادے سے کئی درجے بہتر تھی۔ ایڈر کے لیے کیا لکھوں؟ ایے لبگ دنیا میں اتنے کم کیوں ہیں؟ دوسرا من چاہی تحریر آصف ملک کی ذمے دار تھی۔ جی ویل کو مال کی قدر پر قدرت نے کامیابی عطا کی۔ تیسری دل پندا احمد ریس کی مایا جاں تھی۔ تھوڑی مشکل بھروسی کے مزاج پر پورا اترتی ہوئی سنتی خنزیر تھی اور آخر میں جاری ہے دیکھ کر کوافت ہوئی۔ مراد، بوئی، زرخید عمدہ تحریریں تھیں۔ حفظ ماقول سیر کوسا اسیر بجد گول بال، آسان سک اور محبت کا مارا گزارے لائق تھیں۔ آخری رنگ کاشف زیر کا خوب جما۔ شایی ان اور تیمور لانگ آؤٹ۔ ذا کثر صاحب کی آوارہ گرد میں شہزادی وزیر جان کا بیٹا نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ کا لیق شاہ سے کیا رشتہ ہے یہ آئندہ اقسام میں واضح ہو جائے گا۔ جواری کے تاریخ کا انجام تریب لگتا ہے لیکن نورین ابھی تک منظر سے ائمہ ہوئی۔ آخر میں گزارش ہے کہ میری بہن یکار ہے قارئین کرام ان کے لیے دعا کریں۔"

عرفان راجہ گوجرانوالپنڈی سے لکھتے ہیں۔ "جنوری 2015ء کے شمارے میں سرور ق کا چہرہ تو بھوثی پارلر کا نکال ہے جبکہ گردن خاہر کر دی ہے عمر کا سورج مغرب کی طرف محو سفر ہے۔ باقی صفحہ وجاہت سے ملک دو افراد جاسوی کے روایتی انداز میں نظر آئے۔ مغل کا ابتدائی موجودہ حالات پر بھی تھا۔ بلقیس خان کا انداز پندا آیا۔ ماریہ خان کا شاعر ان تبرہ بھی منفرد تھا۔ عجی الدین اشغال اور احسان حربی رنگ جھاتے نظر آئے۔ شاداب گل، ماہتاب گل اور رویا اعجاز بھی مغل میں اپنی آراء پیش کرتی نظر آئیں۔ ہمایوں سعید اور ملک رحمت اپنے کیسر عباسی کو جیزتے نظر آئے۔ مغل کا تبرہ بھی بھروسہ تھا۔ بشری افضل بھی مختصر نویسی کے ساتھ موجود تھیں اور افتخار حسین، تصویر الحین، انعم ریاض، ماہابیمان، شوکت شہریار، عبادت کاظمی اور طاہرہ بگزار کی مدرس ہوئی۔ حاضری دیس جلدی سے سب۔ آوارہ گرتوں قطع بھی تیز رفتاری سے مزین رہی۔ یا اور اپسکیزم کے گمراہ اور کہانی دلچسپ موز اخیار کر گئی۔ جواری اختتام کی طرف گامزن ہے۔ تاریخ اور خاور کا مصر کہ موقع ہے بہر حال جواری کے صفات پر طاہر جاوید مغل کے شاہکار کا انتظار ہے۔ زندگی میں پرانے مصنف غلام قادر نے ایک لڑکی کو بھادری کا مظاہرہ کرتے دکھایا لیکن کہانی مختصر ہونے سے تھکی باقی رہ

گئی۔ ابتدائی صفات اس مرتبہ امجد ریس کے شاہکار مایا جال سے پُر واقع تھے۔ پال مارچ کی گشٹی، جنی اور مارک کی ٹکڑے وو، فریج کی تحقیقات اور سنی خیز ایشن سے بھر پور کہانی کے دوسرے حصے کا شدت سے انتظار ہے۔“

ماریہ جہا نگیر، بکیر والہ سے لکھتی ہیں ”جاسوی سے میرا علیق تقریباً تین سال پڑا ہے۔ اس سے پہلے چاچو اور ماموں سے مانگ کر پڑھا کرتی تھی لیکن نہ لکھنے کی جست پہلی بار کر رہی ہوں چونکہ میں آج کل فارغ ہوں لہذا میں نے سوچا کہ آپ سے آدمی ملاقات کرنی جائے۔ درحقیقت لکار ہی میری جاسوی ڈاگجسٹ سے واپسی کا اصل سبب ہے۔ میں نے صرف اسی کہانی کی وجہ سے باقاعدگی سے ڈاگجسٹ پڑھنا شروع کیا۔ جس ماہ لکار نے ساتھ چھوڑا، میں نے اس ماہ کا ڈاگجسٹ مزید پڑھای تھیں کیونکہ بقول ناصر کاظمی۔

وہ شہر میں تھا تو اس کے لیے اوروں سے بھی ملتا پڑتا تھا

خیراب لکار کی کمپ آدار گرد کے ذریعے پکھ کھو ہو رہی ہے۔ جواری بھی اچھی جا رہی ہے اور باقی سایلے بھی اچھے ہیں چونکہ میرا خط لکھنے کا پہلا تجربہ ہے لہذا مجھے صحیح طریقہ کا معلوم نہیں ہے لیکن اگر آپ محفل میں جگہ دے کر شکریے کا موقع دیں گے تو عنایت ہو گی اور ہاں انکل جی مجھے شاعری سے، بہت لگاؤ ہے لہذا آپ جاسوی میں شاعری کا بھی کوئی سلسلہ شروع کیجیے۔“ (اس کے لیے نام پاکیزہ شائع کرتے ہیں آپ وہاں طبع آرمائی فرمائیں)

ڈن، اس اعلیٰ خان سے سید عبادت کاظمی کی شمولیت ”نئے سال کا جلگا تاہو اشارہ سات تاریخ کو ہمارے ہاتھوں میں آیا اور ہم نے قلم اٹھایا کہ بھر کہیں، ام بلیک لست میں نہ آجائے۔ سال نو کا پہلا سرورق بہت شاندار تھا۔ حسینہ کا بیچھے کی طرف مژہ کے دیکھنا کسی اپنے کی یاد دلا گیا، ساتھ میں غالباً ہمایوں صاحب کوہ پیانی کی کوشش کر رہے تھے۔ خیراب نو کا سرورق دل کے تارچہ جیز کیا۔ بقیس خان نے میدان فتح کر کے پر جنم لہر ادیا و کڑی اسٹینڈ پر۔ بیری طرف سے بارک باد جوول کریں۔ ماریہ خان کا تبرہ چھاتھا۔ سید الدین تم تو میرے اپنے سید بھائی ہو یاد رکھا کرو۔ ماہ تاب گل آپ کی غیر حاضری نوٹ کی ہم نے گھر آپ نے ہمیں بھلا دیا؟ زو یا اعجاز دنیا کے دستور کو جاسوی کے دستور نہ بنا گیں تو اچھا ہے۔ کیا آپ دو ماہ جاسوی نہ پڑھیں تو کیا آپ بھول جائیں گی جاوسی کو۔ نادر بھائی آپ کی ای کی ذمہ کا فسوس ہوا اللہ جنت فصیب کریں۔ سید علیل کا گل آپ کا تبرہ پڑوں کے بغیر ادھورا لگتا ہے۔ روی النصاری بالکل ہمیک کہا آپ نے۔ بشری افضل اچھی تھی آپ کی آمد۔ روشنین بلوچ آئی گر بیک لست میں؟ تفسیر عباس کہاں ہو بھائی؟ اب تھے ہم کہانیوں کی طرف۔ سب سے پہلے آوارہ گرد پڑھی۔ وزیر خان اور میریم کا کوئی رشتہ لگتا ہے آپ میں۔ خانم کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ ٹریا کی اچانک آمد حیران کر گئی۔ جواری معدودت کے ساتھ بور کر رہا ہے۔ مر سے بعد شای اور تیمور کی انتہی نے خوش کر دیا۔ مشن کا میا ب رہا۔ ابتدائی کہانی اچھی تھی۔ بھائی سب سے زیادہ مظرا امام کی محبت کا مارا نے تاریخ کیا۔ واقعی محبت انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔“

محمد ہمایوں سعید کی بنوں سے حاضری ”جاسوی نئے سال کے تیرے دن بیوں ملا جیسے بخارے کو گمرا۔ کافی ونوس کی اداہی کی کٹافت کم ہوتی محسوس ہوئی۔ اداریے میں انکل نے پشاور واقعے کا ذکر کر کے زخم ہرے کر دیے۔ انسانیت کے ہاتھ پر ان دھیوں کی درندگی دیکھ کے انسانیت میں بھر کے شرمندہ ہوئی ہوگی۔ کاش سیاستدانوں سے زبردستی منتظر کرائے گئے آری کوئی اس ان درندوں کو وہ عبرت اک سزا ہمیں دیں کہ ان ماوں کے دلوں کو کچھ سکون۔ ملے۔ (ان شاء اللہ، ایسا ہی ہو گا) ایک افسوس ہاک خبر ہے کہ فیض کی دوستیوں کی وجہ سے چینی نکتہ چینی میں۔ سے بکھر نکل گیا ہے۔ بس چینی ہی چینی رہ گئی ہے۔ بیونکہ اب رواداری میں سب کی وادہ وادہ کرنی پڑتی ہے اور سارے تبرے مصنوعی سے ہو گئے ہیں۔ بقیس خان، آپ نے سرِ عام مجھ پر قربان ہو کر نابت کر دیا کہ آپ بہادر پہمان ہیں۔ ماریہ خان آپ کا ہمارے مزاج آشانہ ہونے کا فسوس ہمیں بھی افرادہ کر گیا۔ لیکن یا اچھی بات نہیں کہ آپ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ان سے ہماری داستانیں سختی ہیں، ہمیں سنائی غلط بھی ہو سکتی ہیں۔ (تو فیض بک پر پوری تھا آپ خود سنا دیں) ماہ تاب گل جی ہم آگ کے دریا میں ڈوب کے جانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ فائزہ گلزار آپ نے دلکش اور پرکشش عہمیں کہا یا ہے رے تبرے کو؟ کاملی صاحب نے تبرہ روشنی سے منفرد لکھنے کی کامیاب کوشش کی اور بیوں اپنے تبرے پر تمن لفظ وصول کرنے کا خطرہ بھی ٹال گئے۔ بشری افضل کا تبرہ ہمیشہ ابھن میں ڈال دیتا ہے جو پہلے آفریدی کی طرح جارحانہ کھلیتی تھی نہ جانے اب کیسے مصباح بن گئی ہے؟ اختار برادر دس چھوٹا نہ کریں ہم آپ کو بھی تبرہ نہ لکھنے کے گر کھا سکتے ہے بغیر فیض کے۔ ملک رحمت آپ اتنا شرمندہ مت ہوں۔ کون سا کسی سے ادھار مانگا ہے کبیر عالیٰ کی چکیاں ہی تو ہیں۔ وہ ہمیں ہی ایسے کرٹلے کے بچے بھی سمجھی کام کرتے تھے اسی لیے انہوں نے انکل سیانے رکھ لیے۔ زو یا اعجاز صاحبہ چونکہ اس بارہ مہان خصوصی نہیں تھیں۔ اسی لیے بہت آہستہ آہستہ آنے کے باوجود انہیں محفل کے درمیان میں نہیا کیا اور شیخ رشید جنات و قوت ملک طلب کا۔ (خطہ طپڑتے اور ایڈٹ کرتے ہوئے ترتیب کو بذریعہ نہیں رکھا جاتا۔ جو پہلے ہاتھ آگیا، وہ پڑھ لیا گیا۔ شاید اب آپ لوگ کسی تبرہ نگار کو تقدیم کا ہدف نہیں بنا گیں گے) کاشت زیر نے سال کے گفت سیست حاضر ہوئے، شای اور تیمور کے ساتھ۔ جو ہمیشہ کی طرح گھونسے جاتے ہیں اور ہمیشہ کی طرح ملک میں پھنس جاتے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح فدا ہونے کو نیاز رکی اور ہمیشہ کی طرح اس صیبت سے زندہ سلامت نکل آنے والے شای ایڈٹ تیمور۔ بس نواب صاحب کے ہاتھوں گوٹھا نہ ہو سکی اس بار۔ سرورق کی ہمیں کہانی نوک تین سکن پر مشتمل تھی۔ جس کا نہ سر بکھ آیا نہ بھر، نہ مقصد۔ کتنی سنی خیز اور جاندار ہوا کرتے تھے سرورق کے رنگ۔ منفرد کہانیاں درآمد کرنے والے امجد ریس نے اس دفعہ بھی تاریخ کیا۔ ما جاں انتہائی تیز رفتار اور جان لیوا سپنچ کی حامل کہانی یاد گار رہی۔ مظرا امام کی محبت کا مار، اجاسوی کے مزاج کی کہانی تو ہرگز نہیں تھی۔ یہ تو سیدی می سادی لو اسنوری تھی۔ چکل میں ان شور نس کہانی نے جیر اللہ کو قابو کرنے کا شاندار پلان بنایا۔ واقعی ہرشہ زور کی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔ زرخیز میں محبت کے مارے ڈیوڑ پر بہت رحم آیا۔ ذمے داری میں جسی کا اچھا کروار اور احساس ذمے

عبدالنفار زادہ ایک آباد سے لکھتے ہیں ”سرد نہندی ہواں کے ساتھ، شدید سردی میں تعلیمی صوریات سے وقت نکال کر جب میں جاسوی خریدے۔ گیا تو وہاں سے دو گھنٹے انتقال کرنے کا مایوس کن جواب ملا۔ دو گھنٹے تک سڑکیں ناپتے جب دوبارہ گئے تو آخر کو جاسوی کے درشن ہوئی گئے۔ سرورانہ بھیش کی طرح اچھا ہی نگاہ کہانیوں پر سرسری نظرڈالنے کے بعد احوال میں اس امید، تھیں کے ساتھ جھانٹا کہ میرا پہلا خط پر اتنا رشتہ، جاسوی۔ کے لیے پرانا پیار ضرور شامل احوال ہو گا پر اپنا نام بلیک لست میں دیکھ کر کافی مایوسی ہوئی۔ نئی منکوں کے ساتھ کہانیوں پر تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں۔ یوں تو سارے ہی ڈائجسٹ بہت اچھی کہانیوں سے مترین ہوتا ہے میں قطودار اور مغربی ہمانیاں بہت شوق و ذوق سے پڑھتا ہوں۔ کہانیوں میں نمبر ایک پر مغربی طرز کی کہانی امجد ریس کے قلم سے مایا جائی گی۔ کہانی نے شروع سے لے کر آخر تک اپنے سحر میں جگزے رکھا۔ اکلی قحط کا شدت سے انتقال ہے۔ سلیم انور کی مراد، آصف ملک کی ذلتے دار، مریم کے خان کی برادری کا انصاف اور عمار آزاد کی گول مال بیٹھ آف دی سٹھنے تھیں۔ قحط وار کہانیاں بھی اچھی جا رہی ہیں۔“

سرگودہ میں اسد عباس کا انتباہ ”5 جنوری کی دھنڈ آلو دشام کو جاسوی کا دیدار نصیب ہوا۔ نائل پر انکل سیانے مری کے پہاڑوں پر مستیاں کرتے ظراہے۔ شاید نائل والی حسینہ کی بے رغی دیکھ کر خود کشی کا ارادہ کیا تھا۔ (لاحوال... کیسی باتیں کرتے ہیں؟) خطوط کی محل میں حاضری دی۔ پہلا تبصرہ بلیس خان کا تھا۔ ماریخان شاید احمد اقبال کے ہیرو سے متاثر ہو کر کافی پینے لگ گئی ہیں، بقول شاعر

میں نے ”لی“ کر دیجی ہے۔

اچھا تبصرہ تھا۔ اہتاں بگل زیادہ تو دوسروں کے تبصروں پر ہی تبصرہ کرتی رہیں۔ زویا اعجاز، ہمایوں سعید خان، گلیل کاظمی، بشری افضل اور افتخار حسین اعوان کے تبصرے اچھے گئے۔ کہانیوں میں سب سے پہلے کاشف زبرد کی شامتِ اعمال کو دعوت دی۔ پرانا موضع گھر نئے انداز کے ساتھ۔ متاثر کن تحریر تھی۔ تاہم تو شی کی کمی محسوس ہوئی۔ دو ایسی پہلے صفات کا رخ کیا۔ مایا جال ابھی تک کہانی تھی ہے۔ تاہم امید ہے کہ دوسرے حصے میں یہ ایک شاہکار ناول ثابت ہوگا۔ برادری کا انصاف، سید دیوں کی مکاریوں پر بھی ایک نہایت عی مدد تحریر تھی۔ تھوڑی سی بھسن ہوئی، گروپ کی تمام لاکیوں کے ہام نہتے جلتے نہ۔ گول مال کاٹ کی خوش قسمتی ری تحریر کے ساتھ ساتھ تمام بھرم بھی اس کے ہاتھ لگ گئے۔ جواری کی قحط اس پارکو خاص متاثر نہیں کر سکی۔ شاید احمد اقبال صاحب کی خود بھی دلچسپی کم ہو گئی ہے۔ چکل میں جبر اللہ عورت کے چکر میں پھنس کر مارا گیا۔ کہانی کا انجام تو فتح سے ذرا مختلف تھا۔ سرورق کا پہلا رنگ غلام قادر صاحب کے نام رہا۔ کہانی کچھ مختصر تھا ہم اپنا ارش چھوڑ گئی۔ غلام قادر صاحب سے گزارش ہے کہ آپ لبے عرصے بعد آئے ہیں۔ اب کی باراتی بھی غیر حاضری مت کیجیے گا۔“

ذیرہ اسماعیل خان سے رزاق شاہد کو ہلکی ای میل ”آداب عرض اجمنی نکتہ جمنی میں میری یہ اولین شرکت ہے تاہم جاسوی و سمس

ڈائجسٹ کا ایک دست سے قاری ہوں اگرچہ پوچھیں تو اب ان دونوں موثر جرائم کا وہ مزہ نہیں رہا جو بھی ان کا طرز امتیاز ہوا کرتا تھا۔ سال تو کاتاڑہ شمارہ دیکھا تو سرورق خوش نہایت گھر سرورق کی اولین پہلیکش زندگی کر سارا جوش و خروش صابین کی جماگ کی طرح چینچے گیا۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر انتہا کرتا ہوں کہ پلیز نئے رائٹرز کو موقع دیں۔“ (بہت کوشش کی جاتی ہے لیکن نئے مصطفیٰں پلاٹ کے بجائے دھواں دھار مار دھاڑ، بازاری زبان اور اخباری خبروں پر زیادہ محصار کرتے ہیں۔ نئے ناموں کی اچھی کہانیاں بھی گاہے بگاہے آتی ہیں جو شائع ہوئی ہیں)

کرامی سے ایم کے احساس کے جذبات ”جنوری کے سرورق کو غور سے دیکھنے پر یوں محسوس ہوا ہے جیز عالم پہلے سال کی ہماری بے بھی پر مسکرا رہی ہو، ہم حسینہ عالم سے نظریں چڑھاتے ہوئے پہنچنی نکتہ جمنی میں جہاں ہارون بیرس، افتار اون، ملک، محنت اور بھی کچھ دوستوں نے مجھے یاد رکھا اور میرے تبصرہ کو پسند کیا۔ آپ لوگوں کا شکر یہ۔ آپ چلتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ عبدالرب، بھمنی کی آدارہ گرد بہت عی تجزیہ جارہی ہے، یہ بھمی نہیں آیا کہ اگر وزیر جان شہری کا والد ہے تو پھر اس نے شہری کو مارنے کا حکم کو گھرد دیا۔ جوارن کے لیے دل سے دعا ہے کہ جلد سے جلد ختم ہو جائے، فضول مکالموں اور بے مصرف طوالت نے کہانی کا رنگ ہی اڑا کر رکھ دیا ہے۔ منظر امام کی محبت کا مارا ایک بہترین اسپورٹ تھی، غزال نے زمان کے نام کو بھیش کے لیے خود سے جوڑ کر اپنی محبت کو امر کر دیا۔ کاشف زبرد کی شامتِ اعمال میں شایمی اور یہ تو پھر ایک نیا ایڈ پچھر لیے نظر آئے۔ غلام قادر کی تحریر بھی بہت شاندار تھی، معاشرتی نامہواریوں میں ستارہ نے جس طرح اپنا حق حاصل کیا، وہ قانونی طور پر تو قابل گرفت ہے گرل لم سہتا بھی قلم کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ جمال دستی کی چکل کچھ خاص نہیں گی۔ باہر یعنی کی تحریر آسامان تک مغربی معاشرے کی عکاسی کرتی ہوئی واقعی ناقابل قبہم کہانی تھی۔ آخر میں مغل صاحب سے درخواست ہے کہ جاسوی میں جلد سے جلد اپنی نئی اسپورٹ کے ساتھ جلوہ گر ہوں۔ آپ کا بہت انتظار ہے ہمیں۔“

جامع پر سے عثمان راشد کا عزم ”جاسوی فوتارن کو ملا، دیر آئے درست آئے، جاسوی لائے اور صائب مطالعہ ہوئے۔ سب سے پہلے آپ نے میلاد مقطوف کا جشن منایا، بجان اللہ مگر اس دل دھلادینے والے وائے کی خبر نے رلا دیا۔ مخصوص بچوں کی جانوں کی ان کو فکر نہ ہوئی، کوئی عالم بھی کبھی ترس کھا جاتا ہے۔ کہانیوں میں آئے تو مرا دسے شروع کیا۔ اسپورٹ خوب ہے۔ بوئس نے چکے چھڑا دیے۔ زر نزید نے سوچنے پر مجبوڑ کر دیا۔ دل کو رلا دینے والی کہانی محبت کا مارا نکل۔ چکل نے بیش دیا کہ حسینوں سے بچو۔ حظظ ما تقدم نے دماغ کے اسکریوڈ میلے کر دیے۔ آسامان تک میں ڈاکٹر نوکٹ کے

ٹوکٹ پر خوب دل آئیا۔ زندگی میں محبت جملکی۔ خوب محبت کی ہے۔ شامت اعمال نے دیوانہ کر دیا۔ شامی کے علاوہ یا سرخوب رہا۔ اس کی سوچ زیارتی تھی۔ اس کے علاوہ باقی تمام کہانیاں بھی خوب تھیں۔ سرورق اس دفعہ زیادہ جاذبیت والا نہیں تھا۔ امید ہے کہ یہ خط آپ سک پہنچے اور اسے آپ ڈائجسٹ میں جگد دیں۔ پہلی بار کوشش کی ہے۔ آگے اور محنت کریں گے۔ ”(خط میں اپنا نام لکھنا بھول گئے، لفافے پر ہم پڑھنے میں آیا ہے)

کراچی سے اور لیکس احمد خان کی پسندیدگی ”جنوری 2015ء کا جasoی 2 جنوری کو گلیا جوڑا کر صاحب کی محبت کا منہ بولتا ٹھوت تھا۔ اہل وطن اور آپ کو اور تمام نازاریں جاسوی کوئے نئے سال کی پُر خلوص مبارک ہا۔ مغلل میں نئے و پرانے سب دوستوں کی شرکت بھر پور تھی۔ آوارہ گرد کا میراںی سے جاری ہے اور شہزادت سے نئے نئے صدر کے سر کر رہا ہے۔ دلچسپی برقرار ہے۔ جواری بھی چل رہی ہے۔ تیری کہانی امجد ریسی کی مایا جاں تھی۔ ایک عمدہ تحریر تھی مگر آخر میں باری ہے ویکھ کر تھنہ کافی رہی۔ مراد میں بھی لطف آیا۔ مراد کسی کی جان لے کر برآئی۔ بوس بھی اچھی تحریر تھی۔ گول مال بھی اچھی لکھی۔ آمان بھک بھی دلچسپ تحریر تھی جس میں سے بھائیوں نے اپنے بھائی کی دولت کی ہوں میں اسے زندگی سے محروم کر دیا۔ برادری کا انصاف، بیویوں کے نسلی تعصب کی مغلی تصویر نظر آئی۔ حفظ ماقوم میں ایکلی نے بے وفا شوہر سے بڑا بھیا ایک انتقام لیا اور اسے موت سے ہمکنار کر دیا۔ محبت کا مارا میں محبت نہ کام رہی۔ یہ محبت کا الیہ ہے۔ آخری صفات کی دونوں کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ زندگی میں جب تا ورنہ اس تھمال ہوا تو وہ ایسا کردار بن گئی کہ اس نے بد معافی کو بھی مات دے دی۔ شامت اعمال تو بہت اچھی لگی جو کاشٹ زیر کی جانی پچھائی تحریر تھی۔ کاشٹ زیر کی تحریر میں جادو ہے، ایک تسلیم ہوتا ہے اور بلا وجہ بھی تمہیدوں سے کام نہیں لیتے اور کہانی کا انجام بھی اچھے انداز میں کرتے ہیں۔“

پشاور سے طاہرہ گلزار کی جوابی کارروائی ”جنوری 2015ء کے جاسوی کا سرورق بہت زبردست لگا۔ یہ خوب سورت کی پری آنکھوں میں اچھے دنوں کی امید لے کر پہنچے 2014ء کو خدا حافظ کہہ رہی ہے۔ پاکستان کا دلخون غصے میں دانت کاٹ رہا ہے اور بے چارے یعنی عوام اچھی امید کی رہی سے 2015ء کے پہاڑ کو سر کرنے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ پاکستان کے عوام کی مشکلات ختم کرے اور پاکستان دن دگنی رات پیشی ترقی کرے۔ انکل آپ کراچی میں نیچے ہیں اور ہم دیکھیے کہ ہم سے صرف 20 منٹ کے فاصلے پر یہ دھیان قلم ہوا۔ ہماری آرمی اب جو قدم اٹھا رہی ہے کاشٹ یہ 10 سال پہلے اٹھا لیتے چلودیر آئے درست آئے۔ ماریخان آپ کی طرح ہمارے سر مک میرے بھی فیورٹ ہیں۔ ادارے والے واقعی ان سے لکھوا کے ہم سب پر احسان کریں۔ (اب وہ خود ہی نکھنے پر راضی نہیں تو کیا کریں؟) مجی الدین اشناق بھائی دلگی بھی اپنے ہی کرتے ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی احسان سحر کا تبصرہ بھی زبردست رہا۔ نئی تہرہ، نگارنوال اور مثال و یکم ذییر۔ شکر پر ماہتاب کل آخر آپ نے بھی میری تعریف کریں۔ زویا اعجاز میں بھی سیکی مانگتی ہوں کہ ہم سب پہلے مسلمان پھر پا کرنا ہی اور پھر پھان یا پنجابی ہیں لیکن میرے بھتھے خود ماخت نہیں تھے اور نہ میں وہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کالا کھلا کھلا کھٹکر ہے مجھے کوئی دہم نہیں، آپ کا تبصرہ ہمیشہ لا جواب ہوتا ہے۔ فائزہ گلزار آپ سرپردو پہنچاں کے بیرا تبصرہ پڑھا کریں تو سرے نہیں گزرے گا۔ ویکم میراں میر آتے رہیے گا۔ محمد صدر معاویہ! ہبائی آپ کے حادثے کا سن کے دل بہت دلگی ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو جلد سخت یا ب کرے آئیں، مردان کے ہاروں ہجرس کا تبصرہ بھی اچھا رہا۔ ناوریاں میر اخط پسند کرنے کا شکر یہ یہ نیک ان باقی لوگوں کو بھی دوں۔ بھائی آپ کا تبصرہ بھی لا جواب ہوتا ہے۔ سب سے پہلے عبد الرہمن حسین کی تحریر آوارہ گرد پڑی، بھٹی صاحب تعارف کے محتاج نہیں۔ باپ بیٹے کی انوکھی ملاقات، باپ نے بیٹے کو شوت کرنے کا حکم دیا اور خود پاور کے ہاتھوں گرفتار۔ نئی دریافت شریا، اب آئے گا ایکشن کامزہ اور شہری مقابلہ کرتے کرتے ایک بار پھر مشکل میں پڑ گیا۔ احمد اقبال صاحب کی تحریر جواری میں حوالی پر حلہ، انور اور سلام اختر ایک بار پھر فیکے پتھر کی طرح انگو ہو گئے۔ نادر شاہ کی ایک بار پھر انٹری، اس بار کی قطع اچھی لگی۔ اس بار مریم کے خان ایک بہت ہی زبردست کہانی لے کر حاضر ہو گیں۔ مغربی معاشرے کی عکاسی کرنے والی تحریر برادری کا انصاف۔ یہ بیویوی اور برطانیہ بہت ہی خسیں قوم ہیں۔ ویلڈن مریم۔ خان۔ سرورق کی دوسری کہانی شامت اعمال میرے فیورٹ رائٹر کا شف زیر کی تھی۔ اس بار بھی شامی اینڈ ٹیور کا ایک زبردست ایڈ و پچھر سائنس آیا۔ کاشٹ بھائی! 3 جنوری کو آپ کی ساگرہ تھی، آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ سرورق کی پہلی کہانی زندگی میں کاشٹ نہیں غلام قادر کی شاندار تحریر، ستارہ نے ان مردوں کے معاشرے میں ہی اپنا حق لیا اور آخر میں عزت کی زندگی پائی لیکن ہر عورت ستارہ جیسی خوش قست نہیں ہوتی۔“

مالا کھنڈ سے صبا گلر کی تقدید و اعتراض ”کافی عرصے بعد اگر اجازت ہو تو آپ کے یقینی صفات پر اپنے خیالات تحریر کر دوں؟“ امید ہے کہ آپ سمیت کسی قاری نے میری محسوس نہ کی ہوگی۔ (بالکل کی ہے، یہ بدگمانی کیوں؟) شکایت کسی سے نہیں۔ سب خوش رہیں۔ اپنے خرچے پر۔ یہ خان نے اچھا لکھا۔ ماریخان کا خط بھی زبردست تھا۔ زویا بھی خوب لکھا آپ نے وی آئی پیز کے حوالے سے۔ جس کی لائی اس کی بھیس۔ ملک رحمت صاحب نے کیا ہی اچھا تجزیہ پیش کیا، سرورق سے متعلق۔ بصیریہ بھی قاتون پاکستان کی طرح بخشن خانہ رُری ہے۔ بھیل کاظمی صاحب اساری دنیا گھوم کے دیکھ کے، پڑھ کے اور سن۔ یہ آؤں، دلچسپی اور مشاہس آپ کے خط میں ہی ملتی ہے، یہ چالپڑی نہیں۔ دلگر میں احسان سحر، ہماں یوں رو سیو اور انقاہر جسکن کے خطوط پسند آئے۔ سب سے پہلے اپنی نہایت ہی پسندیدہ کہانی جواری پر اک نظر..... انور کی ماں کی سوت نے سارا سیٹ اپ، خراب کر دیا۔ اگر اقبال صاحب انور کی شادی کو بے جا طوالت نہ دیتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچی۔ آجھا کہانی شاپینڈ ہی کیا کم تھی کہ اب روزینہ عرف رو بی کے تجوہ بھی بدلتے نظر آ رہے ہیں۔ کم از کم مجھے تو بھی لگ رہا ہے۔ خاور صاحب بھی غیر محسوس انداز میں حوصلہ افزائی فرماتے نظر آتے ہیں۔ ابتدائی لہماں بالکل پسند نہیں آئی، اس لیے اگلی قسط کے انتظار کا کوئی شوق نہیں۔ آوارہ گرد کے بارے میں اپنی رائے بخوبی رکھنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ہم نے کہہ دیا تو بہت سے لوگ ناراضی ہو جائیں گے۔ بہرہ ل، کہانی میں زیادہ کچھ ان پچھلے سالوں کے لئے۔ بالخصوص مرکزی کریکٹر۔ چھوٹی کہانیوں میں محبت کا مارا پسند آئی۔ رنگوں میں کوئی ایک بھی کہانی ڈھنگ۔ کی نہیں تھی۔ پہلا رنگ پھر بھی گزارہ کر گیا لیکن کاشٹ زیر صاحب نے اس دفعہ بکواس ہی لکھا۔ کہانی میں 99 پرسنٹ اندازی پن تھا۔ نو میٹس، باقی کہانیاں زیر مطالعہ ہیں۔ خدار اپنی میرے خط پر نہ چلا گیں۔ ”(اب تو خوش ہیں)

ہری پور سے محمد قاسم رحمان کا ٹکوہ "جاسوی 3 تارنخ کو لا۔ ٹائل ڈاکر انکل کی مہارت کامنہ بولتا ہوتا ہے۔ ماریہ خان بارش میں جاسوی پڑھنے کا مجھے بھی، بت مزہ آتا ہے۔ بھی الدین اشراق صاحب ادارہ ہمیشہ سے سماجی و معاشرتی مسائل کی نشاندہی کرتا ہے لیکن کیا ہم ان مسائل کو ختم کرنے کی کوشش کرتے اہل سوچے گا۔ دیے گئی قطرے قطرے سے دریافت کرتا ہے۔ محمد صدر معاویہ آپ کی محنت کے لیے دنائی گو ہوں۔ میاناوالی سے ملک رحت موسٹ ویکم ان جاسوی۔ آپ کا پہلا تبرہ بہت مزے کا تھا۔ نوال اور مشال، فائزہ گزار خوش آمدید۔ افتخار حسین، یہ ٹکن حسین، ہمایوں سعید اور زویا ایگاڑ کے تبرے قناعتک تھے۔ دیے آپ کو ایک بات بتاتا چلوں کہ 10 فروری کو میری برحدڑے سے ہے اور میں ترہ برس کا وینڈم مرد بن جاؤں گا۔ (دونوں کی مبارک، باد، ساگرہ اور وینڈم مرد بننے کی) کہانیوں کی ابتداء حسب معمول حسب روایت آوارہ گردے کی۔ شہزادی کی مادر دعاڑ بڑھتی جا رہی ہے۔ ٹریا کی صورت میں شہزادی کو ایک اور ہمدرول گیا۔ دیے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس اسٹوری کی کوئی کہانی نہیں ہے۔ بس ایکشن ایکشن اور پھر ایکشن۔ سرورق کر، پہلی کہانی زندگی ہے۔ بہت چھوٹی تھی اور اگر ستارہ کے ماں باپ ٹھرگئے تھے تو بھی اس کو طوائف بننے کی کیا ضرورت تھی۔ ایورنج اسٹوری ثابت ہوئی۔ کاشف زبیر نے شامی اور تیمور سے ملاقات کروائی۔ شامی اور تیمور کے کروار بہت مزے کے ہیں۔ محبت کا مارٹس غزال نے شادی کر لی اور زمان ہائھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا، حیرت ہوئی۔ حفظ مانقدم زبردست تحریر تھی۔ پہلی نے اپنے دوسرے بوانے فریڈ جوائے کو خود ہی سزا دے ڈالی۔ زرخ پر میں مجھے پہلے ہی ٹک ہو گیا تھا کہ یہ سارا ذرا ماسیلیا نے ہی رچا یا ہے۔ مراد نے فل انٹرٹھن کیا یعنی اختتام میں کورے دانت نے ڈیوڈ کو مارنا ہی تھا تو اس کی مدد نہ کرتا۔ باقی کہانیاں زیر مطالعہ ہیں۔ مجھے آپ سے ایک ٹکوہ ہے جو یقیناً آپ جانتے ہیں۔" (نہیں، ہم بالکل نہیں جانتے)

ہری پور ہزارہ سے محبوب عباسی کا حکم "نئے سال کا شمارہ خوش ہستی سے 4 جنوری کو ہی دستیاب ہو گیا۔ پہلی بار کسی چھٹی والے دن جاسوی کی دستیابی پر ہم حیران ہی تھے کہ سخت سردي میں ایک اجنبی لٹک نما آدمی کو 2015ء کا پہاڑ سر کرتے دیکھا تو حوصلے کی داد دینے نہ رہ سکے۔ بھائی جان شاید منفی ہازک کو متاثر کرنے کی سعی کر رہے تھے اور قیاس ہے کہ کامیاب رہے ہوں گے۔ کیونکہ اس بات کا اندازہ ہمیں یعنی موجود اس کے مقابلہ رو سیاہ کے ہاتھات سے 1۔۲۔۳۔ محفل یاراں نال بھاراں میں شریف لے گئے۔ جہاں واہ کینٹ سے بلقیس خان موجود تھیں۔ جن کے نام اعمال سوری احوال نامے سمجھتا اتنا ہی مشکل تاثبت ہوا جتنا میرا کی انگلش یا چھوڑھری صاحب کی اردو سمجھتا۔ باقی دوستوں کے تبرے بھی شاددار، مزیدار اور لازوال تھے۔ سب کو اپنے اپنے تبرے پر مبارک باد۔ کہانیوں میں سب سے پہلے شامتِ عمل شروع کی جانے پہچانے کرداروں پر مشتمل کاشف زبیر کا نئے سال کا گفتگو تک شامی، تیمور کی اصل نوک جموک کی کی تھی۔ اس کے بعد فبرایر یا آوارہ گرد کا۔ اس تحریر بھی ایکشن، ہرقل، سسپنس اور سنسنی تحریر کی کی ایک لمحے کو بھی نہیں محسوس ہوئی۔ شہزادا: ایک سپر ہیرڈ کا کردار نہ ہمارا ہے۔ جو اری بھی اب تحریر پر جمل پڑی ہے۔ جتنی تحریر سے کرداروں کا اضافہ ہوا تھا، اس سے کہیں زیادہ تحریر سے اس، میں کی آئی ہے۔ لگدا ہے احمد اقبال صاحب ٹھنی حتم کر دے سن۔ جمال دستی کی تحریر حسب سابق تھی۔ یعنی تارنخ نے پھر اپنے آپ کو دہرا یا اور ایک مختصر گرپر اڑ تحریر قارئین کے میں ذوق کے مطابق پہنچ کر دی۔ مریم کے خان کی کہانی برادری کا انصف شروع کی تو چاہی نہ چلا کب ختم ہو گئی۔ کہانی ہر لمحہ سے کمل تھی۔ سرورق کی پہلی کہانی زندگی ہے۔ جس کو جتاب غلام قادر نے تحریر فرمایا۔ جاسوی کے سرورق کے ساتھ ایک مذاق معلوم ہوا۔ مخذلت کے ساتھ گرپر اڑ تحریر کے اس رنگ کو پڑھنے کے بعد باقی رسائل سے دل اس تدریجات ہوا کہ کوئی کہانی پڑھی ہی نہیں گئی اور اب خط بھی صرف اس کہانی۔ لے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے لکھا ہے اگر زیادہ تنقید شائع نہیں ہو سکتی تو پھر خط ایڈٹ کرنے کے بجائے اس کو شائع ہی نہ کیا جائے۔ اگر خط لگتو پھر بغیر ایڈٹنگ کے۔" (آپ قارئین کے الفاظ و تحریر ہمارے لیے قابل احترام ہوتے ہیں... مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ تنقید و توصیف کرنا آپ کا حق ہے تو ہم بھی اپنے حصے کا کچھ حق رکھتے ہوں گے؟)

جنگ شی سے محمد مرتضی احتشامی کی پہلی جمارت "ایمید ہے کہ آپ کی محفل میں اس نذرانہ خلوص کو تھوڑی ہی جگہ جائے گی۔ عرصہ دراز سے دل ناداں کی خواہیں تھیں کہ جاسوی ڈائجسٹ کی اپنا بیت بھری محفل میں حاضری دی جائے۔ مگر ہمت قلم کا ساتھ دینے سے قاصر تھی۔ بلقیس خان فرام واد کینٹ کو دل سے مہر ک باد۔ شاداب گل اور ماہتاب گل کی گل کاریاں بہت پسند آئیں۔ زویا ایگاڑ صاحب کا تبرہ بہت زبردست تھا۔ ہارون ہبھر س جو میرے دوست بھی ہیں جانی بھی ہیدا ان کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد ٹائل پر نظر دوز ای۔ خاتون کو شاید۔ نئے سال کی آمد پر کسی کا انتظار تھا۔ ان کو ادھر ہی چھوڑ کر کہانیوں کی طرف بڑھے۔ مایا جمال احمد رئیس صاحب کی بہت ہی دلچسپ کہانی گئی، اگلی قسط کاشت سے انتظار رہے گا۔ مراد کہانی کے بارے میں اتنے کھوں گا کہ اسے شائع کرنے سے بہتر تھا کہ آپ.... خطوط کے صفات بڑھادیتے۔ (کیوں بھی؟) یوں کہانی بہت مزیدار تھی۔ اوپر بن نے بڑی کوشش کر کے اپنے اوپر لگنے والے اذمات سے اپنے آپ کو بری کروایا۔ ذمے داری کہانی ایک ایسے جو ان کی کہانی جسے گمراہ کے کام کا حق سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر جب گمراہ کی ذمے داریاں سنبھالیں تو بڑے احسن طریقے سے اسے سرانجام دیا۔ آوارہ گرد سلیں، وار کہانی بہت ہی تحریر قارئ کہانی، ایکشن سے بھر پور آگی۔ باقی کہانیاں بھی ممتاز تھیں۔ سرورق کے رنگوں میں کوئی خاص رنگ نظر نہیں آیا۔ پھر بھی پڑھ دیا۔ آخر میں امید کرتا ہوں کہ میری اس پہلی کا دوسری کو ضرور شائع کیا جائے گا۔"

ان قارئین کے اسائے گرای جن کے محبت نے شامل اشاعت نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر عمر ار ر، فاروق، جنگ۔ کاشف عبید کاوش، بگرام۔ ہارٹ پچھر، علی پور جتوی۔ سید اکبر شاہ اوگی، مانسہرہ۔ مرزاعبد الجبار روی انصاری، لاہور۔ اہم ساغر۔ پتھر اعرف بے قراری، نامعلوم۔

حایا جال

احمد سس

ما فیا کی ہوشیاریاں اور تباہ کاریاں... جیا ر بہتا لیو پانی اور زر کی حکمرانی ہے... اول تا آخر خون... خوف... یہ کذار تجسس اور پیم کروت بدلتے سچ، خم... ہرموز پر ایک نیا سچ، سوال اوپر سوال، موز در مون ہوس زر میں اندھے اور خونی کرداروں نے ایک ایسا جال بچھایا جس کی بھول بھلیک میں وہ زبرہ جمال و خوش خصال یور گم ہوئی کہ سچ کی تلاش میں نڈھاں ہو گئی... درد و غم اور خون آشام چیرہ دستیوں نے اسے گھائل کر دیا... انتظار و اسرار کی جا رکنی کی اس جان لیوا کھیل میں اس کے دل کی بات محتاج بیان رہی... اس کا پیار بھی تاب غم آزمات اڑا... لیکن پندار حسن کو ٹھیس نہ پہنچائی۔ لیو لیاں لمحوں میں پروان چڑھتی خاموش رومان کی یہ پُراسرار داستان جہاں جواب کی امید میں ہرموز پر ایک نیا سوال ابھر آتا ہے... انٹرنیشنل بیسٹ سیلر گلین میڈ کی پُرت جسس تخلیق جو قدم قدم پر سل جھتی اور الجھتی ہوئی الجھنوں میں قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے...

مغرب کے خزانوں نے قارئین کے لیے نئے سال کا ایک پروفیشنل تحفہ

ٹیورن۔

مارک کی آنکھ کسی نسوانی آواز سے کھلی تھی۔ اس نے خود کو اپنال کے بستر پر پایا۔ بظاہر یہ ایک نجی کراحتا۔ ایک ترک اس پر جھکی ہوئی تھی۔ شکر کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک عمر سیدہ ششم سفید کوت نما بس میں ہڑا تھا۔ وہ اٹالیں میں تیز تیز لبجے میں نر کے گفتگو کر رہا تھا۔

achaik مارک کی نظر جیک پر پڑی جود رو ازے میں کھڑا تھا۔

”کیا ہوا تھا؟“ مارک کی آواز میں کمزوری تھی۔

جیک قریب آگیا۔ ”بعد میں وضاحت کروں گا۔ ابھی تمہیں میڈ یکل ائیش کی ضرورت ہے۔“

”کم اسٹا، تم کیسے ہو؟“

”وہ پوچھ رہی ہے، کیا حال ہے؟“ جیک نے ترجمہ کیا۔

”سر میں چھوٹے چھوٹے وحم کے ہو رہے ہیں۔ کان میں باجے نج رہے ہیں۔ ذہن صاف ہیں ہے۔“ مارک نے کہا۔ تاہم اس کی نظر بدستور جیک پر گھی۔

ڈاکٹر نے ٹارچ کی مدد سے مارک کی آنکھوں کی پتلیوں کا جائزہ لیا،



”بظاہر موسکایا پچاس میں گتو چکی ہے۔ ان کی ترجیح ہے کہ بات ان کی شاخت تک نہ پہنچ جائے۔“
”دھماکے سے پہلے جیمنفر میری نظروں میں تھی۔“
مارک نے ساری بات بتائی۔

”تھان کا نمبر؟“
”میری جیکٹ کی جیب میں ہے۔“
جیک نے نمبر برآمد کر لیا۔ ”اور کچھ؟“
مارک نے فریجک میکال کے بارے میں بتایا۔
”یہ باتیں میرے علم میں ہیں۔ اس کا بیٹا ”فرکاپاس“ پر حادثے میں مارا گیا تھا۔“ جیک نے بتایا۔
”لیکن مجھے حادثے والی بات پر بیک ہے۔“
”ایک اور بات۔“ مارک نے اضافہ کیا۔ ”جیمنفر کا نویونا والا حادثہ بھی حادثہ معلوم نہیں ہوتا۔ کسی نے اس کی گاڑی کے بریک پیپر کیے تھے۔“
جیک کے تاثرات میں دیندی ادا نظر آئی۔

”ہم نے اسے کالی کی تھی، کنی بار... اگر وہ جواب دیتی تو ہمیں کم از کم اس کی لوگیشن کا اندازہ ہو جاتا۔ تاہم اس کا سل فون آف ہے۔ ہم کوشش کرتے رہیں گے کہ کب وہ فون آن کرتی ہے۔“

مارک نے سنجیدہ آمیز ٹھیکرے ساتھ کہا۔ ”تمہارے دونوں ایجنٹس نے میرے ساتھ رابطہ کیوں منقطع کیا؟“
جیک اچانک براہ راست سوال پر لمحہ بھر کے لیے گزبردا گیا۔ ”ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی۔“ عجلت میں اس نے بھونڈا جواز پیش کیا۔ مارک اسے گھری نظر سے دیکھ رہا تھا۔

”خاق مت کرو۔“ مارک نے ہاتھ ہلاکر اس کا جواب مسترد کر دیا۔

”انہوں نے ریڈ یو پر تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہے۔ پہاڑی عاقوں میں... اور اگر موسم بھی خراب ہو تو رابطہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کاڑی ملنے تک تو وہ تمہیں کھو چکے تھے۔ پھر بروف ہوٹ سے انہیں کیوں ملا اور وہ HQ بلڈنگ تک پہنچ گئے۔ تمہیں بچانے والے وہی دونوں تھے۔“ جیک نے قدرے تھیل کا مظاہرہ کیا۔

”جیک، وقت آگیا ہے کہ تم پوری طرح محلہ جاؤ۔“
”مارک، میں ہتاچکا ہوں کہ میں ایک حد سے آگے نہیں جا سکتا۔“ جیک کھڑا ہو گیا۔ ”اس دوران میں مجھے دیکھا ہے کہ یہ فریجک میکال کی حقیقت کیا ہے؟“

”رُک جاؤ، جیک۔“

بغض چیک کی اور اسی تھوڑا سکوپ استعمال کرنے کے بعد اٹالین میں پھر زیس کے ساتھ گٹ پٹ کرنے لگا مہر اس نے جیک سے کچھ کہا۔

”اس کا کہنا ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“
جیک نے بتایا اور ڈاکٹر کو دیکھا۔ ”گرازی ڈنور۔“ جیک نے کہا۔

”سبھر رہا ہوں، نوٹی پھوٹی جانتا ہوں... یہ مجھے پر گیو“ (حامد) سبھر رہے ہیں۔ ”مارک نے منہ بنایا۔“ ”ویسے حقیقی کنڈ بیٹھن کیسی ہے؟“

”ڈاکٹر کے مطابق چھوٹے موٹے زخم ہیں اور خراشیں ہیں۔ ایکسرے میں کوئی ٹکین نقصان و کھاتی نہیں دیا۔“ جیک نے لہا۔ ”تمہیں کیا یاد ہے؟“

”زوردار دھماکا کا ہوا تھا۔ میری کار نے آگ پکڑی تھی... پھر یہاں آنکھ ملی۔“ مارک نے کہا۔ ”تاہم میں نہیں سمجھتا کہ پہنچنے سے یادہ یہاں رکوں گا۔“

ڈاکٹر اور زس جا چکے تھے۔

”وہاں کیا ہوا اور کیوں ہوا؟“ مارک نے سوال کیا۔

”دھماکے نے HQ بلڈنگ کو بلے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا ہے۔ چھ اموات ہوئی ہیں جن میں پانچ پولس کے آدمی ہیں۔ ایک درجن سے زیادہ شدید زخمی ہیں۔ ریڈ یو روپورٹ کے مطابق زیر زمین پارکنگ میں فیول اسپورٹ ٹینک پھٹا ہے۔ یہ ابھی اندازہ ہے۔ فارنسک ٹیم کی چھان بیٹیں کے بعد ہی کوئی بات یقین سے گھا جاسکتی ہے۔ میری ذاتی رائے میں یہ بھی تھا۔“ جیک نے اختصار سے بتایا۔

”بھم؟“

”بلاسٹ اتفاقیہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے شبہ ہے کہ قصداً تحریک کاری کی تھی ہے جس نے کی ہے، وہ کیس کی تفتیش روکنا چاہتا ہے۔ آنتیش تو ہو گی لیکن نتیجہ نکلنے کے امکانات محدود نظر آتے ہیں۔ باڑی، ایوی ڈنیس اور دیگر متعلقہ اشیا عمارت میں تھیں اور دھاں اب کچھ نہیں ہے۔“

”لیکن کیوں؟“ مارک نے اعتراض کیا۔ ”کون تفتیش میں حائل ہو رہا ہے؟“
جیک کے چہرے پر تھریات کا سایہ تھا۔ ”فی الوقت ہمیں جیمنفر کی فکر کرنی چاہیے۔ تاہم تفتیش ہم دونوں کے مفاد میں نہیں ہے۔“

”ہم دونوں کون؟“

”موسکایا اوری آئی اے۔“ جیک نے جواب دیا۔

مايا جال

کہا پھر بولا۔ ”بھلی اور فون کا نظام موسم نے غارت کر کے رکھ دیا ہے۔“ وہ ان دونوں کو اپنے چھوٹے سے آفس میں لے آیا۔

”تم کہہ رہی تھیں کہ یہ کوئی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے جینی کو دیکھا۔

”میرا نام جیفڑ مارچ ہے اور یہ فرینک میکال ہیں۔“ جینی نے پہلے تعارف کرایا۔ قادر نے سر ہلا کر جواب دیا۔ جینی نے اختصار کے ساتھ برف سے دریافت ہونے والی جینی باڈی کے بارے میں بتایا۔

قادر نے شانے اچکائے۔ ”یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہاں اس قسم کے واقعات وقتاً فوتاً ہوتے رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی خاص بات ہے اور اٹالین پولیس تفتیش کر رہی ہے تو تم دونوں کا اس سے یا تعلق بتا ہے۔“ تم لوگ امریکن معلوم ہوتے ہو؟“

فرینک نے اپنا کارڈ نکال کر میز پر رکھ دیا اور بتایا کہ جس لڑکے نے مذکورہ باڈی دریافت کی تھی، وہ میرا بیٹا تھا جسے بعد میں قتل کر دیا گیا۔ فرینک نے زیورچ ایکسپریس سے معلوم کردہ اطلاعات بھی سمجھا تھا میں اور کہا کہ وہ تمام امور تفصیل سے بتائے گا۔ ابھی وہ دونوں یہ جانتا چاہ رہے ہیں کہ دو سال قبل جو شخص برف میں فن ہوا تھا اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا، جو اس لڑکی کا باپ تھا۔ جس کا بہن کوئی پتا نہیں ہے۔ ہمیں اس کی تلاش ہے۔ یہ اپنے باپ اور میں اپنے بیٹے کی وجہ سے یہاں نظر آ رہا ہوں۔

”میرا خیال ہے کہ بر قافی حادثے سے بچنے کے بعد میرے والد یقیناً یہاں آئے ہوں گے۔ اس سلسلے میں آپ کی مدد ہمارے لیے باعثِ شکر ہوں گی۔“ جینی نے زرم اور مینہجی آواز میں درخواست کی۔

”ٹھیک ہے۔“ قادر نے سر ہلا کیا۔ ”تاہم میں بات کو اچھی طرح سمجھنیں سکا۔ تمہارے والد کا کیا تام تھا؟“ ”پال مارچ۔“ جینی نے پر امید نظروں سے قادر کو دیکھا۔

”ہم ریکارڈ تور کھتے ہیں۔ لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ہر دوزیٹر کے بارے میں لمحاتا ہے۔ نیز ریکارڈ تھا نے میں ہے۔ شاید کل میں کہہ کر سکوں۔“ قادر نے جواب دیا۔

جینی کے قرار تھی۔ اس نے منت سماجت کر کے بہر حال قادر کو قائل کر لیا کہ وہ اسی وقت ریکارڈ دیکھ کر بتا دے۔ اس دوران میں فرینک خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اٹالین زبان میں اس نے موسم کے بارے میں کچھ

لیکن جیکے باہر نکل چکا تھا۔

☆☆☆

دونوں برگ ہٹ کے بعد چرچ پہنچے۔ چرچ ڈھلوان نما پہاڑی پر تھا۔ نیچے نشانی کے طور پر ایک بورڈ پر مونر و لکھا تھا۔

بارش کا آنماز ہو رہا تھا۔ فرینک نے چرچ کے آہنی گیٹ پر موجود پرانے طرز کی دروازے کی ٹھنڈی بجائی۔ دو بار ٹھنڈی بجانے کے بعد کوئی شخص گیٹ پر نمودار ہوا۔ یہ ایک جوان راہب تھا۔ نارچ اور چھتری اس کے ہمراہ تھیں۔

دونوں فریق ایک دوسرے کی بات سمجھنے، سمجھانے میں ناکام رہے۔ نوجوان پلٹ کر اندر ونی سمت چلا گیا۔ جاتے جاتے وہ اپنے رکنے کا اشارہ کر گیا تھا۔

وہ واپس آیا تو ایک بارش عمر سیدہ راہب اس کے ہمراہ تھا۔

”کیا تم انگریزی جانتے ہو؟“ فرینک نے سوال دہرا دیا۔

”لیں، میرا نام قادر اے جبلو کو زراؤ ہے۔“ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”کوئی یہاں کا انچارج ہو گا، ہمیں اس سے ملتا ہے۔“

”ایک اس وقت یہاں نہیں ہیں۔“ قادر کو زراؤ نے گیٹ کے باہر نماں پر نظر ڈالی۔ ”تم راستہ بھول گئے ہو یا گاڑی کے ساتھ مسٹہ ہے؟“

”نہیں، ہمیں اندر آنے دیا جائے تاکہ ہم وضاحت کر سکیں۔“ فرینک نے سر اٹھا کر بادلوں کو دیکھا۔

”مغدرتِ نواہ ہوں۔ ویر ہو گئی ہے۔ ہم اپنے معمولات جلد بند کر دیتے ہیں۔ تم لوگ کل آسکتے ہو۔“ قادر کو زراؤ کا جواب غیر متوقع تھا۔ جینی کو مد اخلقت کرنی پڑی۔

” قادر، پلیز۔ یہ بہت اہم ہے۔ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ پلیز انکار نہ کریں۔ موسم بھی خراب ہوتا جا رہا ہے۔“ جینی نے ملجمیانہ انداز میں اصرار کیا۔

قادر ہمدردی اور تھجست کے ملے جلے احساسات کے ساتھ بارش میں کھڑا تھا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر لباس میں سے چابیوں کا ہزارہ آمد کیا۔

قادر کی رہنمائی میں وہ آگے بڑھتے رہے۔ بارش کی حدود سے نکلنے کے بعد قادر کے ہاتھ میں ایک آٹلیں لیپ نظر آئے گا تھا۔

اٹالین زبان میں اس نے موسم کے بارے میں کچھ

بڑے میاں کا جینی ہی متاثر کر سکتی ہے۔
اُن آخِر فادر کو نہ آمدہ ہو گیا۔

☆☆☆

جب وہ تینوں ٹھانے کی سیڑھیاں اتر رہے تھے تو
نو جوان راہب بھی ساتھ تھا۔ اس کے ہاتھ میں لکڑی کے
دستے والا ایک پول تھا جس میں کئی لالشین جھوٹی تھیں۔
 قادر کا منہ بننا ہوا تھا۔ جینی متواتر اسے رام کرنے کی کوشش
کر رہی تھی۔ قادر کی توجہ بٹانے کے لیے وہ ادھر ادھر کی
باتیں بھی کر رہی تھیں۔ اس کی میشی، سریلی آواز کم از کم
نو جوان راہب کو ضرور متاثر کر گئی۔ قادر اس کو برادر پاؤ لو
کے نام سے خاطب کر رہا تھا۔

فریک، نے متواتر خاموشی اختیار کر کھی تھی۔ تاہم وہ
دل ہی دل میرا کام کی باتیں نوٹ کر رہا تھا۔ کیونکہ جینی اور
 قادر کی انگلیوں میں قادر نے کئی ایک حریت انگلیز باتیں آشکار کی
تھیں جن میرا تاریخی حفاظت، چھوچھ کی قدامت اور وجہ
تکمیل... قادر کے چہرے کا سکھر معدوم ہو گیا تھا۔ فریک
کو یہ بھی پتا چاک کہ قدیم زمانے میں یہ چھوچھ نہیں تھا اور دو
مرتبہ بر قافی طوفان سے تباہ ہوا تھا۔ یہاں سے فرار ہونے
کے لیے ایک چور راستہ بھی تھا... وہ ٹھانے کی وسعت پر
حیران تھا۔

جینی تو تر کے ساتھ قادر کی معلومات، خدمات اور
وابستگی کے صدر، میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔ فریک، گلیوں،
کروں اور راہداریوں کوڈہن میں بھمار ہاتھا۔

اچانک قادر انہیں ایک وورا فاٹہ کرے میں لے
آیا۔ جینی کے پیروں تسلی سے زمین نکل گئی۔ وہاں انسانی
ڈھانچے، ہڈیاں، کھوپڑیاں وغیرہ موجود تھیں۔ بعض انسانی
کھوپڑیوں پر بال بھی نظر آرہے تھے۔ چاروں طرف عجیب
سی بوٹھی۔

قادر نے بتایا کہ یہ باقیات پچھلے اور قدیم راہبوں کی
تھیں۔ جنہیں ان کی وصیت کے مطابق یہاں رکھا گیا تھا۔
انہوں نے زندگی یہاں بتائی اور بعد از مرگ بھی یہیں رہتا
چاہتے تھے۔ قادر نے جذباتی ہو کر خفیہ سرگنگ بھی دکھادی۔
جینی خون زدہ اور حیران تھی۔ اگر وہ یہاں رہتا
چاہتے تھے تو ان کو یہیں پردن کیا جا سکتا تھا؟ لیکن اس نے
 قادر سے یہ سوال نہیں کیا۔ وہ جلدی اس خوفناک کرے سے
نکل جانا چاہتی تھی۔

پھر وہ ایک ایسے کرے میں پہنچے جہاں رجسٹر، یجر،
جزل، کاغذات، اور سکسون کا ذیحیر لگا تھا۔

جینی اور فریک سمجھے۔ لئے کہ یہی ان کی منزل ہے۔
قاور اٹالیں میں نو جوان راہب سے ”نکٹاک“
کر رہا تھا جبکہ فریک چور راستے کی خفیہ سرگن کا راستہ ذہن
نشیون کر رہا تھا۔ جس کی تاریخ قادر نے نپولین کے وقت کی
بتائی تھی۔ جب فرنسی افواج نے اس خطے پر حملہ کیا تھا۔
قادر، جینی کی طرف پہنچا۔ ”تم نے کہا تھا کہ یہ حادثہ دو
سال پیشتر ہوا تھا۔ مہینا کون سا تھا؟“
”اپریل، اپریل کا دوسرا ہفتہ۔ تاریخ پندرہ کے
ارو گرد ہو گئی۔“ جینی نے فوراً جواب دیا۔
قادر ایک بار پھر نو جوان سے ”نکٹاک، نوب
کٹاک“ میں مکن ہو گیا۔ بعد زماں اس نے ایک لیپ اپ اپنے
ساتھ رکھتے ہوئے جینی اور فریک کو واپسی کا اشارہ کیا۔

☆☆☆

مارک صبح ساز ہے سات بجے بیدار ہو گیا تھا۔ وہ کچھ
دیر یوں ہی پڑا پڑا پھر انہوں کر بیٹھ گیا۔ سر کا درد غائب تھا لیکن
ذہنی حالت ایسی تھی جیسے وہ نشے میں ہو۔ اس نے انہوں کر لا کر
سے کپڑے نکال کر تبدیل لیے۔ اسے جینی کا خیال شدت
سے تارہ ہاتھ۔ وہ جوتے ہمیں رہا تھا جب جیک نے
 دروازہ کھولا۔

”کہاں کے ارادے ہیں، مارک؟“

”جیک، مجھے یہاں سے لکھا ہے۔ میں نہیں رک
سکا۔“

”لیکن کہاں؟“

”یہاں سے نکل کر سوپوں گا۔ جیسٹر کا پا چلا؟“
جیک نے گہری سانس لے کر دروازہ بند کر دیا۔
”نہیں لیکن فریک میکال کے بارے میں چند اطلاعات
ہیں۔ وہ منگل کے روز سو ستر لینڈ پہنچا تھا۔ آنے کا مقصد
اپنے بیٹھے چک میکال کی شماخت تھا۔ وہ نیویارک پولیس
ڈپارٹمنٹ میں سراغ رسانی کے فرائض انجام دے چکا
ہے۔“

”میرے لیے یہی پئی معلومات ہیں۔“ مارک نے کہا۔

”اور یہ کہ جیسٹر کو فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔
کیوں؟“

”فریک اس کے ہمراہ ہے۔“ جیک نے کہا۔

”فریک پر اتنا بھروسہ کیوں؟“

”کیا کریں۔ امید ہے کہ اس کی خفیہ سرگن تھا تو نہیں۔“

”امید رکھی جا سکتی ہے۔ فریک کے بارے میں
تمہاری جو رائے ہے، اس میں بہت زیادہ جان بھی نہیں۔“

☆☆☆

متعلقہ رجسٹر، نوجوان راہب نے قادر کو زاد کے آفس میں پہنچا دیا تھا۔ اس میں جو کو اُپر درج تھے، ان کی زبان چینگر اور فرینک کے لیے ناموس تھی۔ قادر نے جلد ہی پندرہ اپریل کی تاریخ ڈھونڈ لی۔

”نہیں، کچھ نہیں۔“ قادر کا جواب سن کر جینی کا دل ڈوب گیا۔

”پندرہ تاریخ کے آس پاس صفحات پر کوئی انٹری نہیں ہے، یہ جینی کی آواز نٹی ہوئی تھی۔“

قادر نے اوراق پلنے شروع کیے۔ ایک جگہ وہ رک گیا۔ ”میں تاریخ میں ایک انٹری ہے۔“

جینی کی امید نے انگڑائی لی۔

فرینک نے سوال کیا۔ ”کیا نام ہے؟“

قادر کی لٹکن آلو و پیشانی پر مزید لکھروں کا اضافہ ہو گیا۔ وہ خاموش تھا۔

”کیا بات ہے؟“ جینی کی آواز میں بے قرار تھی۔

”مجھے یاد آ رہا ہے۔ ایک جینی یہاں پہنچا تھا۔ یہ مندرجات پیدرو نے لکھے تھے۔ ایک مسافر کل شام پہنچا ہے۔ وہ ہائیکنگ کے لیے لکھا تھا اور راستہ بھلک گیا۔ اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔“

قادر کو زاد نے خلامیں دیکھا۔ ”مجھے یاد آ گیا۔“ اس آدمی کا چہرہ اور پیر فراست باشت سے متاثر تھے۔“

جنکن کا بدن لرزائنا۔ ”اور؟“

”اور وہ بھوکا تھا۔ اس کی حالت کافی خست تھی۔ ہم نے مقامی ڈاکٹر کو کال کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے منع کر دیا۔ ایبٹ نے اس کی عارضی مرہم پٹی کی تھی اور اسے اسپتال جانے کا مشورہ دیا تھا۔“

”اس کی عمر کیا تھی؟“

”درمیانی عمر کا آدمی تھا۔“

”اس نے نام بتایا تھا؟“

”اگر بتایا تھا تو مجھے یاد نہیں اور یہاں لکھا بھی نہیں ہے۔“ قادر نے جواب دیا۔

”وہ سوئس تھا یا اٹالیں؟“

”وہ غیر ملکی تھا۔ انگریزی بول رہا تھا۔“

جینی نے کاپنے ہاتھوں سے بیگ کھولا اور پال مارچ کی تصویر نکالی۔

”سگ... کیا وہ ایسا تھا؟“

قادر نے غور سے تصویر دیکھی۔ ”محسوں تو ہوتا ہے۔“

ہے۔ تم نے HQ بلڈنگ کی تباہی کے ساتھ دکھرا اور اس کی بیوی کے قتل کی خبر بھی سنائی تھی جسے خود کشی کارنگ دینے کی کوشش کی گئی تھے۔ اتنی خوفناک اور بے دھڑک وارداتوں کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہ ایک منظم اور خوفناک کھیل ہے۔ نیز محلہ اڑی پر فیشنل ہیں جن کے ہاتھ لے لے ہیں۔ لہذا میں جنہیں کواب بھی خطرے میں محسوس کرتا ہوں۔ جب سے پال مارچ کی باڑی دریافت ہوئی ہے، تب سے ایک طوفان بپا ہو گیا ہے۔ خون پھر یانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ آخر ایسا کیا راز ہے کہ سو یا ہوا آتش فشاں لاوا اگلنے کا ہے۔ میں خود چینی فر کو تلاش کر دوں گا۔ علاوہ ازیں تمہیں مجھے ہر بات بتانی پڑے گی۔ میں اندر ہرے میں کام نہیں کر سکتا۔ یہ ایک پراسرار اور گھری سازش ہے۔ تم مسلسل مجھے سے متعدد باتیں پہچاڑے ہو۔“

مارک برافروختہ دکھائی دے رہا تھا۔

”ہم چینگر نہیں پہنچ پا رہے تو تم کیا کر لو گے؟“ نیز معاٹے کی خفیہ نوبت کے بارے میں، میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ ”جیک کا انداز مدافعانہ تھا۔“

”تمہارے سیکرٹ میشن کی اسکی کی تیسی... اور تم فرینک کے بارے میں اتنے پر اعتماد کیوں نظر آ رہے ہو؟“

”کیونکہ ایں کا علق پولیس سے رہا ہے۔“

”اور میرا تعلق تو اخبار فروشی سے ہے؟“ مارک بھڑک اٹھا۔

”تم اپنے نور پر کوئی فیصلہ نہیں کر لو گے۔“

”کون رو کے گا؟“ مارک نے اٹھ کر جیک کی جیک کا کار پکڑ لیا۔ ”ٹھیک ہے میں چینگر کی کہانی اخبارات کو دے دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ فرنٹ ہجع اسٹوری ثابت ہو گی اور بہت سے رازوں سے پردہ اٹھ جائے گا۔“ مارک نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

جیک کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ ”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ اس کی آواز بھر گئی۔

مارک درو زے کی طرف بڑھ گیا۔ ”تو پھر روک لو۔“

جیک نے ہتھیار ڈال دیے۔ ”او کے، تم جیت گھے۔“

مارک تھم گیا۔ اس کا منہ دروازے کی جانب تھا۔ وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

”میں ”او پر“ بات کر لوں پھر جس حد تک جا سکا، اتنا تمہیں بتا دوں گا۔“

لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔“

”اپنے بارے میں اس نے کوئی اور بات کی تھی؟“
فادر نے جریل کے مندرجات پر نظر دوڑا۔ ”وہ
آدمی دو دن پہنچا، اپریل 22 کو چلا گیا تھا۔ ایبٹ نے خود
اسے ریلوے شیشن پہنچایا تھا۔ ریلوے اشیشن کا سن کر جمنی
چونکہ اُنھیں۔

وکٹر نے بھی شواہد کے ساتھ ریلوے کے نکشوں کے دو
ملکوں پر دکھائے تھے۔

”وہ کہاں جا رہا تھا؟“ پے در پے سوالات نے فادر
کو بیز ار کر دیا تھا۔

اس کا جھیل کوئی آئینہ نہیں ہے۔“ اس نے جسٹر بند
کر دیا۔ بعد ازاں وہ انہیں لے کر اندر ونی سمت جل پڑا۔
نوجوان ساتھ تھا۔ پارش طوفان میں بدل چکی تھی۔

”آج رات تم دونوں کہاں پھر دے گے؟“ فادر نے
سوال کیا۔

”ہم۔“ سوچا تھا کہ ”وارزو“ میں کوئی جگہ ڈھونڈیں
گے۔ فرینک نے جواب دیا۔

”یہاں ایک آدھ ہوٹل ہی ہے۔ یہ کام اب تک کل ہی
کر سکو گے۔ بہتر ہے کہ رات مہمان خانے میں گزار لو۔“
”فادر! ہم آپ کے تعاون کے حد سے زیادہ مکور
ہیں۔“ جمنی نے دل سے کہا۔

”برادر! پاؤ لو تمہیں کمرے دکھادے گا۔“
اچانک جمنی کے ذہن میں خیال چکا۔ ”فادر! کیا
آپ علاقے میں کسی ایسی پہاڑی سے واقف ہیں جو“ ایڈل
ویز،“ کہلاتی ہے۔“ جمنی نے ایک سلپ نکالی جس پر اس
نے لکھا تھا: ایک دوگل، برگ ایڈل ویز 705۔
فادر نے سلپ کا معاشرہ کیا۔ ”یہ کیا ہے؟“

”یہ نوٹ برف میں سے نکلنے والی باڑی کے کپڑوں
میں تھا۔“
فادر نے اپنی ٹھوڑی کھج� لی۔ ”ویز نہارن کی سوگ
سامنہ پر“ دوگل،“ ایک عام نام ہے۔ خصوصاً برگ اشیشن
کے ارڈر ورکر۔ (برگ، جرمن زبان میں پہاڑی کو کہتے ہیں)
اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔“ فادر نے سلپ واپس کر
دی۔

نوجوان پاؤ لو دونوں کو کمرے دکھا کر اور ضروری
باتیں بتا کر چلا گیا۔
”یہ دوڑ، مکمل طور پر ضائع نہیں ہوا۔“ فرینک نے
ابتداء کی۔ ”ہمسرا، چند لیو، تمہم ہی سمجھی، بہر حال مل گئے
ہے؟“ مارک نے اعتراض جزا۔

مایا جال

”اس کا دعویٰ تو یہ نہیں تھا لیکن ہمیں اندازہ تھا کہ وہ باخبر ہے۔ صرف اسے گھیرنے کا مسئلہ تھا۔ کوئی ایسی آفر یا کمزوری جو اسے ہمارے لیے کام کرنے پر مجبور کر دے...“

”کیا مطلب؟“

”ہم نے پرائیم کے ٹاپ ملازمت کا پس منظر چیک کرنا شروع کیا۔ جب پال مارچ کا نمبر آیا تو پتا چلا کہ اس کا کوئی فیملی بیک گراونڈ نہیں تھا۔ یہ ایک عجیب بات تھی۔ ہم گھرائی میں گئے تو معلوم ہوا کہ اس کا اصل نام ”جوzf ڈیلگاؤ“ تھا۔ دس سال کی عمر میں وہ یتیم ہو گیا تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی یتیم خانے میں گزری۔ چوری کے الزام میں ایک آدھ باروہ بچپن جنل کی سیر بھی کر آیا۔ اُنیں سال کی عمر میں ایک سال اس نے جنل میں گزارا۔ باہر آتے ہی چاقو کی لڑائی میں اس کے ہاتھوں ایک بندہ مارا گیا۔ لڑائی فونیکس کے ایک بار میں ہوئی تھی۔ پال کا دعویٰ تھا کہ اسے مشتعل کیا گیا تھا۔ بہرحال اسے چار برس کی سزا ہو گئی۔ یہاں سے اس نے تبدیل ہونا شروع کیا۔ قید کا عرصہ اس نے بہتر انداز میں گزارا اور پڑھائی کی جانب توجہ دی۔ باہر نکلنے کے بعد وہ ڈپلوما حاصل کر چکا تھا اور اپنا نام بھی تبدیل کر لیا تھا۔ اس نے خود کو بالکل تبدیل کر لیا تھا۔

”وہ نئے نام کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کر رہا تھا۔ اس نے ملازمت کی اور پڑھائی بھی جاری رکھی۔ ایک وقت آیا کہ اس نے پرائیم انٹریشنل جوان کر لی۔ وہ ترقی کر رہا۔ آج سے چار سال قبل ”پرائیم“ کو ایک شیل کمپنی نے خرید لیا۔ جس کے پیچے موسکایا فرقے کا ہاتھ تھا۔ ہماری جیسے لڑی کھل گئی۔ ہم نے اس کے پیش کے ذریعے اسے بلیک میل کیا۔

”اس کے ماضی کو منانے کے علاوہ، ہم نے اسے ۹۱۲ میں کی آفر کی۔ ساتھ ہی اس کی فیملی کے تحفظ کے لیے ”ڈنس پروٹیشن“ کی پیشکش کی۔ اس کے عوض اسے امریکا اور کیریبین میں ہمارے لیے ”موسکایا“ کے خلاف کام کرنا تھا۔

”پال کی سب سے اہم ڈیمانڈ یہ تھی کہ ”جوzf ڈیلگاؤ“ کی حیثیت سے اس کے ماضی کا ایک ایک لمحہ منا دیا جائے۔ جیسے جوzf ڈیلگاؤ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ہم نے اس کی یہ بات مان لی۔“

مارک نے سوچا کہ اسی وجہ سے ”گاردا“ کو جوzf ڈیلگاؤ کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

”ای طرف آرہا ہوں۔ ریڈ مافیا، رائل اسٹیٹ، اسٹاکس، شیئرز اور دیگر قانونی کاروبار میں ملوث ہے۔ ان قانونی کاروبار کی آڑ میں مافیا منی لانڈ رنگ کرتی ہے اور مختلف کاروبار پر اجارہ داری قائم کرتی ہے۔ مافیا کی سب سے زیادہ سرمایہ کاری امریکا کے اندر ہے۔“

”میں سمجھا... لیکن پال مارچ؟“

”پال، پرائیم انٹریشنل سیکیورٹیز میں کام کرتا تھا۔ پرائیم کمپنی کو ایک سال قبل بند کر دیا گیا۔ اس سے قبل وہ ایک قانونی انویسٹمنٹ بینک تھا۔ سوائے اس کے کمپنی ریڈ مافیا کی ملکیت تھی۔ براہ راست نہیں، بلکہ ”کے میں آئی لینڈ“ کی ایک ”شیل چمن“ کے ذریعے جو بڑی بڑی غیر قانونی رقم کو دھو دھلا کر کمپنی کے لیے پاک صاف کرتی تھی... یہ ایک میں القاوی آپریشن کا حصہ تھا۔ جسے مجرموں کا ایک گروپ چلاتا تھا۔“

”موسکایا“ فرقہ آف شور کمپنیوں اور بینکوں کی آڑ میں آپریٹ کرتا ہے۔ انہوں نے بورڈ کریسی کا ایسا پیچیدہ جال بچھایا ہوا ہے جو ان کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ ”موسکایا“ والے اپنے ہاتھ صاف رکھتے ہیں اور کام ”چمن“ کی دوسری کڑیوں نے کرتے ہیں۔“

”FKL پر مردہ بچے کے پیٹ میں ہیروئن والے کیس پر تم کام کر رہے تھے۔ اسے ماں کو سے اسکل کیا گیا تھا اور موسکایا فرقہ اس کا ذمے دار تھا۔ پیسا بنا نے کے لیے وہ ہر کام کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ چاہے وہ کتنا ہی گھنادا اور مکروہ کیوں نہ ہو۔“

”انہوں نے پرائیم انٹریشنل کو کیوں بند کیا؟“

”کیونکہ ہم چار برس سے پرائیم کے پیچے تھے اور بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ ہم موسکایا کے خلاف ایک مضبوط کیس بنانے جا رہے تھے۔ ہم نے آپریشن کا نام ”اسپانڈر دیب“ رکھا تھا۔ ہم نے فون شیپ کیے۔ غیر قانونی اکاؤنٹس کو ٹریک کیا۔ موسکایا چمن کی اہم کڑیوں پر ہماری نظر تھی۔ وہی تمام مروجہ ہتھنڈے... لیکن حیرت انگیز طور پر ہم منزل سے اب بھی دور تھے پھر ہم نے فیملہ کیا کہ کسی اندر کے آدمی کو ساتھ ملا یا جائے۔“

”یہاں سے پال مارچ کی کہانی شروع ہوتی ہے۔ وہ پرائیم انٹریشنل کے ٹاپ ایگزیکٹو میں شامل تھا۔ وہ ہمیں کمپنی کی خفیہ فائلز بھی رسائی دے سکتا تھا۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ وہ جانتا تھا کہ پرائیم انٹریشنل کے اندر کیا ہو رہا تھا؟“ مارک نے سوال کیا۔

سکتا تھا؟“

”تصحیر یہ ہے۔ لازار تو تھا ہی گھاگ مجرم۔ مال بہت زیادہ تھا... دوسری جانب میں پال کے مجرمانہ ماضی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لازار یا پال میں سے کوئی بھی قانونی رہ گزرے ملک نہیں پھوڑ سکتا تھا۔ اگر لازار صحیح چل رہا تھا تو اسے ٹھیکیر کے ذریعے اٹلی میں داخل ہونا تھا اور موسکایا کے انتظام اور ہدایت، کوئی تخت متحرک رہنا تھا۔ اگر وہ دھوکا دے رہا تھا تب بھی اسے ٹھیکیر کا سہارا درکار تھا۔ پال کا کام اتنا تھا کہ ہوٹل میں چاروں بریف کیس لازار کے حوالے کر دے۔ دونوں ایک ساتھ غائب کیوں کر ہوئے، یہ ایک اسرار ہے۔

”پھر جو بھی منصوبہ تھا، اسے بر قانی طوفان نے تمہرے کر دیا۔ ظاہر یوں لگتا ہے کہ دونوں میں سے ایک فوج گیا اور دوسرا دفن ہو گیا۔ یہاں بھی ایک اسرار ہے۔ برف سے ملنے والی باڑی پال مارچ کی نہیں تھی لیکن پاسپورٹ اور کپڑے پال مارچ کے تھے۔“

”کیا بکواس ہے؟“ مارک اچھل پڑا۔ ”یہ تصدیق، صرف جیمنٹر کر سکتی ہے۔“

”ماں، اسی نے کی ہے۔“ جیک بولا۔

”لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“ مارک کی آواز میں واضح چھین تھی۔ وہ بغور جیک کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ”جب جیمنٹر اور فریک HQ بلڈنگ سے نکلے تو ریشورت میں گئے... کوئی ان سے نہیں ملا۔ ذرا دیر بعد عمارت تباہ ہو گئی۔ شب سے وہ دونوں تمہاری پہنچ سے باہر ہیں... پھر تمہیں کس نے بتایا؟“ مارک بے اختیار کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھ جاؤ۔ مجھ پر شکست کرو۔ جب جیمنٹر نے تصدیق کی ہوٹل تو اندر اور بھی لوگ ہوں گے۔ فارنٹک ایک پھر تو ہو گا یہ... وکٹر بھی ہو گا۔“

”اندر والے سب مارے گئے۔“

”وکٹر ہما کے سے پہلے نکل گیا تھا۔“

”وکٹر کیوں بتائے گا؟“ مارک نے اعتراض کیا۔

”کیوں بتائے گا، کیوں نہیں بتائے گا، اب اس بحث میں پڑنا لا حاصل ہے۔“

”کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“

”وکٹر اور مسز وکٹر کو اسی روز قتل کر دیا گیا تھا۔“

مارک سن ہو کے رہ گیا۔ اسے ساعت کا دھوکا معلوم

ہوا۔ ”کیا کہا؟“

جیک نے گھری سانس لے کر دوبارہ یولنا شروع کیا۔ ”سال میں آم از کم دو بار پال سوتھر لینڈ جاتا تھا۔ جہاں پر ائم انٹر نیشنل کے کئی اکاؤنٹ تھے۔ اس کا ناسک سادہ تھا۔ اسے اکاؤنٹس بکس کو دیکھنا تھا کہ وہ کس حالت میں ہیں اور اس کی رپورٹ ہمیں دینی تھی۔“

مارک غاموشی سے سنا رہا۔

”ایک بار جب پال بنس ٹرپ پر حسب معمول زیورج جارہا تھا تو ایک بفتے قبل ہمیں شپٹلی کر موسکایا نے اتنا لیں ”ڈرگ ٹریفلکرز“ کے ساتھ ایک بڑی بڑی ڈیل کا بندوبست کیا تھا۔ بھاری ڈرگ کائنٹ کے عوض موسکایا نے پچاس میٹر، ڈالرز ادا کرنے تھے۔ پچاس میٹر مخصوص بانڈز، ہیروں اور کرنی کی ٹھکل میں تھے۔ موسکایا کا ایک ٹاپ الٹکار، جس کا نام ”کارل لازار“ تھا، اسے زیورج میں یہ ادا۔ ٹکلی کرنی تھی۔ پال نے ہمیں بتایا تھا کہ اسے ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ زیورج بینک کے سیف ڈپاٹسٹ باکس، جو پر ائم کے زیرِ استعمال تھے، سے بانڈ، کرنی اور ہیروے نکال کر ”لازار“ کے حوالے کر دے۔ ہم نے زیورج میں اپنی شیم سیٹ کی اور لازار کے چیچے لگ گئے تاکہ اسے رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔“

مارک نے سر ہلا کیا۔

”پال مارچ، زیورج اتراء۔ لازار سے ملا، بینک کا وزٹ کیا۔ مطلوبہ اشیا نکال کر اس نے چار بڑے بریف کیس تیار کیے... وہ اور لازار پاپیا وہ ہوٹل کی جانب روکا تھے۔ کا سیاہی ہم سے چند منٹ کے فاصلے پر کھڑی مسکراری تھی۔“ جیک نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ”پھر ایک غیر متوقع موسٹ آگیا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”وہ دونوں اپنے ہوٹل میں سرے سے گئے ہی نہیں... ابھی ہم ان کے سر پر تھے اور انکے منٹ وہ غائب ہو چکے تھے۔ ہم اطراف کی سڑکوں کی بھول بھلیوں میں ٹاکٹوکیاں مارتے رہ گئے۔ ہم نے پانچ بلاکس کی ہر اسٹریٹ کو کھنکا لا۔ ہم نے اسٹرپورٹ کی ٹکرائی کی لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا... پل مارچ اور کارل لازار پچاس میٹر کی دولت لے کر غائب ہو گئے۔ یہ حرکت کسی ایک نے کی یا پھر دونوں نے۔ بہرہ مال ہماری طویل منصوبہ بندی اور سرگرمی کا نتیجہ شرمناک ناکامی کی صورت میں سامنے آیا۔“

مارک کی پیشانی پر لکیریں ابھر آگئیں۔ ”پال ایک خطرناک مافیا کے ساتھ دھوکے کا خطرہ کس طرح مول لے

ہایا جال

”مثلاً ہماری طرح موسکایا تک بھی یہ بات پہنچ گئی۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر وہ پال مارچ ہی ہوتا تو نہ بلڈنگ تباہ کی جاتی، نہیں وکٹل ہوتا۔“

”کیونکہ وہ باڑی یقیناً کارل لازار کی تھی۔ پال یا لازار، تیرا کوئی امکان نہیں تھا۔ موسکایا اپنے ہاتھ صاف رکھنے کے لیے رتی بھر رک نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طویل عرصے سے ہمارے یہ در در بنے ہوئے ہیں۔ اب تم اپنی نقیش بند کرو۔ لگ رہا ہے کہ جیسے میں کوئی مجرم ہوں۔“ جیک نے اکتا ہٹ ظاہر کی۔ ”اس طرح ہم کیسے مل کر کام کر سکتے ہیں؟“

مارک نے دل ہی دل میں جیک کی شان میں ”مغل افشاری“ کی۔

”اب یہ نہ پوچھنا کہ ہم نے تصویر کی کاپی کیسے حاصل کی یا موسکایا کو اتنی سرعت سے کیونکر خبر ملی کہ پولیس کے پاس جو باڑی ہے، پال کی نہیں بلکہ لازار کی ہے۔“

”نہیں پوچھوں گا۔ تم نے موسکایا کے جتنے عظیم کارنا مے گنوادیے ہیں، اسے کیھتے ہوئے یہ معمولی بات لگتی ہے۔ انہوں نے اندر کا کوئی بزرہ خرید رکھا ہوگا۔“ مارک نے کہا۔

اچانک دروازہ کھلا اور ایجنت گراہم اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک نقشہ تھا۔ اس نے دھمی آواز میں جیک سے گفتگو کی۔

”جلدی کرو۔ گاڑی تیر رکھو، میں آتا ہوں۔“ جیک کے چہرے پر سرخی نمودار ہوئی۔

”اب کون سادھا کا ہوا ہے؟“ مارک نے بلا کا ساطڑا۔

”بات بن رہی ہے۔ جیسنز نے اپنا اسل فون چند منٹ کے لیے آن کیا تھا۔ ٹرینگ بہت تمہم تھی۔ تاہم وہ وارزو کے آس پاس رہیں ہے۔ میرے آدمیوں نے بر گوف ہوٹل میں فیجر سے بات کی تھی۔ اس کا نام ایشن ہے، ایشن دیبر۔ اس کے علم میں نہیں ہے جیسنز کہاں کہی ہے، البتہ اس نے یہ بتایا ہے کہ وہی جیسنز کو پیزن ہارن پر لے گیا تھا۔ وہاں جیسنز نے جن چیزوں میں دوچھپی ظاہر کی تھی، ان میں ایک ”کراؤن آف تھارن“ بھی ہے۔ یہ جوچ کا نام ہے۔ جو ”وارزو“ سے ذرا ہٹ کر ہے۔“

”عجیب بات ہے۔“ مارک بڑا یا۔

”ایجنت گراہم نے نقشے پر جو جگہ دکھائی ہے، چالیس منٹ کی ذرا سی جو ہے۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔“

”میں بھی ساتھ ہوں۔“ مارک نے عنديہ دیا۔

”ہاں وہ مارے جا پکے ہیں۔“

مارک نے سرسو فے سے نکادیا اور جسم ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے اعصاب کشیدہ تھے۔ رشین مافیا، موسکایا... موسکایا کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں؟ کتنے وسائل ہیں ان کے کہی آئی اے جیسی عظم برسوں سے سرخ رہی ہے۔ مارک کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ کہیں ”موسکایا“ کوئی فرضی کہانی تو نہیں۔ اگر موسکایا حقیقت ہے آج چکنے اب تک کیوں بچی ہوئی ہے؟ موسکایا جہاں چاہتے ہیں، میں جاتے ہیں اور اپنا کام کر کے نکل جاتے ہیں... پھر جنہیں کیا اوقات ہے۔ وہ جب چاہیں اسے مکھی کی طرح مار سکتے ہیں۔ آخری جنہیں کیوں اب تک بچی ہوئی ہے۔ کیوں بچی ہوئی ہے؟ کیا اس میں کوئی کلیو ہے؟ کیا اسے خاص وقت تک بچایا جا رہا ہے؟ کیا اس پر حلے فرضی تھے؟ فریجک کی حقیقت کیا ہے؟

”میرا سوال اپنی جگہ پر ہے؟“ مارک نے آنکھیں کھول دیں۔

”میں تمہاری تسلی کر دوں گا، جب چاہو۔“

”ابھی اسی وقت۔“ مارک کا چہرہ سپاٹ تھا۔

”جیسنز کی تصدیق ایک مفرد پڑھے۔“

”کیا بات ہے۔ بہت خوب۔“ مارک کے لبوں پر استہزا سیہ مکراہٹ تھی۔ جسے جیک نے نظر انداز کر دیا۔

”ہم مغروضے ایسے ہی قائم نہیں کرتے۔ باڑی دریافت ہونے کے بعد جب ہمیں پتا چلا کہ پاسپورٹ کے مطابق وہ پال مارچ تھا۔ تو ہم نے اور شاید تمام متعلقہ فریقین نے یقین کر لیا۔ تاہم میں نے اندر پڑھے ہائے دور دراز کے تحت پاسپورٹ کی تصویر حاصل کر لی تھی۔ میرا مطلب ہے اس کی تعلق۔ میرے پاس پال مارچ کی تصویر شروع سے موجود ہے۔ میں نے نہایت احتیاط سے دونوں تصاویر کا موازنہ کیا... اسے شرمند بھی استعمال کیے۔ میں شک میں جلتا ہو گیا اور دونوں تصاویر انٹرپول کو رو انہ کر دیں۔ وہاں ایکٹریکلی دونوں تصاویر میں سچ (MIS-MATCH) ثابت ہو گیں۔ تصاویر میں مشابہت تھی لیکن وہ پال کی باڑی نہیں تھی۔ جب میں شک میں پڑ گیا تو اس کی میٹی تھی۔ اس نے فوراً تصدیق کر دی ہوئی کہ وہ کوئی اور نہیں۔ چند نکات اور ہیں جو ہمیں بتا گئے کہ HQ بلڈنگ میں کمی باڑی پال مارچ کی نہیں ہے۔“

”مثلاً؟“

قادر کا جسم ساکن ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں وہشت
ناج رہی تھی۔

فوراً بعد ہاتھ اس کے منہ پر سے ہٹ گیا۔

”جو پوچھوں، جواب دیتے جاؤ۔ جھوٹ بولا تو وہ
آخری جھوٹ ہو گا۔“ پھنکار پھرا بھری۔

قادر نے سر ہلا�ا۔ اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔

”دو مہان آئے تھے۔ کہاں ہیں؟ کوئی بات مت
چھپانا؟“

قادر چپ رہا۔ اس کے اندر کھلبلی بھی ہوئی تھی۔ اسے
اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک بدترین صورتِ حال سے دو چار
ہو چکا ہے۔

”جواب دو، تیسری بار نہیں پوچھوں گا۔“ سیاہ پوش کی
آواز سے زہر بیک رہا تھا۔

قادر نے پھنسی پھنسی آواز میں ساری کہانی سنادی۔

”یہاں اور کتنے افراد ہیں؟“

”میرے علاوہ دو اور ہیں۔ برادر پاؤلو اور برادر
فرانکو۔“

”ان کی لوکیشن بتاؤ۔“

”برادر پاؤلو یہاں سے تین دروازے دور ہے۔
برادر فرانکو اگلے کوریڈور کے پہلے کمرے میں ہے۔“

جواب ملتے ہی ہاتھ دوبارہ ختنی سے قادر کے منہ پر جرم
کیا۔ دوسرے سیاہ پاش نے پھرتی اور صفائی سے قادر کا
زخراہ تراش دیا۔

☆☆☆

اچاک جنی کی آنکھ کھل گئی۔ وہی دیرینہ خواب تھا۔
اس مرتبہ کافی دنوں کے بعد دکھائی دیا تھا۔ اسے اور اک تھا
کہ باہر طوفان جاری ہے۔

سینے میں دل جنگلی گھوڑے کی طرح سر پھٹ دوڑ رہا
تھا۔ جنی کا بدن پینے میں بھیگا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس
کی حالت ہمیشہ سے زیادہ ابتر تھی۔ خواب تو وہی تھا۔ ہمیشہ
کی طرح پھر اس کی حالت اتنی تالفتہ پر کیوں ہے؟ قاتل
کمرے کے اندر ہے لیکن وہاں تو کوئی نہیں تھا۔ اس نے
ہر اس انتظروں سے ادھر اُدھر دیکھا۔ جنی کو مارک کی یا و
آئی۔ دفعتاً اس کی ساعت سے مددم آواز مکرائی۔ وہ اچھل
پڑی۔ آواز کو ریڈور سے آئی تھی۔ آواز دوبارہ سنائی دی۔

جنی کو بستر سے اٹھنے میں بے حد قوت صرف کرنی
پڑی۔ کمرے میں تاریکی کا راج تھا۔ وہ اندازے سے
دروازے کی طرف گئی۔ تیسری بار مختلف آواز آئی۔

”میرا خجال ہے، تمہیں آرام کے لیے کہا گیا تھا۔“

”بھول جاؤ، میں ساتھ ہوں اور کمی ایک سوالات
تمہارے اوپر اٹھا رہیں۔ جیسے فرکو خطرہ کیوں ہے؟ بلکہ اب
بڑا سوال یہ ہے کہ وہ اب تک بھی ہوئی کیونکر ہے؟ برف
میں پال کی باڑی نہیں تھی تو پال کہاں ہے؟ وغیرہ، وغیرہ۔“

☆☆☆

سیاہ ٹو ٹو ٹا سینا ”کراون آف تھارن“ کے باہر آ کر
رکی۔ اس میں دو آدمی سوار تھے۔ وہاں نسان کو دیکھ کر سیاہ
ٹو ٹو ٹا سینا بورس ہو کر درختوں کے جنڈ میں چلی گئی۔ اس کی
ہمیشہ اس بندھیر۔ انہن بھی بند کر دیا گیا۔ دونوں آدمیوں
کے ہاتھوں میں چہری دستانے تھے۔ انہوں نے گھرے
ریگ کے رین کوٹ پہنچنے ہوئے تھے۔ چھروں پر سیاہ ریگ
کے اسکائی ماسک، تھے۔ دونوں کار سے نکل کر گیٹ کی
طرف بڑھ گئے۔

ایک سیاہ پوش نے ثارج نکال کر گیٹ کے لاک پر
مرکوز کر دی پڑوسنے نے لباس سے چڑھے کا پاؤج نکالا
جس میں مختلف قسم کی چھوٹے چھوٹے چند اوزار اور تماں تھے۔
وہ لاک پر جھکا اور ایک منٹ کے اندر اسے کھول ڈالا۔
دونوں اندر پڑھ لے گئے۔

اندر وہی عمرت کا دروازہ بھاری لگڑی کا تھا۔ چوبی
دروازے کا لاک بھی انہوں نے بے آسانی کھول ڈالا۔
دونوں اب اندر وہی عمرت میں تھے۔ کوٹ کے اندر سے
اسکارپین مشین پسل نکل آئے۔ جو پتلی بیٹھ کے ذریعے
گردن سے لکھے ہے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے ہتھیار
چیک کیے پھر چوبی دروازہ بند کر کے بے دھڑک اندر کی
ست چل دیے۔

☆☆☆

قادر کو نراث کی تاریکی میں آنکھ کھلی۔ پہلا خیال اسے
بھی آیا کہ اس نے وہی ڈراؤن خواب دیکھا ہے۔ وہ سانس
نہیں لے پا رہا تھا۔ وہ خواب نہیں تھا۔ دو سیاہ پوش اس کے
کمرے میں تھے۔ ایک کا ہاتھ اس کے منہ پر جما ہوا تھا۔
دوسرے نے ثارج کی روشنی قادر کے خوف زدہ چہرے پر
چھینکی۔

قادر نے مچنا شروع کیا تو چاقو کی دھار اس کے گلے
میں چھینگی۔

”حرکت مرن کرو۔ ملے تو آخری بار ہلو گے۔“
پھنکار جیسی سرگوشی ابڑی۔ ”منہ بھی بند رکھنا، کھولا تو پھر بند
نہیں ہو گا۔“

گن لے کر میں نے دوبارہ جھانکا۔ دونوں غائب تھے۔ میں نگے پاؤں فادر کے کمرے تک گیا۔ وہ مر چکا تھا۔ تیز دھار آئے سے اس کا گلا کاٹ دیا گیا تھا پھر میں نے برادر پاؤں کو چیک کیا۔ اسے بھی نہ کر دیا گیا تھا۔ یہاں موجود آخری راہب کو دیکھنے یہ ملتی تھا۔ اس کا انجمام دیوار پر لکھا تھا اور ہمارا بھی۔ مہلت کم تھی... میں اسے بچانیں سکتا تھا۔ میں سید ہایا یہاں آگیا۔

جنی کے بدن کی کم ہوتی ہوئی لرزش پھر سے بڑھ گئی۔ ولیکن ہی رات تھی... اسے لگا کہ وہ مااضی میں سفر کرتی ہوئی دو سال پیچے چلی گئی تھے۔ فرق یہ تھا کہ اس مرتبہ قائل دو تھے اور وہ بھی تھا نہیں تھی۔

فرینک نے ثارچ آن کر کے احتیاط سے دروازہ کھول کر جھانکا۔ پھر جیسنفر کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گیا۔ فرینک کا رخت خانے کی جانب تھا۔ وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچ گئے تھے کہ عقب میں دور دشمن لکیریں لہرا لیں۔ یہ ثارچ کی روشنی تھی۔

”بجا گو۔“ فرینک نے جیسنفر کو دھکیلا۔ اگلے لمحے وہ سیڑھیوں پر تھے۔ عقب میں بھاگتے قدموں کی دھمک سنائی دی۔ وہ نکلے پیر تیزی سے سر ہیاں اترتے چلے گئے۔ خانے میں جانے کے لیے شاہ بلوط کا چوبی دروازہ حائل تھا۔ چابی دیوار کے حلقے میں لٹک رہی تھی۔ جیسنفر نے چابی حلقے سے نکال کر دروازہ کھولا۔ فرینک بریٹا ہاتھ میں لیے عقب میں پکھرنا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی وہ اندر ہادھند تاریکی میں گھس گئے۔ جیسنفر اور بدحوائی پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”دروازہ اندر سے لاگ کروو۔“ فرینک نے ثارچ روشن کی۔ قدموں کی دھمک بتارہی تھی کہ قائل سیڑھیوں پر ہیں۔ جیسنفر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرف بڑھے۔ تھا خانہ خاصا سیع تھا۔ تا ہم فرینک کا ذہن صاف تھا۔ وہ ثارچ کی روشنی میں تھانے کی بھول بھیلوں میں پہ آسانی روائ تھا۔ فاصلے سے گولیوں کی چیخ سنائی دی۔ فرینک سمجھ گیا کہ دروازے کا لاک اڑا دیا گیا تھا۔

وہ سید ہا، بغیر کسی غلطی کے ”موت کے کمرے“ میں جا گھسا۔ چہاں ڈھانچے، پھر یوں اور کھوپڑیوں کے ڈھیر لگتے تھے۔ بعض ڈھانچے تیتی لباس میں ماربل سے بنے شیلف میں لٹک رہے تھے۔

جیسنفر نے پہ دقت خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ اندر بھی موت اور باہر بھی موت... بیرونِ عمارت طوفان، اندر وہن

کھڑکھڑا ہتھ سے ملتی جلتی... کوئی دروازے کے ونڈل پر تھا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچے ہٹی اور گرتے گرتے پہنچ گئی۔ اسے لگا کہ بے قابو و ہڑکن پسلان توڑ دے گی۔

معاذ دروازہ مکمل گیا۔ مدد حم روشنی اندر در آئی۔ جیتنے کے لیے بے اختیار اس کا منہ کھلا جو بھی تھا بہت پھر تیلا تھا۔ کھرد را ہاتھ سے کہہ پر جنم گیا۔ چیخ حق میں ہی گھٹ کے رہ گئی۔

سر گوشی ابھری۔ ”کوئی آواز نہیں۔“

جیسنفر نکلی۔ ”خدا کے لیے، جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔“

فرینک نے ہاتھ جیسنفر کے منہ پر سے ہٹالیا۔ جیسنفر کی رکی ہوئی سانس بحال ہو گئی۔ فرینک نے ثارچ نکالی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں مقتول و کشرا کا سطل تھا۔

”دروازہ بند کر دو۔“ اس نے انگلی ہونتوں پر رکھ کر خاموشی کا اشارہ کیا۔ جیسنفر نے دیکھا، فرینک کے پیروں میں موزے تھے۔ دونوں جوتے فیتوں کے بل پر گلے میں جھول رہے تھے۔ یقیناً وہ افراتغیری میں اس تک پہنچا تھا۔

”لُك... کیا ہوا؟“

”جلد کی تیاری کرو۔ آواز دھیمی رکھو۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔“

”کیوں؟“

”شمن نہیں گئے ہیں... جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔“

جیسنفر نے ہاتھ پیر پھول گئے۔ کیا وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی؟ آج ہا خواب کتنا حقیقی تھا۔ کیا یہ آخری خواب تھا؟ اچانک اسے اپنے ناکافی لباس کا خیال آیا۔ فرینک نے اسے تیاری کیے لیے کہا تھا اور اس کے لباس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ ہست جمع کر کے مخرك ہو گئی۔ فرینک کی موجودگی سے اسے ڈھارس کا احساس ہوا۔ کیا آج بھی وہ اسے بچالے گا؟ ”شمن“ کون؟ کیا اس کے گھر کو بر باد کرنے والے سفاک قائل نے خواب کی دنیا سے باہر قدم رکھ دیا ہے؟ وہ سوچتی جا رہی تھی اور لباس تبدیل کر رہی تھی۔

فرینک دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا۔ جیسنفر اپنا بیگ اور جوتے اٹھا کر اس کے پاس آگئی۔ ”کیا ہو رہا ہے؟“

”کسی آواز سے میری آنکھ کھلی تھی۔ میں دیکھنے کے لیے باہر لکھا تو قابر کے کمرے کے قریب مجھے دوسرے آدمی نظر آئے۔ دونوں کے چہرے سیاہ اسکالی ماسک میں چھپے ہوئے تھے۔ میرا بروقت اپنے کمرے میں واپس گھس گیا۔

تھے۔ دیواروں کے ساتھ زمین پر بھی انسانی ہڈیاں پڑی تھیں۔ آگے سرگن بلند تر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ فریک لائز آن، آف کر کے استعمال کر رہا تھا۔

آخر کار وہ سرگن کے آخری سرے تک پہنچ گئے۔ دونوں کے چہرے اتر گئے۔ ان کی سمجھ میں آیا کہ گھٹن زیادہ کیوں تھی۔ اچھا ہوا کہ فریک نے سرگن کے اندر آنے کا راستہ بند نہیں کیا تھا۔ سرگن کا بیر بی بندہ ہانہ ان کامنہ چڑا رہا تھا۔ یہاں پھر وہ کاڑھر لگا تھا۔

فریک نے چند بڑے پتھر اٹھا کر ایک طرف پھیکے۔ اس کی مایوسی غصے میں بدل گئی۔ اندھا دھندا اس نے پتھر ہٹانے شروع کیے۔ تاہم راستہ نمودار نہ ہوا۔ فریک نے لائٹ آف کیا اور فریک لگا کر بینچ گیا۔

”اب کیا ہو گا؟“ جینفر۔ لرزیدہ آواز میں سوال کیا۔

”یہاں تک پہنچے ہیں تو نہیں گے بھی۔“ وہ پھر کھڑا ہو گیا۔ چند پتھر ایک طرف کر کے اس نے لائٹ آن کیا اور ہاتھ بلند کر کے بازو کو ادھر ادھر گھما یا۔ ایک مقام پر شعلے میں جبکش ہوئی۔ فریک نے لائٹ خلا میں اسی مقام پر رکھا۔ شعلہ آہستہ آہستہ تحرک کئے لگا۔ جنی کے چہرے سے ناامیدی نے سرکنا شروع کیا۔

فریک نے لائٹ سے پکڑا۔ اور دونوں ہاتھوں سے مزدوری میں جت گیا۔ ذرا دیر بعد ہوا کی آمد واضح ہو گئی اور سوراخ نمودار ہوا۔ جنی نے تمثیل اسے تھامیا اور خود بھی چھوٹے پتھر ہٹانے میں مصروف ہوئی۔ باہر آسان پر رہ رہ کر بھلی چمکتی تو انہیں مناسب روشنی میر آ جاتی۔ بالآخر اتنا راستہ بن گیا کہ وہ ریک کرنکل جائیں... اس کام میں جو وقت صرف ہوا، اس نے دونوں کے خدشات میں اضافہ کر دیا تھا۔

وسیکنڈ تک فریک نے تم قوت سماعت سرگن کے اندر ونی سرے کی جانب لگائی۔ پھر جینفر کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ بریٹا اس کے ہاتھ میں واپس آ گیا تھا۔

یکے بعد دیگرے باہر نکل کر انہوں نے تیزی سے جو تے پہنچے اور جیلتے ہوئے نیان کی تلاش میں دوڑے۔ ”دھیان سے۔“ فریک نے تنبیہ کی۔ وہ جس رخ پر نکلے تھے، وہ مختلف سمت تھی۔ فریک رک گیا۔ بھلی چمکتی تو اس نے چرچ کو دیکھا اور رخ بدلت کر یہ سمت دوڑ پڑا۔ جینفر اس سے چند قدم پیچھے تھی۔

کچھ دیر بعد وہ نیان میں نکلے جا رہے تھے۔ جینفر

عمارت گھورتا رکی، اور خون میں ڈوبی لائیں... تھے خانے کا بھی انک منظر، تعاقب میں خونی درندے... جنی کو لگا کہ وہ کی ہار مسودی کا نصر ہے۔

وہ نہیں مرے گی اور اس کی ہڈیاں بھی ان ہڈیوں میں شامل ہو جائیں گی۔

ثارج کی بیزی ڈاؤن ہو رہی تھی۔ فریک ایک سرخی مائل ماربل کے شیف کی طرف متوجہ تھا۔ جس میں ایک ”شاندار“ قدیم ڈھانچا نیش قیمت لباس میں لٹک رہا تھا۔ پہاں نہیں کس طرح ڈھانچے کو صحیح حالت میں رکھا گیا تھا۔ ورنہ اتنے عرصے میں اس کی ہڈیوں کا برادہ بن جانا چاہیے تھے۔ لباس کی شان اور نیت اس کے طلاقی بٹن اور زرگری سے عیاں تھی۔ وتفے وتفے سے صفائی کے ذریعے لباس کی حفاظت کا انتظام رکھا گیا تھا۔ کمرے میں ناگوار بوچھلی ہوئی تھی جس میں مختلف کیمیکلز کی بوجھی شامل تھی۔ فریک کی یادداشت میں فادر کو زادہ کی تغیری کے الفاظ گونج رہے تھے۔ فادر نے شامانہ ڈھانچے کا تعارف ”پادرے“ بولی فیس کے نام سے کرایا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ چوبیں کھنے کے اندر اندر وہ خود اس کمرے کی زینت بننے کی تیاری پکڑ چکا ہو گا۔

جنی ابکائی رکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

تحوڑی سی کوشش کے بعد پادرے بولی فیس کے شیف نے آواز کے ساتھ اپنا رخ بدل لیا۔ اس عمل کے دوران میں اچاک ”پادرے“ کے استخوانی ہاتھ کی ایک انگلی پک گئی۔ شیف کے عقب میں خفیہ سرگن بھی نمودار ہو گئی۔ فریک نے انگلی اٹھا کر ”پادرے“ کے لباس کی جیب میں ڈال دی اور اپنے لائٹ نکلا۔ کیونکہ ٹارج کی بیٹری نے جواب دے دیا تھا۔

فریک جینفر کو لے کر سرگن میں گھس گیا۔ اس نے شیف کو واپس اصل جملہ پر لانے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ وہ بخوبی آگاہ تھا کہ کسی کی رہنمائی کے بغیر تھے خانے کی بھول بھلیوں کو سمجھنا سہل نہیں تھا۔ قاتل ”پادرے“ بولی فیس“ تک پہنچنے میں خاصا وقت صرف کر پیٹھیں گے۔ ان کے نزدیک شکارتہ خانے کے پنجرے میں مقید ہو چکا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک نے سیزیمیں پر مور چا سنہجال رکھا ہوا اور دوسرا انہیں تلاش کرنے پر آگا ہو... بھض ٹارج کی مدد سے تلاش اور دشوار ہو گئی تھی۔ فریک کا اندازہ تھا کہ وقت صرف ہو گا تو قاتل بیٹری سے بھی اتحد ہو پیٹھیں گے۔

سرگن کی اوپنچائی کم تھی اور وہ جھک کر آگے بڑھ رہے

حایا جال

”ضروری نہیں کہ اصل مجرم زندہ ہو؟“ مارک نے اعتراض کیا۔ ”تم نے کہا تھا کہ لاش لازار کی ہے۔ اصل مجرم تو وہی ہے... پال مارچ کا معاملہ ملکوک ہے۔ وہ زندہ ہوتا تو دوسال میں کسی نہ کسی طرح جیسنفر سے رابطے کی کوشش ضرور کرتا... دوسرے یہ بات بھی ملکوک ہے کہ لاش لازار کی ہے۔ ایسا ہوتا تو بر قانی قبر سے پوری دولت نہیں تو کچھ حصہ ضرور ملتا...؟“

جیک پر سوچ انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

”موسکایا کو جیسنفر سے کلیو مٹے، کی امید ہے تو وہ اسے کیوں ہلاک کریں گے؟“

”یہ صرف امید ہی ہے اگر وہ جیسنفر سے اپنے مطلب کی کوئی بات نہ اگلوں کے تو وہ بے دریغ اسے ختم کر دیں گے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کرو، وہ کچھ جانتی ہے یا نہیں جانتی... البتہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر اسے کچھ پتا ہے تو موسکایا کو اس کی زبان کھلانے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور اس صورت میں بھی اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ سب سے بڑا خطرہ موسکایا ہے۔“

”عجیب بات ہے۔“ مارک نے اعتراض کیا۔ ”اگر تھیوری صحیح ہے تو ٹکلیشیر پر جیسنفر کو برہ راست ہلاک کرنے کی اکتوش کیوں کی گئی تھی؟“

”دو باتیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ تیسرے فریق یعنی موسکایا کے مجرم کی کارستانی ہو، یا ہماری تھیوری غلط ہو... اگر ہم بہت دور کی کوڑی لاکیں تو پھر فریک موسکایا کا مہرہ ہے جو جیسنفر کا اعتماد حیث چکا ہے۔ وہ متواتر اس کوشش میں ہو گا کہ جیسنفر کو پولیس سے دور رکھتے ہوئے کوئی کام کی بات معلوم کر سکے۔“

”آخری بات ٹھیک ہے تو اس کا مطلب جیسنفر در حقیقت موسکایا کی گرفت میں ہے؟“

”ملکل۔ اگر فریک، موسکایا کا بندہ ہے...“
”ابھسن سی ابھسن ہے۔ بہت سارے اگر، اگر اور مفروضے ہیں۔“ مارک نے منہ بنایا۔ ”ایک اور مفروضہ بھی شامل کرو۔“

”کون سا؟“ جیک نے پوچھا۔

”یہی کہ سب کہانیاں ہیں اور فریق صرف ایک ہے۔“

”وہ کون ہے؟“

”وہ تم ہو۔“ مارک نے بے دھڑک انگلی انھائی۔
جیک کا تھہہ بے ساختہ تھا۔ وہ کم از کم ایک منٹ تک

پشت کی پشت سے ایک لگائے گھری گھری سانسیں لے رہی تھی۔

وہ لوگ ان نک کیسے پہنچے؟ یہ سوال جتنی کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ اس نے فریک سے پوچھا ہی لیا۔

”گاڑی میں۔“ جگ، چھپا یا گیا ہے اور کوئی صورت نہیں۔ یہ کام کہیں بھی کیا گیا ہو گا، ممکن ہے کہ آغاز میں ہی کر دیا گیا ہو۔ جب میرا نے نسان چند گھنٹے کے لیے ورکشاپ میں وی تھی۔ اگر ہم ”جگ“ تلاش کرتے ہیں تو اس میں گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں۔ دوسری طرف نسان کے ساتھ ہم مستقل خطرے میں ہیں۔“

”پھر؟“

”پھر یہ کہ جلد از جلد نسان کو چھوڑنا ہے۔ اگلا قدم دار زور میلوے اشیش سے ”برگ“ کے لیے ٹرین پکڑنی ہے۔“

☆☆☆

مارک اور جیک، اوپل میں وارزو کی سمت گامزن تھے۔ عقبی نشست پر کراہم برا جہاں تھا۔ باش تھم کوئی تھی۔ تاہم سڑکیں گلی تھیں، جا بجا پانی کھڑا تھا۔

مارک نے پھر والیہ کلام چھیڑ دیا۔

”حاصل کلام یا کاوش فی الحال“ تھیوری، کی محل میں ہے۔ جیک نے بولنا شروع کیا جس نے بھی پچاس میں کا خریزہ چھا یا ہے وہ خاص حدت کے لیے زیر زمین چلا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پلا سٹک سرجی کے بعد اس نے ایک تینی زندگی کا آغاز رہ دیا ہو۔ لیکن باڑی کی دریافت کے بعد ہپکل مجھ تکی۔ مزید یہ کہ جیسنفر کی غیر متوقع شاخت نے صورت حال کو مزید اجھا دیا۔ بعد ازاں جو تباہ کاری ہوئی اور لاشیں گریں یا کراٹیں گیں، اس کے بعد پولیس کا روئیہ سکسر بدلتا ہے۔ داروغہ بطور پر وہ اندھیرے میں ہیں اور ظاہر ہے کہ اوئین تریخوں کے طور پر تھے کوڈ ہونڈتے پھر رہے ہیں۔ دوسری جانب رشیں ما فیا کا موسکایا کلین (CLAN) بھی اس کے تعاقب میں ہے، اس امید میں کہ پچاس میں کا کوئی سراغ لگ سکے۔ تیسری جانب اصل مجرم اگر اس بھاگ دوڑ سے باخبر ہے تو وہ بھی نہیں چاہے گا کہ جیسنفر کے ذریعے موسکایا اپنے مجرم تک پہنچ جائے۔ مختصر یہ کہ جیسنفر کے لیے سہ طرفہ خطرات ہیں۔ فریک میکال اس کے ساتھ ہے، بظاہر اس کا مسئلہ چک میکال کی سوت ہے اور وہ خوانخواہ خطرناک جاں میں الجھا یا ہے۔ موسکایا خون بہانے میں کسی قسم کا تردد نہیں کرتے۔

”انہوں نے پہلے معلومات حاصل کی ہوں گی۔“ آسانی فرض کیا جاسکتا ہے کہ قادر نے پوری کہانی سنائی ہو گی۔ وہ اور کریمی کیا سکت تھا۔ جسٹر کا ذکر بھی آیا ہو گا۔ ہم دونوں کی بات لازماً ہو گی۔ دوسال پہلے میں اپریل کو جوزخی آدمی یہاں پہنچا تھ۔ قادر اور دیگر را ہب اس کے بھی گواہ تھے۔ لہذا ان کو جان سے ہاتھ دھونے ہی تھے۔ میں نے پہلے بھی قیاس ظاہر کیا تھا کہ اس پُر اسرار کیس کے پُر اسرار مجرم ہر ایک گواہ، شواہد اور علامت مٹانے کے درپے معلوم ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہم دونوں بھی خطرے میں ہیں... یقیناً وہ ہمارے تعاقب میں ہی وہاں پہنچے تھے۔“

”ان کے وسائل اور پھر تیار ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں؟“ جمنی کی آواز میں ہراس کی جملک نمایا تھی۔

”ہاں، یہ خارج از امکان نہیں ہے۔“

فرینک دروازے کی جانب بڑھاتو جمنی کے ذہن میں خوف نے سراٹھا یا۔ ”تم کہاں جا رہے ہو؟“

”واش روم، کیا تمہیں جانا چاہئے؟“

”نہیں۔“ فرینک کی موجودگی اسے سہارا دیتی تھی۔ فرینک نے اس کی سرائیگی کو بھروس کر لیا۔

”گھبراو نہیں، میں جمد ہی واپس آ جاؤں گا۔ دروازہ بند رکھنا، او کے؟“

جمنی نے سر ہلا�ا اور نشست پر بینچے گئی۔ فرینک نے دروازہ کھول کر کوئی یہ ورکی دونوں سمتوں میں نظر ڈالی اور نکل گیا۔

جمنی کے تصور میں بہرج کے دہشت ناک مناظر گھونٹنے لگے۔ اسے پھر مارک اور بابی کا خیال آیا۔ جمنی نے پیک میں فون تلاش کیا اور اس پر اکٹاف ہوا کہ وہ سلی فون نہیں گرا چکی ہے۔ غالب امکان تھا کہ وہ بہرج میں گرا ہے یا پھر خفیہ سرگنگ میں۔

فرینک جلد واپس آگیا۔ اب اس کا حلیہ کافی بہتر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے واش روم اور ڈائیننگ کار کی نشاندہی کی اور کافی کے بارے میں پوچھا۔

”میں پہلے واش روم ہر آؤں۔“ جمنی نے اپنے ابتر حلیے کا جائزہ لیا۔

☆☆☆

واش روم میں اس نے اپنا چہرہ اور لباس درست کیا۔ پانی سے لباس کے داغ دھبے حتی الامکان دور کیے۔

ہستہ رہا۔ مارک سوچ رہا تھا کہ جیک یا تو بہت بڑا کار ہے یا پھر وہ خوانداہ اس سے بدظن ہو رہا ہے۔

جیک کی بھی تھی تو وہ بولا۔ ”چلو یہ مفروضہ بھی شامل کر لیتے ہیں... میں نے تمہیں ڈسک کے بارے میں بتایا تھا۔ اگر پال زندہ ہے اور تمیں ڈسک مل جاتی ہے تو ہم موسکا یا کونک اپ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ڈسک میں ”رام انسٹیشنل“ کے سوئس کھاتوں کے نمبرز کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے لیکن اگر یہ خواب پورا ہوتا ہے تو پال طے شدہ 112 ملین طلب کرے گا اور تحفظ کے لیے ”وٹس پروٹیکشن“ کی سروت مانگے گا... اپنے، چینفر اور بابی کے لیے۔“

”میں سب جانتے ہیں کہ چینفر کو کچھ نہیں معلوم۔“ مارک نے کہا۔ ”یہ بھی ضروری نہیں کہ پال زندہ ہو۔“

”چینفر جب HQ بلڈنگ، بادی کی تصدیق کے لیے گئی تھی تو اس نے اجنبی لغش کے ساتھ پاسپورٹ اور اپنے والد کے کپڑے شاخت کے تھے۔ ہمارے آدمی کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق اسے برف سے ٹلنے والے مزید شواہد بھی دکھائے گئے تھے جو کپڑوں اور بیگ سے برآمد ہوئے تھے.. ہمارا آدمی ان شواہد کی تفصیل بتانے میں ناکام رہا اور عمارت کی تباہی میں مارا گیا۔ میں پتا ہے نہ موسکا یا کو کہ چینفر نے بادی کے علاوہ کیا کیا دیکھا... امکان موجود ہے کہ اس۔ کوئی ایسی چیز نوٹ کی ہو جو تھی کو سمجھا سکے۔“ پیشتر س کے کہ مارک کوئی بات کرتا، جیک کا سل فون گلتا نہ لگا۔

مارک اور ”کار“ کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن جیک کے چہرے کا تغیر اس کے سامنے تھا۔

”تمہیں یقین ہے کہ وہ جا چکے ہیں؟ او کے، ہم تیس منٹ کے اندر پہنچ رہے ہیں۔ کسی چیز کو ہاتھ مت لگانا۔ سن رہے ہو۔ کسی شے کو مت چھونا۔“

☆☆☆

چینفر اور فرینک ٹرین کے درمیانی حصے کے ڈبے کے ایک کپارٹمنٹ میں تھے۔ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ٹرین کی روانگی کے وقت سیاہ نویٹا وہاں پہنچ چکی تھی۔ چند منٹ کے فرق سے سیاہ نویٹا کی قاتل سواریوں نے ٹرین مس کر دی تھی۔ تاہم وہ دونوں نکٹ بوٹھ سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ ان کے ”شکار“ کی منزل کون ہے۔

”انہوں نے قادر اور ان کے ساتھیوں کو کیوں...؟“ جمنی فقرہ مکمل نہ کر سکی لیکن مطلب واضح تھا۔

مایا جال

دور میں مرکزی سڑک پر مرکوز کروی۔ وہاں کسی آدمی یا کار کا نام و نشان نہ تھا۔

جب سے ویزن ہارن پر زیر برف "باؤی" دریافت ہوئی تھی۔ تب سے اس کے روز و شب خوف کے زیر سایہ گزر رہے تھے۔ تین دن قبل اس نے ایک کار دیکھی تھی جو کئی بار فارم کے آس پاس دکھائی دی تھی۔ اس نے دور میں رکھ کر پسل نکالا اور اسے چیک کرنے لگا۔ بعد ازاں اس نے دونوں کٹوں کے نام لیے۔ ڈو بر میں اس کے ساتھ ہی لگے رہتے تھے۔ اس نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ان کے خونخوار جڑے ایک اشارے پر کسی کوئی چیز پھاڑ کتے تھے۔ اس کے کہنے پر ڈو بر میں فرنٹ پورچ بیس جا پہنچے۔

مکن کے قریب ڈیو/ٹی ڈی سیکورٹی اسکرین موجود تھی جس کا نکشن دو گھروں کے ساتھ تھا جو فارم ہاؤس کے سامنے اور عقبی حصوں کو مانیٹر کرتے تھے۔ اس نے اسکرین آن کر کے بیرونی مناظر کا جائزہ لیا۔ سلطمن ہونے کے بعد پسل اس نے واپس جیب میں رکھ لیا۔ "باؤی" کی دریافت کے بعد اس کا راز خطرے میں پڑ گیا تھا لیکن وہ کسی بن بلائے مہمان کے استقبال کے لیے تیار تھا۔

☆☆☆

نویارک۔

"گاردا" لاگ بیج پولیس ڈپارٹمنٹ کے دفاتر میں موجود تھا۔ پرائم انٹریشنل سیکورٹیز کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے اس نے انٹرنیٹ کو تادیر کھنکالا تھا۔ تاہم کوئی نئی خاص بات معلوم کرنے میں ناکام رہا۔ کمپنی بند ہو چکی تھی۔ بہر حال اسے ایک کلیوں میں کمپنی کا فارم و اس پر یہ ڈپارٹمنٹ فریڈرک کریمر اب میں بہن انویسٹیٹ بینک میں ملازم ہے۔ کریمر بینک کے سیکورٹیز کے شعبے میں تعین تھا۔

گاردا نے نمبر تلاش کر کے فون ملایا۔ فون کریمر کی سیکریٹری نے وصول کیا۔ گاردا نے اپنا تعارف کرایا۔ کچھ دیر بعد وہ کریمر سے مصروف گفتگو تھا۔ س نے کریمر کو پال مارچ کا اشارہ دیا۔

"کیا یہ بات چیت آفیشل ہے؟" کریمر نے سوال کیا۔

"نہیں۔ دو سال قبل پال غائب ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت میں اس کیس پر کام کر رہا تھا۔"

"ہاں، وہ بڑا لناک واقع تھا۔ پال اپنے کام میں ماہر تھا اور اسٹاف کے لیے باعثِ تکریم۔"

جنی بآہر نکلی تو کوریڈور کے سرے پر اسے دو آدمی دکھائی دیے۔ اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔ غور اور تصدیق کا وقت نہیں تھا۔ اولین خیال چرج کے سنج دل قاتم کا تھا۔ ایک بیورے بالوں والا تھا۔ اس کی آنکھ کے نیچے زخم کا لمبا نشان تھا۔ دوسرا پستہ قد اور گنجائی تھا۔ ان کے چہروں پر لکھا تھا کہ وہ کس مقام کے آدمی ہیں۔ ٹرین کی اپسید میں فرق پڑا۔ وہ ایک سرگنگ میں داخل ہو رہی تھی۔

جنی چیخ مار کر اندھا دھند دوڑی۔ اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے عقب میں دوڑتے قدم کی دھمک سنی اور ایک کمپارٹمنٹ میں گھس گئی۔ جہاں طلبہ کا رش تھا۔ وہ چلائی ہوئی راستہ بتا رہی تھی۔ دونوں آدمی اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔

جنی کی واحد امید فریک تھا۔ کم از کم وہ مسلح تو تھا۔ وہ پھر کوریڈور میں نکل گئی۔ اس کا کمپارٹمنٹ میں قدم دور تھا۔ قائل دس گز کے قابلے پر تھے۔ وہ طلق پھاڑ کر فریک کو آوازیں دے رہی تھی۔

دروازہ کھول کر وہ اپنے کمپارٹمنٹ میں پہنچی۔ قائل سر پر تھے۔ وہ سکتے تھے کہ عالم میں پہنچی پہنچی آنکھوں سے خالی کمپارٹمنٹ کو گھور رہی تھی۔ فریک وہاں نہیں تھا۔

☆☆☆

کہہ آلو دشام تھی۔

وہ ایک دور افتابی فارم تھا۔ قریبی گاؤں بھی کوئی تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ شخص تہارہ بائش پذیر تھا۔ اس کے سامنے دو "ڈو بر میں" (گئے) تھے۔ وہ باڑے میں گائے کا دودھ دوہنے میں مصروف تھا۔ ڈو بر میں اس کے قدموں میں لوٹ رہے تھے۔

وہ کام سے فارغ ہو کر اٹھا تو دونوں ڈو بر میں ساتھ ساتھ تھے۔ دو دھکے بڑن اس نے کچن میں رکھے۔ اس کی جسمت اچھی تھی۔ اس نے جیکٹ اور بزرگ کے ربر بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر موسم و سفر کے سرد و گرم کے نمایاں اثرات تھے۔ علامات بتا رہی تھیں کہ وہ کسی بر قانی علاقہ میں فراست باشت کا شکار ہو چکا ہے۔

پلاسٹک سرجن کی کاؤشوں کے باوجود اس کی ٹاک کا ایک نہ صنان غائب تھا۔ باسیں ہاتھ کی تین الگیاں غائب تھیں۔ اس نے پردوں کی جھریلوں سے باہر جھانکا۔ پھر میز کی جانب کیا جہاں ایک دور میں ابرا خبار پڑا تھا۔

اس نے دور میں انھائی۔ واپس کھڑکی پر آ کر اس نے

اس لیے پڑھنی کہ بینفرقاً ممکن تھی۔ اس کے بیان کے مطابق قاتل نے اس پر مجرمانہ حملہ کی کوشش کی تھی۔

”دوسری بار جس نزد کو فلٹھیر پر نشانہ بنایا گیا۔ وہ کامیاب ہو جاتا تو حادثہ ہی معلوم ہوتا۔ چک میکال کی ہلاکت کو بھی پولیس حادثہ بھتی رہی جبکہ کیپشن وٹر اور اس کی بیوی کی دارداں میں بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ وکٹر نے بیوی کو قتل کر کے خود کو کوئی مارکے ہلاک کر لیا۔ اب یہاں بھی یہی صورت حال ہے۔ جیسے ایک راہب نے دیوانگی کے عالم میں اپنے ساتھیوں کو قتل کیا پھر خود کشی کر لی۔“ مارک نے تجزیہ پیش کیا۔

”ٹھیک کہتے ہو۔“ جیک بولا۔

”یعنی ایک بات یہاں ہے کہ یہ ساری کارستی ایک ہی گروہ کی ہے۔ وارداتوں کا انداز یہاں ہے اور شاید وہ گروہ / تنظیم یا فرقہ ”موسکا یا“ ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“

”ایک اور اہم بات۔“ مارک نے نکات اٹھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ”بیسٹر پر کل تین ٹھنے ہوئے اور وہ تینوں بار نجیگی۔ نہ وہ پولیس میں ہے، نہ ہی اسے اس قسم کے حالات و معاملات سے نہ نہ کوئی تجربہ ہے... ایسا کیوں اور کیسے؟“

”قسم، اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس کی اور ہماری بھی خوبی قسم۔“ جیک نے جواب دیا۔

”صرف قسم؟“

”تم کیا کہو گے؟“

”ایک بار... دوبار... تین بار... اگر یہ قسم ہے تو ”گولڈن لک“ ہے۔“ مارک نے بتایا۔ ”ایک بار چلتا ہے، تین بار ہضم نہیں ہوتا۔“

”گولڈن گرل۔ گولڈن لک... اور کوئی تو جیہہ نہیں ہے جب تک تبادل تو جیہہ سامنے نہ آئے۔“ جیک نے کہا۔

”ویسے تم نے دور کی کوڑیاں لانا شروع کر دی ہیں۔“

”تو کیا کروں۔ اگر اسے قسم مان لیا جائے تو مزید کتنی دیر چلے گی۔ مطلب یہ کہ اگر یہ قسم ہے تو وہ جلد ہی ماری جانے والی ہے۔ موسکا یا حقیقت ہے تویی آئی اے ہر مرتبہ دو قدم پچھے کیوں رہ جاتی ہے؟“

”بدستی۔“ جیک نے سابق انداز میں جواب دیا۔

”بہت خوب۔ تو پھر بھاگ دوڑ بند کرو۔ تم لوگ بد قسم ہو اور وہ خوش قسم۔ لہذا صحیح سلامت خود ہی داچس آجائے گی۔“ مارک نے کھلاٹز کیا۔

کریم نے کہا۔ ”تاہم مجھے اس کے ساتھ کام کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ غالباً ایک سال کام کیا ہو گا اس لیے میں اس کو بہت زیادہ نہیں جانتا تھا۔“

”کمپنی کو کیوں بند کیا گیا؟“ گارданے سوال کیا۔

”میں کوئی خیال پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ کام اچھا چل۔ ہاتھا۔ یقیناً ماکان کے پاس کوئی معقول وجہ ہو گی۔“

”نم ماکان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“

”کوئی شیل کمپنی بھتی، کے میں کی۔“

”کچھ وضاحت کر سکتے ہو؟“

”کے میں والی شیل کمپنی کو کوئی اور کمپنی اون کرتی تھی۔ جبکہ اس کمپنی کے اوڑکا اوڑکوئی اور تھا۔ یہ ایک بیچ دار کارپوریٹ اوڑشہ اسٹرپھر کی قسم ہے جس کا مقصد گھٹائی، یہیں چوری وغیرہ ہوتا ہے۔“ کریم خاموش ہو گیا۔

”اکے، خبر یہ ہے کہ پال مارچ کی باڑی، سوکس، اٹالین بارڈر پر زیر برف فلٹھیر پر سے دریافت ہو چکی ہے۔“

”ھم... مجھے خبر نہیں تھی۔ جیہت انگریز۔“ کریم کے چہرے پر جراں گی کے سوا کچھ نہ تھا۔ فون پر یہ جیہاں گی گاردانہ دیکھ سکا۔

”میں ”کیس“ پرواپس آنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ کچھ سوالات ہیں شاید تم مدد کر سکو۔“

”معذرت خواہ ہوں مسٹر گارڈا، میں پہلے ہی جو جانتا تھا، وہ بتاچکا ہوں۔ گذڑے۔“ لائے جان ہو گئی۔

اٹلی۔
لاشوں کی تعداد تین تھی۔ دو کے گلے کے ہوئے تھے جبکہ معلوم ہوتا تھا کہ تیرے نے پھنڈا گا کر خود کشی کی تھی۔

”تینوں راہب ہیں۔“ ایجنت فیلوز نے بتایا۔ اس کے ہاتھ میں، ایکٹرک ٹارچ تھی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا اور ہر طرف ویرانی تھی۔

”بیٹھنا اور میکال غائب ہیں۔“ جیک نے کہا۔
”ہاں، دو کمروں کے شواہد بتاتے ہیں کہ وہ دہاں نہ ہرے تھے۔“

”چلو، دکھاؤ اور جلدی۔“
”انٹر-شنگ۔“ مارک نے تبرہ کیا۔ ”دو سال پہلے یارچ کے گھر میں جو کچھ ہوا، اسے یہ رنگ دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ پال، یارچ فیصلی کو قتل کر کے نکل گیا۔ قیصری کمزور

سایا جال

نے کہا کوڈ جاؤ لیکن نرین برق رفتاری سے ابھی تک سرگنگ میں دوزرہی تھی۔ اس کی حالت دہشت زدہ ہرنی کی طرح تھی، دماغ ماؤف تھا۔ مہلت ختم ہو گئی تھی۔

تمن سینڈ بعد گنجائی قاتل نسودار ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں مشین پسل تھا۔ خوف دہشت نے جنی کو مفلوج کر دیا تھا۔ پست قد گنجے نے اسے بے بس چڑیا کی طرح دبوچ لیا۔ اس کے کمر وہ لس نے جنی کو پھر بیدار کر دیا۔ وہ تڑپ اٹھی۔ ریمل کے طور پر اسے تھپڑ کھانا پڑا پھر پست قد گنجے نے اسے گلنے سے دبوچ کر کھلی کھڑکی سے لگا دیا۔

جنی سمجھ گئی کہ وہ اسے گولی نہیں مارے گا بلکہ کھڑکی سے باہر پھیکے گا۔ وہ دیوانہ وار ہاتھ پر چلا رہی تھی۔ ایک بار پھر دو کے لیے اس نے چختا شرود کر دیا۔ گنجے کے ہاتھ کا دباو بڑھا تو اس کی چیخ بھی گھٹ گئی۔

جنی نے انہوں کی طرح اپنا بیگ کھول کر اس میں ہاتھ ڈالا۔ کوئی سخت چیز اس کے ہاتھ سے نکرائی۔ یہ بال چین تھا۔ اس نے ذوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ قوت جمع کی اور گنجے کے چہرے پر دوار کیا۔ بال پاٹنٹ اس کی آنکھ میں جا گھسا۔

گنجے کی کرب میں ڈولی ہوئی چیخ بلند ہوئی۔ جنی آزاد ہو گئی۔ قاتل کے ہاتھ سے مشین پسل گرم گیا تھا۔ وہ خود بھی لر کھرا کر گرا اور ایک ہاتھ سے بال ہیکن باہر کھینچا۔ ساتھ ہی خون کی پچکاری اچھلی۔ وہ لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اتفاق سے وہ دروازے میں گرا تھا۔ جنی نے پھلانگ کر باہر لکھنا چاہا لیکن گنجے نے اس حالت میں بھی اس کی ایک نانگ پکڑ لی۔

جنی کی نظر مشین پسل پر پڑی، وہ ہاتھوں کے مل پر نیچے گئی اور لیٹ کر مہلک ہتھیار پر تعقیر کر لیا پھر نانگ کو بل دے کر رخی قاتل کی گرفت سے چڑایا۔ جنی کا سانس دھونکن کی طرح چل رہا تھا۔ سکینڈ کے وسویں حصے میں فادر کی لہلوہو لاش اس کے تصور میں ابھری۔ جنی نے بلا تامل نر گرد بایا۔ مشین پسل کی ترتیبا ہٹ گوئی۔ بیشتر گولیاں خالی تھیں۔

تاہم پھر بھی دو گولیوں نے اس کا دایاں شانہ اور ڈالا۔ وہ چختا ہوا دروازے کے باہر جا پڑا۔ اسی وقت فریبک بریٹا ہاتھ میں لیے گولے کی طرح گنجے کو پھلانگ کا ہوا اندر داخل ہوا اور پسل جیتفر کے ہاتھ سے لے لیا۔

جنی کئی پتنگ کی طرح فریبک کی بانہوں میں جا گری۔ وہ ہنگیوں سے رو رہی تھی۔ وہ ابھی تک دوسرے قاتل کو بھولی ہوئی تھی۔ فریبک اسے دلا سادے رہا تھا۔

”فریبک... مم... میں... میں نے اسے مار

”مارک تمہارا غصہ اور تشویش بجا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جد کامیاب ہوں گے اور تمہارے تمام سوالات حل ہو جائیں گے۔ ہمیں ایک ہی کامیابی ملے اور وہی آخری اور فیصلہ گن ہو گی۔ قبل اس کے پولیس پہنچے، یہاں سے نکلو۔ گراہم تم فیلوز کے ساتھ ہو گے اور مارک میرے ساتھ جائے گا۔“

☆☆☆

نصف سکھنے بعد نیلی نسان و ارزوریلوے اسیشن سے کچھ فاصلے پر مل گئی۔ مارک نے لائسنس پلیٹ پہچان لی۔ نسان کی چابیاں اسیشن میں تھیں۔ محosoں ہوتا تھا کہ گاڑی کو لاوارٹ چھوڑ دیا کہ تھا۔ گراہم نارج لے کر گاڑی کے نیچے گھسا ہوا تھا۔

”لیکن اب انہیں گاڑی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ریل گاڑی کی ضرورت ہے۔“ مارک نے قدرے فاصلے پر ریلوے اسیشن کو دیکھا۔

”اعجھے جارہے ہو۔“ جیک نے تائش کی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا۔ لکھت، ایشو کرنے والا یقیناً جوڑے کو بھولا نہیں ہو گا۔ دونوں امریکن ہیں... میں معلوم کر کے آتا ہوں۔“ جیک اسیشن کی طرف بڑھ گیا۔

”کیا ڈھونڈ رہے ہو؟“ مارک، گراہم کے قریب ہو گیا۔ وہ کوئی شخصی شے لے کر نسان کے نیچے سے نکل رہا تھا۔

مارک نے اس کی کھلی ہتھیلی کو دیکھا۔ ”مگر؟“

”ہاں، ہماری طرح کوئی اور بھی ان کے پیچے گا ہوا ہے۔“ گراہم نے کہا۔

”اور ہم پھر دا قدم پیچھے ہیں۔“ مارک بڑھا۔ وہ لوگ جیک کا انتفار کرنے لگے۔ جیک ثابت خبر لے کر آیا تھا۔

”وہ دونوں ”بُل“ کی سوت گئے ہیں۔“

☆☆☆

جنی نے چند لمحے ضائع کیے اور بعد ازاں پلت کر پھر کوہیڈور میں بھاگی۔ قاتل بس چند قدم دور تھے۔ مایوسی کا اندر ہیراز ہن بن اترنے لگا۔ اس نے سر جھنکا اور اندر ہا دھنڈ پوری قوت سے دوڑ پڑی۔ اس کا ذہن خالی تھا۔ یہ خیال بھی نہیں آیا کہ قاتل بہ آسانی اسے گولی مار سکتے تھے... وہ متواتر چیخ رہی تھی۔ شاید فریبک کہیں سے آ جائے لیکن امید برن آئی۔ وہ ریل ڈبے کے سرے پر تھی۔ وہ بلا سوچے سمجھے ایک کھلے کیا رہمنٹ میں کھس گئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کی نظر کھلی کھڑکی پر پڑی۔ ذہن

انہوں نے دو متوازی کمروں کی خواہش ظاہر کی۔
دونوں کے طیبے مخلوق تھے۔ نہ کوئی سامان تھا۔ وقت بھی
نصف شب کا تھا۔ ریپشنٹ کی آنکھوں میں شک کی جملک
تھی۔ اس نے ریز رویشن کے بارے میں سوال کیا۔
جواب فلی میں ملا۔ ”ہماری کارقصبے کے باہر خراب ہو
گئی تھی۔“ فرینک نے کریڈٹ کا رد نکالا۔

”دولمحقہ کمرے دستیاب نہیں ہیں۔“ استقبالیہ کلرک
نے مغدرت کی۔ ”تمن سوچھا اور تم سونول سکتے ہیں دونوں
میں تم کمروں کا فاصلہ ہے۔“

جنی اور فرینک نے جسٹریشن کا رد بھرے۔ لکر
نے بغور ان کے پاسپورٹ چیک کیے۔ نیز اس نے فرینک
کے کریڈٹ کا رد عجمی نعل بھی رکھ لی۔ پھر دو عدد دو کارڈ ان
کے حوالے کے۔

جنی اسکی طے کرے میں رکنے سے چکچا رہی تھی۔ وہ
خاصی خوف زدہ ہو چکی تھی۔

”جیسے تم اتنی کمزور نہیں ہو۔ ٹرین میں تم نے
استطاعت سے بڑھ کر حالات کا مقابلہ کیا تھا۔ مضبوط
رہو۔ صبح ہم ”دوگل“ کو تلاش کریں گے۔“

فرینک نے اسے حوصلہ دیا اور اگلے قدم کے بارے
میں بتایا۔

☆☆☆

جنی اپنے کرے کی کھڑکی میں کھڑی برگ کی
روشنیوں کو تک رہی تھی۔ گزرے ہوئے پے در پے خوفناک
واقعات نے اس کی توانائی خبوزی لی تھی۔ اس کا ذہن پریشان
تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ دونوں رات کے
اس پھر کوئی سرگرمی دکھانے کے قابل نہیں تھے۔ کھڑکی میں
کھڑے کھڑے اس کے دماغ میں ایک خیال رینگا۔

فرینک نے اسے کرے تک مدد و درہنے کی تائید کی
تھی لیکن اس نے نائٹ اسٹینڈ سے کارڈ اٹھایا اور دروازہ
کھول کر باہر نکل گئی۔

☆ ۲۲ ☆

وہ ہوٹل برگ ریلوے اسٹینڈ سے قریب تھا۔
چاروں امریکھر کے ہاتھوں میں ایک ایک بیگ بیگ تھا۔ نائٹ
پورٹ نے گیٹ رجسٹریشن کا رد بھرا کر انہیں چار سنکل روم
الاٹ کر دیے۔

جیک نے اس سے اکیلے میں کچھ بات کی اور اسے
بھاری ٹپ سے نوازا۔ بعد ازاں وہ اپنے ساتھیوں کی
جانب آیا۔ ”اپنے اپنے بیگ کمروں میں چھوڑ کر دو منٹ

دیا؟“

”فیک کیا اور نہ وہ تمہیں مار دیتا۔ پہنیں مر ابھی ہے
یا زندہ ہے۔ خود کو سنبھالو۔ بشاباش حوصلہ کر د۔“

”تم... کہاں طے گئے تھے؟“

”بن کافی کے لیے گیا تھا، چلو آؤ۔“ فرینک نے اس
کا ہاتھ پکڑا۔

جنی نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر گنجے کا ساتھی بھی فرش
چاث رہا تھا۔

”کیا وہ مر گیا؟“

”نہیں۔ البتہ میں نے بریٹا سے اس کا سر اچھی
طرح مخونک دیا تھا۔“ فرینک نے دونوں کے ہتھیار جمع
کیے۔ میزین الگ کر کے برج ایمونیشن سے خالی کر دیے۔
پھر تاکارہ اشیائی پسل کھڑکی سے باہر اچھال کر ہاتھ
چھاؤے۔

تب ہی جیفرنے فٹ کیا کہ فرینک کے چہرے پر
خون آلود خراشیں پڑی تھیں اور ایک آنکھ کے نیچے زخم تھا۔
”یہ... یہ کیسے؟“ جنی کی آواز میں تائف تھا۔

”ہونا ہے معمولی بات ہے۔ گنجے کا ساتھی جامیت
کے برکس نہ صاخت جان تھا۔ یہ دونوں وہی ہیں جو چچ
میک پہنچے تھے۔“

”ان کی پھر تیاں ناقابلِ یقین ہیں۔ دونوں یہاں
میک اتنی جلدی پہنچے کیسے؟“

”اس پر پھر بات کریں گے۔ نکلنے کی تیاری کرو۔
ہمیں اسٹینڈ سے پہلے اترنا ہو گا۔ ٹرین سرٹنگ سے نکل گئی
ہے۔ ہم کھڑک کا سے کو دیں گے۔ میں لیور گنجے کر آتا ہوں۔
ایم جنی اسٹاپ لیور کے استعمال کے بعد ٹرین کی
رفارکم ہونے لگی۔“

☆☆☆

وہ لوگ برگ مار کیٹ اسکواڑ من تھے۔ قصبه تارکی
میں ڈوبا ہوا تھا۔ سڑکیں سنان تھیں۔ رات کا ایک نئے رہا
تھا۔

”اس وقت کچھ نہیں کیا جا سکتا۔“ جیک نے کہا۔
فی الحال چند گھنٹے بہیں آرام کرنا ضروری ہے۔“ وہ واکس و ٹین
میں تھے۔ جیک نے گراہم کو ہوٹل کی ٹلائی پر مامور کیا تھا۔

☆☆☆

دونوں ریلوے ٹریک کے ساتھ پیدل چلتے رہے۔
”برگ“ کی حدود کے قریب انہیں ایک کیبل گئی جس نے
انہیں ایسیڈ رہوٹل تک پہنچادیا۔

محبتوں سے حسین رنگ فروری 2015ء کے پاکیزہ کے سنگ

کراچی



نگعت سیدماں رفاقت جاوید کے قلمی بنر کے شاہکار ناول نئی اقسام کے براہ

ذایاب جیلانی کے فن کا عروج ... ترک وفا کا بھر پورا اختتام

زاہدہ پروین کے قلم سے محبتوں سے گندھامنی ناول ... جنگل کا پھول

اسما قادری کی متأثر کن آمد ... ایک بھر پور مکمل ناول کے ساتھ

عظمی آفاق سعید کے پر لطف سفر نامہ کا مزید احوال



— روز کے علاوہ —

ان ماہی ناز قلم ڈاروں کی تازہ ترین تحریریں پڑھیے جن میں ناہید سلطانہ اختر، عالیہ حرا، سیدما سراج، رضوانہ پرنس، غزالہ جلیل راؤ، دمیر شامل ہیں

اس کے ساتھ ساتھ مستقل متنوع سلسلوں کا دلکش اور دلبرا امتزاج صرف آپ کی اعلیٰ ذوقی کی نذر

ایک کمرے میں ہوتے ہوں گے؟ کیا جسی، فریک سے متاثر ہو چکی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

جلد ہی اس نے منفی سوچوں پر قابو پالیا۔ اسے جسی پر اعتماد تھا اور جسی کو اس پر۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے لیے جسی کے دل میں کیا ہے اور کیوں دل کی بات جسی کی زبان پر آتے آتے رک جاتی ہے۔ وہ بخوبی آگاہ تھا کہ جسی بھی اس کے حال دل سے بے خبر نہیں ہے۔ جسی کی زندگی میں ایک ہی مرد ہے، مارک۔ چاہے وہ فاصلے پر ہی سمجھ۔

اسے کچھ دیر قبل کے، اپنے گھٹیا خیالات پر شرم محسوس ہوئی۔ وہ عام مردوں کی طرح سوچنے لگا تھا جبکہ جسی کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ جسی کا پیانہ معیار بھی عمومی نہیں تھا۔ اس نے ہونٹ اپنے ہاتھ کی پشت پر وہاں رکھ دیے جہاں امریکا سے روانہ ہونے سے قبل جسکی نے قرض اتنا نے کے بھانے اپنے لبوں کی مٹھاں منتقل کی تھی۔

مارک نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی نے۔ اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ گاردا کی کال ہے۔

”بابی کا کیا حال ہے؟“
”وہ تھیک ہے لیکن: وکیارہا ہے؟ تم سوئزر لینڈ میں کیا کر رہے ہو؟“

”بڑی لمبی کہانی ہے۔ اس وقت نہیں سنائی جا سکتی۔“
”لی الحال میری بات سنو، ایک اور کام تھیں کرنا ہے...“
مارک نے اسے سمجھایا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

”میں واپس ڈیک رہ آگیا ہوں۔ ہم دونوں مل کر یہ کیس ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتے ہیں... بڑا چانس ملا ہے مجھے۔“ گاردا نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔ میں جلد بات کروں گا۔“ مارک نے جواب دیا۔

☆☆☆

جسی سائز ہے چھ بجے بیدار ہوئی تھی۔ وہ گہری نیند سوئی تھی اور اپنی رات دالی دریافت پر خوش تھی۔

اس نے شاور لے کر لیاں تبدیل کیا اور کوریڈور میں نکل آئی۔ وہ فریک کے کمرے پر بھی۔ دسک پر فریک نے دروازہ کھولا۔ وہ بھی ڈریں اپ تھا۔ تاہم اس کے بال ابھی گیلے تھے۔

”نیند آگئی تھی؟“ فریک نے اسے اندر آنے کے لیے چکر دی۔

”میں تو تکیے سے لگراتے ہی سوچنی تھی۔“

کے لیے میرے کمرے میں آجائو۔“ اس نے مختصر مینگ کی خواہش کا الہام رکیا۔

مارک نے اپنے کمرے کا لاک کھولاتا اس کا ارادہ تھا کہ گاردا سے بات کرے اور بابی کی خیریت بھی معلوم کرے۔ اس نے حساب لگایا کہ اس وقت نیو یارک میں شام کے سائز ہے سات نئے رہے ہوں گے۔ مارک کے علم میں تھا کہ گاردا گھر پہنچنے سے قبل بار میں ضرور رکے گا۔ اس نے جیک۔ مینگ کے بعد کال کرنے کا فیصلہ کیا۔

کمر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ گراہم اور فیلوز مارک سے پہلے ہی جیک۔ کے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔

”میرے اندازہ ہے کہ انہیں ٹرانسپورٹ کی ضرورت پڑے گی۔“ اس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ صبح کے آغاز میں وہ کار ہاڑ کریں گے۔ ناٹ پورٹ نے بتایا ہے کہ ناؤن میں معقول کار ہاڑ آفس ایک ہے اور وہ ہے ”ہرٹز“۔ تو ہمیں ابتداء بھی وہیں سے کرنی ہے۔ مارک تم آفس کھلنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاتا۔ میں اسٹیشن پر رہوں گا۔ گراہم ہوٹلوں میں فون کرے گا۔ فیلوز بسوں کے اوڑے پر ہو گا۔ علاوہ ازیں میں ہیڈ آفس فون کر کے پچاس میل کے دائرے میں تمام ہوٹلوں کی بکنگ ریکارڈ کا ڈینا میں حاصل کروں گا۔ ہم اپنے نارگٹ سے بہت قریب ہیں اور کوئی دقیقة فروڑ اسٹ نہیں رکھیں۔ مگر، کوئی سوال؟“ وہ چپ ہو گیا۔ خاموشی۔

”گذا!“ جیک پھر بولا۔ ”پورٹ کو میں نے چھ بجے کی کال کی ہدایت کی ہے۔ یعنی آرام کے لیے ہمارے پاس چار گھنٹے ہیں..“

☆☆☆

مارک انڈر گارمنٹس میں بستر پر بیٹھا تھا۔ اس نے گاردا کے گھر پر کال کی تھی۔ وہ ابھی تک باہر تھا۔ آنر گنگ مشین پر اس نے پیغام میں اپنے ہوٹل کا نام کر انبر بتا کر کال بیک کا پیغام چھوڑ دیا۔

پھر وہ لہڑکی کے پاس آگیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ جسی کہیں آس پاس ہے۔ اس کے ساتھ فریک ہے اور کئی روز سے متواتر جسی کے ساتھ ہے۔ جسی کے تصور نے اسے اضطرابی یہ جان میں جلا کر دیا۔ ساتھ ہی اسے حسد کا احساس ہوا۔ ”خادم“ تو وہ تھا جبکہ کئی روز سے فریک متواتر جسی کی ”خدمت“ کے فرائض انجام دے رہا تھا اور بظاہر بخوبی دے رہا تھا۔

جو خیالات مارک کے کردار سے مطابقت نہیں رکھتے تھے، ان خیالات نے اچانک یلغار کر دی۔ کیا وہ دونوں

☆☆☆

مارک مڑک کے دوسری جانب سے ہر ٹز کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے رین کوٹ اور چیٹ لیا ہوا تھا۔

اچانک ایک فیاث کے پہنچے چڑھائے۔ مارک چونک اٹھا۔ ”اندر نہیں۔“ جیک نے دروازہ ھولा۔

”کیا ہوا؟“ مارک فیاث کی نشست پر آگیا۔

”ڈیٹا نیس سے معلوم ہوا تھا، کہ رات سوا ایک بجے دو مہماں ہوں گے آئے تھے۔“

”کون سا ہوں؟“

”ایمپیسڈر۔“

فیاث چند منٹ میں ایمپیسڈر پر تھی۔ اندر سے گراہم تقریباً بھاگتا ہوا لگلا۔ ”وہ آدھا گھنٹا پہلے کار ہائزر کرنے لگے ہیں۔“ اس نے خبر دی۔

”ممکن نہیں ہے۔ مارک ہر ٹز کی نگرانی کر رہا تھا۔“

”وہ ہر ٹز نہیں کئے تھے۔ کارک نے انہیں ایک دوسری چھوٹی کھنی کی جانب بھیجا ہے۔“ گراہم نے نئی اطلاع دی۔

اسی وقت فیلوز کی کال آئی۔ ”وہ لوگ نیوی بلیوکلر کی واسک و میکن مالف میں لگے ہیں۔“

”کہاں؟“

”مرناو، ٹاؤن ہال۔ لائنس پلیٹ کا نمبر میرے پاس ہے۔“

☆☆☆

مرناو ایک خوب صورت قصہ تھا۔ ایک درجن کے قریب چھوٹے چھوٹے مہماں خانے اور اسکالی لا جڑ تھیں۔ ٹاؤن ہال کی بلند تک صد یوں پرانی تھی۔ جینی نے کار پارک کی اور دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔

”کیا مدد کر سکتی ہوں؟“ ڈیک کلر کے پوچھا۔ وہ نوجوان اور خوش مزاج خاتون تھی۔ جینی نے اپنا معا bian کیا۔

خاتون کلر کمپیوٹر کی جانب متوجہ ہو گئی۔

”ہر ہر برٹ ووگل۔ باول اسٹریس میں مقیم ہے۔ یہ چلہ اولڈ مارکیٹ اسکوار کے قریب ہے۔ وہ ایک ریٹیٹ پولیس میں ہے۔“ خاتون نے بتایا۔ ”دوسرا ہر ہیز چوگل، مرناو سے پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر ایک فارم میں رہتا ہے۔ وہ ایک ماڈشین گائیڈ اور کلام بینگ انسٹرکٹر ہے۔“

”کیا فون نمبر مل سکتے ہیں؟“ جینی نے درخواست کی۔

”پُر جوش دکھائی دے رہی ہو، کیا بات ہے؟“ ”بہت تیز نگاہ ہے تمہاری۔ رات ایک کار تامہ انعام دیا ہے میں نے۔“

”اوہ... ہو... یہ کام کب سے شروع کر دیا تم نے؟“

”نیچے چلتے ہیں۔ ناشتے کے بعد بتاؤں گی۔“ ہوں ریٹورنٹ میں خاصے لوگ موجود تھے۔ ایک دیڑا نیس کار زٹبل پر لے گیا۔

جینی نے بتایا کہ وہ رات سونے سے قبل استقبالیہ پر گئی تھی، اس نے مقامی فون ڈائریکٹری عاریٹا لی اور واپس کمرے میں آگئی۔ ڈائریکٹری میں اسے کم از کم بارہ عدد نام ”ووگل“ کے لئے تین کسی کے شروع میں بھی ”H“ نہیں تھا۔

”میں نے آپریٹر کو فون کیا اور بتایا کہ میں امریکی سیاح ہوں اور اپنے ایک سوکس رہتے دار سے ملنے یہاں آئی ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ ڈائریکٹری میں مجھے ایچ ووگل وستاپ نہیں اور مجھے اس کی رہنمائی درکار ہے۔ آپریٹر نے مجھے دو نام مہیا کیے۔ دونوں ان لغتے تھے۔ دونوں ایچ ووگل تھے۔“

فرینک دچپی سے جینفر کی کہانی سن رہا تھا۔ ایک ووگل ”مرناو“ نام کی جگہ پر مقیم تھا، یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر۔ دوسراءیچ ووگل بھی مرناو کے آس پاس ہے۔

”کیا اس نے دونوں کے پتے اور فون نمبر دیے؟“ ”نہیں۔ کیونکہ ان لغتے ناموں کے لیے قانونی رکاوٹ ہے۔ لیکن اس نے مشورہ دیا کہ مجھے مرناو کے ٹاؤن ہال میں کوشش کرنی چاہئے۔ ٹاؤن ہال میں تفصیلی رجسٹر ہوتا ہے۔“

”ویری گذہ تم نے تو سارغ رسانی شروع کر دی۔ چلو جلدی ناشا ختم کرو۔ نام کار ہائزر کے ”مرناو“ جائیں گے۔“ فرینک کے چہرے پر دبادبا جوش نظر آ رہا تھا۔

وہاں زیادہ تر اس نور آٹھ بجے تک محل جاتے تھے۔ دونوں نے ایک اسٹور سے چند ضروری نئے کپڑوں کی خریداری کی۔ جس میں ایک بیگ اور جیکٹ بھی شامل تھے۔ دوبارہ ہوں واپس آ کر نہیں نے لباس تبدیل کیا۔ چیک آڈٹ کرنے سے پہلے جینی نے ڈیک کلر سے کار ہائزر کرنے کے لیے معلومات لیں۔

کلر کے ایک نام تجویز کیا اور راستہ بھی سمجھا دیا۔

”ہاں۔“ اس نے انگریزی میں مختصر جواب دیا۔
 ”ہم ہیزج ووگل سے ملنے آئے ہیں۔“
 ”میں ہوں انج ووگل۔ تم کون ہو؟“ اس کا لہجہ سوئں تھا۔
 ”میرے انہام صیفرا رج ہے اور یہ فریکٹ میکال۔“
 ”اگر تم گائیڈ کی ضرورت ہے تو میں معدودت خواہ ہوں۔ آنچ کل میں معروف ہوں۔“
 ”ہمیں گائیڈ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بات کرنا چاہتے ہیں۔“ جینی نے کہا۔
 ”ووگل کی آنکھیں سکوتیں۔“ کس سلسلے میں؟“
 ”ہر ووگل، میں شکر نزار ہوں گی، اگر ہم اندر بیٹھ کر بات کر لیں۔“
 ووگل نے سیٹی بھائی اور ڈوبرمین کا جوڑا اندر غائب ہو گیا۔
 ”آ جاؤ۔“ ووگل نے اشارہ کیا۔ ووگل انہیں نشست گاہ کے بجائے وسیع چمن میں لے گیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ناشتے کی تیاری کر رہا ہو۔
 کمرا مخصوص سوئں مٹن تھا۔ ایک بڑے جنم کا پائیں ڈریس تھا۔ درمیان میں پان نیبل تھی۔ میز پر اخبارات بکھرے تھے اور ایک ڈبرین پڑی تھی۔ ڈریس کے قریب، دیوار کے بریکٹ میں ڈبیو مائیٹر موجود تھے جو فارم کے فرتث یا رڈ کا عکس دکھار رہا تھا۔
 جینی نے ڈریس پر کئی فریم شدہ تصاویر دیکھیں۔ ایک فریم میں چار آدمیوں کا روپ تھا۔ جنہوں نے پہاڑی لباس پہنا ہوا تھا۔ دیگر ضروری اشیا بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ چاروں کوہ پیاؤں میں ہیزج ووگل کی تصویر بھی تھی۔ ووگل کے ساتھ جو آدمی کھڑا تھا اس کے بال سیاہ اور بھویں ٹھنڈی تھیں۔ آنکھیں بھی سیاہ تھیں۔ اس نے نیلے رنگ کا ”پارکا“ لیا ہوا تھا۔ جینی کو اس کا چہرہ شناساً معلوم ہوا۔
 ”وہ لوگ درمیان میں پڑی میز پر بیٹھ گئے۔“
 ”کیا معاملہ ہے؟“ ووگل نے آغاز کیا۔
 صیفرنے کہانی بیان کرنی شروع کی پھر سوال کیا۔
 ”تم نے ویزن ہارن سے نکلنے والی باڑی کے بارے میں سناؤ گا؟“
 ووگل نے جواب دیئے۔ سے پہلے ڈبیو مائیٹر پر نگاہ ڈالی۔ ”ہاں، وہ خبر مجھ تک پہنچی تھی بلکہ اس علاقے میں اور بھی لوگوں کے علم میں ہے۔“
 ”باڑی کے ساتھ پولیس کو یہ بھی ملا تھا۔ جو یقینا

”کیوں نہیں۔“ خاتون نے نمبر فرائیم کر دیے۔
 صیفرنے نمبر دیکھے۔ اس کی رفتار قلب بڑھ گئی۔
 ہیزج ووگل کے فون نمبر کے آخری تین ہندسے ”705“ تھے۔ کارہیزی میں HQ بلڈنگ میں وکٹر نے جو اموری سلپ دکھائی دی۔ اس کا معاملہ ہو گیا تھا۔
 ”میں کس طرح ہیزج ووگل تک رسائی حاصل کر سکتی ہوں؟“
 خاتون کلرک نے فارم کے مقام کے بارے میں رہنمائی کی۔ فارم کا نام تھا۔ ”برگ ایڈل ویز“ مذکورہ لفظ بھی سکنا میں سے باہر آگیا۔ ”ایڈل ویز“ کا معنای بھی حل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

برگ ایڈل ویز ایک وسیع روایتی قسم کا فارم ہاؤس تھا۔ میں فارم ہاؤس سے ہٹ کر وسیع علاقے میں کئی عمارتیں بھری ہوئی تھیں۔ فارم ہاؤس صبح کی دھنڈ میں لپٹا ہوا تھا۔

جینی نے واکس دیکھنے پر تھریلے ڈرائیور کے پرروک دی۔ فارم کے ایک طرف اصطبل نما احاطہ اور ڈبل گیراج نظر آ رہا تھا۔ گیراج کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اندر ایک براون کلر کی پرانی مریضہ یز کھڑی تھی۔ ڈوبرمین کا جوڑا فارم ہاؤس کے مرکزی دروازے پر پہلو پہلو بیٹھا تھا۔ دونوں گتوں نے کوئی آواز نکالی نہ حركت کی۔ فریکٹ نے گاڑی سے باہر قدم رکھا۔ ”میرے قریب رہنا اور چال دھی سی رکھنا۔“ دونوں نے چند قدم بڑھائے۔ ڈوبرمین دھیرے سے غرائے۔ دونوں کے کان کھڑے ہو گئے۔

فریکٹ نے صیفر کا بازو تھا۔ ”ایک منٹ کے لیے ساکت کھڑی رہو۔“ ڈوبرمین کی آنکھوں میں عداوت عیا تھی۔ تاہم وہ اب بھی اپنی جگہ پر تھے۔

فریکٹ نے ایک قدم بڑھایا۔ ڈوبرمین کے حلق سے کینہ پر دغراہٹ خارج ہوئی۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ابھا نک ایک مردانہ آواز بلند ہوئی جو بظاہر گتوں کو پکار رہی تھی۔ گتے فرمانبرداری سے دوبارہ بیٹھ گئے۔

ایک آونی دروازے میں نظر آیا۔ اس پر کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ بالوں میں سفیدی بلکہ سیاہ تھی۔ اس نے جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ جیب میں تھا۔

جینی نے دیکھا کہ اس کی ٹاک کا ایک نختا غائب تھا۔ ”انکلش بجھتے ہو؟“ جینی نے سوال کیا۔

حایا جال

”نہیں، یہ ایک چانس ہے۔ اگر ریکارڈ میں مل کیا تو ہمیں اس کی شناخت مل جائے گی۔“

ووگل نے کوئی جواب نہیں دیا اور فریونک نے مداخلت کی۔ ”دیکھو ووگل، اس میں شک نہیں کہ یہی سوال پولیس بھی کرے گی۔ کیا تقصیان ہے اُترم ہماری مدد کرو۔“ پچھلاتے ہوئے ووگل کھڑا ہوا اور اپنا بایاں ہاتھ جیب سے نکلا۔ دونوں نے دیکھ لیا کہ اس کے ہاتھ کی تنہ الگیاں غائب تھیں۔ فریونک اور جینی اس کی ناک کی حالت دیکھ کر چونکے تھے لیکن خاموش رہے۔ فریونک نے ملائک سرجری کو بھی تاز لیا تھا۔ ہاتھ کی حالت دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ جینی کو قادر کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ کیا یہ وہی آدمی ہے جو زخمی حالت میں چرچ پہنچا تھا؟

”فراست بائست۔“ ووگل نے ان کی نگاہ کا رخ دیکھتے ہوئے از خود وضاحت کی۔

”آئی ایم سوری۔“ جینی نے کہا۔

”نہیں معدورت خواہ مجھے ہوتا چاہیے۔ میں خواجہ اتم لوگوں کو ملکوں سمجھ رہا تھا، میں دیکھا ہوں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔“ ووگل معدورت کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ جاتے جاتے اس نے دیہ یو مانیٹر پر اچھتی سی نظر ڈالی تھی۔

فریونک، اس کی سر حرکت شروع سے نوٹ کر رہا تھا۔ اس کے جاتے ہی جینی کھڑی ہو گئی۔ دونوں ڈوبر میں دروازے پر مستعد تھے۔

جینی ڈریسر کے قریب چلی گئی۔ اس کے گرد پ والی تصویر کی جانب اشارہ کیا۔ ”دیکھو۔“

”کیا ہے؟“ فریونک بھی قریب گیا۔

”نیلے نوب والے کی تصویر... اس کی آنکھیں، اس کامن... میرا مطلب اس کے دہانے کا خاص انداز۔ یہ مجھے شناساگلتا ہے۔“ جینی نے کہا۔

”مطلوب؟“

”اوہ مانی گاڑ، یہ وہی ہے جو برف کی قبر سے برآمد ہوا تھا۔“ جینی تصویر بھیرت میں ہوئی تھی۔

فریونک نے غور سے تصویر دیکھی۔ اسی لمحہ ڈوبر میں کی غراہت بلند ہوئی۔ دونوں پلٹ پڑے۔ ووگل دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پسل دبا ہوا تھا۔ فریونک نے بریٹانکالا چاہا۔

”ہاتھ جیب سے دور رکھو۔“ ووگل پوری طرح چوکنا تھا۔ ”اور تم بہت دعیرے سے اسکی گن نکالو۔“ اس نے جینی کو آرڈر دیا۔

تمہاری توجہ کے قابل ہو گا۔“ جینی نے بیگ سے ایک نوٹ نکلا۔

ووگل کا بایاں ہاتھ ابھی تک جیب میں تھا۔ اس نے داسیں ہاتھ سے کاغذ کا ٹکڑا لے کر پڑھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں دکھائی دیں۔

”تمہارا نام آملا ہے۔“ ایڈل ویز کا نام اور تمہارے فون نمبر کے آخری شیئر ہندے سے... کیا تم وضاحت کر سکتے ہو کہ دوسارا قبل برف میں مدفن آدمی کی ملکیت میں ان اطلاعات کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟“ جینی نے استفسار کیا۔

”مجھے کوئی آئیز یا نہیں ہے۔“ ووگل نے محتاط انداز اختیار کیا۔ ”کیا تم دونوں کا علاق پولیس سے ہے؟“

”نہیں، میں ایک بھی سراغ رساں ہوں۔“ فریونک بولا۔ ووگل نے مانیٹر پر نظر ڈالی۔ پھر کھڑکی کو دیکھا اور ہوتھوں پر اضطرابی ازراز میں زبان پھیری۔ ”میں ایک ماڈٹین گائیڈ ہوں۔ شاید اس آدمی نے بھی ویز نہارن پر میری خدمات حاصل کیا ہوں۔ اس کا نام کیا ہے؟“

”اس کی شناخت نہیں ہو سکی۔ پولیس نے اس کی باڑی کو جہاں رکھا تھا، وہ عمارت تباہ ہو گئی یا اسے تباہ کر دیا گیا تھا۔“ فریونک نے بتایا۔

ووگل نے نشست پر پہلو بدل۔ ”ہاں دھماکے کی خبر میں نے اخبار میں پڑھی تھی۔“ اس نے میز پر پڑے اخبارات کی جانب اشارہ کیا۔ ”لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرا تام پتا اس نے پاس کیونکر تھا؟“

جینی نے محسوں کیا کہ ووگل صاف گوئی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ ”تمہارا کام قانونی اور جائز ہے؟“

”ہاں۔ سوکس قانون ایسے معاملات میں خاصا ساخت ہے۔“

”تو پھر جو افراد یا سیاح تمہاری خدمات حاصل کرتے ہیں، تمہیں ان کا ریکارڈ رکھنا پڑتا ہو گا؟“ جینی نے عمدہ نکتہ اٹھایا۔

”ہم... ۰۰۰ ہاں... آں... ۰۰۰ ایسا ہے۔“ ووگل کی آواز بکھرنے لگی۔

”پولیس کے مطابق یہ حادثہ دوسارا قبل پندرہ اپریل کے قریب پیش آیا ہے۔ کیا تم ریکارڈ دیکھ کر بتا سکتے ہو؟“ جینی نے استدعا کے انداز میں کہا۔

”کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں ٹکٹیسٹر پر اس کا گائیڈ تھا؟“

میں خفیف سی لرزش تھی۔
”تم دیز ن ہارن پر ہلاک ہونے والے شخص کو جانتے ہو... اس میں کوئی تک و شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔“
جنی نے پُر اعتماد لجھے میں ہما۔
”ہاں، میں جانتا ہوں۔“ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

”کون تھا وہ؟“
”میرا بھائی پیٹر۔“ قطعی غیر متوقع جواب ملا۔
جنی اور فرینک نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
”وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟“ دونوں کو اس جواب نے الجھاد یا۔

”جب وہ طوفان کی نذر ہوا۔ اس سے ایک رات قبل پیٹر داؤ آدمیوں کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ان میں سے ایک کارل لازار تھا اور دوسرا یہ...“ اس نے پال مارچ کے فوٹو کی جانب اشارہ کیا۔ ”اس کا نام تم نے پال بتایا ہے...“ پال کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا لیکن لازار کو میں جانتا تھا۔ لازار کی برس سے مرنا دا اسکینگ کے لیے آتا تھا۔ لہذا وہ ہم دونوں بھائیوں کو جانتا تھا۔“

”وہ دونوں پیٹر کے ساتھ یہاں کیوں آئے تھے؟“
”لازار کی خواہش تھی کہ میں اور میرا بھائی ان دونوں کو گاہید کریں۔ وہ بہت بجلدی میں تھے۔ ان کا مقصد دیز ن ہارن کے ذریعے اٹلی میں داخلہ تھا۔ یہ مجھے بعد میں پہاڑ چلا کر وہ اپنے دوستوں یعنی رشین ما فیا سے فرار چاہتے تھے۔“ دوگل نے بتایا۔

”جنی سائنس میں رہ گئی۔“ میں کچھ سمجھی نہیں؟“
”کیا؟“

”ما فیا... رشین ما فیا؟“ کیا اس معاملے میں ما فیا ملوث ہے؟“ جنی کے بدن میں سختی کی لہر دوڑ گئی۔ کیا وہ ما فیا سے الجھر رہی ہے؟ کیا اس کا باپ، ما فیا کے لیے... نہیں... نہیں اس نے مفطر بنظروں سے فرینک کو دیکھا لیکن وہ شانے اچھا کر رہا گیا۔

”ہاں، لازار، رشین ما فیا کے لیے کام کرتا تھا۔“
دوگل نے جواب دیا اور ما فیا اس معاملے میں ملوث ہے۔“

”اور میرے والد؟“ تم نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں کا روایتی عجیب تھا۔ بظاہر پال، لازار کے ساتھ تھا لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ پال بھی ما فیا کا رکن تھا۔“

برینا کو چھوٹے ہی جنی کا ہاتھ کا نپ گیا۔

”بہت آہستہ۔“ دوگل نے پھر کہا۔ ”میز پر رکھ دو۔“

جنی نے ایسا ہی کیا۔ دوگل نے آگے بڑھ کر برینا اپنی جیب بن رکھ لیا۔

”دانوں ہاتھ میز پر رکھ کر بینچ جاؤ۔ کوئی غلط حرکت کی تو میں بے ار لیخ گولی چلا دوں گا۔“

”ہم یہاں تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آئے، مسٹر دوگل۔“ جنی نے کہا۔ ”صرف معلومات درکار تھیں۔ وہ برا یوہٹ ز ملکتو ہے۔ اپنے تحفظ کے لیے اسے گن رکھنا پڑتی ہے۔“

”تم دونوں کیا باتیں کر رہے تھے؟“ دوگل نے پوچھا۔

”جو بادڑی دیز ن ہارن پر دریافت ہوئی، وہ اس شخص کی ہے۔“ جنی نے تصویر کی جانب اشارہ کیا۔ ”دوگل تم جانتے۔ تھے کہ دیز ن ہارن پر کیا ہوا۔ اور کون آؤں حادثے کا دلکار ہوا تھا؟ کیا تم تردید کر دے گے؟ وہ اکیلانہیں تھا۔ غالباً میرے والد بھی ہمراہ تھے۔ شاید تم بھی جانتے ہو؟“

”تمہارے والد؟ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ دوگل کے تاثرات میں احیرت اور سچائی تھی۔

”ان کا نام پال مارچ تھا۔ وہ برس قبل وہ غائب ہو گئے تھے۔ ان کا پاسپورٹ برف میں سے نکلنے والی لاش کے ساتھ تھا۔ وہ تصویر، جس نے نیلا کوت اور ٹوپ پہنچا ہوا ہے۔ تھکی وہ بے کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ میرے پاس اپنے والد کی تصویر بھی ہے۔ میں تمہیں دکھا سکتی ہوں۔“

دوگل کی آنکھوں میں تک کا سایہ لہرا یا۔ ”نہیں، بیگ میری جانب بڑھا دو، آہستہ سے۔“

جنی نے حسب ہدایت حرکت کی۔ تھوڑی کوشش کے بعد دوگل نے، تصویر برآمد کر لی۔ تصویر دیکھتے ہی دوگل کا جو ہر سفید پڑ گیا۔ لیکن فوراً ہی اس کے تاثرات پھر بدلتے ہیں۔ اب یہاں جگس کی حکر انی تھی۔ اس نے جیفرن کو دیکھا۔

”ٹھیک۔ ٹھیک بتاؤ کہ یہاں کیوں آئے ہو؟“
جنی نے گہری سانس لی اور مزید تفصیل کے ساتھ کہانی دوبارہ سنائی۔

کمر۔ یہ میں سناتا تھا۔ محض کلاک کی تک... تک سنائی دے رہی تھی۔ فرینک نے دیکھا کہ دوگل کے ہاتھ رکن تھا۔“

ہایا جال

”پلیز... پلیز... مجھے مت مارو۔“ دو گل گز گز ایا۔
”میں خود کو بچا رہا تھا۔ گولی چس گئی۔ میرا کوئی ارادہ نہیں
تھا۔“

فریک نے ایک ہاتھ سے اپنا بازو دبایا ہوا تھا۔
دو گل کی گئی اس کے زخمی ہاتھ میں لکھ رہی تھی۔

”ٹھیک ہے دو گل، ہم ایک ہی کشتی میں آگئے ہیں۔
بریٹا صیفر کو دے دو۔“

فریک باہر اور اندر دونوں جانب سے چونا تھا۔
اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ بریٹا قبضے میں
کرنے کے بعد فوری طور پر جنی کو تولیا نہما کپڑا مل گیا۔ خون
روکنے کے لیے جنی نے دبیز کپڑا اس کے فریک کے بازو
پر باندھ دیا۔

”ٹھیک ہو؟“

”ہاں، بڑی بخ گئی۔“

گولی جیکٹ کی راہ گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔
بیرونی جانب کارا بجن کی آواز قریب آگئی تھی۔ فریک نے
جنی کو کھڑکی پر جانے کا اشارہ کیا۔

سیاہ رنگ کی ٹوپی نادیکھ کر وہ سر ایسہ ضرور ہوئی تاہم
اے حیرانی نہیں ہوئی۔ وہ جان پنکھی کی کہ ان کا واسطہ مافیا
ہے۔ عام مجرم یا گروہ اس طرح جناتی انداز میں کام
نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے وسیع نیت و رک بشمول ماڈی اور
افرادی وسائل ضروری ہیں۔ ”ماتیا“ محض ایک لفظ ہے۔
لیکن اس لفظ کے اندر کیسی خوفناک دنیا اور فلسفہ چھپا ہے،
اس سے پوری طرح وہ خود بھی آگاہ نہیں تھی۔

فریک بھی کھڑکی لکھ آ گیا تھا۔ دو گل بھی ہمراہ تھا۔

سیاہ ٹوپی نادے دو افراد اترے۔ ایک وہی تھا بھورے بالوں
والا جسے فریک نے ٹرین میں زخمی کیا تھا۔ اس کے سر پر
بینڈ تھے نظر آری تھی۔ وہ سل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔
اس کا ساتھی بدل گیا تھا۔ نیا آدمی کافی جاندار و کھاتی دے
رہا تھا۔ عمر تیس کے لگ بھگ ہو گی۔ دونوں مشنی پسل سے
ملجھ تھے۔

”یہ دونوں کون ہیں؟“ فریک نے سوال کیا۔
”مم... مجھے نہیں پہا۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ انہی میں
سے ہیں جو کئی روز سے فارم کی نگرانی کر رہے تھے۔ جب
سے ”پیٹر“ کی بادی دریافت ہوئی ہے، اس کے کچھ عرصے
بعد ہی نگرانی کا سلسہ شروع ہو گیا تھا۔“ دو گل نے جواب
دیا۔

”رشیں مافیا؟“

جنی کا ذہن بری طرح منتشر تھا۔ اسے دو سال پہلے
کی رات یاد آئی اور چھج کی رات... دونوں حلبوں میں
مماشگت تھی۔ وہی انداز، چھری کا استعمال، اسکائی ماسک
وغیرہ۔ جنی کو نادیا یاد آئی۔ اسے ماسک سے اسٹنک کے لیے
زبردست بھیجا گیا تھا۔ اسٹنک کا انداز... جنی کا بدن لرز
اٹھا۔ اسے نادیا کے ساتھ اپنی بات چیت یاد آئی۔ اسے کئی
سوالات کے جواب مل گئے لیکن مزید کئی سوال پوری شدت
سے ابھر آئے۔

”پیٹر کے ساتھ کیا ہوا اور پال مارچ کہاں ہے؟“
فریک نے کافی دیر بعد سوال کیا۔

”پہلے میں، مخذرات کروں گا۔“ دو گل کا پسل والا
ہاتھ جھک گیا۔ ”میں سمجھا تھا کہ تم لوگ مجھے ہلاک کرنے
آئے ہو۔ پیٹر اور پال مارچ...“ معا دو گل نشد
سنچالنے سنچالنے اچھل پڑا۔ اس کی بات بھی ادھوری رہ
گئی۔ وہ دیڈ یو مانیز کو تک رہا تھا۔

”وقت نہیں ہے۔ وہ چکنچے والے ہیں۔ اب میں سمجھا
وہ فارم کی نگرانی کیوں کر رہے تھے... تمہاری وجہ سے۔ وہ
تمہارا انتحار کر رہے تھے... ہم سب مارے جائیں گے۔“

فریک نے مانیٹر کو دیکھا لیکن وہاں منظر صاف تھا۔

”کون آربا ہے؟ کون مارا جائے گا؟ تم کیا باتیں
کر رہے ہو؟“

”تم لوگ نورا نکل جاؤ۔“ دو گل نے پھر پسل
سنچال لیا تھا۔ وہ کھڑکی کی جانب گیا۔

ڈوبر میں کے جوڑے نے غراٹا شروع کر دیا۔
”انہیں چپ، کراو۔“ فریک کی آواز میں اضطراب

تھا۔

”سیز، فرڑی! سیز، ہنس!“ دو گل نے حکم جاری
کیا۔ وہ دونوں خامہ شہو کر ساکت بیٹھ گئے۔

باہر سے کسی کارا بجن کی مددم آواز آئی۔

”دونوں کو باہر نکال دو، جلدی۔“ فریک نے کہا۔

”درائیں، درائیں سو فور۔“

کتوں کے نائلتے ہی فریک نے جھپٹ کر دروازہ بند
کیا اور پسل کے لیے دو گل پر جست لگائی۔ دونوں الجھ کر
گرے۔ دو گل نے بریٹا کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اسی
کٹکٹش کے دوران اچھا کا ہوا۔ گولی فریک کے بازو میں
لکھی۔ ”فریک۔“ نینی کی چیخ بلند ہوئی۔ وہ بے اختیار
فریک کی مدد کے لیے، اس کٹکٹش میں ملوٹ ہو گئی۔

فریک نے گرن دو گل سے چھین لی۔

خاموشی عارضی ہے۔ اس نے سر کوٹھی کی۔

”ووگل! مجھے بتاؤ اس روز کیا ہوا جب تم میرے والد کو لے کر ”ویزن ہارن“ کئے تھے؟“

ووگل نے فوری جواب نہیں دیا۔ غالباً اسے اپنے گتوں سے بہت محبت تھی۔ معمونی وقتوں کے بعد وہ بولا۔

”لازار کے پاس گن تھی اور وہ مرنے مارنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے سمجھا نے کی کوشش کی کہ رات کے وقت گلیشیر کے ذریعے سرحد پار کرنا موت کو دعوت دینے والی بات ہے۔ لیکن وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے وہاں جانے کے لیے ضروری سامان طلب کیا اور تین عدد رک سیک بھی مانگے۔ میرے تجربے کے مطابق موسم غیر یقینی تھا۔ یہ بات بھی میں نے اسے بتائی۔ جواب میں اس نے مجھ پر گن تان لی۔ مجھے احساس ہو گیا کہ کوئی عکس مخالفہ ہے اور وہ نہیں مانے گا۔“

”جب وہ روائی کے لیے تیار ہو گئے تو میں نے دیکھا کہ دور ک سیک میں اس نے چھوٹے سائز کے کمپنی بریف کیس ٹھوں دیے اور تیرے میں کچھ کپڑے رکھ دیے۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مافیا سے غایبازی کرنے جا رہا ہے۔ ہم آدمی رات کے قریب ویزن ہارن پر پہنچنے اور موسم کے تصور گز نے لگے۔ نگاہ کی رسائی پتہ میڑنک محمد وہ ہو کر رہ گئی تھی۔“

”وہ ایک خوفناک طوفانی رات تھی پھر مجھے پیڑکی چیخ سنائی دی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی برفلانی دراز میں گر گیا ہے۔ میں بے بس تھا بلکہ ہم تینوں بے بس تھے۔ موسم کے تصور گزتے جا رہے تھے۔“

”میرے والد؟“

”انہیں اور لازار دونوں کو میں کھو چکا تھا۔ مجھے اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ میں جلد از جلد واپس جانا چاہتا تھا۔ خطرے سے نکلنے میں میرے چار گھنٹے صرف ہوئے۔ میری تاک اور انگلیاں ضائع ہو چکی تھیں۔ میری قسم تھی جو میں فتح لکلا۔“

”تم نے پولیس کو اطلاع دی؟“

”یہ خود کشی کے متراوف تھا۔ پیڑکے بارے میں، میں نے اڑا دیا کہ وہ زیور ج شفت ہو گیا ہے۔“

”خود کی کام مطلب؟“ جین نے سوال کیا۔

”چند برس قبل لازار نے اپنے مافیا فرینڈ کے لیے مجھے بطور ”کوریئر“ ہاڑ کیا تھا۔ ہر چند ماہ بعد ویزن ہارن کے راستے میں اٹلی میں داخل ہوتا اور تم سے بھر ایک بیگ

”دونوں لوگوں میں شکل سے نہیں جانتا۔ لیکن یہ رہیں مافیا کے ہی آدمی لگتے ہیں۔“

بھورے بالوں والے نے فون پر بات ختم کی اور ہتھیار نکال لیا۔ دونوں نے اپنادرمیانی فاصلہ بڑھا لیا اور عمارت کی جانب بڑھنے لگے۔ ان کی ہر حرکت پیشہ ورانہ تربیت کی نماز تھی۔

”چچھے ہٹ جاؤ۔“ فرینک خود بھی پسپا ہو گیا۔ ”کوئی راہ فرار ہے؟“ اس نے ووگل سے پوچھا۔

”ہم کجن کے عقبی دروازے سے تھے خانے کے ذریعے اصل میں نکل کر گیراج تک پہنچ سکتے ہیں۔“

”مرسین بڑ کی چابیاں دو۔“ ”لیکن میرے کتنے؟“ ووگل نے چابیاں نکالیں۔

”میں ان کو بلاتا ہوں۔“ ”بھول جاؤ۔“ فرینک نے کہا۔ ”وقت نہیں ہے۔

گتوں کی محبت میں گتوں کی موت مارے جائیں گے۔ دعا کرو کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ میں ان ”گتوں“ کو زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ ”فرینک نے ووگل کو کھینا۔

کجن کے عقبی دروازے سے نکل کر اس نے دروازے کو لا کر کیا۔ پھر وہ ووگل کی رہنمائی میں تھے خانے میں جا گئے۔

اندر جانے سے قبل انہوں نے گتوں کے بھوکنے اور فائرنگ کی آواز کی۔

”حرام ز دوں نے میرے گتوں کو مار دیا۔“ ووگل چینخے والے انداز میں بولا۔ اس کے چہرے پر اذیت تھی۔

”پلیز آو ز وہی رکھو۔ خود کو بچانے کی فکر کرو۔“ فرینک نے اسے سمجھایا۔ پھر جینی کی طرف دیکھا۔ ”بریٹا تمہارے پاس ہے۔ وہ تھے خانے کا راستہ بہ آسانی ڈھونڈ لیں گے۔ کوئی سیدھیوں پر آنے کی کوشش کرے تو بے دریغ بریٹا استعمال کرنا۔“ فرینک نے جینی کو ہدایت دی۔ ”خود آڑ میں رہتا، کوئی بھی غلطی کہانی ختم کر دے گی۔“

”کیا مطلب؟ تم کہاں جا رہے ہو؟“ ”ہم اندازہ دھنڈ گیراج میں قدم نہیں رکھ سکتے، میں جائزہ لے کر آتا ہوں۔“ فرینک یہ کہہ کر دوسرے راستے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

کتنے مر چکے تھے۔ فرینک تھے خانے سے باہر تھا۔ قائل اندر وین عمارت انہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔

نی الوقت ہر جانب سنا تھا۔ جین کو احساس تھا کہ یہ

”کراون آف تھارن“ پہنچا تھا۔

”تمہارا مطلب ہے کہ میرے علاوہ بھی کوئی زندہ بچا تھا؟“

”ہاں۔“ جینی نے جواب دیا۔ اول اول وہ سمجھی تھی کہ ووگل وہ حص تھا جو ”کراون آف تھارن“ پہنچا تھا۔ تاہم بعد ازاں اس نے فادر کی باتیں یاد کیں تو اس کی امید پھر بیدار ہو گئی۔ فادر کے مطابق وہاں پہنچنے والا درمیانی عمر کا تھا اور انگریزی بول رہا تھا۔ نیز فراست بائٹ سے چہرے کے ساتھ اس کا پاؤں متاثر ہوا تھا، ہاتھ نہیں۔ مختصر یہ کہ ووگل مجھ نہیں کر رہا تھا۔ ووگل کی عمر بھی زیادہ بھی اور وہ سوئں تھا۔ اگرچہ انگریزی بول لیتا تھا۔ اس لیے اس نے بڑے اعتقاد سے کہا تھا کہ اس کے علاوہ بھی اس رات کوئی تھا جو زندہ نجیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ووگل کوئی بات چھپا نہیں رہا تھا۔ اگر وہ ”کراون آف تھارن“ پہنچا تھا تو ظاہر ابتدیتا۔

”ممکن نہیں ہے۔ ان حالات میں پانچ دن نکالنا ناممکن ہے۔“

”تم بھول رہے ہو کہ پناہ کے لیے اس علاقے میں ایک ہٹ بھی ہے۔“ بُرگ ہٹ۔

ووگل نے پلکیں جھپکائیں۔ تاہم وہ خاص قائل دکھائی نہیں دیا۔ ”تم ایک بہت کمزور امید کا سہارا لے رہی ہو۔ میرا تھیں تکرو۔“

جینی نے پھر گھری دیکھی۔ اسی وقت پانچ فٹ کا چوبی درجہ دھیرے دھیرے کھلتا شروع ہوا۔ یہ تھے خانے سے باہر نکلنے کا راستہ تھا۔ جہاں سے فرینک باہر گیا تھا۔ جینی نے احتیاطاً طاہری پاسیدھا کر لیا، وہ فائر کرنے کے لیے تیار تھی۔ اس کی دھرم کن بڑھنے لگی۔

”میں ہوں...“ فرینک کی سرگوشی سنائی دی۔

”کیا رہا؟“ ”بظاہر تو کوئی نہیں ہے۔“ فرینک نے کہا۔ اسی وقت تھے خانے کے دروازے پر کھڑا ہوئی۔

”وہ تھے خانے تک پہنچ گئے ہیں۔“ فرینک کی پیشانی پر نہیے نہیے موتی نظر آرہے تھے۔ ووگل پر بدحواسی طاری تھی۔ جینی کی سانس بھی رک گئی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مریٹریز میں نکل جائیں گے۔ تاہم اب بھی گویا وہ چوہے دان میں پہنچے ہوئے تھے۔

”دیوار کے ساتھ لگ جاؤ۔“ فرینک نے کہا اور تارچ نکال کر روشن کی۔ ”ووگل! وہ بیٹھ لاؤ۔“ فرینک نے اعتراض کیا۔ ”ایک آدمی نجیا تھا جو پانچ دن بعد

وہاں سے لاکر ازار کے دوست کے حوالے کرتا۔ زیورج میں ایک بینک نما جہاں اس رقم کو دھویا جاتا۔ مٹی لانڈر گن۔ میں جانتا تھا کہ یہ غیر قانونی ہے لیکن مجھے خاص پرواہیں تھیں۔ کیونکہ روکی مجھے ایک موٹی رقم بطور معاوضہ ادا کرتے تھے۔“

”کیا میرے والد اس کھیل کا حصہ تھے؟“

”میں کیسے بتا سکتا ہوں؟ مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ دو پریشان افراد ”اولٹ“ کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ جینی نے کلائی کی گھری پر نظر ڈالی۔

”جب ہم الیکٹر کے لیے روائی ہو رہے تھے تو لازار نے مجھے بتایا کہ وہ اور پال ریکن مافیا کا مال لے کر فرار ہوئے ہیں۔ اس نے آفری کر اگر میں اور بیٹر اپنا منہ بند رکھیں گے تو وہ ہمیں غیر معمولی معاوضہ دے گا۔ میرا واسطہ ان لوگوں سے رہ پکا تھا لہذا مجھے کوئی لٹک نہیں تھا کہ کام نکلنے کے بعد لازار بلا تکلف ہم دونوں بھائیوں کو قتل کر دے گا۔ اس لیے موقع لمحے ہی میں نظر گیا۔“

”تم نے کوئی ایک بات نہیں بتائی جہاں تمہاری میرے والد سے کوئی بات ہوئی ہو؟“

”ایسا کچھ نہیں ہوا۔ جو بات بھی کی، وہ لازار نے کی۔“

”کیا پمکن ہیں کہ لازار کے ساتھ میرے والد کی موجودگی کی کوئی اور وجہ رہی ہو؟“

”اس بارے میں، میں کوئی رائے دینے سے قاصر ہوں۔“

”میں یہ جائز چاہتی ہوں کہ میرے والد بر قافی طوفان سے نجیگانے لگے۔ تھے؟“

”ناممکن۔ صورت حال جس قدر مندوش تھی، دونوں کا بچتا ناممکن تھا۔ وہ بھی بیٹر اور میرے بغیر۔“

”پھر بھی ایک نجی ٹکلا؟“

”اسے کرشمہ کہہ لو یا میری قسم۔“

”بعد میں تم ان لوگوں کی تلاش میں نہیں گئے؟“

”حالات سختی پر چھپتے بعد گیا تھا۔ تاہم کسی کا بھی

کوئی نشان ہاتھ نہ آیا۔ یقیناً وہ تینوں بر قافی دراڑوں کی نذر

ہو گئے تھے۔“

”تم غلطی پر ہو یا غلط بتا رہے ہو؟“ جینی نے

ووگل پتا نہیں کیا سمجھا اور دھواس ہو کر بھاگا۔ فارنگ کی آواز سے تھا کہ دپور اکھل گیا۔ ایک نارج زمین پر روشن پڑی تھی، کچھ روشنی باہر سے آئی اور دوسرا آدمی اندر گھسا۔ فرینک نے نارج آف کرنے کا ارادہ مٹوی کیا اور پھر دبک گیا۔ نے والے نے اپنے ساتھی کو زمین بوس اور ووگل کو بھاگنے دیکھا۔ اس نے ایک گولی فارنگ کی جو ووگل کی پشت سے چھکی اور سینے سے نکل گئی۔ وہ منہ کے مل گرا۔ یہ سب کارروائی دو تین سینڈ میں مکمل ہو گئی۔

آنے والا دوسری سینڈ میں پر رکا ہوا تھا۔ وہ جتنی اور فرینک کی جائے پناہ سے لاندم تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور نہ تیچے اترًا۔ مشین پسل بیلٹ کے ذریعے اس کے گلے میں لٹکا تھا۔ دائیں ہاتھ سے اس نے گن سنجالے سنجالے نارج نکالی۔ فرینک نے ذرا جگہ بنا کے جوابی برست مارا جس نے اس کے سر کے قریب دیوار کو ادھیز ڈالا۔ حملہ آور نے ائمہ قدموں لٹکنے کی کوشش کی اور نارج چھوڑ دی۔ فرینک نے لمحہ مصالح کی بغیر اس کے سر پر برست مارا۔ گولیاں چھت پر لیں۔ یہ فیصلہ گن وارنگ تھی۔ ”گن چینک دو“، فرینک دھاڑا اور آڑ سے باہر آگیا۔ چھت کی دھول، منی کنکر وغیرہ حملہ آور کے سر پر پڑے تھے۔ پلاسٹر کا کوئی نکلا اس کے دائیں آنکھ میں لگا تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے ٹھنکا پھر گن کی بیلٹ گلے سے نکالی۔

”بہت آہستہ، ورنہ سر میں چھید کرنے کے قابل نہ رہو گے۔“ فرینک کی نگاہ اس پر تھی ہوئی تھی۔ ”صیفر، ووگل کو دیکھو۔“ وہ سیزھیاں چڑھ گیا۔ حملہ آور وہی تھا جو تین میں زخمی ہوا تھا اور فرینک کے چہرے پر بھی خراشیں آئی تھیں۔ وہ کینہ تو ز نظروں سے فرینک کو گھور رہا تھا۔ فرینک نے قریب چھٹتھی ہی دیاں گھٹنا اس کے زیر ہاف رسید کیا۔ وہ ”اوغ“ کی آواز کے ساتھ دہرا ہو گیا۔ فوراً ہی گن کا دستہ ایک بار پھر اس کے سر پر بجا۔ دوسری ضرب کی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ لڑکتا ہوا تیچے اپنے ساتھی کے پاس جا گرا۔

جتنی کاچھہ دھواد دھواد تھا۔ ووگل اپنی حماقت کے باعث جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس کے اترے ہوئے چہرے نے فرینک کو جواب دی۔

☆☆☆

دونوں مافیا میں کمن میں کرسیوں پر بندھے ہوئے تھے۔ فرینک کے ہر سوال کا جواب وہ گالیوں سے دے رہے تھے یا پھر خاموشی... جتنی نے بھی چند سوالات کیے لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ فرینک نے صیفر کے روکنے کے

نے اپنا صحت مند ہاتھ جیکٹ کی آستین سے باہر نکال لیا۔ تھا نے کی چھپت تیچی تھی۔ پئی پر چڑھ کر جیکٹ کی آستین کی مدد سے فرینک نے واحد بلب اتار لیا۔

تھا خانہ تاریخ ہو گیا۔ ووگل کی لائی ہوئی پئی پر چڑھنے سے قبل فرینک نے جو ڈنڈا نہیں تھا تازی تھی، اب وہ اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی لمبا کرکٹ پیٹ سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ کیا چیز تھی اس پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اتنا ہی کافی تھا کہ فرینک کے مطلب کی تھی۔ ٹھوس اور روزنی۔

تھا خانہ کی چھپت پر کھڑک ہڑ عروج پر تھی۔ فرینک نے ایک نظر سیزھیاں پر ڈالی۔ پھر ہونوں پر انگلی رکھ کر خاموشی کا اشارہ دیا اور نارج آف کر دی۔ تاریکی میں وہ تیزی سے لٹھ نہیں تھا۔ لیے سیزھیوں کی جانب لپکا۔

جتنی اور ووگل دیوار کے ساتھ لگتے تھے۔ جتنی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم اس نے بڑیا تیار حالت میں رکھا تھا۔ جتنی، فرینک کی قوتِ نیلہ اور پھر تیوں پر حیران تھی۔ نذر اور باہمت، ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی پیش بینی اور مشاہدہ بھی قابل تعریف تھا۔ اس وقت وہ پہلی بار جتنی کو سراغ رسائی سے آئے کی چیز معلوم ہوا۔ اس کی موجودگی میں جتنی بدتر حالات میں بھی پُرمیڈ رہتی تھی۔ فرینک کے نزدیک بغير فالتوایونیشن کے محض بریٹا اور عام پسل کے مل بوتے پر فال فاٹ خود کشی کے مترا داف تھی۔

فرینک نے تاریکی میں ایک حد تک فاصلہ طے کیا۔ پھر رک کر لمحہ بھر کے لیے نارج آن کی۔ نارج کی آدم روشی میں اس نے سیزھیوں کا ہیولا اور فاصلہ ناپا اور نارج آف کر دی۔ چند سینڈ بعد وہ سیزھیوں کے ساتھ دبکا ہوا تھا۔ تھا خانے کی چھپت تیچی تھی لہذا سیزھیاں بھی تعداد میں کم تھیں۔ مشکل دو سینڈ گزرے ہوں گے کہ تھا خانے کا درجہ نما در محل گیا۔ تاریکی کے باعث آنے والے نے نارج روشی کی اور سوچ اور پر تیچے کیا۔ تھا خانے میں بلب ہوتا تو روشی ہوتی۔ اس کے منہ سے گالی برآمد ہوئی۔ وہ نارج کی روشی میں ہی تیچے اترًا۔

فرینک نے چھپت کر لٹھ اس کی کھوپڑی پر بجا یا۔ آنے والا بلبلاتا ہوا جھکا۔ فرینک نے دوسرا دار اس کی گردن پر کیا اور چت لیٹ گیا۔ دھوں چھوڑنے سے پہلے آنے والا اندر برست چلا چکا تھا۔ اس کے گرنے سے پہلے مشینی پسل اور نارج گری۔ نارج روشن تھی۔ فرینک نے پھرتی سے مشینی پسل پر قبضہ کیا پھر کنی واقعات ایک ساتھ ہوئے۔

مایا جال

پہلا شاک انہیں ڈوب رہیں کی گولیوں سے چھٹنی لائیں دیکھ کر لگا۔ وہ اطراف میں پھیل کر تلاشی لے رہے تھے۔ گراہم نے تھانہ دریافت کیا۔ کچھ دیر میں چاروں وہیں تھے۔

”اصل غارت گری تھیں بھی ہے۔“ مارک کی آنکھوں میں تشویش تھی۔ جیسے مرد وہ دو گل کا لائن چیک کر رہا تھا۔

”تھیں بندہ کام کا تھا۔“ وہ بڑا یا۔

”اب کس کام کا؟“ مارک نے چڑ کر کہا۔ اسے جتنی کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

تھانے سے نکل کر دہن میں جمع ہو گئے۔

”یہ دونوں کون ہیں؟“ مارک نے بے ہوش افراد کی جانب اشارہ کیا۔

”موس کا یا؟“

”کے؟“

”دونوں ہتھیار روئی ہیں اور ہماری طرح وہ بھی دو گل کی تلاش میں تھے۔“ جیک نے جواب دیا۔ ”یہاں کا خونی ڈراما ختم ہو چکا ہے۔ نکلو یہاں سے۔“ جیک نے کہا۔

”اور جیفڑ؟“ مارک نے جیک کا گریبان پکڑ لیا۔

”یہ تازہ واردات ہے۔ جیفڑ یادہ وو نہیں ہے۔ ہم اس تک بھی جائیں گے۔ تم جذباتی ہوتے جا رہے ہو۔“ جیک بولا۔

”کئی روز ہو گئے ہیں اور ہم اسے دیکھنے کی نہیں کسکے ہیں۔ کیا اس کے مردنے کا انتظار کر رہے ہو؟“ مارک بھرا ہوا تھا۔ اسے تو قع نہیں تھی کہ یہاں بھی وہ بروقت نہیں پہنچ سکتیں گے۔

”کیا بکواس ہے؟“

”بکواس؟ اگر وہ چہرے میں یا یہاں اسکی ہوتی تو کیا وہ ہمیں زندہ ملتی؟ بتاؤ... بکو...“

”وہ فریک...“

”کون فریک؟ کون ہے وہ؟ کیا ہے اس کی اصلیت؟ کیا اس نے تمہاک لیا ہوا ہے جتنی کو بچانے کا؟“ نغمے میں اپنی مرتبہ دوسروں کے سامنے اس کے منہ سے جتنی نکل گیا۔ ”دو گل تمہارا مطلوبہ بندہ تھا۔ تو تم نے شروع میں ہی جتنی کوکیوں نہیں بتایا۔ مجھے کیوں نہیں بتایا؟“

”مجھے سے کچھ غلطیاں ہوتی ہیں۔ میں مانتا ہوں۔“

جیک نے اپنا گریبان چھڑایا۔

”دو گل کے بارے میں تمہیں شروع سے پتا تھا؟“

باوجود دونوں کی اچھی خاصی دھلائی کی۔ ایک کری سمیت فرش پر جا پڑا۔ یہ وہی تھا جس نے دو گل کو ہلاک کیا تھا۔ فریک نے اسے لہو لہان کر دیا۔

”وقت ضائع مت کرو، گولی مار دو۔“ اس نے خون تھوک کر کہا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ دونوں مر جائیں گے، مگر کچھ بتائیں گے تھیں جبکہ وہاں زیادہ دیر رکنے میں خطرہ تھا۔

فریک نے ان کی اچھی طرح تلاشی لی۔ تاہم کوئی کام کی جیزہ تھا نہ آئی۔ اس کا زخم بازو دکھرہ تھا۔ ایک ایک منت بھی تھا۔ فریک کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ یہاں ان کا کام یہ ختم ہو گیا تھا۔ دو گل نے ضرور کچھ نئی معلومات فراہم کی تھیں۔ تاہم خود اس کا بھی کام تمام ہو چکا تھا۔

فریک نے دونوں کی جیبوں سے نکلنے والی کرنی سمیت لی۔ ”انھوں نکلو یہاں سے، وقت کم ہے۔“ فریک نے جیفڑ کو اشارہ کردا۔ ”پولیس پتا نہیں کس کو تلاش کرتی پھر رہی ہو گی۔“

جتنی نے کوئی سوال کرنا چاہا پھر ارادہ مٹوی کر دیا۔ فریک پر اس کا اعتماد روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ بس آج اسے یوں لگا تھا کہ فریک پر ایسے یہ ڈیکھنے سے بڑھ کر کوئی جیزہ ہے۔ جتنی کو اس جیزہ نے بھی بہت متاثر کیا تھا کہ کسی مرحلے پر بھی فریک نے مرد کی حیثیت سے اس کے قرب کا فائدہ اٹھانے لی کوشش نہیں کی تھی۔

فریک نے چلتے چلتے ان کے ہتھیاروں کو خالی کر کے روماں سے صاف کر دیا۔ دو گل کا پسل بھی خالی کر کے صاف کیا۔ اچانک اسے خیال سوچا۔ تھانے میں مافیا کے آدمیوں کی گولیوں کے نشان تھے اور دو گل مرا پڑا تھا۔

”ایک منت آیا۔ بریٹا ہاتھ میں رکھنا۔“ اس نے جیفڑ کو چوکنارہنے کا اشارہ کیا اور تھانے کی جانب لپکا۔ اندر کر اس نے چند فائر سیز جیبوں پر کیے اور بقیہ ادھر اُدھر... پھر خالی ٹن دو گل کے ہاتھ کے قریب ڈال کر واپس آگیا۔

”نکلو۔“ وہ بولا۔ جاتے جاتے اس نے ایک ایک ضرب بریٹا کی مزید دونوں کے سروں پر... آزمائی... پھر جیفڑ کا ہاتھ پکڑ کر تھریا دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

جتنی، فریک پر اتنا اعتماد کرنے لگی تھی کہ وہ واپس اس کے ساتھ نہیں یا رک جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ حالانکہ اس کا خیال تھا کہ انہیں پولیس کے سامنے ساری کہانی رکھ دینی چاہیے... تاہم فریک نے اسے بے آسانی قاتل کر لیا۔

☆☆☆

جنیوا۔

فریک نے گاڑی جنیوا ار پورٹ کی پارکنگ لاث میں چھوڑ دی۔ ٹرینل کے قریب ایک قطار میں دکانیں تھیں۔ جیف نے فارمی کی دکان سے امنی یپسک کریم، پلاسٹر اور گاز خریدا۔ بغیر نمبر کا ایک شیڈ والا چشمہ لیا، پھر دونوں گفت شاپ میں گئے۔ وہاں سے دوسری بیگ، ایک ہیٹ، ایک بیس بال کیپ، اولی اسکارف اور دھوپ کے چشمے خریدے۔

بغیر نمبر کا رینگ والا چشمہ لگا کر فریک نے ہیٹ سر پر رکھ لیا۔ دھوپ کا چشمہ جیف نے چہرے پر سجا یا۔ اس نے بعد اقدرے بڑے شیشوں والے چشمے لیے تھے۔ اس کے جسم میں چہرے نے چشمے کا یہ عیب بھی جدت میں بدل دیا تھا اور اس کے چہرے کا بالائی حصہ بانی ہد تک چھپ گیا تھا۔ بیس بال کیپ بھی جنی نے بڑی بی تھی۔ پونی ٹش سیٹ کر اس نے بال کیپ میں چھپا لیے۔ اسکارف اس نے گلے کے گرد لپیٹ لیا۔

فریک نگٹ کے لیے قطار میں گیا تھا بلکہ دو نکت اس نے ٹریول آفس سے لے لیے تھے۔ کیش کی صورت میں وہ مانگی کے آدمیوں کی رقم خرچ کر رہے تھے۔ نیو یارک کے لیے کل سیک کوئی فلاست نہیں تھی۔ ایک گھنٹے میں جو فلاست دستیاب تھی، وہ پیرس سے ہوتی ہوئی نیو یارک پہنچتی۔ فریک نے اسی کے دو نکت خریدے تھے۔ پہنی ار فرانس بھی۔

گفت شاپ سے نکل کر وہ بورڈنگ گیٹس کی طرف چل دیے۔ فریک کی ہدایت کے مطابق جنی اس کی ہمراہی میں نہیں بھی بلکہ اقدرے فاصلہ رکھ کر جل رہی تھی۔

☆☆☆

چالیس میل دور جیک، ہینہ کوارٹر "لیننگٹن" سے مل فون پر بات کر رہا تھا۔ ان کی گاڑی کا رخ جنیوا کی طرف تھا۔ سی آئی اے کمپیوٹر ہیکر کی اطلاعات کے مطابق سہ پہر چھ بجے پیرس کے انٹریچنل ار لائس بک کمپیوٹر نے دہام ریکارڈ کئے تھے۔ ار فرانس ٹشل اور پیرس کے لیے دو نکت خریدے گئے تھے۔ خریداروں نے بارہ پہنچا لیں پرینیوا چھوڑ دیا تھا۔ ہیکس سے ار فرانس ٹشل نے جے ایف کے ار پورٹ، نیو یارک پہنچتا تھا۔ نکت، ہولڈرز، فریک میکال اور جیف مارچ ہیں۔

جیک نے کافی دیر بات کی تھی۔ اس نے مارک کو مزید بتایا کہ لیننگٹن کمپیوٹر سے مانیٹر ٹک جاری ہے۔ جیسے ہی

"ہاں، ہیز کوارٹر کے ذریعے... لیکن صرف نام کی چد تک۔ اور اطلاع بھی مجھے یہاں پہنچنے کے بعد ہی ملی تھی۔"

"کس حوالے سے؟" مارک بغورا سے تک رہا تھا۔

"لازار اور موسکا یا کے حوالے سے... میں سب بتا دوں گا۔ یہاں نے نکلوپولیس کے پہنچنے کا امکان ہے۔"

"آنے والے پولیس کو، ہم نے کچھ نہیں کیا ہے اور تم آسانی سے نہت اے تھے۔" مارک نے کہا۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ دو گل چاپے تھا تو تم جیف کے پیچے کیوں لگے ہوئے تھے؟" مارک قدرے حوالے میں آگیا تھا۔ اس نے پھر سے جیف کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا۔

"کیونکہ دو گل کے کلیوز جیف کے پاس تھے۔"

"کیسے؟" "کاربیزی اسی HQ بلڈنگ میں متول وکٹر نے دکھائے تھے۔" جب کاربیزی مسلسل مدافعانہ تھا۔

"یعنی تم نے پہلے اس بارے میں مجھ سے جھوٹ بولا؟" جیک خاموش رہا۔

"سب نے بڑھ کر تم نے دو گل تک پہنچنے کے لیے جیف کو چارے کے طور پر استعمال کیا۔ اب یہ بھی بتا دو کہ فریک تمہارا آدمی ہے؟"

"نہیں۔ یہ غلط ہے۔ اس کا پیٹا موسکا یا کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس لیے وہ یہاں آیا ہے۔"

"اور بیٹھ کو بھول کر جیف کا باڈی گارڈ بن گیا؟" مارک کا لہجہ کاش دار تھا۔ "اور کیا تباہ ہونے والی HQ بلڈنگ میں فریک نے دو گل کے کلیوز نہیں دیکھے ہوں گے؟ وہ بھی ساتھ گیا تھا؟"

"ممکن ہے اور نہیں بھی... بس کرو۔ ان دونوں تک پہنچنے تو وہ پھر فریک کی حقیقت بھی سامنے آجائے گی۔"

"اور ڈسک،؟" "جیف فریک کوئی مدد کر سکتی ہے۔" "وہ تمہیں بخوبی ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتی۔ اگر اس نے ڈسک کی شکل بھی دیکھی ہوتی تو مجھے ضرور بتاتی۔"

"کیا تم نے اس سے پوچھا تھا؟" "ہاں، معلوم کیا تھا۔" مارک نے آدھا جج بولنے کا فیصلہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی تو چلو یہاں سے۔ اب کیا بچا ہے۔ کچھ بچا بھی ہے تو بعد میں پوچھ لیتا۔"

☆☆☆

وہ FJK پر اتریں گے، انڈر کور ایجنس کی نظروں میں ہوں گے۔ میں نے تم انڈر کور ایجنس تعینات کیے ہیں جو ایفرانس میں ہجر سے سوار ہو جائیں گے۔

”ایٹ از ڈن، ٹاؤ۔“

”اور ہم لیا کریں؟“ مارک اپنی ٹاگواری کونہ چھپا سکا۔

”لینگلے نے نیو یارک کے لیے ہمارے لیے پرائیویٹ جیٹ بیکیا ہے۔“

”اس کے بعد کیا ہو گا؟“

”شاید تم رنج تھے۔“ جیک نے اعتراف کیا۔ ”ہمیں جیفڑ کو ساری کہانی بتا دئی چاہیے۔“

”لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔“ مارک بولے بغیر نہ رہ سکا۔ ”وہ بھی خالی ہا تھے۔“



نیو یارک۔

گاردا، میں ان ڈاؤن ٹاؤن کے دفاتر پہنچا۔ ایلویٹ کے ذریعے وہ جس سوئیٹ میں گیا، وہاں دروازے کی پیشانی پر لکھا تھا:

”فریک میکال، پرائیویٹ انویٹیٹ گیر۔“ دروازے پر کئی بار ”ناک“ کرنے کے باوجود کوئی رُمل سامنے نہیں آیا۔ دمیچے آ کر ایک اور آفس میں چلا گیا جہاں درمیانی عمر کی ایک عورت اندر کپیوٹ پر مصروف کار بھی۔

”کیا خدمتِ رکنی ہوں؟“ وہ سراٹھا کر مسکرائی۔

گاردا نے مدعا بیان کریا اور فریک کے بارے میں بوچھا۔

”کچھ روز بیل ڈسوئر لینڈ گیا تھا۔ جہاں اپس پر اس کے میٹے کے ساتھ یک اندوہتاک حادثہ ہیش آیا تھا۔“

گاردا نے اظہارِ افسوس کیا اور بولا۔ ”میرا اندازہ ہے کہ تم فریک کو خاصاً باتی ہوئے۔“

”ہاں ایسا ہے۔ دراصل کئی بار وہ میری خدمات چاصل کر چکا ہے۔ کیا تم اسے ہاڑ کرنا چاہتے ہو؟“

گاردا نے مسکرا کر اپنا بیج دکھایا۔ خاتون نے دلچسپی سے اس کی شناخت اور لانگ بیج پولیس ڈپارٹمنٹ کی مہر دیکھی۔

”اگر تم تعاون کرو تو فریک کے بارے میں مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں؟“

”ضرور، کیا ہو گے؟“

”گاردا جس لٹ میں بتا تھا۔ وہی مطالبہ اس کے



ایفرانس 747 میں وہ پیٹیس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ جنی سکون سے پانچ کھنٹے گھری نیند سوکی۔

”خوب سوکھیں تم۔“

”ہاں بالکل بچوں کی طرح۔ تمہارا بازو کیسا ہے؟“

”زیادہ بہتر نہیں ہے لیکن فی الحال میں سوچ رہا ہوں کہ پیٹیس ہزار فٹ پر بھی صورتِ حال اطمینان بخش نہیں ہے۔“ فریک نے سمجھی گئی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ جنی کی نیند کا خمار تخلیل ہو گیا۔

”پا نہیں کون فرشتے جان کو آئے ہوئے ہیں۔ یہاں بھی تم عدد سفر کر رہے ہیں۔ سفر کیا... ہماری گرانی کر رہے ہیں؟“

”کون تم؟“ جنی پہنچا گئی۔ وہ تو یہ سوچ کر سکون سے سوچی تھی کہ وہاں سے جان چھوٹ چکی ہے۔

”خبردار، ادھر ادھر مرمت دیکھنا۔ ایسے ہی بیٹھی رہو۔“ فریک نے دیکھنے سے کہا۔ ”آٹھ نشتوں کے فاصلے پر دو فرشتے ساتھ ہیں۔ ایک سرخ بالوں والا ہے، گرے بالوں سوت میں۔ دوسرے کالمبوس گھبرا نیلا ہے اور چشمہ لگایا ہوا ہے۔ تمہری سہرے بالوں والی عورت ہے، لیاس چار کوں تو، پیس میں ہے۔ عقبی ست میں درجن بھر نشتوں چھوڑ کر زغمبر چھتیں میں موجود ہے۔“

”تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو؟“ جنی نے سوال کیا۔

”دو یہاں سے گزرے تھے جب تم خواب غفلت میں تھیں۔ بظاہر وہ دونوں مخصوص دکھائی دے رہے تھے۔ میری ایک پر نظر پڑی تھی۔ اس نے عام سے انداز میں تھہیں دیکھا تھا۔ تاہم مجھ سے چھپ نہ سکا کہ وہ تصدیق کے لیے تمہیں دیکھ رہا تھا لیکن گھبرا نے لی پات نہیں ہے۔ تم از کم جب تک ہوا کے دوش پر ہیں، خطرے کی کوئی بات نہیں۔“

”تم سامنے واش روم کی طرف چاؤ لیکن ان دونوں سے نکالیں چار مت کرنا... واپسی میں عقبی ست اسٹیورڈس کے پاس ڈریک کے بہانے جاؤ گی تو وہ عورت بھی نظر آجائے گی... بے فکری کا انداز اپنائے رکھنا۔“ فریک نے بات ختم کی۔

جنی نے من و عن فریک کی ہدایات پر عمل کیا۔ واش روم سے ہو کر وہ عقبی ست میں گئی۔ سہرے بالوں والی

”کہاں رہ گئے تھے؟“ فریک بڑھا۔
”حتی الامکان تیزی سے پہنچا ہوں۔“ مارٹی نے جواب دیا۔ ”چلو جلدی کرو۔“ وہ برائیس اچھے میں بات کر رہا تھا۔

دونوں دروازے سے گزر گئے۔ جینی نے شانے پر عقب میں نگاہ دوڑا۔ ستون کے پاس کھڑے تینوں مسافر تیزی سے ادھر ہی آرہے تھے۔

تاہم اتنی دیر میں دروازہ واپس بند ہو چکا تھا۔ چند سکنڈ کا فرق رہ کیا تھا۔ ورنہ وہ تینوں نہیں تو ایک آدھ اندر ٹھس ہی آتا۔ فریک بھی تازگی کیا تھا اور ناگ چلانے کے لیے تیار تھا۔

فولادی دروازے سے گز کردہ تینوں ایک کو ریڈور میں آگے بڑھ رہے تھے۔

”مارٹی کا تعلق ایسپورٹ سیکورٹی سے ہے۔“ فریک نے تعارف کرایا پھر اس نے بیسٹر کا نام بتایا۔ ”کون کہتے ہیچھے لگے ہوئے ہیں؟“ مارٹی نے پوچھا۔

”لبی کہانی ہے۔ کار کا کیا ہوا؟“ مارٹی نے چابیاں نکال کر فریک کو پکڑا۔ ایلویٹر سے نکل کر یوں فور پر آتا۔ لاث تھری میں نیلے نیک کی شیوی امپالا کھڑی ہو گئی۔ خیال رکھنا، گاڑی کرنی مکروں میں واپس نہ طے... ابھی دو سال کی قسطیں ادا کرنی ہیں۔“

” وعدہ رہا۔“ فریک نے اسے اطمینان دلایا۔

☆☆☆
چارڑا ”گلف اسٹریم“، ای فرانس 747 کے پیچے تینوں منٹ بعد فضا سے زمین پر آیا۔ سب سے پہلے جیک نے باہر قدم رکھا۔

انہوں نے چاروں سمت دوڑ لگائی اور سلیں فون نے دھن بجائی۔ فون جیک نے کان سے لگایا۔ ”وحوادث؟“ اس کی آواز میں غصہ املی رہا تھا۔ ”کیا بوس ہے... ہر ایگزٹ کی گمراہی ہو رہی تھی...“ تین ایجنت ساتھ چلے ہوئے تھے۔ لعنت ہے تم لوگوں پر۔ تلاش کرو، ورنہ دوسرے تھیں تلاش کرتے رہ جائیں گے۔“ جیک اچھا خاصا مشتعل دھماں دے رہا تھا۔

”اب کیا افادہ آن پڑی؟“ مارک نے زہر خدے کھا۔

”وہ وحکا دے کر نکل گئے۔“ جیک نے اکھڑی

عورت کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ جینی نے آنکھ کے کونے تے دیکھ لیا کہ اس نے لمحہ بھر کے لیے میگزین سے نظر انھائی تھی۔ جینی پانی کا گلاس لے کر واپس آگئی۔

”اب ان سے کیسے جان چھڑائیں؟“ اس نے فریک سے استفسار کیا۔

”ایک آئیڈیا ہے۔“ فریک نے کال ہٹن دبایا۔ ایک اسٹیورڈان کے پاس آگیا۔

”جناب؟“ وہ لکھرا۔

”آن بورڈ سیٹل اسٹ فون سٹم ہے؟“ ”جی ہاں، لیکن صرف فرست کلاس میں۔“

”بائے مہربانی میری راہنمائی کریں۔ یہ ایک ذاتی ایم جسٹی ہے۔“



سامان تولید نہیں تھا۔ لہذا جینی اور فریک ایگریشن کی قطار میں سب سے آگے تھے۔ پاسپورٹ کی پڑتال کے بعد وہ کشم کی جانب بڑھے۔ آدھار استہی طے ہوا تھا کہ معا فریک نے جینی کا رخ ریسٹ روم کی طرف کر دیا۔ ”یہاں رکو اور ایسے ادا کاری کرو کہ بیگ میں کچڑھونڈ رہی ہو۔“

”تم کیا کرنے چلے ہو؟“

”بھروسہ رکھو... ذو ایڈ وحادث آئی سے۔“ جینی نے بیگ کھولا۔ اس کے باہمیں ہاتھ پر ٹھوہر فولادی دروازہ تھا۔ اس نے کن ایکھیوں سے دیکھا دو سچ پولیس والے داعیں جانب کھڑے تھے۔ پھر اس کی نگاہ ستون کے قریب، تین مسافروں پر پڑی۔ جینی نے فی الفور نگاہ ہٹائی۔ وہ تینوں وہی تھے جن کی فلاٹ پر نشاندہی فریک نے کی تھی۔ جینی کو بے کلی کا احساس ہوا۔ فریک کیا کر سکتا ہے؟

فریک نے سلیں فون پر نمبر بخش کیے۔ ”مارٹی، تم کہاں مر گئے؟ مصیبت، بیر پر ہے۔“ کچھ سن کر اس نے فون بند کر دیا۔ جینی ہر اسال تھی۔ فولادی دروازے سے تو وہ گزرنہیں سکتے تھے۔

اچانک ایک اجنبی آواز سنائی دی اور جینی کے دل نے چھلانگ لگائی۔ فولادی دروازہ اندر سے وغطا کھلی گیا تھا۔ وہاں ایک بھاری بھر کم آدمی نظر آیا جس کی موصیں خوب کھنی گیں۔ اس نے آفیشل یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ سر پر کپڑ اور ہاتھ میں کلپ پورڈ تھا۔ فونو آئی ڈی جینی کے ساتھ گردن میں بھول رکھی۔

ہایا جال

قدموں کی آہت تھی۔ گاردا نے گلوک نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ گلوک سنپھال کر اس نے اسٹریز کا رخ کیا۔ آواز میں کہا۔

ایک درمیانی عمر کا فارغ الال (جنجہ) آدمی سیزھیوں سے اوپر آ رہا تھا۔

”دوسٹ، وہیں رک جاؤ۔“ گاردا نے حکم جاری کیا۔ اس آدمی نے گن کی جھلک دیکھتے ہی چدقہم پہاڑی اختیار کی۔ ”پولیس“ گاردا نے بیچ نکالا۔ ”یہاں کیا کر رہے ہو؟“

بیچ دیکھ کر اجنبی کے چہرے سے خوف کا سایہ ہٹ کیا۔

”آفیر! یہی سوال میں بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔ میرا نام نورس ہے۔ میں سڑک کی دوسری جانب قیام کر پذیر ہوں۔ فریک اور میں اچھے پڑوں ہیں۔ میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ لہذا ضروری خیال یا کہ صورت حال کا جائزہ لوں۔“

”سن کر خوشی ہوئی، سڑ نورس۔“ گاردا نے گلوک نیچے کر لیا۔ ”یہ فریک کی رہائش گاہ ہے، ٹھیک؟“

”شیور، فریک کی غیر موجودگی میں، میں خیال رکھتا ہوں۔“ وہ بولا۔

”بات اچھی ہے۔ تم نے آخری بار فریک کو کب دیکھا تھا؟“

”کچھ روز پہلے۔ اے اپنے بیٹے کے لیے ملک سے باہر جانا تھا۔ اس کا جتنا چک میکال ادا کیا تھا۔ یونو۔“

”ہاں، میں نے سنا تھا۔ افسوس ناک خبر تھی۔“ گاردا نے کہا۔ ”کیا تم ٹھیک ٹھیک بتاسکتے ہو کہ فریک کس وقت یا کس دن نکلا تھا؟“

”اتوار کی دوپہر اسے زیور ج کیے لیے پرواز کرنی تھی۔ وہ کافی نہ ہاں تھا۔ وہ خبری اسکی تھی۔ جلد آدمی اس کے سہارے کے لیے آئے تھے وراء سے ائر پورٹ تک پہنچا یا تھا۔“

گاردا کی تصور یوں پر بدل پڑ گئے۔ ”تم نے کہا اتوار کی دوپہر۔ آر یو شیور؟“

”اس میں مخالف طے والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟“ نورس نے سوال کیا۔

گاردا کی پیشانی اب تک ناہموار تھی۔ اس نے نورس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے استفسار کیا۔ ”اے کون ائر پورٹ لے گیا تھا؟“

”سیاہ سینڈ ان میں دو آدمی تھے۔ میں نے پہلے انہیں

”وہ آج بھی پہا تھا۔“ مارک کا چہرہ بھی سرخ ہو گیا۔ ”زندہ بادی آئی اے... میرا مشورہ ہے کہ ان کو اور اپنے ”نا معلوم“ منٹن کو بھول کر آرام کرنا چاہیے۔“ مارک نے کھل کر مذاق ڈالا۔

جیک نے بمشکل خود کو جواب دینے سے باز رکھا۔ اس کے پاس جواب بھی کیا تھا۔ وہ خفت کاشکار تھا۔

☆☆☆

مارٹی، دروازے سے ان دونوں کو جاتا دیکھ رہا تھا۔ بعد ازاں اس نے یونیفارم اور کیپ اتار کر ”گارچ بن“ کی نذر کی اور سلیں فون نکالا۔

”وہ دونوں نیلے رنگ کی شبوی امپالا میں ہیں۔“ مارٹی کا ہر انگریز بدل گیا تھا۔

”ہونہے۔“ دوسری جانب سے محض ایک لفظ سنائی دیا۔

”اسکرپٹ کے مطابق کام جاری ہے۔“ اس نے مزید بتایا۔ ”وہ دہرے جاں میں پھنس گئی ہے۔ میں اور نک اسکرپٹ کے مطابق جا رہے ہیں۔ کام ختم بھجو۔“ مارٹی نامی شخص نے مزید کہا۔

”پرنیکٹ، قش دی جا ب۔“

☆☆☆

گاردا، لائگ۔ آئی لینڈ میں فریک میکال کے گھر پر تھا۔ یہ ایک پرمیون اور خاموش مقام تھا۔ گھن کے رنگ والا فریک کا گھر ”باز“ نے گھرے میں لیا ہوا تھا۔ کار لاک کر کے اس نے گھن میں قدم رکھا۔ اس پاس اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ گاردا نے دروازے کی گھنی پرانگی رکھ دی۔ ایک بار، دوبار، تین بار... کوئی روکیں سامنے نہیں آیا۔ اس نے دو تین بار دستک دی، وہی خاموشی۔

گاردا نے والٹ نکالا جس میں ایک ملٹی پل ہیں تائف تھا، تین بلیڈ۔ تھے، ایک تار کی طرح پتلا تھا... معمولی کوشش کے بعد وہ پوٹس سے ”برگر“ بن چکا تھا اور دروازہ کھوٹ کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ ہال وے سے گزر کر وہ لاوٹج میں آیا اور دیواروں پر بھی تصاویر دیکھتا ہوا سیزھیوں کے ذریعے اوپر جانے لگا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہمیلی منزل کے کمروں سے آغاز کیا جائے۔ اوپر آ کے ابھی وہ پہلے کمرے کا دروازہ کھوٹنے جا رہا تھا جب اس کی ساعت سے تدم آواز تکرائی۔ آواز نیئے، ہال وے سے ابھری تھی۔

وہ حکم گیا۔ دوسری بار آواز سیزھیوں پر سے آئی۔ یہ

”فریک کے دفتر والی عمارت سے معلوم ہوا تھا کہ اس نے زیورج کے لیے ڈائریکٹ فلاٹ ہفتے کی شام ہی بک کر لی تھی۔ FJK کی بنگ چک کرنے سے پہلے سامنے آئی کہ اتوار کو روائی سے ایک گھنٹے قبل وہ بنگ کشیں کر دی گئی تھی پھر اسے رات میں دوبارہ ”ری بک“ کیا گیا۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہو رہی ہے۔ ”گارданے بات ختم کی۔

”ہاں، بات تو مخلوک ہے، اور کچھ؟“ مارک کی نظر گرا ہم پر پڑی۔ اس نے آڑ بڑھائی۔

”نہیں اور کچھ نہیں۔ آخر ہو کیا رہا ہے؟“

”جلد بتاؤں گا۔ اس وقت مزید بات جاری رکھنا ممکن نہیں۔“ مارک نے جواب سے بغیر فون رکھ دیا۔

مارک کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ یہ کونکر ممکن ہے کہ پیسر کے بجائے منگل کو سو ستر لینڈ پہنچا؟ اسے ائر پورٹ کوں لے کر گیا؟ بنگ کس نے کیفل کی وغیرہ...
☆☆☆

انہیں ڈرائیور کرتے ہوئے نصف گھنٹا بیت گیا تھا۔ جنی بار بار مذکور عقب میں دیکھتی۔ تاہم ہیوی ٹریفک میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ کوئی تعاقب میں ہے یا نہیں۔

”جنی، پریشان مت ہو۔ ہم انہیں غذا دے چکے ہیں۔“ فریک نے ڈرائیور کرتے ہوئے جنی کو اطمینان دلایا۔ جنی کو امید تھی کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔

”ہم اس راستے پر کیوں جا رہے ہیں؟“ جنی نے سوال کیا۔

”اس راستے سے ہم ”لائل جع“ نبٹا جلدی پہنچ جائیں گے۔“

”فریک! میں پہلے بابی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر ہم وہ ذیلی سرک کپڑیں تو صرف دس منٹ میں کلاڈویل، بابی تک پہنچ جائیں گے۔“ جنی نے بتایا۔

”اوے۔“ فریک نے کار روک دی۔ ”تب تک میں ایک کال کرلوں۔“

جنی نے ڈرائیور گیٹ سنبھال لی اور فریک اتر کر پس بھریست پر آگیا۔ اس نے گلوو کپارٹمنٹ کھولا۔ جنی کی نگاہ پڑی۔ وہاں ایک سلی فون کے ساتھ آٹو میک پسل بھی رکھا تھا۔ فریک نے پسل نکال کر گود میں رکھ لیا اور سلی فون پر نمبر پخت کرنے لگا۔

جنی پسل کو گھور رہی تھی۔ ”پسل وہاں کس نے رکھا؟“

کبھی نہیں دیکھا۔ ”نورس کی آنکھوں میں بنگ کا سایہ لہرایا۔“ ”اگر تم برانہ مانو آفیسر تو میں جانا چاہوں گا کہ تم اندر کیسے آگئے؟“

”کوئی جواب نہیں آ رہا تھا اور دروازہ کھلا ملا تھا۔“

”عجیب بات ہے۔ میں نے کل ہی لاک چیک کیا تھا۔“ ”آفیسر، نام...“ نورس کی بات ادھوری رہ گئی۔

”ڈیلکٹو اسٹاف۔“ گاردانے سیڑھیاں اترنا شروع

دیں۔

☆☆☆

مارک JA رائیول ٹرینیٹ کے باہر گھر اجیک کو دیکھ رہا تھا۔ جیک نئے افراد سے الجھ رہا تھا، ان میں ایک عورت تھی۔ جیک کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خاصاً برافروختہ ہے... ان سے جدا ہو کر اس نے احکامات جاری کرنے شروع کیے۔ گراہم اور فیلوز کو اس نے پارکنگ لائس کی جانب روائی کیا۔ جن پر وہ برس رہا تھا، تینوں کو ٹرینیٹ کی جانب بھیجا تھا۔ بن خود ”کارہار“ اور یمو (یموزین) ڈیک کو دیکھوں گا۔ وقت نہیں ضائع کریں گے بلکہ پندرہ منٹ بعد بھیں ملیں گے۔

پھر اس نے مارک کو مخاطب کیا۔ ”بارز، ریشورمنس اور ریسٹ رومز پر نظر ڈالو۔ پندرہ منٹ بعد واپس آ جانا۔“

مارک بینے اری کے ساتھ اسکلیپر کی جانب چلا گیا۔ اس نے گھری دیکھی، جیک پر لعنت بھیجی اور ادھر ادھر گھوم پھر کر پے فون پر آگیا۔ وہ گاردا کا نمبر طارہ رہا تھا۔

دوسری رنگ پر گاردا کا جواب آیا۔ ”کہاں غائب ہو، مارک؟“

”میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ FJK پر ہوں۔ میرے پاس دس پندرہ منٹ، ہیں۔ جلدی بتاؤ کیا پر وگریں رہی؟“

”تمہاری خاہش کے مطابق میں نے کام شروع کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ لیکن کچھ کچھ مخلوک حقائق بھی ہیں۔“ گاردانے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”فریک۔“ لے پڑوی نے بتایا ہے کہ وہ اتوار کے روز روائی ہوا تھا۔ اسے دو آدمی سیاہ بیوک سیدان میں ائر پورٹ لے گئے تھے۔ اس کا مطلب فریک کو حد سے حد تجھ کے روز صح سو ستر لینڈ ہائچ جانا چاہیے تھا لیکن ریکارڈ کے مطابق وہ منگل کے روز وہ اتر اتھا۔ پورا ایک دن درمیان سے غائب ہے۔“

”سن رہا ہوں۔“ مارک نے کہا۔

مایا جال

فیلوز نے ڈرائیور نگ سیٹ سنہالی اور انجن اسٹارٹ کر کے لیو (لیموزین) آگے بڑھا دی۔
”کہاں لے جا رہے ہو؟“ مارک کی آواز تپ رہی تھی۔

”گراہم نے تمہیں پے فون پر بات کرتے دیکھا تھا، مارک۔“ جیک نے بتایا۔ ”بہتر ہے کہ جلدی سے بتا دو، تم کس سے بات کر رہے تھے؟“

”تم مجھے اخواز کر کے ڈنون ٹکنی کے مرکب ہو رہے ہو۔“

”اس وقت میں ہی قانون ہوں۔ اب سوال کا جواب دو۔“ جیک کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

”میرا ایک دوست تھا جو فریجک کے بارے میں معلومات کر رہا تھا... اس نے بتایا ہے کہ فریجک نے اتوار کو فلائی کرنا تھا۔ دو آدمی سیاہ پیک میں اسے اڑپورٹ لے گئے تھے۔ ایک گھنٹا پہلے بنگ ٹینسل کی گئی۔ رات میں پھر ری بنگ کر ایسی گئی اور وہ اتوار کے بجائے ہیر کو لکھا... کیا مطلب ہوا اس کا؟“

جیک کشیدگی کا شکار نظر آیا۔ اس نے ایک لفاف نکال کر فون بروآمد کیا اور گاڑی کی اندر ونی لائٹ آن کی۔

”یہ تصویر دیکھو۔“ اس نے فون مارک کے حوالے کیا۔ فون پچھو دھندا تھا۔ مارک نے بغیر اس کا جائزہ لیا۔

”کیا یہی فریجک ہے؟ نے اٹی میں HQ بلندگ کی تباہی سے ڈرائیور تم نے جیسٹر کے ساتھ دیکھا تھا؟“

”یہ تم پہلے بھی دکھا چکے ہو۔“ مارک نے فون کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”فون دھندا ہے۔ لیکن ظاہر ویسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“ مارک نے جواب دیا۔ ”ہیر اسٹائل اور ہیر کلر بھی۔“

جیک نے نگی میں سر ہلایا۔ ”مارک، یہ اتنی اہم بات نہیں ہے۔ ہیر کٹ بدلنا معمولی بات ہے اور ہیر ڈرائی کی ووئی بھی سستی بوقت بالوں کا رنگ بدل سکتی ہے۔ اب میں تمہا کہ ویزن ہارن پر جیسٹر کو جو خدرناک حادث پیش آیا تھا، وہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ یعنی فریجک میکال وہ نہیں ہے، جو ہم سمجھ رہے ہیں۔“ جیک نے تشریق کی۔

مارک کے چہرے پر زردی نظر آئی۔ ”لیکن تم نے کہا تھا کہ فریجک کا پس منظر جیک کیا گیا تھا؟“

”میں نے ٹھیک کہا تھا۔ کیا تمہارے دوست نے نہیں بتایا کہ فریجک میکال، چک سیکال کا باپ ہے اور وہ

”اپنا شہ بند رکھو اور مجھے بات کرنے دو۔“ جیسی کو کرنٹ سالاگا۔ اسے اپنی ساعت پر یقین نہیں آیا۔

”میں ہوں۔ کو وایندہ کی جانب جا رہا ہوں۔ آدمی سخنے میں وہیں ملو۔“ اس نے مہم بات کر کے فون بند کر دیا۔ ”گاڑی اسٹارٹ کرو۔“ اس نے خشک لبھ میں کہا۔

”جیسی سکتے کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔“ ”فریجک، فریجک کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ فریجک نے پہل اٹھا لیا۔ ”اور مجھے فریجک کہنا بند کرو جیسا کہ رہا ہوں، ویسے ہی کرو۔ لامگ پیچ کی طرف چلو۔“

☆☆☆

مارک نے دیکھا کہ جیک سل فون پر بات کر رہا تھا اور فیلوز سیاہ رنگ کی لیموزین کو سائٹ داک کے ساتھ لگا رہا تھا۔

مارک کو دیکھ کر اس نے فون بند کر دیا۔ ”گاڑی میں آ جاؤ، باقی لوگ تلاش جاری رکھیں گے۔ شاید چانس رنگ جائے۔“

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ تم نے فریجک کی اصلیت جیک کر لی تھی؟“ مارک نے ملکوں نظرؤں سے جیک کو دیکھا۔ ”ہاں، تو کیا ہوا؟“

”میری تعیش کے مطابق تم نے جھوٹ بولا تھا جیک، یا پھر کوئی سنجیدہ غلطی کی تھی۔“ اس لمحے گراہم بھی گاڑی کی جانب آتا دکھائی دیا۔ جیک نے کہا۔

”اس وقت، ہم اس موضوع پر بات نہیں کر سکتے۔ اگر تم جانتا جا ستے ہو تو اندر آ جاؤ۔“

مارک کی کھوپڑی خلیج میں۔ ”میں کہیں نہیں جا رہا جب تک مجھے بچ نہ معلوم ہو جائے۔“ وہ چھنٹنے لگا۔ ”اسی وقت بچ بتاؤ۔ سی آٹی اے کس چکر میں ہے، کیا ٹھیل کھیلا جا رہا ہے؟“ راہ گیر گاڑی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

فیلوز نے لیکر مارک کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ مارک نے بازو موڑ کر کہنی کی ضرب فیلوز کے جبڑے پر نکالی۔ اس نے کراہ کر اپنا ہاتھ ہٹایا۔ اسی وقت گراہم پہنچ گیا۔ اس نے آرم لاک کا کر مارک کو گاڑی میں دھکیلا۔ جیک نے تماشا ٹیور کو اپنی آٹی دکھائی۔

”پولیس، یہ دی ہماری ٹھویل میں ہے۔“ جیک نے دروازہ بند کیا اور ایک گھونسا مارک کے چہرے پر رسید کیا۔ ”ایڈیٹ، یہ پبلک میں شور چانے کے لیے تھا۔“

خانوں سے "اپانڈر دیب" کا نام ابھر کر شعور کی سطح پر آگیا۔ اس نے باپ کی اسٹڈی روم میں سیکورٹی بائس کے ساتھ زرد رنگ کا نوٹ پیدا کیا تھا۔ اس پر کچھ لکھا تھا۔ جیسی "اپانڈر دیب" کے الفاظ تن پڑھ پائی تھی۔ اس نے ڈسک بھی دیکھی تھی اور نظری کنج بھی۔

وہ چاندی کی کنجی اب بھی اس کے پاس تھی۔ تاہم اسے نہیں معلوم تھا کہ سوئزر لینڈ کے وکٹر کے دفتر (HQ) بلندگ) میں جسی نے بے خیالی میں وہ کنجی اپنے بیگ میں رکھ لی تھی۔ کیا فریک انک سے دیکھ لیا تھا؟ خیالات سے باہر آ کر اس نے انک سے سوال لایا۔ "لیکن کیوں؟"

"پرائم کمپنی کو آف شور کمپنی کنٹرول کرتی تھی۔ آف شور کمپنی کو ایک اور کمپنی اون کرتی تھی۔ یہ حمل رشین مافیا کے موسکایا میں (CLAN) کے زیر سایہ کھیلا جا رہا تھا۔ غیر قانونی آف شور اکاؤنٹس کے ذریعے موسکایا کی دولت کا بیشتر حصہ امریکا میں انویسٹ کیا جا رہا تھا۔" "اپانڈر دیب" کا مقصد اس کار دیار کو مستقل بننے والوں پر بند کرنا تھا۔

"بالفاظ دیگر پرائم انٹریشنل کو رشین مافیا اون کرتی تھی؟"

انک نے سر بلایا۔ "ڈریمنی کو دھونے (لانڈرگ) کے لیے وہ پرائم انٹریشنل کو استعمال کرتے تھے۔ پال مارچ اس حمل سے بے خبر تھا پھر جیک سانے آیا اور اس نے پال کو تسلی کیا کہ پرائم انٹریشنل کے اصل مالکان کو گھنٹوں پر گرانے میں مددی جائے۔ اس کے لیے ہمپرایوی ڈٹیشنس کی ضرورت تھی۔"

اگلے ایک دو میل انک نے جنیفر کو بتایا کہ جیک نے کس طرح پال کے ارضی کو استعمال کرتے ہوئے اسے دوبارہ ایک خطرناک حمل میں اس وقت الجھاد یا جب وہ اپنا ماضی بہت بچھے چھوڑ کر ایک نئی باعزت زندگی شروع کر چکا تھا۔

جسی کا ذہن لٹو کی طرح چکرا رہا تھا۔ وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ خوشی کے آنسو تھے۔ بالآخر اسے اپنے باپ کی ساکھے بارے میں ایک مضبوط شہادت ملی تھی۔

"لیکن وہ سوئزر لینڈ میں کیا کر رہے تھے؟" انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ پرائم کو استعمال کرتے ہوئے زیورج بینک سے پچاس میں کی مالیت کے مساوی دولت کا مرل لازارنائی شخص کے سپرد کر دی جائے۔ لازار، موسکایا کا لینکس تھا۔ پال مارچ سی آئی اے (جیک) کی

پرائیویٹ ڈبلکٹ نہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ وہ میٹے کی وجہ سے سوئزر لینڈ گیا۔"

"بھی بیک۔ گروند ہم نے بھی چیک کیا تھا۔ اگر دال میں کچھ اور کالا ہے تو سو فیصد تقدیق کے لیے فریک سک پہنچتا ہو گا۔"

"اگر وہ فریک نہیں ہے تو پھر کون ہے۔ نیز اصل فریک کہاں ہے؟" مارک کی آواز میں ابھسن تھی۔ "کیا تمہاری پچھلی بات ٹھیک ہو سکتی ہے کہ وہ موسکایا کا آدمی ہے؟"

☆☆☆

"تم کون ہو؟" جسی کی ای وے پر لانگ آئی لینڈ کی طرف چارہ تھی۔ آسمان سے برف کی باریک تھے اتر ری تھی۔ واپس آز آتھے۔

"میرا نام نک اسماوز ہے۔ میں کی آئی اے کے لیے کام کرتا ہوں۔"

جسی اسے، محور کے رہ گئی۔

"اصلی فریک کہاں ہے؟"

"نیو یارک سے باہر" سیف ہاؤس میں۔

"تم نے اس کی جگہ کیوں لی؟"

انک نے پیش داپس جیب میں رکھ لیا۔ "تاکہ میں تمہارے قریب رہتے ہوئے ان لوگوں سے تمہاری حفاظت کر سکوں جو تمہیں ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔"

"مجھے کو ان ہلاک کرنا چاہتا ہے؟"

"اس آدمی کا نام جیک گیلو ہے۔"

جسی نے یادداشت کو کریدا۔

"اس نے تم سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ تمہارے باپ کا دوست ہے۔" انک اسماوز نے وضاحت کی۔

جسی کا بدن چند لمحے کے لیے سن ہو گیا۔ اسے جیک کا نام اور حلیہ یاد آگیا۔ وہ دو سال قبل قاتل رات کی واردات کے بعد جسی سے، ملنے اپنال آیا تھا۔ جسی کو سب یا و آگیا۔ جیک کچھ معلوم رہنا چاہتا تھا۔ وہ پال مارچ کے دوست کی حیثیت سے وہ فو قٹا مٹا رہا۔ پھر بدلت ہو کر آہستہ آہستہ غائب ہو گیا۔

انک اسماوز دوبارہ گویا ہوا۔ "جیک بھی سی آئی اے کا آدمی ہے۔ چند سال قبل اس نے ایک خفیہ آپریشن شروع کیا تھا جس کا کوڈ نیم "اپانڈر دیب" رکھا گیا۔ آپریشن کا نام گٹ "پرائم انٹریشنل سیکوریٹیز" نامی بینک تھا۔"

جسی ایک بار پھر چونک پڑی۔ یادداشت کے نہاں

حایا جال

وہیں تم نے ایک سیکورٹی باکس کا ذکر کیا تھا، جو تم نے اپنے والد کی اسٹنڈی میں دیکھا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ ڈسک سیکورٹی باکس میں ہے پھر نک نے خفروں سے بتایا کہ ڈسک میں کیا ہے اور اس سے موسکا یا کے خلاف کیا کام لیا جاسکتا ہے۔ ”نک نے اپنی کہانی میں مزید اضافہ کیا۔

”ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ جمی نے پوچھا۔ ”لیکن میں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ جب اپنالی سے فارغ ہو کر میں گھر پہنچنے تو ایک روز میں نے تلاشی لی تھی اور مجھے وہاں کچھ نہیں ملا تھا۔“

”تمہاری اور میری تلاش میں فرق ہے۔ اتنی اووھم بازی اور خون خرابی کے بعد ہمیں یہ چانس تو لینا چاہیے۔“ جمی کا ذہن ایک ابھی ہوئی تھی بنز چکا تھا۔ بات کہاں سے نکلی اور ابھی، بھتی... بلجھ کے ابھی کہاں آن پہنچی۔ نئے نئے اکشافات، نت نئے سوالات، ناقابل یقین، ناقابل قیاس۔ وہ پھر خالی ہاتھ نیو یارک میں موجود تھی۔

”میری ماں کا قائل کون ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”جیک۔“

”وہاں؟“ جمی کامن حل کیا۔

”سامنے دیکھو۔ جیک کا مقصد تھا کہ اسے ایک اندر ورنی تریجذی سمجھا جائے اور فریم میں پال کو ملزم کے طور پر فٹ کیا جائے۔ پال کو لیے ایسا ہی منصوبہ اس نے لازار کے ساتھ مل کر وہیں ہارن کلیشیپر پر بتایا تھا۔“

”اور... اور... میرے والد؟“

”یہ بات تقریباً حقیقی ہے۔“ نک چپ ہو گیا۔ ”کہ وہیں کہ وہیں ہارن پر اس رات بر قانی طوفان سے صرف ووگل نجک کر لکھا تھا۔ پال کی باڑی اب بھی کہیں قلعیخیز کی آغوش میں ہو گی۔ تمہیں حقائق کا سامنا کرنا چاہیے۔“ ”لیکن کوئی اور بھی زندہ نجک کیا تھا۔ جو... جو کراون آف تھارن، فادر کے پاس پہنچا تھا۔“

”کیا کہہ سکتے ہیں۔ وہاں پہنچنے والا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔“

”نہیں، وہ میرے والد تھے۔ ان کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟“ رنج و غم کی تندی ہرنے اسے بے حال کر دیا۔ اس نے گاڑی روک کر سر اشیز نگ و میل پر رکھ دیا۔ سکیوں کے ساتھ اس کا جسم واضح انداز میں لرز رہا تھا۔

نک نے نزدی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ”مجھے دکھے... میرا یقین کرو، جیفر۔“

مد کر رہا تھا۔ لازار والی ڈیل سامنے آئی تو جیک کی نیت خراب ہو گئی۔ وہ پال کی مدد سے موسکا یا کے خلاف جال بُن رہا تھا۔ اس نے ”تو کے اور خداری کا دوسرا جال پھینکا۔“

”کیا مطلب ہے اس بات کا؟“ جمی نے پوچھا۔ ”جیک اور سی آئی اے میں اس کے چند کرپٹ ساتھیوں نے ملے رہا تھا سے ڈیل کر لی... ٹارگٹ پچاس میں کی دولت ہی... پال بے خبر تھا۔ اتنا مبارکہ مارنے کے لیے پال مارچ کو پھنسانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ پال کو مار کر اس کی لاش سے چھکارا پانا تھا تاکہ یوں معلوم ہو کہ وہ لازار کو جہاں اسے کر دو لے کر غائب ہو گیا۔

”ایسا کہوں، وہ تو سی آئی اے کی مد کر رہے تھے؟“ ”لاج، لاج... خالصتا ہوں زر۔ منصوبے کی کامیابی کے بعد شریک نرم گروپ کی قسٹ پلت جاتی۔ لازار اسن پوائنٹ پر پال کو وہیں ہارن پر لے گیا۔ بہت سی اگلی باتیں شید ہم ووگل سے معلوم کر چکی ہو۔ لازار کا منصوبہ تھا کہ ووگل برادر ز اور پال کو قتل کر کے کسی گھری بر قانی دراز کے پرورد کر کے نکل جائے اور بعد میں ”جیک گروپ“ کے ساتھ دولت شیر کر لے لیکن عین وقت پر تمام ہوشیار یاں دھری رہ گئیں۔ بر قانی طوفان نے سارا منصوبہ خاک... میرا مطلب ہے بربن میں ملا دیا۔“

”تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ تم نے مجھے ان تمام مرحوموں سے کیوں نہیں؟“ جمی نے منطقی سوال کیا۔

”سی آئی اے کے احکامات تھے۔ تمہیں جتنا کم علم ہوتا، اتنا ہی اپنہا تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک ڈسک نہ مل جائے اور جیک بے نقاب ہو جائے۔ ہمیں جیک کی ٹیم کو بھی اندر ہیرے میں رکھنا تھا کہ ہم ان کی اصلیت سے واقف ہیں۔ کیونکہ اس بات کا بھاری امکان تھا کہ وہ جان جاتے کہ فرینک میکال، جیفر کے ساتھ ہے، ”فرینک“ نات نک...“

”تم ”ہم“ کا استعمال کر رہے ہو؟“

”ظاہر ہے کہ میں بھی اس پیچیدہ سازش کے تاریخ پوچھنے نے لیے اکیلانہیں تھا۔ مارٹی سے تو تم مل چکی ہو۔“

”تم ڈسک کی بات کر رہے تھے؟ کیسی ڈسک؟“

جمی نے انجوئے پن سے سوال کیا۔

”وکر کے مرڈر کے بعد جب ہم پولیس کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے نکل گئے تھے۔ راستے میں تم نے ”برگ ہٹ“ اور چیچ کے بارے میں بتایا تھا۔ نیز اپنے مااضی کے بارے میں، میرے پوچھنے پر بہت سی باتیں بتائی تھیں۔“

”فیلوز کو چیچپے گراہم کے ساتھ ڈال دو۔“
مارک نے اس کی ہدایت کے مطابق حرکت کی۔
جیک نے عقبی دروازہ بند کر دیا۔ ”سیٹ سنپھالو اور
ڈرائیور کرو۔“ اس نے مارک کو دوسرا حکم دیا۔
تا دیر متواتر الحصتہ الحصتہ بالآخر حصی نے سلحفی کا آغاز
کر دیا تھا۔

☆☆☆

نک، لائگ بیچ کی جانب روائی دواں تھا۔ بارش وند
اسکرین پر چاکپی کی طرح برس رہی تھی۔ بر سات طوفان
میں تبدیل ہو رہی تھی۔

”تم نے ٹھیک دیکھا تھا۔ ٹیورن میں اوپل کے ساتھ
مارک ہی تھا۔ وہ اور جیک تمہارا چیچپا کر رہے تھے۔“ نک
نے لب کشا کیے۔ ”تمہارے سوتزر لینڈ میں اترتے ہی وہ
لوگ تمہارے تعاقب میں معروف ہو گئے تھے۔“
جنی کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے اخفا کر سڑک پر
دے مارا ہو۔

”نک... کیوں؟“ اس کے حق سے پھنسی پھنسی
آواز نکلی۔

”جیک چاہتا تھا کہ کوئی تم پر نظر رکھے تاکہ کوئی کلیو
تمہارے ہاتھ لگ لئے تو اسے پتا چل سکے۔ شاید وہ یہ چاہتا تھا
کہ مارک تمہاری نظر میں آجائے تو وہ اس کی جگہ لے
سکے... منظر نامے میں میرے شامل ہونے سے بات بگز
گئی۔ مارک بھی سمجھ رہا تھا کہ جیک تمہاری خفاقت کرنا چاہتا
ہے۔“

جنی کچھ سمجھی کچھ نہیں سمجھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ
ایک مہیب چیستان یا گنبد بے در میں پھنس گئی ہے۔

”جیک کیا چاہتا ہے؟“
کلیشٹر پر باؤلی دریافت ہونے کے بعد... پہلے
تو اس کی دلچسپی پچاس میں کے شیئر میں تھی پھر اسے خیال آیا
کہ پال کی باؤلی مل گئی ہے تو ڈسک نک بھی پہنچا جا سکتا
ہے۔ اس نے پروگرام بنایا کہ ڈسک کے لیے وہ موسکا یا
سے سودے بازی کرے گا۔ اس طرح موسکا یا کی بھی بچت
ہو جائے گی اور ڈسک کے عوض اسے مال بھی مل جائے گا۔
بھی اندازہ تھا کہ وہ یا اس کا کوئی آدمی چک میکال سے مل
کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ رک سیک میں اس نے کیا کیا
دیکھا۔ انہیں کچھ پتا چلا یا نہیں لیکن انہوں نے چک میکال کو
مردا دیا تاکہ کوئی بائی چانس بھی انہیں ٹریک نہ کر سکے۔“
نک خاصی باخبری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

”میر، نہیں جانتی، کیا یقین کروں، کیا نہ کروں۔“
جنی نے آنکھیں صاف کیں۔

نک نے والٹ سے آئی ڈی نکال کر سی آئی اے کا
”لوگو،“ جنی کو دکھایا۔ اس کا نام بھی لکھا ہوا تھا اور فونو بھی
اپھر انظر آ رہا تھا۔

”تم اپ سیٹ ہو۔“ اس نے آئی ڈی اور والٹ
جیب میں رکھا۔ میں ڈرائیور کرتا ہوں اور تمہیں بتاتا ہوں
کہ جیک اور مارک رائے کس چکر میں ہیں؟“
”مارک؟ کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“ جنی کی سانس رک
چکی۔

☆☆☆

لیبوزین کا رخ میں ہن کی جانب تھا۔ بارش جاری
تھی۔ بارش کیا، بر قاب تھا جو گاڑی کی چھٹ کو کوٹ رہا تھا۔
جیک نے نشست میں خود کو ترچھا کیا۔ ”فیلوز، گاڑی
روکو۔“

فیلوز نے گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی۔ جیک کے
ہاتھ میں پھل لے گا۔ اس نے سائلنر لکا یا اور پھل کا رخ
مارک کی جانب کر دیا۔

”کیا کر رہے ہو؟“ مارک بوکھلا گیا۔
عقبی نشست پر گراہم بھی بے جمن نظر آ رہا تھا۔
جیک نے بفتارخ بدلا۔ گلوک سے کھاسی کی آواز
نکلی۔ گولی گراہم کے سینے پر لگی اور وہ نشست پر لڑک
گیا۔ فیلوز نے گروں گھماٹی، اس کے چہرے پر ابھن تھی۔
تاہم مارک کا ذہن صاف تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ پہلہ بھرست کا
وقت نہیں ہے۔ گاڑک دوسری بار کھانا۔ فیلوز کی ابھن
محدود ہو گئی۔ گولی س کے سر میں جا گھمی اور وہ اسٹریک پر
اونڈھا ہو گیا۔

مارک، جیک پر چھٹا۔ جیک کو یہ سبقت حاصل تھی کہ
وہ پہلے ہی ذہنی طور پر فیصلہ کر چکا تھا۔ مارک کا میاں ب نہ ہو
سکا۔

”ہیر دمت بن، ابھی تمہارا وقت نہیں آیا۔“ جیک نے
پہلو بدل کر مارک کو چھٹ کو ضائع کیا اور گلوک اس کے
سینے کی جانب پھر دیا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔“ مارک نے اسے
غمور کر دیکھا۔

جیک نے گراہم کی لاش کو نشست پر سے نیچے گرایا
اور دروازہ مکھوں کر باہر نکل گیا۔

”باہر نکلو۔“ اس نے مارک کے لیے حکم صادر کیا۔

مایا جال

”جیک نے ہی کوئی جال بنا تھا۔ اس بارے میں حتی طور پر میں سچھ نہیں کہہ سکتا۔“ فریونک نے انہمار لعلی کیا۔

جنی کا دماغ ماؤف تھا۔ اسے ایک ہی بات تھیک طرح سمجھ میں آئی کہ اس کا باپ صاف ستری زندگی گزار رہا تھا اور یہ کہ ان کی فیملی کی تباہی کے آغاز کی واحد وجہ جیک ہے۔

☆☆☆

جنی کا دماغ ماؤف ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مارک، بابی کو چھوڑ کر سو ستر لینڈ کیسے آ ستا تھا جبکہ جنی نے اسے بابی کی خاطر ساتھ نہیں لیا تھا۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ مارک اس کی سرضی کے خلاف جا سکتا ہے۔

قادر کو نراؤ کی باتیں، دو گل کی باتیں، فریونک کی باتیں، نک (فریونک) کی باتیں، ہی آئی اے، موسکایا۔۔۔ ہر جیز ایک دوسرے کے ساتھ الجھنی تھی۔ اس کا ذہن اس قابل نہیں رہا تھا کہ وہ اس پر لٹک کو سمجھا سکتی۔

مارک پر وہ کسی قیمت پر نک نہیں کر سکتی تھی، اگر وہ سو ستر لینڈ آیا بھی تھا تو یقیناً کوئی معقول وجہ ہو گی اس نے بابی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہو گا۔ مارک پر نک کرنا خود اپنے اوپر نک کرنے کے مترا ف تھا۔

تاہم، نک کی حیثیت میں فریونک نے جو اکشافات کیے تھے، وہ بھر سے اس پر بھروسہ کرنے لگی۔ نک اس کی زبان پر نہیں چڑھ رہا تھا۔ وہ اکثر فریونک بولتے بولتے رک جاتی۔

ایک نامعلوم بے کلی منجھ کی طرح اس کے دماغ میں گزدی ہوئی تھی۔

”جیسفنر تم نے کہا تھا کہ تمہیں نہیں معلوم تھا رے والد نے سیکھیوں کی بائس کہاں چھپا یا تھا۔“ نک کی آواز نے اسے خیالات کے حصہ سے باہر نکلا۔ ”لیکن تمہیں بھر سے کوشش کرنی چاہیے۔ اگر بائس گھر میں نہیں ہے تو شاید کوئی اشارہ چھوڑ دیا گیا ہو جو یہ بتا دے کہ بائس کہاں ہے۔“ ہمیں جیک سے پہلے بائس نک پہنچتا ہے۔“ نک نے فریونک کے بازو کو چھووا۔ ”کیا تم مد نہیں کرو گی؟“ اس کی آواز میں التجا آمیز نری تھی۔

”ہاں۔۔۔ ہاں، شاید۔“ وہ بولی۔

بارش ویسی پڑ گئی تھی۔ وہ کو وانڈ کے قریب تھے۔

مکان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ جنچ گئے تھے۔

☆☆☆

لیموزین، لائگ بیچ سے پانچ میل دور بارش میں

”وہاں جو خون خرابا اور تباہ کاری ہوئی، کیا یہ صرف سی آئی اے... میرا مطلب جیک کی کارستانی تھی؟“

”نہیں۔۔۔“ نک نے کہا۔ ”جیک اور موسکایا دونوں ملوث تھے۔“

”مشائ؟“

”مشائ؟ یہ کوارٹر کو مسما کرنے اور وکٹر فیملی کو قتل کرنے میں موسکایا کا ہاتھ تھا۔۔۔ چرچ میں بھی انہوں نے خون بھایا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔“

”مقصد؟“ جنی نے سوال کیا۔

”جیک اور موسکایا، معاملات اپنے طور پر حل کرنا چاہیے تھے۔ دونوں کا مقصد ہر اس امکان کو فنا کرنا تھا، جو تفتیش کو آئے، لے جاتا۔۔۔ موسکایا کو دولت سے زیادہ ڈسک کی فکر تھی جبکہ جیک دولت کے چکر میں تھا۔ غالباً دونوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ لازار، پال اور پچاس لمبین کی برآمدگی کے انکاتات معدوم ہو چکے ہیں۔ دونوں ڈسک کی فکر تھی۔ اگر جیک پہلے ڈسک نک پہنچتا تو وہ موسکایا سے سودا کرنے کے لیے بہتر پوزیشن میں آ جاتا۔۔۔ میرا اندازہ ہے کہ موسکایا دو باتوں سے بے خبر رہی۔ ایک یہ کہ جیک نے پال کو استعمال کیا پھر لازار سے مل گیا۔ دوسرے یہ کہ لازار، پال کو استعمال کر رہا تھا اور جیک سے ملا ہوا تھا۔“

”خودی آئی اے کیا کر رہی تھی؟“

”سی آئی اے کو نک ہو گیا تھا کہ جیک ادارے کے وسائل استعمال کرتے ہوئے کوئی اور ہی کھلی کھلی رہا ہے۔ اسی لیے مجھے اس کے جیچے لگایا گیا۔۔۔“

”موسکایا پال اور لازار کی حد نک بے خبر تھی تو ٹکھیر پر باڑی کی دریافت سے کھلی کیوں پھی؟“

”ڈسک کی برآمدگی کا آسرا پیدا ہو گیا تھا۔“

”لیکن انہیں پہا تھا کہ ڈسک نے ان کے خلاف سی آئی اے۔ کے لیے کام کیا تھا؟“

”نہیں۔“ فریونک نے جواب دیا۔ ”غالباً جب جیک کی ڈسک لازار سے قدرت کے ہاتھوں برف نشین ہوئی تو دونوں پارٹیاں خاوش ہو گئیں۔ موسکایا سمجھ رہی تھی کہ لازار حسب ہدایت پچاس لمبین ٹکھیر کی راہ سے پہنچاتے طوفان کی نذر ہو گیا۔۔۔ باڑی کی دریافت کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ پال کے غیاب کا کوئی تعلق لازار سے تھا۔۔۔ وہ سرگرم ہو گئے۔۔۔“

”لیکن انہیں ڈسک کی موجودگی کا کیونکر پہاڑلا؟“ جنی متواتر سوال کر رہی تھی۔

لیے جو ملین، بلنڈر میں کھیلتے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک مجرم، خطرناک لیکرو... غیرہ وغیرہ... یہ سب دیکھ کر میں تھک گیا ہوں۔ بدلتے میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ اگر زندہ نپئے رہے۔ ایک تھکا ہوا پنچھن پلان، جو داؤ بیج اور ٹرکس سی آئی اے نے مجھے سکھا ہیں، ان کے استعمال کا تجھ وقت آگیا ہے۔ کچھ دیر سے آیا ہے۔ تاہم کوئی بات نہیں۔

”تو ڈسک کہاں ہے؟“

جیک نے دانت نکالے۔ ”میرا دل کھتا ہے کہ تمہاری محبو بیٹھنگر، جسے تم جنی کہہ کر پکارتے ہو، وہ ضرور میری مدد کرے گی۔ بس اس کی یادداشت بہتر کرنے کے لیے مجھے سی آئی اے والی کوئی ٹرک استعمال کرنی پڑے گی۔“

”وہ میری محبو بہ نہیں دوست ہے۔“

”بہت شر میلے اور وضع دار واقع ہوئے ہوتم۔ چلو دوست ہی تجھ۔ دیے تمہاری دوست ہے بہت خوب صورت۔“ جیک کی پوشیدہ مکروہ صورت عیاں ہوتی جا رہی تھی۔

مارک نے اپنے اشتعال کو دبایا اور خاموش رہا۔

”اور کوئی سوال؟“ جیک نے فیاضی کا مظاہرہ کیا۔

”اگر چیز فرمہ تو میری مدد کر ستی ہے تو تم دو سال سے کہاں

سوار ہے تھے؟“

”اوہ مارک، اس کا جواب تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔“

”ہو سکتا ہے میں غلط سوچ رہا ہوں، تم ہی بتا دو۔“

”شروع میں، میں اس غلط فہمی میں رہا کہ ڈسک پال کے پاس ہے۔ پچاس میں کا منصوبہ قدرت نے فیل کر دیا۔ پال سیست سب پچھے غائب ہوئیا۔ پھر پال کی باڑی ملی تو مجھے ڈسک کا خیال آیا اور میں چیز فرمے کے پیچے لگ گیا۔ تاہم دوسرا صدمہ اس وقت ہوا جب چیز فرمے کے پیچے لگ گیا۔ تاہم باڑی اس کے باپ کی نہیں ہے۔“

”امید پھر بحال ہوئی جب پتا چلا کہ وکٹر نے چیز فرم کر برف سے نکلنے والے کچھ اور شواہد بھی دکھائے تھے، کیوں نہیں ہے؟“

☆☆☆

لی رائے مرفنی نے ان دونوں آدمیوں کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ان کے آکی ڈی بیج بتا رہے تھے کہ ان کا اعلق نبھی یارک پولیس ڈپارٹمنٹ سے ہے۔ ایک کے جزوے پر زخم کا نشانہ تھا۔ وہ بابی کو دیکھنے آئے تھے اور لی رائے پریشان تھی کہ کیا کرے۔ وہ بھکھاری تھی۔

روان تھی۔ ماڈک کی نظریں گلی سڑک پر تھیں۔

”اگلے موڑ سے لانگ بیج کی جانب، وہاں سے کو داینڈ کا رنگ کرو۔“ جیک کی آداز آئی۔

”جیسے رے ملتا ہے؟“

”نیکست ایگزٹ۔“ جیک نے سامنے اشارہ کیا۔

”تم نے منظر اس طرح ترتیب دیا جیسے پال نے پچاس میں چڑائے تھے جبکہ یہ کارروائی تمہاری تھی۔“

”تقریباً ٹھیک ہے۔“ جیک نے کہا۔ ”میں اور لازار تھے۔ ہمارے درمیان ڈیل ہو گئی تھی۔ ڈیل میں وہ بر قافی طوفان شامل نہیں تھا۔ پال اور لازار ٹھیکر کی کسی گہری کھائی میں سورے ہوں گے اور پچاس میں کا خزانہ بھی... کوئی انکو نہیں پاسکتا۔“

مارک خاموشی سے سن رہا تھا۔

”لازار نے پچاس میں کمر ساتھ لکھا تھا۔ پچاس فیصد میرا تھا۔ پال اور وکل برادرز کو ٹھیکر پر ہلاک کر دیا جاتا۔“

”بعد ازاں تم نے پچاس میں کی تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی؟“ مارک نے سوال کیا۔

”لازار نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ وہ کس جانب سرحد پار جائے گا۔ یہ فیصلہ میں نے اس پر چھوڑ دیا تھا۔ وہی میری ایک بڑی ناطقی تھی۔ جب تک اس کی باڑی دریافت نہیں ہوتی پچاس میں کی تلاش میں جانا پاگل پہن ہو گا۔“

”وکٹر کا فائل، HQ بلڈنگ کی تباہی، چرچ میں خون خرابا، سب تمہاری حرکت تھی... کہ پال مارچ کی موت کا ایک سبب تھے ورنہ چاہتے تھے کہ کسی کو تمہارے ملوث ہونے کا سرانتہ نہیں؟“

”نہیں موسکا یا بھی ملوث تھی۔“

جیک چپ، رہا... کچھ دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”تمہیں ڈسک کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔ موسکا یا باڑی ڈسک کے لیے آسانی مزید پچاس میں کا نقصان برداشت کر سکتی ہے۔“

”خپ اپنے گندے، ہاتھ بھانے کے لیے۔“

”اوہ پھر تمہیش کے لیے اس کرہ ارض سے غائب ہو جاؤ گے۔“ مارک نے نفرت کے ساتھ تبرہ کیا۔

”سی آئی اے میں تیس برس گزارنے کے بعد میں سیکھ چکا ہوں کہ اپنے کھوج کیسے مٹائے جاتے ہیں۔“

”یہ سب کیس کر رہے ہو؟“

”قضوں سال ہے۔“ جیک نے کہا۔ ”ہم اپنی

زندگیاں داؤ پر لگائے رکھتے ہیں۔ موسکا یا جیسے لوگوں کے

حایا جال

جنی تھک کر لیوںگ روم میں بیٹھ گئی۔ نک بے چمن نظر آرہا تھا۔ اچانک باہر آسمان پر بکلی کڑکی اور بارش تیز ہو گئی۔ ہوا کی رفتار بھی بڑھنے لگی۔ ورختوں نے جھومنا شروع کر دیا۔

دفعہ لائسٹ آف ہو گئی۔

”شاید تاریں نوٹ گئی ہیں۔“ نک نے ٹارچ روشن کی۔ بوٹ ہاؤس ڈوک دیکھتے ہیں۔ بر ساتیاں ہیں؟“

”ہاں، روشنی دکھاؤ۔“ وہ بولی۔

”باہر نکلنے سے پہلے میرا ہاتھ پکڑے رکھنا۔ باہر موسم خراب ہوتا جا رہا ہے۔“ نک نے ہدایت کی۔

☆☆☆

”یہاں روک دو۔“ جیک کی پسلل کارخ مارک کی جانب تھا۔ وہ ”کووائینڈ“ سے دوسو گز کے فاصلے پر تھے۔

”انجمن چلنے دو، ہیڈ لائنس آف کر دو، پھر فرست گیئر میں ڈسی گی رفتار سے آگے جاؤ۔ کووائینڈ سے پچاس گز دور جیک نے گاڑی پنڈ کر دادی۔ ”کووائینڈ“ نے اندر ہیرے کی چادر اور ڈھمی ہوئی تھی۔

معا بادل شدت سے گرجے۔ گاڑی کے باہر شور بڑھتا جا رہا تھا۔ جیک نے گھری دیکھی۔ ”ہم جلدی آگئے۔“

”کیا مطلب؟“

”انتظار کرو۔“

☆☆☆

لہر س بورڈ واک پر سرخ رعنی تھیں۔ نک نے بوٹ ہاؤس کا دروازہ کھولا۔ ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے جائزہ لیا۔ موڑ بوٹ، انجمن پارٹس کے شیف، زنگ آلو داوزار۔ ”جینفر، تم بوٹ کے اندر اچھی طرح حلائی لو۔“ نک نے کہا۔ وہ اسے روشنی دکھارہا تھا۔

کیہن، وہیل ہاؤس، انجمن کپارٹمنٹ... تاہم ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ نک نے شیف چھان ڈالے، ٹوڑ کو چیک کیا۔ پھر موڑ پارٹس۔ اس کا تکدر، بد مرگی سے ہوتا ہوا غصے اور پھر اشتغال کی حدود کو چھونے لگا۔ اس نے غصے میں بوٹ کی سانکڑ پر لات ماری۔

”کہاں ہے، کہاں ہے باکس؟“ وہ چلا یا۔ ”جینفر سوچو... سوچو... کہاں ہو سکتے ہے؟“

جنی بوٹ سے باہر آگئی۔ اچانک نک نے گھوم کر اس کے بال پکڑ کر بے رحمی سے گھما یا اور ایک زور دار چھپز اس کے رخسار پر مارا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی دیوار سے جا گلی۔

”ویکھو اس کی بہن کا رائیکسٹ نٹ میں زخمی ہو گئی ہے۔“ لبے تدوالے نے بتایا۔

”وہاں؟ یہ کی بات ہے؟“ نس نے پریشانی سے پوچھا۔

”وہ بیرون ملک سے واپس آئی تھی اور کیب میں سفر کر رہی تھی، جب یہ حادثہ ہوا۔“

”بیڈ ویر کی بیڈ... وہ تہاں ہی بابی کی بیملی تھی۔ اگر اسے پتا چلے گا تو وہ اپ سیٹ ہو جائے گا۔ کیا خیال ہے؟“ نس نے چلنا شروع کیا۔

”جینفر... ہے دیکھنا چاہتی ہے، ہمیں لا کے کو لے جانا پڑے گا۔“

نس یک لخت رک گئی۔ وہ بابی کے کرے کے پاس تھے۔ ایک نے مڑکی سے جھانکا۔ بابی وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی کاغذ تھا۔ ”وہ رہا بابی۔“ ایک نے فقرہ اچھالا۔

”ہاں، وقتی بابی ہے۔“ نس لی رائے کی آواز میں افسردگی تھی۔ ”لبن میرے پاس اختیار نہیں ہے کہ میں اسے یہاں سے جانے دوں۔“

”اوہوں... مگر ہمارے پاس اختیار ہے۔“ نشان زدہ جیڑے والے نے پسلل نکالا۔ نس بے سدھ کھڑی گئی۔ دوسرے نے بڑھ کر اس کی گردن میں بازو لپینا۔ نس نے چیننے کی کوشش کی لیکن محض خرخراہٹ کی آواز آئی۔ ایک منت سے پہلے وہ بے ہوش ہو کر جھوول گئی۔ دراز قاتم نے بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اندر کمرے میں گھیٹ لیا۔ اس دوران میں، وہ سارا دروازہ کھول کے کھڑا رہا۔

بابی کی آنکھوں میں پہلے حیرت نظر آئی پھر حیرت کی جگ خوف نے لے لی۔

☆☆☆

جینفر او۔ نک مکان کے اندر تھے۔ بتایا روشن تھیں۔ دکھ بھر گی یادوں نے پھر یلغار کی۔

”کہاں سے شروع کریں؟“ نک نے سوال کیا۔ ”جینفر کم صدم تھی۔“

”جینفر...“ ”ہاں،“ لے میرے خیال میں پہلے اسٹڈی۔“ وہ چونک کر بولی۔

”اوے کے۔“ ناکامی کے بعد انہوں نے کروں کو کھدیڑا پھرتے ہانہ، چکن۔

اس سے زیادہ کرنا ک تھا جو وہ بند آنکھوں سے خوابیدہ
حالت میں دیکھتی تھی۔

بابی چکن میں اس کے ساتھ نیمی پر تھا۔ اس کی
آنکھیں روئے سے سونج کرنی تھیں۔ اس کے باعث رخار پر
خون آلو دخراش تھی۔ جنہی نے اسے بانہوں میں لیا ہوا تھا۔
بابی کا سراب بھی سکیوں کے زیر اڑوں رہا تھا۔ بابی کی
حفاہت کے لیے جنہی کے جسم میں معاعن و غصے کی لہر طاقتور
کرنٹ کی طرح دوڑنے لگی۔

”ورندوں تم نے اسے زخمی کر دیا ہے۔“ وہ چلائی۔

”معمولی بات ہے۔“ نک نے پھنکار ماری پھر اس
نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف انگوٹھا اٹھایا۔ ”جیک
آرہا ہے، تم میں سے ایک باہر جا کر گاڑی میں بیٹھے اور
چوکس رہے۔ دوسرا بیک یارڈ میں چلا جائے۔“ نک نے
ہدایات جاری رکھیں۔

جنہی، بابی کو دلا سادے رعنی تھی، اس نے طے کر لیا
تھا کہ وہ بابی کو نہ بجا سکی تو پہلے خود جان دے دے گی۔ چند
روز میں اس نے جو کچھ دیکھا اور بھگتا تھا، اس کے بعد اب
اسے کوئی چیز خوف زدہ نہیں رکھتی تھی۔

نک نے چکن کی درازیں نکال کر باہر پھینک دیں۔
اس نے اپنے انداز میں ایک بار پھر چکن کو متولا۔ فرش،
دیواروں اور چھت تک کا جائزہ لیا۔ وہ اور اس کے ساتھیوں
نے جو طویل قلمی ڈراما نکھلیل دیا تھا، کئی روز بعد صبر آزماؤ راما
فلپ ہوتا نظر آرہا تھا۔ ہریست نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔
وہ اپنی تمام ادا کاری اور پیشہ درانہ تراکیب پوری تو انا نیوں
کے ساتھ اس ڈرامے میں جھوکنک چکا تھا۔

اس کا پیارہ صبر چمک پڑا تھا۔ شرافت، بہادری اور
اخلاص کا مصنوعی نقاب اس نے نوچ کر پھینک دیا تھا۔ وہ
کئی روز سے ”ہیرہ“ کا رول ادا کر رہا تھا۔ اب پوری طرح
ولن کے روپ میں ڈھلنے کے لیے تیار تھا۔ اس کے پاس یہی
کارڈ بھاگتا کہ الگیاں نیڑھی کروے، بلکہ توڑ دالے۔

نک نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ناکامی یا کامیابی دونوں
صورتوں میں بہن بھائی کو مٹھانے لگا دے گا۔ اس کا گندہ
خون آکر بھن لے کر دماغ میں آتا تو وہاں شیطانی خیالات
چھوڑ جاتا۔ اپنی خباثت کے برخلاف اٹلی اور سو ستر لینڈ
میں اس نے چیفڑ کے حسن جہاں سوز کو بھسم کرنے کے کئی
موقع گنوائے تھے اور خود کو قابو میں رکھا تھا۔

اب وہ معدود بھائی اور عاشق نامدار کی موجودگی میں
چیفڑ کے ساتھ ”شیطانی ڈراما“ پلے کرے گا۔ اس کا حیوانی

لمحہ بھر کے لیے تو اسے یقین نہیں آیا کہ نک نے کیا حرکت کی
ہے۔ وہ ہکا بکارہ گئی، سکتے کی، بے یقینی کی کیفیت تھی جو
دھیرے دھیرے کم ہوئی تو آنکھوں میں خوف اور نفرت
اجاگر ہو گئی۔

اتا بڑا دھوکا، اتنی بڑی ادا کاری، اٹلی، سو ستر لینڈ
سے لے کر نیو یارک تک۔

”میں نے کچھ کہا تھا؟“ نک پھنکا را۔

”ٹھیک ہے، مجھے نہیں معلوم۔“ جنہی دروازے کی طرف
بھاگی۔ لیکن نک نے پک کر اس کی کلامی پڑھ لی۔ اس کے
جہرے سے، یا گل پن ہو یہا تھا۔ وہ جنیقر کو کھینچتا ہوا بوث
ہاؤس سے نیلے ہوئے لان، پھر چکن میں لے آیا۔ جنہی اس
دوران میں احتجاج کرتی رہ گئی۔

”اپنا من بند رکھو۔“ وہ بالکل اجنبی بن گیا تھا۔ اس
نے سل فون نکالا۔ نمبر خرچ کر کے چند الفاظ کہے اور اسے
آف کر دیا۔

ایک منٹ کے اندر کوئی گاڑی ڈرائیورے میں داخل
ہوئی۔ گاڑی سے جو آدمی باہر آیا، وہ ائر پورٹ پرانے دونوں
کو فرار کرائے والا مارٹی تھا۔ پھر ایک اور آدمی نکلا جو بے قد
کا تھا۔ دونوں کی کوئی چیز نکل گئی۔ دل زور سے پسلیوں کے اندر
احلا، وہ بابی تھا۔ اس کا سر لٹک رہا تھا اور تانگیں زمین پر
حصہتی آر رہیں۔

اندر آتے ہی وہ جھیٹی۔ ”بابی... بابی۔“

نک سل فون پر کہہ رہا تھا۔ ”جیک، میں نے
سارے پتے کھیل لیے۔ پچھے حاصل نہیں ہوا۔ کتنا کو کچھ نہیں
معلوم۔“ جنہیا جیسے بھری ہو گئی۔ اس کے رو نگئے گھرے ہو
گئے۔ وہ کسی ہری سازش کا فکار تھی۔ نک کی حقیقت پچھے اور
تھی۔ بابی کی اہاں موجودگی اور مارٹی کی آمد بتاری تھی کہ وہ
اور بابی انتہائی نامساعد اور خطرناک صورتِ حال سے دوچار
ہیں۔

”ہاں اسے اٹھالائے ہیں۔“ اس نے کسی سوال کا
جواب دیا۔ ظاہر ہے اشارہ بابی کی طرف تھا۔ ”اب کیا کرنا
ہے؟“ نک نے دوسری جانب سے جواب سنایا۔

”اوے۔“ اس نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

”سب ٹھیک ہے بابی... بابی... میں تمہارے
پیاس ہوں۔ کیا تم زخمی ہو؟“ جنہی کا دل تڑپ رہا تھا۔ آج وہ
کھلی آنکھوں سے بھیا نک خواب دیکھ رہی تھی۔ سب کچھ

اور ہمارا سب سے بہترین آدمی ہے۔“

”ملائیں ہوں صرف دیکھا ہے۔“ مارک نے اعتماد کے ساتھ تر دید کی اور بے نیازی سے فریجک عرف نک سے نگاہیں چار کیں۔ ”ہاں اداکار تو معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا بات دکھائی نہیں دیتی۔“ مارک، حول کا جمیوئی تاثر بدنا چاہتا تھا۔ جنی اور بابی کو اعتماد کی ضرورت تھی۔ وہ ذہنی طور پر خود کو ہر قسم کی صورتِ حال سے نہیں کے لیے تیار کر رہا تھا۔

اس کا جواب ہجن میں موجود ہر فرد کے لیے غیر متوقع تھا۔ جنی نے انہیں کیا۔ بابی نے ڈھارس یاں، جیک کو حیرت ہوئی اور نک کے جبڑے بھیج گئے۔ مارک کے جواب نے سب سے زیادہ نک کو متاثر کیا تھا۔ جواب بھی اُدھر سے ہی آیا۔

”جلد ہی دیکھ لو گے۔“ اس کی آواز میں آگ تھی۔

”جلدی؟“ مارک نے ناگہیں پھیلادیں۔ ”ابھی دکھا دو۔“

آواز کا شعلہ نک کی آنکھوں میں منتقل ہو گیا۔ وہ خونی نظروں سے مارک کو دیکھ رہا تھا۔ ”بہت روٹا پڑے گا۔“

”اپنے مستقبل کے بارے میں بتا رہے رہو؟“ مارک نے حملے جاری رکھے۔ جنی کو بھی قدرے حیرت ہوئی۔ مارک کا یہ روپ اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اُدھر نک کی کھوپڑی چھپڑی۔ اس نے خطرناک انداز میں پیش تدمی کی۔

”نک، اس کی خوش فہمی دور ہونے والی ہے۔ قابو میں رہو۔“ جیک نے تنبیہ کی۔ نک نے بمشکل خود کو روکا۔

”اچھا اداکار ہے، سی آئی اے میں کیسے آگیا؟“ مارک نے بے خوفی سے مٹھکاڑا یا۔

”اپنی جان جگر کی فلکر... جھے ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور تو روئے گا۔“ نک کسی درندے کی طرح غرا یا۔

”جیک، یہ تو کامیڈی بھی کر لیتا ہے۔ اے بتاؤ کہ میری جان تو اس کے اندر رکھی ہے۔“

نک کے ضبط کی بندشیں ٹوٹ گئیں۔ مارک بھی کھڑا ہو گیا۔ جیک نے ہوائی فائر کیا۔ نک پھر قسم کیا۔ فائر کی آواز سے دونوں کارندے ہجت کی طرف آئے۔

”دونوں باہر رہو۔ یہاں سب ٹھیک ہے۔“ جیک نے انہیں واپس بھیج دیا۔

دو اور دو چار۔ دو اندر دو باہر۔ مارک نے تخمینہ لگایا۔

”مر نے کی جلدی ہے کیا؟“ جیک نے مارک کو گھورا۔

ٹیکٹ پہلے ہی جانور کی سطح پر تھا۔ وہ دکھائے گا کہ وہ ہیرو نہیں بلکہ شیطان صفتِ ولن ہے، جلا دے ہے۔ انسانیت کے منہ پر زہرآلود طماںچہ ہے۔ عاشق اور بھائی تو ”شیطانی ڈراما“ ختم ہونے سے پہلے ہی از خود مر جائیں گے۔ اس نے کئی روز جیفٹر کے ساتھ گزارے تھے۔ وہ اس کے پندار، انا اور بائکن سے واقف تھا۔ نک کے دماغ میں جو شیطانی مخصوصہ پلے رہا تھا، وہ خوب آگاہ تھا کہ جیفٹر اس کی غیر انسانی خباشت کو ناکام بنانے کے لیے جان سے گزر جائے گی۔ مارک اور بابی کے لیے بھی یہ ایک ناقابل برداشت جہنمی نظارہ ہو گا۔ نک نے ہوتلوں پر زبان پھیری۔ گویا کوئی گولی ضائع کیے بغیر تینوں کا کام ہو جائے گا۔

حیوانی خیالات نے اس کے تاثرات مسخ کر دیے تھے۔

باہر کسی گاڑی کے انہن کی آواز آئی پھر دروازے کھل کے بند ہوئے۔ ذرا دیر بعد ہجن کے دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

دروازہ کھلا اور مارک نے قدم اندر رکھا۔ اس کے پیچے جیک تھا۔ اس کے ہاتھ میں گن تھی۔ مارک نے جنی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک دکھائی دی۔ چہرے پر سرست اور اداکاری کا ملا جلا تاثر تھا۔ وہ جنی کی طرف بڑھا۔ ”جذباتی مت ہو۔ میز کے قریب کری سنبھالو۔“

جیک نے وارنگ دی۔ حالات بدتر تھے۔ تاہم جنی کی آنکھوں میں امید کا دیا ٹھہرایا۔ مارک کو گن پوائنٹ پر دیکھ کر اس کے دل میں سرست بیدار ہوئی تھی۔ یعنی مارک دشمنوں کا دشمن اتنا جبکہ نک نے جنی کو مارک کی جانب سے بدنظر کرنے کی کوشش کی تھی۔

مارک نے بابی اور بابی نے مارک کو دیکھا۔ بابی کی آنکھیں ڈبڈ بانے لگیں۔ مارک کے چہرے پر دکھ کا سایہ اتر کر غائب ہو گیا۔ صورت حال مخدوش اور فیصلہ کن تھی۔ اسے کمزوری اور بے بسی کے انتہا سے پچتا تھا۔ جو کچھ کرنا تھا، اسے ہی کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا جنی کیا سوچ رہی ہے۔ مارک نے ایک نگاہ جنی پر ڈالی۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ جنی کے چہرے پر خوف کی جگہ عزم جلک رہا تھا۔ نگاہیں چار ہو گیں تو دواؤں نے زبان کھولے بغیر ایک دوسرے کے دل کا حال جان لیا۔

جیک نے دروازہ بند کر دیا۔ ”تم میرے پارٹنر سے مل چکے ہو۔“ نیک کی آواز آئی۔ ”نک ایک شاندار اداکار گاسوسی ذات جست۔“

ہو؟ اور ڈسک والی بات تم نے کیوں کہی؟" جیک نے سرو لبھ میں سوالات کیے۔

"میں ہنتے ہوئے مرتا چاہتا ہوں لیکن "اداکار" کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ بس تھی سی بات ہے۔ جہاں تک ڈسک کی بات ہے، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے جیفٹر سے ڈسک کا اتنا پا معلوم کیا تھا لیکن اسے کچھ نہیں پتا تھا۔ اس وقت میں نے آدھا سچ بولا تھا۔ جیسی کو اشارہ معلوم تھا لیکن وہ ایک معا تھا۔ وہ اسے حل نہ کر سکی۔ میں نے اشارہ کچھ لیا تھا۔" مارک نے بتایا۔

"بکواس کر رہے ہو۔ دوسرے تمہیں نک کی طاقت اور صلاحیتوں کا اندازہ بھی نہیں ہے۔" جیک نے کہا۔

"اندازہ تو ہے۔" مارک نے جواب دیا۔ "نک ایک اداکار ہے اور عورتوں سے بچوں سے لڑکتا ہے۔ اتنی اور سو ستر لینڈ کے کارنا مے سب ڈراما تھا۔"

اس مرتبہ مارک کی اشتعال انگیز باتوں کا کوئی رو عمل سامنے نہیں آیا۔ وہ ماحول کو بھڑکانے اور بے قابو کرنے میں تقریباً کامیاب ہو گیا تھا۔ تاہم جیسی کوئی اتفاقوں سے بچانے کے لیے بروقت اس نے جو ہوا یاں چھوڑی تھیں، انہوں نے ماحول کی گردی کم کر دی تھی اور دشمنوں کو بھی ہوشیار کر دیا تھا۔ اس نے پنیر اپدلا۔

"مت کرو یقین۔ اتنا بتا دو کہ فریک میکال کہاں ہے؟"

"وہ مر چکا ہے۔"

"تمہارے ساتھ دوسرے لوگ کون ہیں؟" جیفٹر کافی دیر بعد بولی۔

"کرائے کے گورنلے۔" جیک نے محاورہ مختصر لیکن شافی جواب دیا۔

"جیفٹر کو متواتر خطرے میں رکھ کر بار بار "اداکار" کے ذریعے بچانے کا مطلب؟" مارک نے سوال کیا۔

"سادہ سی بات ہے۔ جیفٹر کا اعتماد جیت کر کوئی کلیو حاصل کرنے کی کوشش... اس طرح کچھ نہ کچھ معلوم ہوئی گیا۔ دو گل لک بکنچ گئے اور سیکیورٹی بارکس کا پاہا چل گیا۔"

"اس گورنکھ دھندے میں بچھے کیوں فٹ کیا گیا؟"

"تم پلان پولی کے طور پر گئے تھے۔ اگر نک کسی وجہ سے فیل ہو جاتا تو تمہیں استعمال کیا جاتا۔"

"یوباسڑہ۔" جیسی پھر غمے میں آگئی۔ "تم نے بابی پر گولی چلائی۔ تم نے میری ماں کی جان لی۔ تم انسان نہیں ایک دشی درندے ہو۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تم قانون

"ہاں اس کو جلدی ہے۔" مارک نے نک کی طرف اشارہ کیا۔ "پڑاں دو۔"

جیسی کو اگاہ کہ جیک فائز کرنے والا ہے۔ اس کا چہرہ غضبناک ہو گی تھا۔ تاہم وہ دانت کچکچا کر رہا گیا لیکن نک، جیسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مارک کو اندازہ ہو گیا کہ کسی وجہ سے جیک اسے فوراً ہلاک نہیں کرے گا۔ ورنہ وہ کام گرا ہم اور فیلوز کے ساتھ ہی کر دیتا۔ تاہم اسے وقت کی کمی کا بھی احساس تھا۔ وہ چاہ رہا تھا کہ جیک کے حواس بھی غمے کی نذر ہو جائیں گی اور وہ کچن میں ہی معاملہ نہزادے۔ ڈاکٹر ڈائی ولی پوزیشن بھی۔ اس کی تیز نگاہ نے بھانپ لیا کہ نک کا ایک بازو گڑ بڑ کر رہا ہے۔ شاید زخمی تھا۔ اس کی آنکھ کے نیچے بھی زخم کا نشان تھا جو زیادہ پرانا نہیں تھا۔ تمام بکواس میں اس کی پوزیشن بدلت گئی۔ وہ کھڑا تھا، رخ ایسا تھا کہ جیک اور نک دونوں اس کی نظر میں تھے۔

مارک کی دلیری نے جیسی کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ نک خطرناک عزم آنکھوں میں لیے اس کی طرف آ رہا ہے۔

مارک۔ جسم کے تمام عضلات اکٹھ گئے تھے۔ "جیک اسے روک لو ورنہ میں اس کا دوسرا بازو بھی ناکارہ کر دوں گا۔" مارک ایک قدم آگے کیا۔ "اور تم لوگ ڈسک سے بھی ہاتھ دھونیں گے۔" مارک نے بیک وقت دو ہوا یاں چلا گیں۔

نک خود تی رک گیا۔ مارک کے غیر متوقع قوروں نے ہر ایک کے چہرے پر حیرت و استغاب کا رنگ پھیر دیا تھا۔ نک، جیسی اور جگ تینوں حیران تھے کہ مارک نے "پازو" والی بات کیسے کہی؟ سب سے زیادہ حیرت نک کو ہوئی تھی۔ اسے چہل بار اندازہ ہوا کہ وہ مارک کو شروع سے اندر اسٹیمیٹ کرتا یا ہے۔ جیسی تو گویا جھوم انھی تھی۔ تاہم وہ متواتر خاموش تھی۔

لیکن مارک، بابی کو دیکھ رہا تھا بلکہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ مارک اس بات پر حیران تھا کہ بابی کیوں حیرت زدہ تھا۔ اس کو تو نک کے بازو کی کوئی خبر نہیں تھی تو کیا وہ ڈسک والے فقرے پر چونکا تھا؟ کیا بابی جانتا ہے کہ ڈسک کہاں ہے؟

مارک نک میں پڑ گیا کہ بابی کو کچھ نہ کچھ معلوم ہے۔

"مارک! میں نہیں سمجھا کہ تم کس بات پر اکثر رہے

کہ قسمت ہمارے ساتھ ہے۔“ وہ مسٹر انے لگا۔
کچن میں خاموشی طاری تھی۔ بابی بے چین نظر آ رہا تھا۔
پھر جیک پہنچے ہٹ گیا۔
” تمہیں کیوں یقین ہے کہ باس یا ڈسک کہیں آس پاس ہے؟“ مارک نے سوال کیا۔

” گذ، اچھا سوال ہے۔ دو سال پہلے میں نے نیو یارک کے ہر بینک کی چھان بین کروائی تھی کہ بابی کے ماں بابا پ کے نام پر کوئی سیف ڈپازٹ لا کر وغیرہ ہوتا چاہیے لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔ وہ چیز اتنی بے وقت نہیں تھی کہ اسے ضائع کر دیا جاتا۔ چابی کی موجودگی اس کا ثبوت ہے۔ لہذا سیکورٹی پاکس کو انتہائی احتیاط سے چھپایا گیا ہے۔ سی آئی اے کی نفیاٹی ٹرکس کے مطابق چھپانے والے نے اسے یہاں سے دور نہیں چھپایا۔ باس اسی پر اپنی پر ہے۔“

” باس خالی ملا تو؟“

” ناممکن، خالی باس کو پوشیدہ نہیں رکھا جاتا پھر یہ چابی...“ جیک نے چابی اٹھا لی۔ ” جلدی کرو۔ ورنہ پہلے نبی مارا جائے گا، پھر مارک اور پھر تم۔“ اس نے جنفر کو گھورا۔

اسی وقت نک نے حرکت کی۔ وہ جیک کے قریب آیا اور کان میں کچھ کہا۔

” آئی سی، گذ آئیڈیا۔“ جیک نے سر ہلایا۔ ” تمہیں ایسے نہیں مارا جائے گا۔ نک کا پروگرام کچھ اور ہے۔“ جیک کی آنکھوں میں خباشت ناج رہی تھی۔ اس نے رخ بدلا اور پھل بابی کے سر پر کھدایا۔

” لڑکے کی طرف بھی کسی کا دھیان نہیں گیا۔ بہت ممکن ہے کہ اسے کچھ معلوم ہو،“ بابی کہا۔

” پلیز، اسے کوئی نقصان مت پہنچاؤ۔“ جنی کے لہجے میں اتنا تھی۔ بھائی کی محبت تو کر آئی تھی۔

جیک نے اپنا ٹھلا ہونٹ چبایا۔ ” میں کوئی ظالم ترین انسان نہیں ہوں۔“

” ہے، تم انسان نہیں ہو۔“ مارک نے بات کاٹ دی۔

” تمہاری زبان بہت پلنے لگی ہے۔ شاید ہیر وئ کے سامنے۔“ جیک کی آنکھوں میں نفرت جھلک رہی تھی۔

مارک کی برجستہ نظرے بازی، اسی مایوس کن صورت حال میں بھی جنی کو مزدودے گئی۔

” میں نے سوچا ہے۔“ جیک نے سلسلہ تکلم جوڑا۔ ” تم تینوں مشاورت کرو۔ سچ بولنا ہے اور کس نے بولنا ہے؟“

کے رکھا لے دولت کے لیے بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے پھر رہے ہو۔ کیا ملے گا نہیں۔ تم بھی اسی طرح مارے جاؤ گے۔ ” جنی کی سانس پھول گئی۔

” ہم جان ہتھیا پر رکھے پھرتے ہیں اور قانون ہمیں کیا دیتا ہے؟“

” یہ تو مجھے کا انتحاب کرتے ہوئے سوچتا چاہے تھا۔“ ” اپنا یک پھر بند کرو۔“ نک غرایا۔ ” میں نے تمہارے لیے خصوصی پروگرام بنایا تھا لیکن اب میں پہلے تمہارے عاشق کے ہاتھ پاؤں توڑوں گا۔“

” اپنا غلط منہ بند رکھو۔“ جنی نے بھی ترکی پر ترکی جواب دیا۔ اسے خطرے کا احساس تھا لیکن مارک کی دلیری نے اسے شیر کر دیا تھا۔ مارک کی وجہ سے نامیدی کا دباؤ کمزور پڑ گیا تھا۔ ” تم لوگ اپنے ناپاک خوابوں سمیت اسی طرح دفن ہو گے جس طرح تم نے درجنوں بے گناہوں کو دفن کیا ہے۔“

” تم نے بتایا تھا اس کو؟“ جیک نے نک کو دیکھا۔ ” ہاں، یہ پھل رہی تھی... اس لیے میں نے اس کی ماں کے علاوہ لازار سمیت کئی ایک خفیہ باتیں بتادی تھیں۔ پال کو پھنانے کا مخصوص بھی بتادیا تھا۔“

” آئی ایم سوری، یہ بچ ہے۔ یہ بنس ہے۔ بنس میں کئی ناخوشنگوار فیملے کرتے پڑتے ہیں۔“ جیک نے کہا۔ ” بنس دیپالیا بھی ہو جاتے ہیں۔“ مارک نے کہا۔ ” دیکھیں گے۔“ جیک نے کہا۔ ” لاو چابی نکالو۔“ چابی کے لیے جیک نے جنفر کو مخاطب کیا تھا۔

جنی نے وچا کہ جھوٹ بولنا بے معنی ہے۔ یقیناً نک نے دکثر کے دفتر میں اسے چابی رکھتے دیکھ لیا تھا۔ وہ آسیں باسکشائیں کر دے گی بھی تو چابی اس کے بیگ سے برآمد ہو جائے گی۔ البتہ مارک چونک پڑا تھا۔

جنی نے بیگ کھول کر چابی میز پر رکھ دی۔ ” بہت خوب۔“ جیک کا چہرہ چمکنے لگا۔ ” اب سیکورٹی باس کا ہا بھی بتا دو۔“

” اس کے لیے تمہیں بابی کے ” قادر“ کو واپس لانا پڑے گا، وہی بھے بتا سکتے ہیں۔“ جنی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

” میں سمجھ گیا۔“ جیک نے سائلنسر نکال کر پھل پر فٹ کر تا شروع کر دیا۔ سائلنسر لگا کر اس نے پھل جنفر کے سر پر رکھ دیا۔ ” تم بتا دو یا کوئی اور بتا دے۔ چابی مل سکتی ہے تو باس بھی ملے گا۔ چابی کا ملتا ایک کرشمہ تھا۔ مطلب یہ

تم تینوں کے پاس دس منٹ ہیں۔ ہم باہر جا رہے ہیں۔“
”مک، اس کے پاس مل فون ہے؟“ جیک نے مک کو دیکھا۔

”نہیں۔“
”بآس فون کام کر رہا ہے؟“
”نہیں۔“

”کن میں کوئی ہتھیار، چاقو وغیرہ؟“

”نہیں، ایک چھری تھی، وہ میرے پاس ہے۔“
”مک ہے۔“ جیک نے باہر جھانکا۔ ”بارش کا زور بھی نوٹ گیا ہے۔ آؤ باہر جائے ہیں۔“

”جنتے جلتے وہ مڑا۔“ گارڈن سے ہم نظر کھیس گے۔
کوئی چالاکی نہیں چلتے گی۔ دس منٹ کی مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اچھا فیصلہ کرو۔ جان چھوٹ جائے گی۔“

دونوں نے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ تاہم کھڑکیوں پر شیشوں سے اندر سے باہر اور باہر سے اندر دیکھا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

انے، تلتے ہی مارک نے کھڑی دیکھی پھر زخمی نگاہ سے جیکی کو دیکھا۔ ضبط کے بندھن نوٹ کے ویزناں ہارن پر وہ پہلے بھی سوت کے سامنے مارک کی غیر موجودگی میں اظہارِ محبت کر رہی تھی۔

وہ کرسی سے اٹھی۔ مارک سمجھ گیا۔ بے اختیار اس کے بازو دراز ہو۔ لئے اور وہ پچوں کی طرح اس کے فراخ بینے میں پناہ گزیں گے۔

”آلی ایم سوری ہی۔ میں نے سوچا تھا کہ میں تمہاری مدد کرنے والے جا رہوں۔ بابی کے لیے میں نے بندوبست کر دیا تھا۔“ مارک کی آداز بھرا گئی۔ ”ایندھا... ایندھا... آلی لو یو۔“

”می تو...“ جیکی نے سراخایا۔ مارک نے اس کی ستواں ناک کے نخے سے سرخ ٹل کوہونٹوں سے چھوکر زمی سنتے اگ کر دیا۔ ”ہمارے پاس بہت کم وقت ہے۔ بابی کو دیکھو۔ رکو، کیا تمہیں معلوم ہے؟“

”نہیں، اور تمہیں؟“

”می تو نہیں چکر دے رہا تھا۔“

”موت کے سامنے تم کب سے اتنے دلیر ہو گئے؟“

”کیا پہلے میں بزدل تھا؟“

”نہیں، پہلے تم الو کے پر تھے۔“

”ہاں، اچھا سنو، بابی کو معلوم ہے کہ سیکیورٹی بائس

کہاں ہے؟“
”کیا مذاق ہے؟“ جیکی نے اعتراض کیا۔
”میرا خیال ہے۔ جاؤ اس کے پاس۔ میں کوئی راہ نجات تلاش کرتا ہوں۔ ورنہ ہم مارے جائیں گے۔ ڈسک ملے نہ ملے۔ دونوں صورتوں میں یہ بھیڑیے ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔“

مارک نے کچن کا جائزہ لیتا شروع کیا۔ مارک نے دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا سرخ سینڈر دیکھا۔ مارک کی تمام حیات پوری طرح بیدار تھیں۔ اس نے کھڑکی کے شیشے سے باہر گارڈن میں دیکھا۔ نک اپنے دوسرے ساتھی کے ہمراہ وہاں بے جیکی سے مہل رہا تھا۔ مارک کی زبان درازی نے اس کے اعتماد کو متزلزل کر دیا تھا۔ وہ وقٹ و قٹے سے کھڑکی کے شیشے کے ذریعے کچن میں دیکھ رہا تھا۔

مارک نے داعیں جانب دروازے کو دیکھا اور آہستہ سے جیکی کو آواز دی۔ وہ اشاروں میں بابی سے باتیں کر رہی تھی۔ ”جیکی یہ دروازہ کہاڑ جاتا ہے؟“

”وہ پیشتری میں کھلتا ہے، ایگزٹ نہیں ہے۔“ کپ بورڈ، ”سبھو۔“ جیکی نے بتایا۔

”تمہارے والدین کون رکھتے تھے؟“
”نہیں۔“

”جیکی میرے والدین کا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میرے والد کے ترے میں بیٹھ کے ساتھ دراز میں اعشار پر تین آٹھ کا ہو گا۔ اگر کسی نے اسے وہاں سے ہٹایا ہے تو گھر خالی ملے گا۔ اگر ہم کسی طرح وہاں تک پہنچ جائیں۔“

”ایک منٹ رکو، بابی کچھ بتا رہا تھا۔“ جیکی، بابی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ بابی کے ہاتھ تیزی سے مل رہے تھے۔

مارک نے کھڑکی دیکھی۔ اگر بابی کے متعلق اس کا اندازہ تھیک نہ لاتوان کے پاس کیا آپشن ہو گا۔ اس کا داماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

”اسے پتا کیے مارک، بابی کو معلوم ہے۔“ جیکی کی بیجانی آواز میں حرمت تھی۔

”کیسے، کیا؟“ مارک چونک پڑا۔
”ایک دو منٹ رکو۔“

☆☆☆

”ڈیڈی کے غائب ہونے سے ایک ہفتہ پیشتر بابی کی آنکھیں ترے کے محل گئی تھیں۔ اس نے کوئی آواز سنی تھی۔ بابی نے اٹھ کر کھڑکی سے دیکھا۔ ڈیڈی کے ہاتھ میں دھانی

ہایا جال

کڑے تیروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ جیک نے آتے ہی پسل بابی کے سر سے لگا دیا۔
”تم لوگوں کا وقت ختم ہو گیا۔“
”کیا ارادہ ہے؟“ نک غرایا۔
”بابی... بابی کو کچھ یاد آ رہا ہے۔“ جینی نے لرزیدہ آواز میں خوف کی ادا کاری کی۔
چند لمحے سکوت طاری رہا۔
جیک کے لبوں پر دھیرے دھیرے فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

☆☆☆

”تم نے بتایا ہے کہ بوٹ فنگ کے لپے استعمال ہوئی تھی۔ سمندر میں سو گز آگے زیر آب موئی کی چٹانیں ہیں۔ سو گز دور نشانہ ہی کے لیے“ مارکر ”لگائے گئے ہیں، جو پانی سے اوپر ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مارکر ز سے آگے جانا خطرے ہے خالی نہیں... تمہارے خیال میں باکس کھاڑی میں، ان رنگیں مارکر ز کے آس پاس کہیں موجود ہے۔“ جیک کھڑکی سے بوٹ اور سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ پل پل بدلتا موسم پھر طوفانی صورت اختیار کر رہا تھا۔ رنگیں مارکر ز نظر نہیں آ رہے تھے بلکہ بوٹ ہاؤس سے آگے کا منظر بمشکل دس گز نک نگاہ کی رسائی میں تھا۔

جیک کے چہرے پر فرشیریش طاری تھی۔ ”وہ بابی کی جانب مزا۔“ کیا یہ بھی ہے؟“

بابی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اگر یہ جوٹ ہوا تو میں تمہیں وہ رنگ دکھاؤں گا...“ اس نے باتِ ادھوری چھوڑ کر جیفٹر کو گھورا اور اپنی جیکٹ اتار کر قیص کے بنن کھولنے لگا... اس نے قیص اور نائی بھی اتار دی۔

مارک خاموش اور چوکس تھا۔ نک بھی الرٹ تھا۔ بالائی لباس اترنے کے بعد جنیک کی گردن پر چھری کے زخم کا نشان نظر آیا۔ ”یاد ہے، یہ زخم کیسے لگا تھا؟ میری قسم اچھی تھی کہ اس ریات میں فتح ہیا۔“ جیک کی آنکھوں میں خباثت ناج رہی تھی۔

جیک کے لیے اپنی شدید نفرت کو چھپانے کی جیفٹر نے کوئی کوشش نہیں کی۔ اچانک جیک نے اسے نظر انداز کیا اور کھڑکی کی جانب چلا گیا۔ ”کیا بوٹ بھیجیں ہے؟“

”میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بوٹ کئی برس سے زیرِ استعمال نہیں آئی۔“ جیفٹر نے جواب دیا۔

نک بولا۔ ”اس موسم میں تم بوٹ پر جاؤ گے؟“

باکس تھا اور وہ پوٹ ہاؤس کی جانب جا رہے تھے۔ ”جینی، مارک کو بتا رہی تھی۔

”وہ باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں سیاہ پلا سٹک کا بیگ تھا۔ جو نیلی رنگ کی ناٹکون کی روی میں لپٹا ہوا تھا۔ بیگ خالی نہیں تھا۔ لگتا تھا کہ باکس کو بیگ میں رکھا گیا ہے۔ پھر وہ بورڈواک کی سیزی کے ذریعے پانی میں اتر گئے۔“

مارک کا ایک ابرداو پر چڑھ گیا۔ ”پانی کے سپرد کرنا تھا تو وہ باکس کے ساتھ کوئی وزنی چیز رکھ کر پھینک دیتے۔ بیگ نے کر سیزی کے ذریعے پانی میں اترنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”شاید وہ چھپا کے کی آواز دیانا چاہتے ہوں یا پھر بوٹ کھول کر آئے سمندر میں بیگ پھینکنا چاہتے ہوں۔“

”اس صورت میں کیا بوٹ کی آواز بلند نہیں ہوتی؟“ مارک نے اعتراض کیا۔

”بابی کا لہنا ہے کہ بوٹ استعمال نہیں ہوئی۔ چند منٹ بعد ڈیڈی باہر آئے تھے لیکن بیگ ان کے پاس نہیں تھا۔“

”یہ ممکن نہیں کہ ڈیڈی ڈسک کی اہمیت سے آگاہ نہ ہوں۔ اگر ڈسک والا باکس بیگ میں تھا تو خیال غالب ہے کہ ڈسک کو محفوظ کیا گیا ہے۔“

جینی نے کھڑکی سے دیکھا کہ نک پا گل جانور کی طرح چکردار ہا تھا۔

”یعنی، کس بورڈواک کے نیچے اب بھی کہیں موجود ہے؟“

”بابی نے جو بتایا ہے۔ منطق بھی کہتی ہے کہ ڈسک پانی میں کہیں باکس کے اندر محفوظ ہے۔ ضائع کرنے کے کئی طریقے تھے۔ گھر سے دور جا کر اسے توڑ پھوڑ دیا جاتا۔ تیزاب یا آؤ کے ذریعے ناکارہ کیا جا سکتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔“

”وہ منٹ رہ گئے ہیں۔“ جینی کی آواز میں فکر مندی تھی۔

”میں نے ایک آئینڈا تیار کیا ہے۔“ مارک نے سرگوشی کی۔ ”لیکن تم دونوں کو حرف بہ حرف اس پر عمل کرنا ہے۔ ہم ان کے خواب ملیا میٹ کر سکتے ہیں۔ کیا تم نا امید ہو؟“ ”نہیں۔“

”وہ بیان سے سنو۔“ مارک نے تیزی سے اسے سمجھایا۔ جینی سر ہلا تی رہی۔ باہر سے قدموں کی آہٹ قریب آنے لگی۔ تیس سیکنڈ باقی تھے۔ بیس... دس... پانچ... دروازہ جارحانہ انداز میں کھولا گیا۔ جیک اور نک

اے لیکن ہیں آیا۔

”ہمارا دوست مارک جائے گا۔“ جیک نے پبل کو حرکت دیتے ہوئے منکاری سے کہا۔ ”لیکن ہمیں موافق موسم کا انتقال کرنا پڑے گا۔“

”تب تک ہم کیا کریں گے؟“ تک نے پوچھا۔
”انقلاب۔ تاہم اس دوران میں تم مارک کے ساتھ بوث کی حالت زار کا جائزہ لواد رڈ یون کو اندر بھیج دو۔ اگر ہمارا ہیر و کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کرے تو گولی مار دینا۔“

☆☆☆

مارک، کو چند منٹ میں ہی اندازہ ہو گیا کہ بوث تاکارہ حالت میں ہے۔ نینک میں اگرچہ تھوڑا سا فول تھا۔ تاہم انہیں سیز ہو چکا تھا۔ بوث کے تنخے ہمیں جگہوں پر خشکی کا شکار تھے۔

”وقت کا رویاں ہے۔“ وہ بولا۔ ”پندرہ گز دور جانے سے پہلے ہی یہ تھیں ہو جکی ہوگی۔“

تک نے بورڈ پر لات ماری۔ اس کا چہرہ غصے سے پر رہا تھا۔

”میرے پاس ایک تجویز ہے۔“ مارک نے کہا۔ ”ایک اچھی تجویز۔ اگر تم دماغ مختدراں محتوا ہمارے درمیان ایک ڈیل ہو سکتا ہے۔“

”کیسی ڈیل؟“

”ہمیں انغوڑ راستہ دواد ریکیورٹی باکس خود رکھو۔“

”صاف صاف بکو۔ کیا مطلب ہے؟“

”ممکن ہے باکس اتنی دور مارکرز کے آس پاس نہ ہو بلکہ کہیں اور ہو۔“

”کہاں؟“

”بورڈواؤ کے نیچے۔“

”کیا پہلے جھوٹ بولا تھا؟“ تک مشتعل ہو گیا۔

”نہیں۔“ مارک نے کہا۔ ”بایبی بچہ ہے اور معدود ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ غلطی کر رہا ہے... باکس کو پر اپارٹی سے دور رکھنا ہوتا تو اسے بہت دور لے جایا جاسکتا تھا۔ مطلب بذریعہ کار... مجھے ڈسک سے یا جیک سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہمیں معمولی پشن پلان سے نفرت ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ جیسٹر اور بایبی کے ساتھ زندہ سلامت یہاں سے نکل جاؤں۔ تمہیں ڈسک کے ذریعے مال چاہے۔ جیک اور ہٹا دو تو یہ مال دگنا ہو جائے گا۔ جیک کے ساتھ سیسٹر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“

تک کی آنکھوں میں طمع کی چمک نظر آئی۔ ”وگنے کا

مطلوب پچاس میں۔“ مارک نے دیکھا کہ وہ چکچا ہٹ کا بھی شکار ہے۔ اس نے فوراً دوسراوار کیا۔

”ایک آدمی کے لیے پچاس میں ایک خزانہ ہے۔ جس سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ ظاہر ناممکن چیز بھی خریدی جاسکتی ہے... کیوں نہیں یعنی ہے کہ جیک خود ایسا نہیں سوچ رہا ہو گا۔ ڈسک ہاتھ میں آتے ہی اگر اس نے تمہیں جنت میں... سوری جنت میں تمہاری جگہ نہیں ہے... اگر اس نے جسیں سیدھا جہنم رسید کر دیا تو تم کیا کرلو گے... پچاس میں سے بھایا زندگی کو جنت بنانے کا موقع تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ اب تک اپنے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے ٹھکانے لگاتا آیا ہے۔ حتیٰ کہ کام نکلنے پر راستے میں اس نے گراہم اور فیلوز کو بھی گولی مار دی۔ تمہاری اس سے کون سی رشتہ داری ہے۔ جیک کی رشتہ داری صرف دولت سے ہے۔ تم آخری غلطی کے بہت قریب ہو۔“

”ایک طرف ارضی جنت، دوسری طرف آسمانی جہنم... پشن پلان تک ہاتھ نہ آئے گا۔“

مارک خاموش ہو گیا۔ تک پری طرح الجھہ گیا تھا۔ آنکھوں میں سوچ کی پر چھائیاں تھیں۔ مارک چال بازی کر رہا ہے یا نہیں، اس کی باتیں وزن سے خالی نہیں تھیں۔ ایک بہت بڑا سوال یہ نشان تک کے ذہن میں سراہٹا کا تھا۔

”مگر گراہم اور فیلوز کہاں ہیں؟“

”دونوں کی لاشیں لموزین میں پڑی ہیں۔“ مارک اندر سے کافی مطمئن تھا۔ اس نے بھر پور نفیاٹی وار کیے تھے۔

”اگر باکس، بورڈواؤ کے نیچے کہیں نہ ہو تو؟“

”پھر بھی ہماری ڈیل اچھی جگہ پر ہو گی۔ میں مارکرز کے آس پاس تلاش کروں گا۔“

”لیکن بوث تو ہا کا رہے ہے؟“

”کوئی مسئلہ نہیں۔ تم جیک کو بتا دو، وہ کوئی بندوبست کر لے گا۔ وہ ڈسک کے لیے مراجا رہا ہے۔ خود زندہ رہتے ہوئے دوسروں کو مارتا جا رہا ہے۔ اندر تمہارے دونوں ساتھی بھی بالآخر جہنم کی سیر پر نکل جائیں گے۔ صرف تم رہ جاؤ گے... آگے تم خود سمجھ دار ہو۔“

”تمہاری زبان خوب چلتی ہے۔“

”تمہارے ساتھ تو میں نے مذاق کیا تھا۔ پولیس میں آنے سے پہلے میں اداکاری کرتا تھا۔“

”اب کیا کر رہے ہو؟“

”اب تو یہاں اٹکیے میں تمام ڈرائی کا ڈرائی سین

مایا جال

بدھوائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے قریب گھنٹوں کے
مل بیٹھی تھی۔ ڈین کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہوا ہے؟“

”سینر (شخ) شروع ہے۔ پلیز، پلیز مجھے ایک تو لیا
لا دو۔“ جنی گھبرائی ہوئی تھی۔

”لاتا ہوں۔“ ڈین نے ٹھکے ہوئے انداز میں کہا۔
وہ سنک کی جانب گیا۔ یہ چانس لینے کا وقت تھا۔ وہ دونوں
مارک کی ہدایات کے مطابق عمل کر رہے تھے۔ جنی نے
پھر تی سے دیوار پر سے فائر سینڈ راتا را۔ ڈین تو لیا لے کر
جیسے عی پلٹا، جنی نے نوزل کارخ اس کے چہرے کی جانب
کر کے فائر گلک ونڈل دبایا۔

کچھ بھی نہیں ہوا۔

”اوہ گاڑ... بوکھلاہٹ میں وہ سیفٹی پن کھینچتا بھول
گئی تھی۔ ڈین نے تو لیا چینک کر گن نکالی۔ جنی نے سرخ
وزنی آله گھما کر اس کے جبڑے پر مارا۔ ڈین کے منہ سے
تکلیف وہ غراہٹ بلند ہوئی۔ جبڑا پھٹ کیا تھا اور خون بہہ
رہا تھا۔ وہ پشت کے مل نیچے گرا۔

ایک ہاتھ اس کا منہ پر تھا۔ دوسرا ہاتھ سے اندازا
وہ دن اس نے جینفر کو پکڑنے کی کوشش کی۔ دوسری مرتبہ جنی نے
آگ بجانے والا آہنی آله اس کے سر پر بجا یا۔ ڈین ہاتھ پر
چلانے کے بجائے خواب غفت میں چلا گیا۔

جنی اعصابی تناؤ کا فکار تھی اور ہانپ رہی تھی۔ ڈین
کے ساکت ہونے پر اس کی سانس بحال ہوئی شروع ہوئی۔
بابی نے اداکاری ختم کر دی۔ جنی نے ڈین کی گن
انٹھائی۔

مارک نے جو سمجھایا تھا، بابی وہ کرتوز رائیکن اس کا
چہرہ زرد تھا۔ وہ پریس نظر آرہا تھا۔ جنی نے اسے سمجھایا کہ
ہم پریشانی انورڈ نہیں کر سکتے۔ ہمیں امت سے کام لینا ہے۔
مارک بھی موجود ہے۔ ایک مرحلہ ہم نے کامیابی سے طے
کر لیا ہے۔

”پلیز خود کو سنبھالو۔ تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔“
جنی نے پیٹری کا دروازہ کھولا۔ اندر جگہ کم تھی۔ اطراف
میں شیف بنے تھے۔ اتنی جگہ بابی کے لیے کافی تھی۔

”تم کو پیٹری میں چھپے رہتا ہے۔ کسی صورت میں
آواز مت نکالنا، نہ حرکت کرنا۔ پیٹری کے خلاف میں فٹ
ہونے کے لیے جنی نے اس کی مدد کی۔

”پلیز ڈرڈ نہیں۔ میں دروازہ بند کر رہی ہوں۔“
جنی نے جیک کے قدموں کی آہٹ سن لی تھی۔ اس نے

سمجھا رہا ہوں۔ جینکن نہ آئے تو جا کر ”لیمو“ چیک کر لو۔“
مارک کو تقریباً یقین ہو چلا تھا کہ اس نے نک کو ہموار کر لیا
ہے۔ پچاس میٹن کے ساتھ اس کے وزنی دلال نے نک کے
مکارہ ہن کے سوئے ہوئے خلیے جگادیے تھے۔

نک آنکھیں لیٹر کر ہونٹ چبارہا تھا۔ اس نے ایک
بار پلٹ کر مکان کی جانب دیکھا۔

پھر نارنجی ٹانکوں اکی رسی مارک کی جانب اچھائی۔ ”دیکھتے
ہیں۔“ وہ بولا۔ ”اسے کمر سے باندھو اور پانی میں اترو۔ نیچے کا
رزک معلوم ہو جائے پورڈیل کی بات کرتے ہیں۔“

☆☆☆

جینفر نے گھر میں پر نظر ڈالی۔ مارک کو گئے ہوئے
ٹھیک تھن منٹ ہو۔ نہ ہے تھے۔ اس نے بابی کا ہاتھ دباتے
ہوئے الگیوں کی مدد سے اشارہ دیا۔ ”ریڈی؟“
بابی نے بھی الگیوں کے ذریعے اشارہ دیا۔
”ریڈی؟“

جیک نے کھڑکی سے پلٹ کر دیکھا۔ بابی ہاتھ چلا رہا
تھا۔ اس کے چہرے پر کشیدگی تھی۔

”وہ کیا کر رہا ہے؟“

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ دوائی مانگ رہا
ہے۔ دباؤ کی حالت میں اسے ضرورت پڑتی ہے۔“ جنی
نے سمجھایا۔

”بھول جاؤ۔“ جیک نے سنگ ولی کا مظاہرہ کیا۔

”میرا بھائی مر بھی سکتا ہے، اگر گولیاں نہ ملیں۔ یاد
رکھوائی نے آخری بار باکس دیکھا تھا اور باکس ابھی
تمہارے ہاتھ نہیں آپا۔“

”تو میں دوائی کہاں سے لا دوں؟“ جیک نے جھنگلا
کر کہا۔

”میرے پاک، ایک بوٹل پڑی ہے، ایم جنسی کے
لیے میں ساتھ رکھتی ہوں۔“

”کہاں؟“

”گاڑی میں۔“

جیک نے پیشل پتلوں میں اڑسا۔ ”کوئی حماقت
کرے تو اڑا دینا۔“ جیک نے اپنے ساتھی سے کہا۔ باہر
جاتے ہوئے اس نے دروازہ کافی زور سے بند کیا تھا۔

کچن میں اس وقت صرف ایک آدمی ڈین رہ گیا تھا۔
وہ کسی کھینچ کر ان دونوں کے قریب جم گیا۔

معا بابی نے ہلنا شروع کر دیا۔ اس کا جسم اکٹر رہا تھا،
مل کھا رہا تھا۔ پھر کٹھڑی بن کر فرش پر لڑک گیا۔ جینفر

چھری نکال کر مارک کو پڑا۔ اس وقت مارک نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں ہوس زر کے علاوہ جیوانی چک تھی۔ دوسرے ہاتھ میں بصل بدستور موجود تھا۔ مارک کی چھٹی جس نے شور مچایا کہ نک بیگ حاصل کرتے ہی پہلے اسے ختم کرے گا۔ اسے ڈیل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مارک اپنے کمپنی کو رعایت دیے بغیر بھی جیک کوٹھکانے لگا۔ لہذا تھا پھر جبکہ اس کے رحم و کرم پر ہو گی۔

”چھری حاصل کر کے کسی خوش فہمی میں مت رہنا... ڈیل ختم ہو جائے گی اور مارے جاؤ گے۔“ نک نے دھکایا۔ مارک سمجھ رہا تھا کہ نک ڈیل کے بہانے اسے جھانسادینے والا ہے۔ جبکہ اور بابی کی آس وہ خود تھا۔ اس کا ذہن بر قی ٹرین کی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ وہ امید کر رہا تھا کہ مکن میں ان دونوں نے کامیاب ڈراما کھیلا ہو گا۔

”ے فکر رہو... مجھے ایک دو منٹ پانی میں رہنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے میں وہیں جم جاؤں...“ نک نے کہا اور مارک نے زیرِ لبِ مزاج کے برخلاف اس کے حق میں گالی لڑھکائی۔

”کیا... کیا کہہ رہے ہو؟“

”واپس آؤں گا۔“ مارک نے بلند آواز میں کہا۔

☆☆☆

جبکہ دروازے کی آڑ میں ہو گئی۔ اس کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ مگن اس نے مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں تھامی ہوئی تھی۔ مارک کے مطابق اسے سڑک پار کر کے مارک کے والدین کے گھر نک پہنچنا تھا۔

آہ یہ ماضی کا ری ہے... شکاری اور شکار وہی پرانے تھے، رات بھی طوفانی، عجوب ستم ظریفی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ اب جنکی کے ہاتھ میں مکن تھی۔

مکن کے دروازے کی ناہ نے گھومنا شروع کیا۔ جبکہ کام کا اندازہ تھا کہ وہ اس مرتبہ بھاگ نہیں سکے گی۔ ایک ہی آپشن تھا کہ وہ جیک کو شوٹ کر دے۔ اس کا ہاتھ کانپا۔ کیا وہی کام کر سکے گی؟

کیوں نہیں، وہ اس کی ماں کا قائل اور باپ کی بربادی کا ذمے دار تھا۔ اس وقت مارک اور بابی سمیت اس کی جان بھی لینے کے لیے تیار تھا۔ اس کی اصل بھل سامنے تھی، عزم ائمٹ و شہجے سے بالاتر تھے۔ وہ اس قابل تحد کہ اسے بار بار مارا جائے۔ زندہ کر کے پھر ہلاک کیا جائے لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ یہ خیال محض شدید نفرت کا مظہر تھا۔ جیک

دروازہ بند کر دیا۔

جیک واپس آ رہا تھا۔ ظاہر ہے اسے گاڑی میں کوئی دوا نہیں ٹلی تھی۔ جبکہ خود پر قابو پانے کی بھروسہ کو شکری تھی۔ ☆☆☆

”یہ خطرناک ہو سکتا ہے۔“ مارک نے ری کمر سے پاندھ کر ایک سرا بورڈ واک کی سیز ہی کے ڈنڈے کے ساتھ کس دیا۔

نک نے ٹارچ مارک کو دے دی۔ مگن اب بھی نک کے ہاتھ میں تھی۔ ٹارچ کے ساتھ گرپ کے لیے ڈوری کا حلقة تھا۔ ”تم کر سکتے ہو، پکھ نکال کر لاؤ۔“

مارک نے ٹارچ کی ڈوری کا حلقة کلائی میں ڈالا۔ اور سیز ہی اترنا شروع کی۔ چند سیز ہیاں اتر کروہ رکا۔ لہر لکر اکر واپس گئی تو اس نے پھر اترنا شروع کیا۔ سیز ہی کے ساتوں ڈنڈے پر پہنچا تو لہر پھر بورڈ واک سے مکرائی۔ پانی بر ف کے مانند تھا۔ اس نے خود کو سنجانے کی پوری کوشش کی لیکن پھسل گیا۔ کمر کی ری کے سہارے وہ پھر سیز ہی تک آ گیا۔

دوسری بار سر دلہر نے اسے ٹکر ماری تو وہ سیز ہی پر جمع رہا اور مزید نیچے اتر گیا۔ وہ آہستہ پانی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زیادہ دیر نک لگا۔ اب کو برداشت نہیں کر سکتا۔ نیز اسے اپنا سر بھی سٹھ آب سے اوپر رکھنا تھا۔

اب وہ اتنا نیچے آ گیا تھا کہ بورڈ واک کے نیچے نیم کے جال کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے سر بچاتے ہوئے ٹارچ کی روشنی میں چند نیم دیکھے۔ پکھ نہ تھا۔ پانی کی لمبے نیم چھپا لیے تھے۔

مارک نے سر اٹھا کر ٹارچ آف کر دی۔ اس کا جسم کا نپنا شروع ہو گیا تھا۔ آدمی سے زیادہ دھڑکنی پانی میں تھا۔ لہر پسپ ہوئی تو اس نے نیچے ہو کر ٹارچ کی روشنی میں دوسرے رہنچ پر موجود بیوں کو جانچا۔ مگر پکھ نہ تھا۔ اس نے لہر آنے سے بیل پھرتی سے ٹارچ گھمائی۔ معا اس کا دل زور سے دھڑکا۔ ایک کراس نیم کے ساتھ سیاہ رنگ کا بیگ بندھا ہوا تھا۔

لہر پلٹ چکی تھی۔ مارک واپس اوپر اٹھ گیا۔ بیگ کی موجودگی کے اکٹھاف نے وقتی طور پر سر دی کا اثر کم کر دیا تھا۔ اس کے نیم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

”کھر ملا؟“ اسے نک کی چیخ سنائی وی۔ ”بال، وہ نیچے موجود ہے لیکن میں زیادہ دیر پانی میں نہیں رہ سکتا۔ رسیاں کا شنے کے لیے مجھے چھری چاہیے۔“ نک کے چہرے پر بیجان تھا۔ اس نے جیب سے

پھی کہانیوں، آپ بیتیوں، جگ بیتیوں کا بے مثال مجموعہ

سیکھی

ماہنامہ

شمارہ فروری 2015ء
کی جملکلیاں

باکمال

اس سائنسدار کی داستانِ زیست
جس نے کمال کر دکھایا

ظالمین نماز

سیاوفہمن سے دو خلاہیں نماز پڑھنے والے کا تعذف

لنیز

دنیا کے مشہور لکیروں کا مختصر مختصر ساتھ ذکرہ

سنگھر محسن

ایک نیکسی ڈرائیور کی حق بیانی،
وہ موت کے منہ سے نکل آیا

لئے بھاروں

”الف لیلہ“، ”الوداع“، جیسا دلچسپ
سلسلہ اور ”سراب“، ایسی منفرد و ہوگرم
کر دینے والی طولیں کہانی
ان سب کے علاوہ بھی بہت سی حق بیانیاں،
چھ قصے، انوکھے واقعات، پاکستان اور
بیرون پاکستان سے دلچسپ رواداد

بس ایک بار پڑھ کر دیکھیں،
آپ خود گرویدہ ہو جائیں گے

خاص شمارہ..... ہر شمارہ، خاص شمارہ..... ہر شمارہ، خاص شمارہ

نے اس کی پوری فیملی بنا کر دی تھی۔

وروازہ مکمل گی۔ جیک نے اندر قدم رکھا۔ جیتنی اس کے سر کی پشت کو گھور رہی تھی۔ سکینڈ کے کسی وقٹے میں اس نے نشانہ لیا اور فائر کرتے وقت آنکھیں بند کر لیں۔

دھماکا ہوا۔ گونج ختم ہونے پر جیتنی نے آنکھیں کھولیں۔ جیک لڑکھڑتا ہوا آگے گیا اور جن کی فیمل سے مکرا کر پیچے گرا۔ اس کے چہرے پرشاک کے اثرات تھے لیکن وہ زندہ تھا۔ اس کا ایک ہاتھ گردان پر تھا۔ خون اس کی انگلیوں کے درمیان سے رس رہا تھا۔

~~پلاسچے سمجھے~~ جیتنی نے سر کا نشانہ لے کر دوسرا فائر کیا۔ گولی جیک کے ہاتھ کی انگلیوں کو زخمی کر کے نکلی۔ وہ حق اٹھا اور روازے کی جانب لڑکنا شروع کیا۔ تکلیف کی جگہ اس کے چہرے پر غصہ نظر آ رہا تھا۔

جیتنی کو احساس ہوا کہ وہ محسن اس کی گردان پر خراش ڈالنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ شہری موقع اس کے اناڑی پن اور اعصاب زدگی کی نذر ہو رہا تھا۔

اچانک جیک نے کھڑے ہو کر سلسلہ نکال لیا اور بلا تامل فائر کیا۔ تیرا دھماکا کا پکن میں گونجا۔ وہ جیتنی کو مخلوقات بکر رہا تھا۔

گولی جیتنی سے بازو کو چھو کر گزری۔ اسے لگا جسے بارہ میں آگ کی لکیر چھنج بیٹھنی ہو۔ گن اس کے ہاتھ سے گزرنی۔ اسے اٹھانے کی مہلت نہیں تھی۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ دھماکوں سے گھبرا کر بابی اپنی پوٹیوں کا راز فاش کر بیٹھے اور مارا جائے۔

جیتنی کے بد ان میں بھی بھر گئی۔ چانس اب بھی تھا۔ تاہم لمحوں کا صیل تھا۔ وہ تیر کی طرح ہال وے سے گزر کر باہر نکل گئی۔ واپسی ہا سوال نہیں تھا۔

ماضی خود کو دہرا رہا تھا۔ اسی طرح، دو سال پہلے کی طرح وہ بارش میں بھاگ رہی تھی اور آج بھی قائل زخمی تھا۔ لان سے گزر کر وہ سڑک پر آئی۔ جیتنی نے مذکور نہیں دیکھا۔ اسی کے پیچھوں میں آگ لگی تھی۔ وہ دیوانہ وار بھاگ رہی تھی۔ اس کا رخ مارک کے والدین کے مکان کی جانب تھا۔

جیک پیچھے نقا، تاہم اس کی رفتار تسلی بخش نہیں تھی۔
ماضی کی نسبت آج وہ زیادہ زخمی تھا اور مرتبے مرتے بچا تھا۔

☆☆☆

مارک کو لگا کہ وہ ڈوب جائے گا۔ اسی نے رہی کا سہارا لیا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں سر و ہمکین پانی محسس گیا تھا۔ چھری کے ذریعے رہی کاٹ کر وہ اندر رہی اندر کی اور طرف

تحا۔ سیاہ بیگ کا قبضہ بھی مارک کے پاس تھا۔ نک اختنے پھر لیٹ گیا۔ اس کی ناک سے خون رس رہا تھا۔ مارک کے لیے سب سے بڑا خطرہ نک کا پسل تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اپنی طاقت سے زیادہ ذہن پر انحصار کرنا ہے۔ نک کوئی نرم چارا نہیں تھا جبکہ سر دیانی نے مارک کے قدرتی جسمانی درجہ حرارت کو متاثر کیا تھا۔ اگر وہ کچھ دیر اور پانی میں رہتا تو چند منٹ بعد جان لیواںل کا آغاز ہو جاتا۔

مارک نے پہلے جو جمل سیاہ بیگ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر نک کے چہرے پر دے مارا۔ اس مرتبہ اس کے طلق سے تکلیف دہ کراہ خارج ہوئی۔ مارک نے بیگ کے چہری فیتے کو اپنی کلائی میں لپیٹ لیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے نک کی پسل والی کلائی کو پکڑ کر چوبی تختوں سے نکلا یا۔

نک کی وحشیانہ غراہت بلند ہوئی۔ اس نے دوسرے ہاتھ کا گھونسا مارک کے جبڑے پر رسید کیا۔ گھونسا مارتے ہی وہ کراہ اٹھا۔ ضرب کی شدت نے مارک کو احساس دلایا کہ اس کے پاس قلیل وقت بجا ہے۔ وہ اپنی زوال شدہ تو انائی کے ساتھ قائل درندے کو قابو نہیں کر سکے گا۔ تاہم اس کا ذہن جسم سے زیادہ اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اس نے نوٹ کر لیا کہ گھونسا مارتے ہی نک کیوں کراہ اٹھا تھا۔ یہ وہی اس کا ذخیرہ بازو تھا۔

مارک نے پسل والی کلائی چھوڑے بغیر بیگ اندازے سے اس کے ذخیرے بازو پر دے مارا۔ نک پھر کراہ اٹھا۔ مارک نے اس کے بازو پر دوسری ضرب لگائی اور پسل والا ہاتھ تختوں سے نکلا یا۔ نک کی مزاحمت بڑھتی جا رہی تھی۔ دوسری... تیسری اور چوتھی ضرب کے بعد پسل اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

خونداک طوفانی رات میں مارک اپنے علاوہ دو اور انسانوں کے لیے زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ آسمان پر بادلوں کے گلکرواؤ کا سماعت ٹکلن کڑا کا ہوا۔ تیز روشنی نے چند لمحات کے لیے ماحول کو منور کر دیا۔ مارک کی نظر نک کے چہرے پر پڑی۔ نک کی آنکھیں... وہ کسی انسان کی نہیں، جانور کی آنکھیں تھیں۔

مارک کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ چھٹی حس نے کہا کہ اب نک کا وقت شروع ہو رہا ہے۔ اس نے کلائی چھوڑ کر پسل اٹھانے کی کوشش کی۔ پسل کے بغیر اس کی موت یقینی تھی۔ کلائی آزاد ہوتے ہی نک کا بھر پور گھونسا، یعنی پرسوار مارک کی کنٹی سے نکلا یا۔ اسے یوں گا کر بجلی آسمان پر نہیں اس کے دماغ میں چکی ہے۔

نک کر فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ سرد پانی خون جمائے دے رہا تھا۔ نیز امرف اس کی زندگی کا سوال نہیں تھا۔

ہمیں تیسے اس نے یہم سے بیگ کو الگ کیا۔ بیگ کچھ وزنی تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں چھپری تھی۔ بیگ کو بازو کی مدد سے اس نے سینے سے لگایا ہوا تھا۔

وہ مختصر وقفہ اسے بہت طویل لگا۔ چاقو اس نے دانتوں میں دبایا۔ ایک ہاتھ اور رسی کے سہارے وہ سیزھی سک کھانچ گیا۔ ثارچ وہ پہلے ہی چھوڑ چکا تھا۔ اس کے پس چھپری اور اندر چھپرے کا سہارا تھا تاہم حالت ابتہ تھی۔ نک کے پاس پسل اور تو انائی تھی۔ مارک کا اندازہ تھا کہ نک کا پلٹا جائی ہے۔

اس نے آہستہ آہستہ سیزھی چڑھنا شروع کی۔

”چاقو چینک دو اور بیگ کو سنبھالو۔“ نک غرایا۔ اس کے پاس ایک پسل ثارچ تھی۔ مارک امید کر رہا تھا کہ بیگ و کچھ رنک عالم یہاں میں چھپری کو نظر انداز کر دے گا۔ تاہم یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ وہ بورڈ واک سک کھانچ گیا تھا۔ چھپری اس نے نیچے گردی۔ بر قافی پانی نے اس کو چھوڑ لیا تھا۔ وہ ٹکٹوں کے مل تختوں پر جھکا ہاپ رہا تھا۔

نک بیگ لینے کے لیے جھکا۔ عین اسی وقت سمجھن کی جانب دھ کے کی آواز آئی۔ دونوں ہی چونک اٹھنے تھے

دوسرہ اور پھر تیرا دھما کا... نک ایک لمحے کے لیے اضطراری لہو پر ٹھٹھا۔ مارک کے لیے یہ ایک قطعی غیر متوقع چانس تھا۔ لیکن بہت معمولی وقفہ... اس نے جیسی کا تصور کر کے ہمت بنت کی اور جھکنے سے اوپر اٹھا۔ اس کا سر جھکے ہوئے نک کی ناک سے نکلا یا۔ اگر چہ ملک میں زیادہ جان نہیں تھی تاہم ایک دلخواہ میں تین واقعات رونما ہوئے۔ فارٹنگ کے دھما کے، مارک کی نک سے وہ تھورا کر گرا۔ ثارچ گری۔

لیکن پسل اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ ناک کی چوٹ نے چند ٹھوں کے لیے اس کا دماغ سن کر دیا۔ مارک کو پہا تھا کہ یہ فیصلہ کن لمحات ہیں۔ زندگی گویا ریشمی دھماکے کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ اس نے اندازے سے دیوانہ وار چھپری کے لیے ہاتھ چلا یا۔ چھپری کا دستہ اس سے ہاتھ سے نکلا یا۔ قسمت کی خرابی، ہاتھ سے نکلا کر چھپری پانی میں جا گری۔

مایوک نے مارک پر حملہ کیا۔ نک کے حواس واپس آرہے تھے۔ رسی ارب بھی مارک کی کمر... سے بندگی تھی۔ اسے جسی کا خیال آیا۔ سر تھہی جسم میں برفی دوزگنی۔ وہ اچھل کر نک پر جا گرا۔ بیگ ہلاک نہیں تھا اور پانی نے اس کا وزن اور بڑھا دیا

مايا جال

جاگ رہا تھا۔ ایک پتا اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ رسی اب بھی اس کی کمر سے بندھی تھی۔ جس کا دوسرا سر اسیز میں کے ڈنڈے سے منسلک تھا۔

لات کھا کر وہ سیدھا پر شور متلاطم پانی میں جا گرا۔ منہ زور بر فلی لہروں نے اسے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

☆☆☆

بارش کی بوچھاڑ جنی کے پھرے سے بکراہی تھی۔ اس کی تمام ترقوت ٹانگوں میں سست آئی تھی۔ گرج، چمک سے آسمان جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ مطلوبہ مکان کے دروازے تک پہنچ گئی۔ سیانس دھونکی کی طرح چل رہی تھی۔ پلٹ کے دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔

مارک کی اطلاع کے مطابق اس نے گملے کے نیچے سے چابی برآمد کی۔ ہال وے میں آ کر اس نے سوچ آن کیا۔ چند نیچے کے لیے اچانک روشنی نے اس کی نگاہ کو متاثر کیا۔

وہ بلا جھگج سیر ہیاں طے کر کے پالائی منزل پر پہنچ گئی۔ یہاں نقشہ "کو وائینڈ" کی رہائش سے مختلف تھا۔ چھ کرے تھے اور ایک ہی قطار میں۔ جنی کو نہیں معلوم تھا کہ ماشر بیڈ کون سا ہے۔ اس نے پہلا دروازہ کھولا۔ یہ ماشر بیڈ نہیں تھا۔ دوسرا کھولا، یہ بھی نہیں... اس وقت اسے ہال وے میں آہست سنائی دی۔ جیک پہنچ گیا تھا۔

جنی اندھا دھنڈ تیرے کرے کرے میں داخل ہو گئی اور دروازہ بند کر دیا لیکن سوچ آن نہیں کیا۔ کھڑکی کے پردے پوری طرح برابر نہیں تھے۔ آہنی بجلی کی چمک گاہے گا ہے نگاہ کو رسائی دے رہی تھی۔ وہ ماشر بیڈ روم ہی تھا۔ جنی نے فون بھی دیکھ لیا۔ اسے استعمال کرنے کا وقت نہیں تھا۔ آہنیں اب سیر ہیوں پر تھیں۔ اسے گن حاصل کرنا تھی۔

چوبی رامنگ نیبل میں چھ دراز کس تھیں۔ مارک کی اطلاع کے مطابق ان میں سے کسی میں ہن ہونی چاہیے تھی۔ جنی نے کری ایک طرف کی اور پہنچ دیکھی دراز کھولی۔ وہ خالی تھی۔ اس سے متصل، اس نے دا بھی دراز کھولی، خالی...۔

جیک کروں تک پہنچ گیا تھا۔ جنی نے کسی کرے کا دروازہ کھلنے کی آوازنی۔ شاید وہ پہلے کرے میں تھا۔ وہ دیوانہ وار درازوں کو کھنگاں رہی تھی...۔ یہے بعد دیگرے۔

اور پھر ماشر بیڈ کا دروازہ جھٹکے سے کھلا۔ ہال وے کی روشنی کا کچھ حصہ کرے تک آگیا۔ دروازے کے فریم میں جیک کھڑا تھا۔ جنی پلٹ کر رامنگ نیبل کے ساتھ چپک گئی۔

مارک ایک طرف لڑھک گیا۔ مایوسی نے مارک کے ذہن پر پورش کی۔ اس نے سر جھنک کر نگاہ صاف کی۔ تک قدموں پر کھڑا تھا۔ پہلی نارج بجھ چکی تھی۔ برسات جاری تھی۔ تاہم کڑک چمک میں وقفہ آگیا تھا۔ لہذا تاریکی کے باعث تک فوراً پسل کونہ دیکھ سکا۔

مارک کی عائیت اسی میں تھی کہ وہ تک سے لپٹنے کی کوشش نہ کرے اور نہ اسے پسل تک پہنچنے دے۔ اس نے تک کی سوچ کا ہڈ در بند کر دیا۔

آہنی بجلی پھر چکی۔ دونوں کی نظر پسل پر پڑی۔ تک نے جمک کرہ تھوڑا تھا۔ عقب سے مارک نے اس کی اچھائی اور حرمت اگنیز پھرتی سے پلتا۔ وہ پسل کو بھول کر سیدھا حاضر میں بوس رک پر آیا۔ مارک نے آخری بار بیگ گھما کر اس کے چہرے پر مارا پھر بیگ چھوڑ دیا۔ دونوں محظم گتھا ہو چکے تھے۔ بیگ، کو بطور تھیار استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔

مارک لمحہ پر لمحہ کمزور پڑتا جا رہا تھا۔ موقع ملتے ہی وہ تک کی ناک اور پازو کو نشانہ بناتا۔ تاہم اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ یہ جنگ ہارنے جا رہا ہے۔ دونوں چوبی تختوں پر لڑک رہے تھے۔ اچانک تک اسے چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا۔ اس کا گریہ قہقهہ بلند ہوا۔

"ہیرہ، نیچے گولی نہیں ماروں گا۔" وہ چھتا۔ مارک عالم حرمت میں مشکل کھڑا ہوا۔ تک چند فٹ کے فاصلے پر پسل ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ تب مارک کو احساس ہوا کہ کمر سے بندھی رسی کا دوسرا سر اپانی میں جاتی سیز میں کے ڈنڈے سے بندھا تھا۔ اسی کی لمبا تھم ہو گئی تھی۔

"تو گولی کی آسان موت کا حق دار نہیں ہے۔" وہ پھر بولا۔

"گولی چلا دے، ورنہ بعد میں چھپتا ہے گا۔"

"تو بڑا زبان دراز ہے۔ سب کچھ ہار کر بھی نہیں کر رہا ہے۔"

"یہ نہیں، میرا یقین بول رہا ہے۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟" تک نے مھنگہ اڑایا۔

"یہ وہ فوت ہے، جو تیرے جیسے شیطانوں کو خاک چھاتی ہے۔" مارک نے کہا۔

"خاک تو یہاں نہیں ہے، پانی بہت ہے۔ تو پانی نہیں۔" یہ کہہ کر اچانک تک نے قدم بڑھا کر پھرتی سے لات چلائی۔ بھر پو ضرب مارک کے پیٹے پر پڑی۔

مارک نے سنبھلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کا ذہن

نک کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ غمودار ہوئی۔ اس نے ایک نظر خون میں لٹ پت جیک پر ڈالی اور بولا۔ ”بالآخر حصہ داری کا مسئلہ خود ہی ختم ہو گیا۔ اب میں اکیلا موس کایا سے سودے بازی کروں گا۔ کم از کم پچاس میں...“ پھر اس نے جیفٹر کو دیکھا۔ ”ہنی! تمہارے لیے میرا پروگرام تو کچھ اور تھا۔ تاہم اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے پہلی جینی کی طرف تانا...“

دور سے کہیں سارن کی آواز ابھری۔ نک ٹھنکا۔ تاہم بہت دیر ہو چکی تھی۔ جینی نے آنکھیں بند کر لیں اور گولی کا انتظار کرنے لگی۔

بجلی زور سے کڑکی۔ یوں لگا کہ اسی مکان پر گری ہو۔ یہ نہایت زوردار کڑا کا تھا۔ بلا ارادہ جینی نے آنکھیں کھول دیں۔ نک کے عقب میں اسے ایک سایہ نظر آیا۔ وہ یارک تھا۔ بری طرح پانی میں شرایور۔ اس کی حالت ناگفتہ بھی۔ پھل اس نے دونوں ہاتھوں میں سختی سے پکڑا ہوا تھا۔ زندگی اور تو اتنا صرف اس کی آنکھوں میں جھلک رہی تھی۔ جہاں فولادی عزم کے ساتھ شدید غصہ عیاں تھا۔

”او... ناکام ادا کار۔“ وہ چلایا۔ تاہم آواز چنے سے مشابہ نہیں تھی۔

نک کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ تیزی سے پلانا لیکن مارک فائر کر چکا تھا۔ گولی نک کی بھوپڑی میں اتر گئی۔ گرتے گرتے اس نے بمشکل چند سائیں لی ہوں گی۔ یارک بھی ساتھ ہی گرا۔ پہل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ گھنٹوں کے بل تھا۔

”مارک... ک... ک...“ جینی ترپ کر چلائی اور اس کی جانب لپی۔

مارک کا سر جینی کی گود میں تھا۔ اس نے دیکھا کہ مارک کے ہونٹوں پر ہلکی نیلا ہٹ تھی اور جسم برف بنا ہوا تھا۔ جینی کے گرم آنسو نیل زدہ ہونٹوں پر پٹکے۔ مارک آنکھوں سے مسکرا یا اور سر گوشی کی۔

”اور...“

”کیا اور...؟“

”آنسو۔“

سارن کی آواز قریب پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

وہ قدرے ایک خوشگوار شام تھی۔ جینی بوٹ ہاؤس کے قریب، بورڈ واک پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔ مارک بھی اس کے قریب بیٹھا تھا۔

جیک کے منہ سے مغلظات گٹر کی طرح بہہ رہی تھیں۔ جینی نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔

”بائی کو کہاں چھپا یا ہے؟“ وہ آگے بڑھتا ہوا گرا یا۔ جینی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جیک قدم بقدم قریب تر ہو رہا تھا۔

”وہت آگیا ہے کہ تمہیں سبق سکھایا جائے۔“ وہ بولا۔ ” بتاؤ کہاں ہے بائی؟“ وہ جینی سے دو قدم دور تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر جینی کے رخسار کو چھو۔ جینی نے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ چھٹک دیا۔ دوسرا ہاتھ پشت پر دراز میں تھا۔ پہاڑیں وہ کون سی وراثی تھی۔ ول ہی ول میں اس نے دعا مانگی اور ہاتھ دراز میں گھما یا۔

” حرکت مت کرو۔“ جیک نے تنبیہ کی۔

دفعتا جینی کا ہاتھ دراز میں کسی سخت چیز سے نکرا یا۔ وہ نوک دار آہنی چیز پر کٹ رہا تھا۔

جیک کی سائیں جینی کے چے سے نکرا رہی تھیں۔ ”تم لطف اندوڑ ہو گی، کیا خیال ہے؟“ اس کی مرودہ ہنسی کر رہے میں لوٹھی۔

” جہنم میں جاؤ۔“ جینی نے تر چھا ہو کر چھپ کر کٹ کا نوک دار تیز سر اپوری قوت سے جیک کے سینے میں اتار دیا۔ وہ پچھے ہٹا، گن ہاتھ سے گر گئی۔ جیک کی آنکھوں میں دھشت ہو گئی۔ اس کے دنوں ہاتھ سینے پر تھے۔

جینی نے لمحہ ضائع کیے بغیر گری ہوئی گن اٹھا کر شانہ لیا اور ٹریکر دیا۔ اتنے قریب سے کوئی گولی ضائع نہیں ہو گئی۔ پہلی گولی سینے میں... دوسرا گولی بھی سینے میں جا گھمی۔ وہ دیوار سے نکرا کر پھسلا۔

جینی عالم اشتعال میں ٹریکر دباتی رہی۔ حتیٰ کہ گن خالی ہو گئی۔ جیک دیوار کے ساتھ گٹھزی کی صورت میں پڑا تھا۔ اب خانہ آن سے کلک کلک کی آواز آ رہی تھی۔

وہ خود بھی گھنٹوں کے بل پیچے بیٹھ گئی۔ اس کی ڈھول بجائی دھڑکنیں سعمول پر آ رہی تھیں۔ اسے خیال آیا کہ طوفانی راتیں تو آتی جاتی رہیں گی لیکن اب وہ ڈراؤ نا خواب کبھی اس کی نیند خراب نہیں کر رہے گا۔

دفعتا سیر ہیوں پر آہٹ ابھری۔ جینی نے سر اٹھایا۔ آہٹ قریب آئیں پھر نک کی شکل نظر آئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پھل تھا اور دوسرا ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بیگ۔

جینی نے گھبرا کر گن سیدھی کی اور ٹریکر دیا۔ کلک... بدھوائی میں وہ بھول گئی تھی کہ تمام گولیاں تو وہ جیک کی نذر کر چکی تھی۔

مایا جال

آجاتا۔ تمہارا گرایا ہوا مغل اٹھا کر اس کا دستہ دوبار اس کی پیٹ پر رسید کیا۔ میرے ہاتھ پر جیک طرح کام نہیں کر رہے تھے۔ کم وقت میں مجھے زیادہ کام کرنا تھا۔ ”گاردا“ کے پڑے میں، میں تمہیں اسپتال میں بتا چکا ہوں۔ بے ہوش آدمی سی آئی اے کا نہیں بلکہ کرائے کا شو تھا۔ اس کے لباس سے مجھے موبائل ملا۔ میں نے گاردا کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے فوراً پہنچنے کا کہا۔

پھر کسی طرح بابی کو اشارے سے تسلی دی۔ اسے واپس بکشل پیٹری میں چھپایا۔ صرف ایک کام رہ گیا تھا، اپنی جان بچانا۔

”اپنی جان...؟“

”ایک ہی بات ہے۔ میرا مطلب تھا کہ تمہاری جان۔“

”اوہ ہو۔“ جینی مسکرائے بغیر ترہہ سکی۔

”نہیں۔ خادم ہوں۔“ مارک نے کہا۔ ”جیک اور سک کہیں دکھائی نہ دیے۔ میں جانتا تھا کہ تم کہاں ہوگی۔ شدید خطرے نے مجھے بدحواس کر دیا۔ مجھے کسی بھی صورت جلد از جلد تم سک پہنچنا تھا۔ تم سک پہنچنے کا مختصر فاصلہ جیسے پھیل کر بہت طویل ہو گیا تھا۔ وہ ”دوسری“ چیز ہی مجھے آگے بڑھا رہی تھی۔“

”کون سی چیز؟“ جینی کی آنکھوں میں بے قراری تھی۔

”آخر میں بتاؤں گا۔ بہر حال میں ایک سیکنڈ قبل پہنچ ہی گیا۔ باقی سب تمہیں معلوم ہے۔ گاردا خاصی فورس لے کر آیا تھا۔ اسے ہتا تھا کہ بابی کہاں ہے۔ کراۓ کے آدمی کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ ہوش میں آگیا تھا۔ تاہم اسے حکسکنے کی مہلت نہیں تھی۔ اگرچہ بعد میں وہ بے کار ہی نکلا۔ گاردا نے بابی کو دوسری گاڑی کے ذریعے کالڈویل پہنچایا اور خود سیدھا یہاں آگیا۔ خواب ختم، کہانی ختم۔ اب خواب میں تم صرف مجھے دیکھو گی۔“ مارک نے جینی کی شفاف پیشانی پر انگلی سے دستک دی۔

”تم کیا گیری کو پڑھو؟“

”نہیں، میں مارک دی آول (اوہ) ہوں۔“ مارک نے جواب دیا۔

”نہیں، تم اوہونہ خادم ہو۔ تم شروع سے اوز ہو۔“ جینی نے اس کا ہاتھ پیشانی سے ہنا کر ہونتوں پر رکھ لیا۔

”کیسا اوز؟“

”انجان مت بنو۔ یہ بتاؤ کہ مو سکایا کا کیا بنے گا۔ کیا

مارک نے بکشل چوبیں کھنٹے اسپتال میں گزارے تھے۔ وہ باقی کے واقعات جانے کے لیے بے تاب تھا۔

جینی نے اسے بنا پا کر اس کے باہر جانے کے بعد کیا ہوا اور فائرنگ کیوں ہوئی... کس طرح وہ جیک کو نشانہ بنانے میں ناکام ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ نکلی۔

”مجھے وہاں سے بھاگنا ہی تھا۔“ جینی نے مارک کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ”سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ فائرنگ سے گھبرا کر بابا امینی کمین گاہ سے باہر نہ آجائے۔ جیک کی توجہ پوری طرح میری جانب تھی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ بابی قریب ہی چھپا ہوا ہے۔“ وہ چپ ہو کر مارک کی بزری مائل آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“

”تم الو کے پرنسپس ہو۔“ وہ بولی۔

”پہلے تو تھا۔“ وہ مسکرایا۔

”تم نے یہ سب کیسے کیا؟“

”نک بھول گیا تھا کہ میری کر سے رسی بندھی تھی۔ میں نے اسے مستقل پر شتعال میں رکھا۔ اس کی نفیات میں اذیت پسندی شامل تھی۔ میں اسے گولی مارنے پر اکسارہا تھا۔ اس نے اپنی فطرت کے مطابق رد عمل پیش کیا اور مجھے پانی میں چینک دیا۔“

”اگر وہ واقعی گولی چلا دیتا؟“ جینی نے لرز کر مارک کی گود میں سر رکھ دیا۔ وہ اوپر دیکھ رہی تھی اور مارک نیچے... اس کی نیلوں آنکھوں میں۔

”نہیں وہ گوں نہیں چلا تا۔“

”کیوں؟“

”میرے پاس رسی کے علاوہ دوسری چیز بھی تھی۔“ مارک نے جینی کے بالوں میں اگلیاں چلا گیں۔

”وہ کیا؟“

”آخر میں بتاؤں گا۔ پہلے تمہارے دوسرا سوالات کے جواب، سنا دوں۔“ مارک نے کہا۔ ”پانی میں گرنے کے بعد ڈھنے اندازہ ہوا کہ صورتِ حال اب بھی انتہائی مخدوش تھی۔ اگر میرے پاس وہ دوسری چیز نہ ہوتی تو رسی کے باوجود سرد طوفانی موجود سے لڑنا میرے لیے ممکن نہ ہوتا۔ میری جسمانی حالت پہلے ہی ابتر تھی۔

”خیر میں کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل ہی آیا اور گرتا پڑتا اندر پہنچ... وہاں بابی خوف زده حالت میں تھا۔ وہ اپنی پناہ گاہ بے باہر آگیا تھا۔ ایک بندہ بے ہوش پڑا تھا۔ جسے تم نے رخی کیا تھا۔ وہ کسی وقت بھی ہوش میں

سے اپنے جس طرح تم نے نکل اور جیک کے ساتھ مکاٹے بازی کی تھی، لا جواب تھی... نہ صرف ماحول بدل گیا تھا بلکہ مجھے نئی توانائی اور امید تھی۔ کیا تم شروع سے اتنے دلیر تھے؟ کیا تم نے انسیات بھی پڑھی ہے؟“

”نہیں، میں شروع سے گیدڑ کی ٹانگ تھا۔ اپنے ڈپارٹمنٹ میں چمک مارتا رہا۔ جہاں تک نفیاں پڑھنے کی بات ہے، میں تو تمہیں پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن تم نے کتاب ایسی بند کر کے رکھی تھی کہ بس ٹائشل ہی پڑھ کر آہیں بھرتا رہتا تھا۔“

”اچھا بتاؤ نہ نادیا کے لیے کچھ کرو گے؟“ وہ بچوں کی طرح ٹھنکی۔

”ایک شرط پر۔“

”کیا؟“

”اگر کسی مشکل میں پڑا تو میری وکیل تم ہو گی؟“

”صرف وکیل؟ چلو اچھا ہے۔ منظور ہے۔“ جینی نے شرارت سے جملہ کسا۔

”کیا مطلب؟“ مارک نے آنکھیں دکھائیں۔

”کالوں گولڈرنگ؟“

”ہیر الگا۔ ہے اس میں؟“

”ہیر اتو م خود ہو۔“

”بہت فری ہو رہے ہو؟“

”ہائے... ہائے... اب بھی کوئی کسر باقی ہے۔ کیا خرا ہے، عشوہ ہے؟ تم کہے؟ اوہ ہے یادوت ہے؟“

”ہاں ایک بات رہ گئی۔ وہ دوسری چیز کیا تھی تمہارے پاس، جب تک نے تمہیں پانی میں پھینکا؟“

”خوب یاد رکھا ہے۔“ مارک نے کہا۔ ”وہ چیز تمہاری تصویر تھی۔“ وہ مسترایا۔

”میری تصویر! تمہارے پاس؟“ جینی نے بے اعتباری سے سوال کیا۔ ”بحوث بول رہے ہو، دکھاؤ؟“

”شروع سے ہے، یہاں۔“ مارک نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سینے پر رکھ لیا۔

جینی نے عالم بے خودی میں مارک کے سینے میں منہ چھپایا۔

نہ حرف ہے، نہ صوت، نہ لغہ... بس خامشی، سکوت اور ایک جلوہ مستور۔

ناچیخی شوق تحلیل ہوا۔ اندر وہ باطل، باطل نہ رہا... ایک طسم تھا اور دل، اُل جہنش میں پہلو سے نکل گیا۔

ان کا خطرہ نابود ہو گیا؟“

”ڈسک اب ”آر گنائزڈ کرام ڈویشن“ کی تجویز میں نہ۔ انہیں اپنے ہاتھ پر بچانے کی پڑی ہو گی۔ اگر وہ نوٹ بھوت سے نج بھی گئے تو انہیں امریکا سے اپنے معاملات سکھتے ہی بن پڑے گی۔“ مارک نے جواب دیا۔

”مارک! میرا دل نہیں مانتا تھا کہ میرے والد ہمارے لیے شرمندگی کا باعث بنیں گے۔“ جینی اٹھ کر بینے گئی۔ ”میرے دل کی آواز سچی تھی۔“ غم کے سائے نے اچانک نسخہ کی سو گوار تصویر کشی کی۔ مارک نے اس کا ہاتھ دبایا۔ ”میں متعلقہ اداروں کے ساتھ مل کر پوری کوشش کروں گا کہ ان کی باذی دریافت ہو جائے۔ تمہارے والد قابلِ احراام ہیں۔ قانون کے محافظوں نے ہی ہوس زر میں غداری ایں اور عبر تاک انجام سے دوچار ہوئے۔ تمہارے والد کی روح یقیناً خوش ہو گی۔“

”مارک، کیا یہ مکن ہے؟“

”ہاں، کیوں نہیں۔ ووکل نے تمہیں بتایا تھا کہ لازار کے پاس، تمین بیگ تھے۔ تیرے میں کپڑے تھے۔ رقم والے بیل اس نے اپنے پاس رکھیں ہوں گے۔ خاصاً امکان ہے کہ کپڑوں والا بیگ ووکل کے بھائی کے پاس تھا جس کی باذی دریافت ہوئی۔ اس میں تمہارے والد کی شیا بھی نہیں۔ لازار کا منصوبہ کیا تھا؟ وہ تم تک کے ذریعے سن چکی ہو لیکن اس کا طریقہ کار انڈھیرے میں تھا۔ ناگہانی طوفان نے سب کچھ تتر بترا دیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ جس مقام پر ووکل کا بھائی ہلاک ہوا تھا، وہ دونوں دہائی سے دور جا سکے ہوں گے۔ ووکل کی بات اور تھی اور وہ کچھ خوش قسم بھی رہا کہ نج لکلا۔ تاہم اس کا انجام افسوس تاک رہا۔ وہ ایسے انجام کا حق دار نہیں تھا۔“

”لیا مارٹی بھی کرائے کا آدمی تھا؟“ جینی کو خیال آیا۔

”نہیں، وہ ہی آئی اے کا آدمی تھا۔ تاہم جیک کے دونوں ساقیوں فیلوز اور گراہم کی طرح اصل معاملات سے بھاگ نہیں سکتا۔ جیک کا یار ٹنز صرف نک تھا۔“

”مارک میں نادیا گو بھی بھول نہیں پاتی۔ موسکا یا کی ترجیحات برل چکی ہیں، بقول تمہارے۔ تو اگر میں نادیا کو وقاری گواہ بننے پر آمادہ کر لوں تو کیا تم اسے سزا سے بچانے میں مدد نہیں کر سکتے؟“

”خاوم ہوں۔“

”تم باز نہیں آؤ گے۔ بائی دی وی موت کے



مکروور

سکندر علیم

حالات کی ستم ظریقی ایسے دورا ہے پر لا کھڑا کر دیتی ہے... کہ بہت سی ان چاہیں اور ناپسندیدہ چیزوں کو اپنانا پڑتا ہے... ایک غلطی نے اسے خانہ بدوش بنادیا تھا... اپنے چاہنے والوں سے دور و در در کی نہ کریں کھارہاتھا...

خوشیوں اور زندگی کی گھمی گھمی سے نا آشنا محروم ہیوں

سے ناتا جو زلیئے والے شخص کی پرا شر کتھا...

اس روز جب صبح کے وقت میں ایجنسی کے دفتر پہنچ تو وہ وہاں پہلے سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پرانا سا سوت چکن رکھا تھا۔ اس کی عمر ست کے لگ بھگ ہو گی۔ وہ دبلائپلا، گنجائی اور چندی آنکھوں والا سیاہ قام شخص تھا۔ اس کے پھرے کے نقش سے ظاہر ہوا تھا کہ اس کی صحت نمیک نہیں رہتی۔ پہلی نظر میں وہ سان فرانسکو کی سڑکوں پر پھرنے والا کوئی یہ گھر فوجی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی جیکٹ اور پتلون بھی بھس چکی ہیں لیکن صاف نظر آرہا تھا اس نے

براون نے ایک ہاتھ سے کافی کا گمپکڑا اور دوسرے ہاتھ سے شہنائی کے غلاف پر گرفت مضبوط کر لی اور بولا۔ ”یہ میرا ہارن ہے۔ اس کے بغیر میں کہیں نہیں جاتا۔“

”کیا تم پیشہ ور موسيقار ہو؟“

”میری زندگی کا بڑا حصہ اسی میں گزرا ہے۔“ اس کے چہرے پر ایک پھیلکی سکراہٹ پھیل گئی اور میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے کے دانت غائب تھے۔ ”اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور کسی بینڈ کے ساتھ کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اگر موسم اچھا ہو تو بھی کبھی گھر سے باہر نکل کر اپنا یہ شوق پورا کر لیتا ہوں۔“

میں سمجھ گیا کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو سڑکوں پر کوئی ساز بجا کر اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ انہیں اسٹریٹ میوزیشن کہا جاتا ہے ایسے کئی مرد اور عورتیں شہر کی سڑکوں پر نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگ سڑک پر کھڑے ہو کر راہ گیروں کو تفریح مہیا کرتے ہیں اور وہ خوش ہو کر انہیں اپنی مرضی سے کچھ دے دیتے ہیں۔ میں اسے بھیک ماننے کا ایک باعزت طریقہ سمجھتا ہوں اگر کسی کے پاس کوئی صلاحیت ہے تو وہ اپنے فن سے اچھے خاصے پیے کما سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی کمالی شراب یا نشیات کی نذر نہ کروے۔ مجھے براون میں اسکی کوئی علامت نظر نہیں آئی جس سے پتا چلتا کہ وہ نئے کا عادی ہے۔

”لیکن میں سڑکوں پر نہیں سوتا۔“ اس نے کہا۔ ”میں بے گھر نہیں ہوں۔ میرے پاس رہنے کے لیے ایک کمرا ہے اور میں ہو وڑا اسٹریٹ پر واقع بلومون کیفے میں صفائی کا کام کرتا ہوں۔ میں نے کچھ رقم پس انداز کر رکھی ہے اور میں اس میں سے تمہیں معاوضہ ادا کر سکتا ہوں بشرطیکہ تم میری بھیگی کو تلاش کر سکو۔“

”اس وضاحت کی ضرورت نہیں۔“

”تمہارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ میں معاوضہ ادا کر سکتا ہوں۔“

ماریانے کہا۔ ”مسٹر براون! تمہاری بھیگی کا پورا نام کیا ہے؟“

”رابن لویس۔“ اس نے ہلکا سا وقفہ لیا اور بولا۔ ”آرسی نیا کس۔“

”تمہارا آخری بار اس سے کب رابطہ ہوا تھا؟“ ”کافی وقت ہو گیا۔ بہت عرصے سے کوئی رابطہ نہ ہو

تھیں کے اور نالی لگا رکھی ہے اور اس کا چہرہ کلین شیو تھا۔ اس کی ٹانگوں پر ایک سرخ رنگ کا ہیئت رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس شخص کو پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔

ماریا کے دفتر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور عقبی حصے سے اس کے گنگنا نے کی آواز آرہی تھی جہاں کافی کا سامان اور برتن رکھے ہاتے تھے۔ شاید وہ اپنے اور مہمان کے لیے کافی بنا رہی تھی۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر اس شخص کو سلام کیا۔ اس نے جنوب کے لوگوں کے لجھے میں میرے سلام کا جواب دیا۔ جسامت کے مقابلے میں اس کی آواز زیادہ جاندار تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے لویس آرم اسٹراؤنگ کی یاد آگئی۔ وہ رخت لجھے میں بولا۔

”تم میں ماریا کے پارٹنر ہو؟“

”ہاں۔“ میں نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا نام چارلس انھوئی براون بتایا اور میری جانب مصالحت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کی ہتھیلیاں اتنی خشک ہو رہی تھیں کہ ان پر کسی عمدہ ریگ مال کا گماں ہو رہا تھا۔

”تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”تم اور ماریا، غریب لوگوں کے لیے کیا کرنا چاہتے ہیں، تکھی جانے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مجھے یقین ہے کہ سب لوگ بھی بدلتے ہوں گے۔“

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ پہلی نظر میں دیکھنے سے اس کی کیا مراد ہے۔ کچھ ہی دیر میں قدموں کی آواز سنائی دی اور ماریا دروازے کی چوکھت میں نظر آئی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”میں نے تمہاری آواز سن لی ہی۔“

”میں مسٹر براون سے باتیں کر رہا تھا۔“

”وہ چہ ہتا ہے کہ ہم اس کی بھیگی کو تلاش کریں۔“

براون نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”رابن لویس۔“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”میرے دفتر میں کافی تیار ہے۔ ہم وہاں بیٹھ کر آرام سے باتیں کر سکیں گے۔“

اس نے سر ہلایا اور آہنگی سے اٹھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ہیئت اور دوسرے میں شہنائی کا غلاف تھا۔ ماریا نے مجھے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ میں بھی اس گفتگو میں شریک ہو جاؤں۔ براون اور میں ماریا کے پیچھے دفتر میں داخل ہوئے۔ ماریانے اسے ایک کسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا ہو رہا۔ ”دو دھن اور تین چھپے چمنی کے۔ میں شہیک کہہ رہی ہوں؟“

”ہاں، مجھے ٹھیکی کافی پسند ہے۔“

”خاص شہر یا اس کے مفاہمات میں؟“

”فرنج کوارٹر، ڈوفن اسٹریٹ۔“

”کیا تمہیں مکان کا نمبر یاد ہے؟“

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میری یادداشت اب اتنی اچھی نہیں رہی۔“

”لوگ کے والدین کے بارے میں بتاؤ۔ کیا ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا تھا؟“

”وہ دونوں مر گئے تھے؟“

”کب اور کیسے؟“

اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ لگتا تھا کہ وہ اس سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا۔

”کیا میں ان کے نام جان سکتی ہوں؟“

وہ تین چار سینڈ خاموش رہا پھر بولا۔ ”اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ جیسا کہ میں بتاچکا ہوں کہ رابن لوئیں اہمیت خالہ جو لین اور اس کے شوہر بولی فرنگلن کے ساتھ رہ رہی تھی۔ انہوں نے ہی اس کی پرورش کی۔“

”ٹھیک ہے۔ یہ بتاؤ کہ فرنگلن اپنی گزرا وقایت کیسے کرتا تھا؟“

”جو لین کسی کلب میں کام کرتی تھی۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ بولی ڈرم بجا تھا۔“

”کیا وہ کسی بینڈ سے وابستہ تھا؟“

”مجھے یاد نہیں۔“ اب وہ تھوڑا سا مضطرب نظر آ رہا تھا۔ ”میں نے تمہیں جو کچھ بتایا، کیا وہ رابن لوئیں کو تلاش کرنے کے لیے کافی نہیں؟“

”ہمیں اس بارے میں ہر یہ معلومات درکار ہیں۔“ ایک بار پھر اسے کھانسی کا دورہ پڑا جو کہ پہلے جیسا شدید نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ اپنے منہ پر رومال رکھ لیا جب اس نے رومال ہٹایا تو مجھے اس پر خون کے دھنے نظر آئے۔ جب اس کی سانس بحال ہوئی تو وہ بولا۔

”جو کچھ مجھے یاد تھا، وہ سب پہلے ہی تمہیں بتاچکا ہوں۔ اسی کی بنیاد پر اسے تلاش کرو۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتے؟“

”ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے۔“ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”یہ کام جلد ہو جانا چاہیے۔“ وہ بولا۔ ”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم میری حالت دیکھ رہے ہو۔“

”کیا تم کسی ڈاکٹر کے زیر علاج ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”انداز اکتاوت گزر گیا ہو گا؟“

”اکیاون سال،“ اس نے کہا۔ ”انیس سوتیسٹھ کے موسم گرم میں۔“

ماریا اور میں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور میں نے پوچھا۔ ”اس وقت تمہاری تیجی کی عمر کیا ہو گی؟“

”سات سال، وہ انھارہ اپریل انیس سو چھپن کو پیدا ہوئی تھی۔“

”اس کے بعد اس سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا۔ ملائون پر بات ہوئی ہو یا کوئی خط و کتابت؟“

””نہیں۔““

”تم نے اس سے پہلے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی؟“ ””نہیں۔““

”اگر میراں منا تو پوچھے سکتا ہوں کہ کیوں؟“

براؤن نے میرے سوال کی پرواہیں کی اور بولا۔ ”اس کی بہت سی وجہات ہو سکتی ہیں۔ میں اپنی مصروفیات میں گم ہو گیا۔ ملک کے کونے کونے میں سفر کیا۔ مختلف نوعیت کے کام کیے۔ موسیقی سے دل بہلاتا رہا وغیرہ وغیرہ۔“

”کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اب بھی زندہ ہو گی؟“

اسے یہ سوال پسند نہیں آیا۔ جس کا اندازہ اس کے ماتھے پڑا بھرنے والی ہلکنوں سے ہو گیا۔ ”وہ زندہ ہے۔“

اس نے پُر زور طریقے سے کہا۔ ”خدا اسے سلامت رکھے۔“

ماریا نے پوچھا۔ ”انیس سوتیسٹھ میں وہ کس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ ماس، باپ یا دونوں؟“

وہ چند لمحے ناموش بیٹھا رہا پھر اچانک ہی اس کے چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ زور زور سے کھانے لگا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر منہ پر رکھا۔ کچھ دیر بعد وہ پر سکون ہوا اور دھیرے دھیرے سانس لینے لگا۔ ماریا نے پوچھا کہ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے تو وہ بولا۔ ”بھی بھی مجھے کھانسی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ تم نے اس سے پہلے کیا پوچھا تھا؟“

”کیا تمہاری تیجی انیس سے تریسٹھ میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی؟“

”وہ اپنی خالہ جو لین اور اس کے شوہر بولی فرنگلن کے پاس تھی۔“

ماریا نے ایک بار پھر کپیوٹ پر نائب کرنا شروع کر دیا اور بولی۔ ”وہ دونوں کہاں رہتے تھے؟“

”نیو اور لینز۔“

چھوڑ دیا اور بولی۔ ”اس کے کچھ عرصے بعد لوگ اسے بھول گئے۔“

”تم نے یہ گانا تہاں سے سنائی؟“
”انٹر نیٹ۔“ وہ بولی۔ ”اس کے علاوہ ایک دوست سے بھی جس کے پاس پرانے گانوں کا ذخیرہ ہے۔“

اس کے بعد ماریا نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور دھیکی آواز میں گانا گانے لگی۔ یہ میرے لیے ایک حیران کن منظر تھا کیونکہ اس سے پہلے اس نے بھی میری موجودگی میں ایسا نہیں کیا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرانی کی بات یہ کہ اس کی آواز بہت اچھی بھی۔

گانا ختم کرنے کے بعد اس نے شہنشہی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ”اس کے اور بھی بند ہیں لیکن مجھے بس اتنا ہی یاد ہے۔“

”مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم گا بھی سکتی ہو۔“

”ہاں، لیکن زیادہ تر با تحدروں میں ہی گاتی ہوں۔“
”میں با قاعدگی سے گانا چاہیے۔ تمہاری آواز بہت اچھی ہے۔“

میری تعریف سے وہ کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئی۔ دھیرے دھیرے اس کی مسکراہٹ محدود ہو گئی اور وہ قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ ”کاش! میں اس گانے کو اپنے ذہن سے نکال سکتی۔“

”کیوں؟ یہ تو بہت عمدہ ہوں ہیں۔“

”تم ایسا سوچ رہے ہو لیکن اس کے لکھنے والے نے پھر کچھ نہیں لکھا۔“

”ایسا، وہ کون ہو سکتا ہے؟“

”موس آری نیا اس۔“

”نیا کس۔“ میں نے زیر لب دھرایا۔ ”کیا اس کا چارلس براؤن کی بھتی سے کوئی تعلق ہے؟“

”رابن لوئیس اس کی بھتی نہیں ہے۔ وہ اس کی بھتی ہے اور چارلس انھوں براؤن کا اصل نام موس آری نیا کس ہے۔“

”پھر اس نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا اور کیوں اپنا غلط نام بتایا؟“

”کیونکہ وہ ایک مفرود شخص ہے۔“ ماریا نے کہا۔ ”انیں سوتیں ہے وہ بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔“

”وہ کس جرم میں پولیس کو مطلوب ہے؟“ میں نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”دھرے قتل کے ا الزام میں۔“ اس نے اپنی بیوی اور

”میں ڈاکٹر کا علاج افورڈ نہیں کر سکتا۔“

”کئی اپنالوں میں مفت علاج بھی ہوتا ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے خیراتی اسپتال۔ میں بھی بھی وہاں سے علاج کر دانا پسند نہیں کر دیں گا۔ میرا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ اب تو بہت جلد موت کے فرشتے کے ساتھ دو گانا گاؤں گا۔“

ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا لہذا خاموش رہے۔

”براون اپنی کافی ختم کرتے ہوئے بولا۔“ اب مجھے چلتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے زمین پر قدم جمانے کے لیے میز کا ونڈا پکڑ لیا۔ میں اس کے ساتھ باہر آیا۔ راستے میں وہ ایک وقاری لکھ رہا تھا تو میں نے اس کا بازو پکڑ لیا لیکن اس نے آہستہ سے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ شاید وہ کسی کی مدد لیتا نہیں چاہتا تھا۔

دراوازے پر پہنچ کر اس نے سر پر اپنا ہیئت رکھا اور بولا۔ ”معلوم نہیں کہ دن کا بقیہ حصہ کہاں گزرے گا البتہ شام کو بلکہ ہر روز چھ بجے کے بعد میں بیویوں کیفے میں ہی ہوتا ہوں۔“

اس کے جانے کے بعد ماریا دوسرے کاموں میں مشغول ہرگئی اور جب میں شام کو روانہ ہونے کا تو اس نے رابن لوئیس کے کیس پر کام شروع کیا۔ میں صرف نہتے میں دو مرتبہ اپنی کے وفتر جاتا ہوں لیکن اس روز میں ایک انشور نس فراڈ کے کیس پر کام کر رہا تھا۔ لہذا اسے نہ نہانے کی خاطر دوسرے روز بھی وفتر جانا پڑ گیا۔

ماریا کو کام کرنے کا جنون ہے، اس وقت بھی وہ معمول کے مطابق کمپیوٹر پر نظریں جانے بیٹھی۔۔۔ تھی، البتہ اس روز میں نے ایک غیر معمولی بات یہ دیکھی کہ وہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ سکنگنا بھی رہی تھی جو میں نے بھی نہیں سنتا تھا۔ وہ کوئی پرانی قسم کی دھمن تھی مالا لئکہ جاز میرا پسندیدہ میوزک ہے اور مجھے اس کے بارے میں خاصی معلومات ہیں لیکن میں اس دھمن کو نہیں پہچان سکا۔

”بیم کیا گا رہی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”ایک پرانا گانا ہے۔“ اس نے کہا۔

”بھمن میں نے پہلے بھی نہیں سنی۔“

”نیا اور لینز کلب کے ایک بینڈ نے انیں سوانح میں یہ گانا ریکارڈ کر دیا تھا لیکن ساٹھ کی دہائی سے پہلے اسے بہت کم سنایا۔ اس کے بعد.....“ اس نے جملہ ادھورا

”اس نے بھی وزن گیوں کا چہار غل کر دیا تھا۔“
”ممکن ہے کہ اس کی بے وقاریوی اپنے محظوظ سے مل کر اسے مار دیتی۔“

”یہ ایک مفروضہ ہے۔ اس نے انتہا میں آکر ان دونوں کو قتل کیا ہو گا۔“

مارپا نے مزید بحث نہیں کی اور بولی۔ ”ٹھیک ہے لیکن ہم پولیس کو فون نہیں کر سکے۔ وہ اپنی مرضی سے ہمارے پاس آیا تھا اور وہ ہمارا کلاسٹ ہے۔ میں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس نے پچاس سال پہلے کیا کیا۔ اب وہ قریب المرگ ہے۔ ہم اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے۔“

”ٹھیک ہے لیکن میں اس سے ملنے ضرور جاؤں گا۔“
”ابھی؟“

”آج رات کو۔“ میں نے کہا۔ ”اسے سڑکوں پر تلاش کرتا نہیں چاہتا۔ بلا وجہ ہی تماشا بن جائے گا۔“

”میں تمہارے ساتھ جا سکتی ہوں؟“
”کس لیے؟ کیا تمہارے ساتھ جانے سے کوئی آسانی ہو جائے گی؟“

”میرا خیال ہے کہ نہیں۔“
”ربن لویں کا کیا بنا؟“ میں نے پوچھا۔ ”کیا تم نے اسے تلاش کیا؟“

”اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اس کی پروردش معمولہ بھوی کی بہن جو لین اور اس کے شوہر بھوی فریشنٹلین نے کی۔ انہوں نے اسے گو dalle لیا اور قانونی طور پر اس کے نام کے ساتھ فریشنٹلین لگادیا۔“
”کیا وہ زندہ ہے؟“

”ہاں، شریوپورٹ میں رہتی ہے اور تھراپیٹ کے طور پر کام کر رہی ہے۔ اس کی ڈیوں نامی شخص سے شادی ہوئی جس سے اس کے دونپیچے ہیں۔ بوڑھا موس نہیں جانتا کہ وہ نانا بن چکا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے بر اسامنہ بنایا اور بولی۔

”کبھی کبھی مجھے اس کام سے نفرت ہونے لگتی ہے۔“
”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”میرا بھی یہی حال ہے۔“

بلیموں کیفیت۔ رکیٹ اسٹریٹ سے یونچے ایک ڈھلوان قطار میں واقع تھا۔ کسی زمانے میں یہاں بڑے بڑے گودام تھے جن کی جگہ اب نائنٹ کلب، دفاتر اور قیمتی اپارٹمنٹ بن گئے تھے لیکن ڈھلوان قطار میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور یہ جگہ نئے کے عادی افراد اور آوارہ گرد

اس کے محظوظ ڈپرلیس کو قتل کیا۔ وہ بھی موسيقار تھا۔“ اس نے مجھے پرنٹ آؤٹ کے دو صفحات پکڑا دیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کمپیوٹر کے استعمال میں اسے غیر معمولی مہارت تھی۔ اگر آپ لائن جو بھی معلومات دستیاب ہوں، وہ انہیں تلاش رہتی تھی۔ اس نے کمپیوٹر سے اگست انہیں سو تریٹھ میں باری ہونے والا نیو اور لینز پولیس ڈپارٹمنٹ کا وارنٹ گرفتاری اور ان جرائم کے بارے میں اخبارات میں شائع ہونے والا مواد حاصل کر لیا تھا۔ ان دونوں دستاویزات کے خلاصے کے مطابق مورس آرسی نیا کس، ایک شہنشاہی نواز، گیت نگار اور سویٹ میٹ فائیونا می بینڈ کا رکن تھا۔ اس نے اپنی گوکارہ بیوی لی اور ایک دوسرے گروپ میں پیانو نواز مارکوں ڈپرلیس کو بد چلنی کے شہے میں قتل گرد یا کیونکہ اس کے خیال میں دونوں کے درمیان ناجائز تعلقات تھے۔ ٹولیوں کی آوازن کر اس کے دو پڑوں جائے وقوع پر پہنچ تو دیکھا کہ آرسی نیا کس اپنی بیوی کی لاش کے پاس آکر قتل یعنی رووا اور لیے کھڑا ہوا تھا جو اسی کے نام پر رجسٹر ہے۔ آرسی نیا کس نے فوراً ہی رووا اور زمین پر چینک دیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ پہنچا۔ وہاں سے کچھ نقدی اور ضرورت کی اشیا کیشیں اور شہر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی پتا نہیں چلا۔

”امف صدی سے زیادہ عمر میں تک اپنے آپ کو لوگوں کی نظریوں سے چھاپے رکھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ تاہم اسکے کئی مثالیں موجود تھیں جن میں مختلف مردوں اور عورتوں نے اپنی شناخت تبدیل کی اور گوشہ اگٹا میں چلے گئے۔ انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ ٹولیس کی نظریوں میں آئے اور نہ ہی بھی کسی وجہ سے پکڑے گئے۔ اس کے باوجود انہیں تلاش کر لیا گیا اور وہ انصاف کے کشہرے میں آگئے۔ پچاس برس تک بھاگتے رہنے کے دوران میں موس آرسی نیا کس کو نہ جانے کتنے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔“

میں نے وہ کاغذات ماریا کو واپس کرتے ہوئے کہا۔ ”ئئے یہ شخص پسند آیا۔“

”مجھے بھی لیکن اب ہمیں کیا کرتا ہے؟“
”تمہیں اس سوال کا جواب معلوم ہے، ہم قانونی طور پر اسے پکڑنے کے پابند ہیں۔ قاتل سے کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی۔“

”چاہے وہ بوڑھا اور بیمار ہی کیوں نہ ہو؟“

وہ کھوکھلی آواز میں بولا۔ ”کوی تمہیں معلوم ہو گیا؟“
”کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم کچھ نہیں جان پائیں
گے۔“

”مجھے کچھ اندازہ تھا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں
پڑتا۔ کیا اب تم مجھے پولیس کے پاس لے کر جاؤ گے؟“
”پہلے ہم آپس میں کچھ بات کر لیں؟“

وہ آہنگی سے چلتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ میں نے
بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تاکہ بہتر کھڑکی نہ اور
باہر بیٹھے ہوئے لوگوں کے آوازیں اندر نہ آسکیں۔ کمرے
میں ایک کم روشنی والا بلب جل رہا تھا شاید بھی اس جگہ کو
اسحور کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اب بھی ایک دیوار کے
ساتھ کئی کارڈ رکھے ہوئے تھے اور پیغمبرؐ کے جگہ میں ایک بستر،
ایک کرسی، میز اور الماری نظر آری تھی جس میں موس کا
معمولی سامان رکھا ہوا تھا۔ بستر پر اس کی شہنمائی پڑی
ہوئی تھی۔ اس نے بیٹھنے وقت اسے اٹھا کر اپنی گود میں رکھ
لیا۔ دیکھنے میں وہ کافی پرانی لگ رہی تھی لیکن اس کی عصی کی
سطح پر پالش کھی جس کی وجہ سے وہ جگہ چمک رہی تھی اور
.... اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے اس ساز کا پورا خیال رکھتا
ہے۔

”تم نے رابن لوئیس کو ملاش کر لیا؟“ اس نے
پوچھا۔

”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”وہ شیریو پورٹ میں رہتی
ہے۔“

”میں جانتا تھا کہ وہ زندہ ہو گی۔ مجھے اس کا یقین
تھا۔“

”شاید وہ تم سے کوئی واسطہ نہ رکھنا چاہے۔“ میں نے
کہا۔ ”تم بھی یہ بات جانتے ہو گے۔“

”میں جانتا ہوں۔ میں نے اس کے لیے کچھ پیسے بچا
کر رکھے ہیں۔ جیسا کہ تمہیں کل بتا چکا ہوں کہ مرنے سے
پہلے ایک وفع اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اسے بتاوینا
کر مجھے بہت افسوس ہے۔ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا رہا۔
اسے سچ بتاوینا۔“

”کیسائیج؟“

”یہی کہ انہیں سوتی سٹھن کی اس رات کو اس کی ماں اور
مارکوس ڈوپلیس کے ساتھ کیا ہوا۔“ اس نے شہنمائی پر اپنی
انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں بھی سچ بتانا چاہتا
ہوں۔ کیا تم سننا پسند کرو گے؟“

”اپنی بات جاری رکھو۔ میں گُن رہا ہوں۔“

لوگوں کا مسکن ہے۔ یہاں گھٹیا شراب خانے اور سستے ہوئے
تھے اور اسے شہر کا بد صورت علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں رات
کے وقت باہر نکلا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ آوارہ گرو
لڑکوں کی نولیاں ٹکار کی تلاش میں رہتیں اور موقع ملتے ہی
راہ حلتے لوگوں کو پا قوکی نوک پر لوت لیتیں۔ میں بھی بہت
میطا تھا کہ ابھی مرف سات بجے تھے لیکن خاصاً اندر ہمرا
چھیل چکا تھا۔

یہ کیفے ایک بڑے سے ہال پر مشتمل تھا۔ جس میں
دیوار کے ایک طرف کاؤنٹر اور دوسری دیوار کے ساتھ بوجھ
بیٹھنے ہوئے تھے۔ ہال کے وسط میں میزوں کی دو قطاریں
تھیں جبکہ مکن عقبی حصے میں تھا اور کاؤنٹر کے پیچے ایک دیوار
کے ذریعے اسے ٹکرایا گیا تھا۔ جبکہ دوسری جانب ایک
راہداری نظر آرتھی۔ ان اوقات میں وہاں اچھا خاصارش
ہوتا ہے۔ آدمی سے زیادہ جگہ لوگوں سے بھری ہوتی تھی اور
ان کی باتوں کی آواز ہال میں بھی کی بھجننا ہٹ کی طرح
گونج رہی تھی۔ یہاں پر زیادہ تر لوگ کھانا کھانے آتے
تھے جو اتنا اچھا نہیں ہوتا تھا کہ اس سے لطف اندوڑ ہوا جا
سکے۔ اس کا اندازہ مجھے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہرے
کے تاثرات دیکھ کر ہو گیا۔

مجھے کاؤنٹر کے پاس بیٹھنے کی جگہ مل گئی اور جب ایک
لاطینی ویٹر میرے پاس آئی تو میں نے اس سے کہا۔

”یہاں چارلس انھولی براؤن سے ملنے آیا ہوں۔“

اس عورت نے میری طرف حیرت سے دیکھا۔ شاید
وہ اس لیے حیران ہو رہی تھی کہ پہلے بھی کوئی اس سے ملنے
نہیں آیا ہوگا۔ اس کی مالوی اپنی جگہ کیونکہ میری وضع قطع
دیکھ کر وہ بھاری پیپر ملنے کی توقع کر رہی تھی لیکن میں نے
اسے خدمت کا مورثہ میں نہیں دیا۔ وہ منہ بنتے ہوئے
بولی۔ ”بائیں جانب آخری دروازہ اس کا ہے۔“

شم تاریک راہداری میں چکن اور باتھروم سے آنے
والی تیز بوچھی ہوئی تھی۔ بائیں جانب دو دروازوں پر کوئی
نمبر نہیں تھا۔ میں آخری دروازے کے پاس رک گیا اور
آہستہ سے دستک دیکی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر جانکا
اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں امید کی اہر ابھری۔ شاید
سمجھ رہا ہوگا کہ میں اس کی بیٹھنے کے بارے میں کوئی خبر لے کر
آیا ہوں۔ میں نے اسے کچھ کہنے کی مہلت نہیں دی اور
بولا۔ ”ہیلو، موس؟“

وہ اپنی جگہ پر نحمد ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں اور
چہرے پر حیرت اور سنبھال گی کے تاثرات نمایاں ہو گئے اور

سرداریاں

ایک سردار شراب سے جگ آگیا اور خالی بوتلس
توڑنے لگا ایک بوتل کو زور سے زمین پر پھینکا اور
چلا یا۔ ”تیری وجہ سے میری نوکری گئی۔“
دوسری بوتل توڑی۔ ”تیری وجہ سے میرا گھرتاہ
ہوا۔“

تیری بوتل توڑی۔ ”تیری وجہ سے میری بیوی
چھوڑ کے چلی گئی۔“
چوہمی بوتل اٹھائی تو وہ بھری ہوئی تھی۔ سردار جی
نے اٹھا کر ایک طرف رکھا اور بولا۔

”توں سامنے ہو جا، تیرا کوئی قصور نہیں۔“
☆☆☆

سردار نے پشاور میں ایک کالمی سے کلاشکوف کا
سودا کیا۔
کالمی بولا۔ ”بیٹھی پر لئی ہے تو چالیس ہزار اور
اگر گھر پہنچوانی ہے تو ایک لاکھ۔“
سردار نے کہا۔ ”یہ لو ایک لاکھ اور لاہور پہنچا
دوس۔“
کالمی نے ہدایت کی۔ ”ٹھیک ہے گھر پہنچ کر فون
کرنا۔“
سردار نے گھر پہنچ کر فون کیا۔ ”ہاں خان
صاحب میں گھر پہنچ گیا ہوں۔“
جواب ملا۔ ”ٹھیک ہے، کلاشکوف تھاری گاڑی
کے نیچے بندھا ہوا ہے۔“
☆☆☆

سردار سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ ڈوختے ڈوختے
اس کے ہاتھ میں ایک چھپلی آگئی، اس نے چھپلی کو سمندر
سے نکال کر باہر پھینک دیا اور کہا۔ ”تم تو اہمی جان
بچاؤ، ہماری خیر ہے۔“

☆☆☆
سردار کی بیوی پولیس اسٹیشن میں اپنے شوہر کی
گمشدگی کی روپرٹ درج کر دانے کئی۔
”انپکٹر صاحب میرے شوہر ایک بھتے سے لاپتا
ہند بazar سے آلو لینے گئے تھے۔ وہاں نہیں آئے۔“
انپکٹر بھی سردار تھا، بولا۔ ”تو بہن مجی کچھ اور پکا
لیتا تھا۔“

سرگودھا سے اسد عباس کی سوغا تمیں

”میں نے تلی یا اس پیانو نواز کو قتل نہیں کیا۔“ اس نے
کہا۔ ”دونوں میڑے کسی کو بھی نہیں۔“

میں نے کچھ نہیں کہا، ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو
سخین جرام میں ملوث ہونے کے باوجود آخروقت تک
اہمی بے گناہی پر اصرار کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے
دعوے زیادہ تر دوسرا باخثی کے عالم میں کیے جاتے ہیں
یا ان میں جھوٹ کا غصہ شامل ہوتا ہے۔ پچانوے فیصلہ
 مجرم ایسا ہی کرتے ہیں لیکن پانچ فیصلہ ایسے بھی ہیں جن کی
فریاد میں کچھ ایسا درد ہوتا ہے کہ ہم اسے سننے پر مجبور ہو
جائے ہیں۔

”میں باغیں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا سکتا ہوں۔“ آرسی
نیا کس نے کہا۔ ”میں نے بھی کوئی قتل نہیں کیا۔“

میں اس آن بات خاموشی سے سنتا رہا لیکن اس نے
میری خاموشی کا نظم مطلب لیا اور بولا۔ ”تم بھی نہیں اور لیز
کے دوسرے لوگوں کی طرح ہو اسی لیے میری بات کا یقین
نہیں کر رہے۔“

”کیا تم نہیے بتا سکتے ہو کہ اصل واقعہ کیا تھا؟“

”میں اسکی غورت سے بہت محبت کرتا تھا اور یہ جان
لینے کے بعد کہ وہ مجھ سے بے وقاری کر کے اس پیانو نواز سے
محبت کی پیغامیں بڑھا رہی تھی۔ میں اس سے باز پرس کرتا،
اس کے ساتھ سختی سے پیش آتا یا زیادہ سے زیادہ اس کے
ساتھ مار پیٹ کرتا لیکن اسے قتل نہیں کر سکتا تھا۔ بھی نہیں۔“
”لیکن وہ دونوں تمہارے پستول سے ہلاک
ہوئے؟“

”لیکن میں نے انہیں نہیں مارا۔ جیسا نظر آرہا تھا،
حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔“

”ٹھیک ہے، پھر تم ہی بتا دو کہ حقیقت کیا تھی؟“

”اتنے برس ہو گئے۔ بہت سی باتیں مجھے ٹھیک طرح
سے یاد بھی نہیں ارہیں۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا جیسے وہ
پرانی باتیں یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا پھر کوئی جھوٹی
کہانی پھر نے والا ہو پھر اس نے آہستہ آہستہ کہنا شروع
کیا۔

”ڈوپر ایس کے بینڈ میں ہارن بجانے والے ایک
خنفس نے مجھے ان دونوں کے تعلق کے بارے میں بتایا تھا۔
شاید نہیں میں اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی۔ یہ سن کر میرا
ٹیکش میں آنا فوری تھا۔ میں اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا اور
ای رات ڈوپر ایس کے گھر چلا گیا۔“

”تم اپنے اپستول ساتھ لے گئے تھے؟“

ام کو پکا کی کیا حالت تھی۔ کی تم سمجھتے ہو کہ وہ ایک ایسے سیاہ فام شخص کی بات پر یقین کر لیتے جو پستول ہاتھ میں لیے اپنی بیوی اور اس کے محبوب کی لاش کے پاس کھڑا ہوا ہو۔ ہرگز نہیں۔ وہ مجھے جل میں ڈال دیتے۔ مجھ پر تشدیک کے اقبالِ جرم کروانا جاتا اور بر قی کری میرا مقدر ہوتی میرے پاس بخوبی کا کوئی موقع نہیں تھا لہذا بھاگ جانے میں ہی عافیت ہجھی۔ اس کے بعد سے ہمیشہ نیو اور لیز سے پائچ سو میل کے فاصلے پر رہا۔“

”چچا اس برس سے تم دوڑنے اور چھپنے کا کھیل، کھیل رہے ہو۔“ میں نے کہا۔ ”تم اس دوران میں کیا کرتے رہے؟“

”میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو مشکلات سے دور رکھا۔ کبھی قانون نہیں توڑا، اور نہ ہی کسی لائچ میں آیا۔ ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھومتا رہا اور ہر جگہ اچھا شہری بن کر رہا۔ کبھی زیادہ عرصہ تک ایک جگہ پر نہیں رہا البتہ سان فرانسیسکو میں رہتے ہوئے سات برس ہو چکے ہیں۔ زندگی گزارنے کے لئے میں نے ہر دہ کام کیا جہاں شاخت کی ضرورت نہ ہو۔ لائیں اٹھانے سے لے کر برتنا دھونے، چوکیداری کرنے اور مزدوڑی جیسے کام کرتا رہا۔ اس نے شہنائی پر دوبارہ ہاتھ پھیرا اور بولا۔ ”سرکوں پر یعنی فن کا مظاہرہ کرتا ہوں۔ بالخصوص ایسے بارکلبوں میں جو عقیقی سرکوں پر واقع ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ابھی تک کوئی مجھے پہچان نہیں سکا۔ اس لحاظ سے اپنے آپ کو خوش قسم سمجھتا ہوں۔“

”اور تمہیں کوئی پچھتا وابھی نہیں ہے؟“ میں نے کہا۔ ”کیسا پچھتا وا کہ میں وہاں سے بھاگ آیا یا مجھے بینڈ چھوڑنے کا کوئی افسوس ہوتا۔ لیکن میں نیو اور لیز میں جس بینڈ کے لیے کام کرتا تھا، وہ بھی شہر سے باہر نہیں گیا اور نہ ہی مجھے کسی دوسری جگہ جا کر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کا موقع ملا۔ اس لیے مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میں نے اس بینڈ کو چھوڑ کر آگے بڑھنے کے راستے مسدود کر لیے۔ میں وہاں ہمیشہ کنوئیں کامیڈک بن کر ہی رہتا۔ میں نے صرف ان کے لیے ایک گانالکھا تھا جو تھوڑا بہت مقبول ہوا۔ البتہ اپنی بیٹی سے بچھڑنے کا افسوس ہے لیکن جانتا ہوں کہ وہ خیریت سے ہے۔ اس کی خالہ اچھے طریقے سے دیکھ بھال کر رہی ہوئی۔“

”تم کم از کم اسے تلاش کرنے کی کوشش تو کر سکتے تھے؟“

”نہیں۔ وہ پستول لی لے کر گئی تھی۔ ڈوپر لیس اسے اپنے جاں میں پھنسا رہا تھا۔ اس نے لیلی کو درغلایا کہ وہ دونوں کہنیں! ہماگ جائیں گے۔ لیلی اس کی باتوں میں آگئی۔ شاید وہ مجھ سے زیادہ اس پر بھروسہ کرنے لگی تھی لیکن پھر اسے معلوم ہوا کہ ڈوپر لیس اس کے علاوہ کسی اور عورت سے بھی چکر چلا رہا تھا۔ وہ غصے کی بہت تیز تھی چنانچہ اس نے ڈوپر لیس سے، دونوں بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس رات وہ اس سے ملنے میں بلکہ لڑنے گئی تھی کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک عورت کا انتخاب کرے اور اسی لیے وہ پستول بھی ساتھ لے گئی۔“

”تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟“

”میں جب وہاں پہنچا تو وہ ایک دوسرے پر چلا رہے تھے۔ اسی خفیہ نے یقیناً اسے مارا ہو گا کیونکہ میں نے تھوڑی کی آواز سنی تھی۔ اس کے بعد اس نے زوردار چیز باری پھر میں نے گولی چلنے کی آواز سنی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا لہذا میں بہ آسانی اندر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ڈوپر لیس فرش پر پڑا ہوا ہے اور اس کا چھرہ خون میں تربتر ہے۔ لیلی اس کے قریب ہی بدحواسی کے عالم میں کھڑی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے دھشت پک رہی تھی۔ آہٹ سن کروہ گھومی اور اس نے مجھ پر پستول تان لیا جیسے مجھے بھی گولی ماروے گی۔ میں نے اس سے پستول چھیننا چاہا اور اس کو شش میں ہم دونوں ہم تھم گھٹا ہو گئے پھر اس نے گولی چلا دی جو خود اسے آگئی اور وہ بھی ڈوپر لیس کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ پھر میں نے گھر کے باہر کسی کے دوڑنے کی آواز سنی۔ یقیناً کوئی پڑوی گولی کی آواز سن کروہاں آیا ہو گا پھر کسی نے پولیس کو اطلاع دے دی اور جب وہ لوگ آئے تو میں پستول ہاتھ میں لیے کھڑا... تھا جیسے میں نے ہی ان دونوں کو قتل کیا ہو۔“

”لہذا تم خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ گئے؟“

”ہاں، میں نے ایسا ہی کیا۔ پستول پھینکا اور وہاں سے دوڑ لگا دی۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔“

”یقیناً تم نے ایسا ہی کیا ہو گا لیکن جو کچھ تم مجھے بتا رہے ہو، یہی سب وہاں رک کر پولیس کو بھی بتا سکتے تھے؟“ اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور اس کے ساتھ ہی اسے کھانسی کا شدید اورہ پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی حالت سنپھلی تو اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

”شاید تم نہیں جانتے کہ جنم کرو کے زمانے میں جنوبی

لبے لہراتے حسین بال ہمیشہ کے لئے۔

MEDICAM SHAMPOO

حسینے بھر کا شیمپو

MEDICAM
SHAMPOO



3 Plus SHAMPOO



SHIKAKAI



ANTI
DANDRUFF



AMLA



HERBAL



ANTI-LICE



EGG

KALONJI

www.pdfbooksfree.pk

صرف قاتل ہی نہیں بلکہ مفرود بھی قرار پایا۔

وہ بستر پر بیٹھا گھرے گھرے سانس لے رہا تھا جیسے اس طویل گفتگو نے اسے تھکا دیا ہو۔ اس کے سیاہ چہرے پر پسینے کے قطرے پتک رہے تھے۔ اس نے قدرے تو قوف کے بعد کہا۔ ”اب ہم پولیس اشیش جائیں گے؟“

میں پہلے ہی اپنا ذہن بتا چکا تھا۔ بعض اوقات آپ کو ضمیر کی آواز پر چلنا ہوتا ہے اور اسی صورت میں تمام قاعدے قانون پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ اس دنیا میں انصاف کے ایک سے زیادہ طریقے ہیں۔ چاہے ایسا بہت کم یا تاخیر سے ہوتا ہو۔ میں نے کہا۔ ”اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی مسٹر براؤن۔“

”براؤن۔“ وہ چونکتے ہوئے بولا۔

”ہمارے کلاسٹ کا نام چارلس انھونی براؤن ہے اور جہاں تک ہمارے علم میں ہے، اس نام کا کوئی شخص پولیس کو مطلوب نہیں۔“

یہ کہہ کر میں نے اسے مارتا کا دیا ہوا پرنٹ آوٹ پکڑا دیا جس میں رابن لوئیس فرینٹلن ڈیوس کے بارے میں تمام معلومات ہیں۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور مجھ پر نظریں جمادیں۔ اس کے چہرے پر احسان مندی، امید اور شرمندگی کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔

”خدا حافظ مسٹر براؤن۔“ میں نے کہا۔ ”تمہیں بھی مبارک ہو۔“

یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھا۔ ابھی میرا ہاتھ دروازے کی ناپ پر تھا کہ عقب سے شہنائی کی آواز آئی۔ میں نے پیچھے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تو اس نے وہ ساز زمین پر رکھ دیا اور بولا۔ ”میں نے پچاس سال سے یہ گانا نہیں کیا۔“ تم کس کے ساتھ ہے رہے؟“ یہ لیلی کا گانا تھا اور میں نے اس کے لیے لکھا تھا لیکن اب یہ میرا ہے، جب سے نیو اور لینز چھوڑا، یہ میرا ہی ہے۔“

میں نے کچھ نہیں کہا۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ اس نے دھمکی آواز میں گانا شروع کر دیا۔ دھن وہی تھی لیکن یوں بدلتے تھے اور اس گانے سے مختلف تھے جو ایک دفعہ ماریا نے میرے لیے گایا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر چلا آیا لیکن یہ گانا میرے ذہن سے ہمیشہ چپک کر رہا گیا اور میں کوشش کے باوجود اسے نہیں بھلا سکتا۔



”اس واقعے کے ایک سال بعد یا اس کے لگ بھگ میں نے اسی کوشش کی تھی اور اپنے ایک واقف کار سے جس پر میں بھروسہ کر سکتا تھا، میں نے رابطہ کیا۔ اس نے بتایا کہ جو لیں اور بولی نے رابن لوئیس کو گو dalle لیا ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ وہ میری بھی پر نظر رکھے اور اس کے مارے میں مجھے آگاہ کرتا رہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا لیکن بد قسمی سے کچھ عرصے بعد وہ خود بھی ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔“

”اور پھر تم نے کبھی اہم بھی سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟“

”کئی بار سوچا۔ درجن سے زائد موقع اپنے آئے جب میں اس کے بہت قریب تھا لیکن سامنے آنے کی بہت نہیں پڑی۔ میں پولیس سے خوف زدہ تھا۔ ذرتا تھا کہ پکڑا جاؤں گا اور مجھے ایک ناکردار جرم کی پاداش میں موت کی سزا سناؤ جائے گی۔ یہ خوف کچھ عرصے پہلے تک مجھ سے چھٹا رہا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ میرا وقت قریب آچکا ہے اور موت کا فریشتہ کسی بھی وقت میری روچ بھل کرنے آئے گا ہے تو میں ہر خوف سے آزاد ہو گیا۔ اب مجھے پکڑے جانے اور موت کی کرسی پر بیٹھنے سے ڈر نہیں لتا۔ اسی لیے میں تمہارے پاس، آیا تھا کہ تم میری بھی کو تلاش کرنے میں مدد کر سکو۔“

میں اسے کہانی سنانے کے دوران میں بہت غور سے دیکھتا رہا۔ جب آپ کے سامنے جھوٹ بولا جائے۔ جیسا کہ میرا برسوں کا مشاہدہ ہے تو ہم جھوٹ اور حق کو الگ کرنے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ کہانی بیان کرنے والے کی بدن بولی، مگر اہم کا انداز، چہرے کے تاثرات، لمحہ بلحہ بدلتی کیفیت، آواز کا انداز چڑھا اور باتوں میں تضاد سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کہانی میں کتنا حق ہے۔ میں نے موس آری نیا کس کی کہانی میں ایسا جھوٹ نہیں دیکھا یا محسوس کیا اور اگست انس سوزیں کی رات ہونے والے واقعے میں اس کے کردار کے بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں رہا۔ اس نے مجھے بچ بتا دیا تھا اور اب میں اس کی خاطر اپنی ساکھ کو داؤ پر لگا سکتا تھا۔

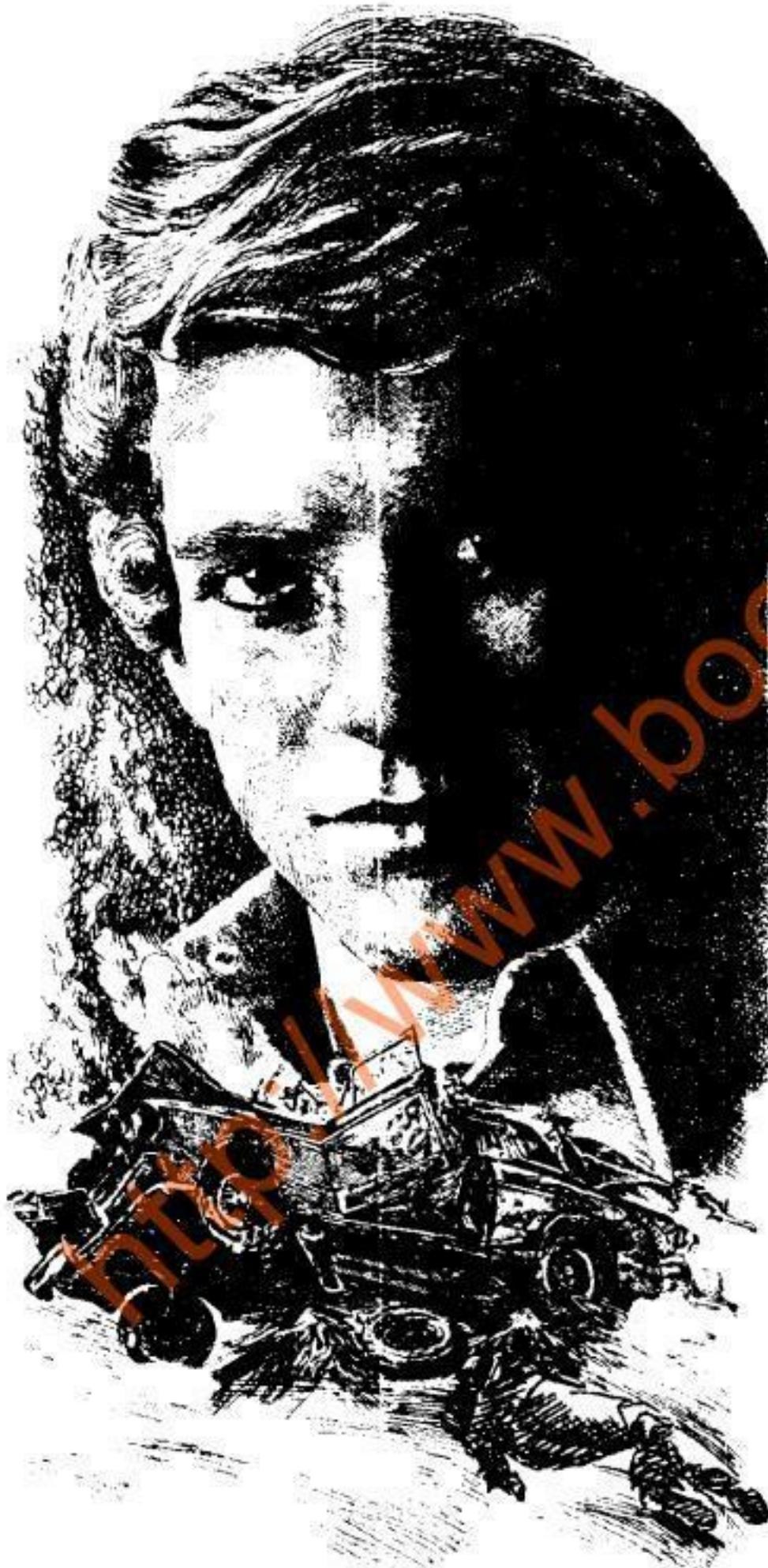
وہ شخص قاتل یا جرم نہیں تھا بلکہ حالات کا ستایا ہوا، نسلی تعصب کا شکار اور ایک ایسے خوف میں جلا بد نصیب باپ تھا جو دوسرے، انسانی جذبات پر غالب آگیا تھا۔ اس سے صرف ایک علطہ گیا ہوئی تھی کہ وہ اپنی صفائی پیش کیے بغیر ہی موقع واردات سے فرار ہو گیا اور پولیس کی نظر میں وہ

اس شریف آئی کا کارنامہ... جو اپنی جان فے کر بہت سوں کو زندگی کی نوید دے گیا... ۸۱

محافظوں کا کام دوسروں کی جانوں کا تحفظ ہے... مگر فی زمانہ بماری حفاظت پر مامور محافظوں کی اپنی جانبی ہریل خطرے کا شکار رہتی ہیں... ایک ایسے قاتل کا قصہ جو پولیس کا جانی دشمن تھا...

کوب کلر

جمال دستی



”پولیس کے سپاہیوں“ کے قائل میکملن نے اپنے بدہیت ہاتھ بن دبے آٹو میٹک رووالور کی ٹال سامنے موجود کا نپتے ہوئے، شخص کے سینے میں چبوڑی اور غراتے ہوئے بولا۔ ”سنو، پیٹر۔ پولیس میری تلاش میں ہے۔ شہر کا ہر ایک سپاہی میری کار کی تاک میں ہے۔ میں سخت یہجان میں ہوں... کیا سمجھے؟“

پیٹر کا چہرہ بہیکا پڑ چکا تھا۔ خوف کے مارے اس کی زبان گنگ گھمی۔ اس کی نظریں کوب کلر میکملن پر جمی ہوئی تھیں۔

”تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔“ میکملن نے دانت پیتے ہوئے کہا۔ ”میں میکملن ہوں۔“

”تت... تم... کوب کلر میکملن ہو۔“ پیٹر کی آواز لڑکھڑا ریتھی۔

میکملن نے اشبات میں سر ہلا دیا۔

”تت... تم مجھے کیا چاہتے ہو؟“

میکملن نے اپنا بھاری بھرم جسہ پیٹر پر جھکا دیا۔

”یقیناً میں ہی کوب کلر میکملن ہوں۔ مجھے وہاں جیل میں لوگوں نے بتایا تھا کہ تم ہی وہ صحیح آدمی ہو جو میرا کام کر

دوں تھا۔

یہ بُرا ہوا کہ اسے پیٹر کو شوت کرنا پڑ گیا تھا۔ چند گھنٹوں قبل کا وہ منظر جب اس نے پیٹر کے پیٹ میں چھپولیاں اتاری تھیں، ذہن کے پردے پر اُبھرتے ہی وہ درشتی سے مکرا دیا۔ پیٹر کے معادنے کے مطالبے پر اسے پیٹر کو گولیوں کا تحفہ دینا پڑ گیا تھا۔ پیٹر اسے کمزور اور دیوبند کھائی دیا تھا۔ میکملن کو خدشہ تھا کہ کہتی وہ اس کے بارے میں پولیس کو فون نہ کر دے۔ اسی لیے اس کا مرنا ضروری تھا۔

اچانک میکملن کو اپنے عقب میں پولیس سارن کی چتکھاڑتی آواز سنائی دی جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ میکملن نے اپنی کار کے عقبی آئینے میں غور سے دیکھا۔ وہ ایک بڑی پولیس کا رسمی جس میں مسلح پولیس کے سپاہی سوار تھے۔ وہ کار تیزی سے ان کے درمیان فاصلے کو کم کر رہی تھی اور کسی بھی لمحے اس کے سر پر پہنچ سکتی تھی۔

میکملن نے اپنی کار کے ایکسلریٹر کو پوری قوت سے نیچے دبادیا۔ کار کی رفتار خطرناک حد تک بڑھنی۔

ایک اچانک موڑ پر اس کی کار دو پہیوں پر اٹھ گئی۔ ایک لمحے کے لیے اس طرح لڑکھڑائی جیسے کوئی شرابی نئے میں جھومتا ہے۔ پھر دوسرے لمحے ہوا میں متعلق ہو گئی۔ ایک زور دار دھماکا ہوا اور زمین سے گلگرانے ہی کار کے پرخچے اڑ گئے۔ میکملن کا جسم اچھل کر سڑک پر آگیا۔ دھات کے وزنی اور نکلے نکڑے کو نہیں کوئی تیزی کر دیا تھا۔

میکملن کو دنیا تیزی سے گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ہوش و حواس دھیرے دھیرے اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اس کے منتشر ہوتے ہوئے ذہن میں باتوں کی دھیمی سی آوازیں سنائی دیے رہی تھیں۔

”یہ کوپ کلر میکملن... ہی ہے۔“ ایک بھاری بھر کم آواز نے کہا۔ ”یہ اپنی کار پر نئے رنگ کی تھی چڑھانے اور جعلی لائن پلیٹوں کی وجہ سے ہمارے پھیلانے ہوئے جال سے نیچے نکلنے میں تقریباً کامیاب ہو گیا تھا لیکن اسے یہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ فکور یڈا کی تمام کاروں پر دو نیں بلکہ صرف ایک لائن پلیٹ کی وجہ سے ہے۔ اس کی کار پر تکی ایک کے بجائے دو لائن پلیٹوں نے نہیں اس کی جانب متوج ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کی یہ علمی ہی اسے لے ڈونی۔“

دونوں پولیس والوں نے تبادلہ خیال کیا اور سڑک پر موجود مجرم کاڑی تک جا پہنچے...
۲۰۱۵ء فروری جاسوسی ڈانجست 82

سکتا ہے۔ بُری کار سروقہ ہے اور بہ آسانی شاخت ہو سکتی ہے۔ مجھے کس رات تک لازمی فلور یڈا پہنچنا ہے۔ ایک بار میں جیکسن ڈل پہنچ جاؤں تو سب کچھ تھیک ہو جائے گا۔ لیکن مجھے اپنی کار پر نئے رنگ کا کام کرانا ہے اور مجھے چند نی لائن پلیٹوں چاہئیں۔“

”لائن پلیٹوں؟“ پستہ قد پیٹر نے غیر تھیں لمحے میں کہا۔ ”پیٹر میکملن، میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اب میں نے یہ دھندا چھوڑ دیا ہے۔ تم اور کوئی کام کہو تو میں کر دوں گا لیکن جعلی لائن پلیٹوں... میں نے گزشتہ کئی برسوں سے اس حس کے کسی کام کو پہاڑھنک نہیں لگایا۔ اگر پولیس کو بھی پتا چل سکیا کہ میں جعلی لائن پلیٹوں کے دھنے میں ملوث رہا ہوں تو وہ...“

”ہاں۔“ میکملن نے غرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی اور اپنا آٹویک ریوالور ڈرانے کے انداز میں اس کے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے بولا۔ ”سنو، پیٹر تم شہر کے ہر بد معاشر اور گروہ کے ارکان کے لیے جعلی لائن پلیٹوں بنانے رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے فکور یڈا کی لائن پلیٹوں کی ایک جوڑی بنا دو جو کہ نہ تو جعلی ہوں نہ تکلی بالہ بالکل اصلی ہوں، سمجھ گئے؟“ پیٹر اٹھنے میں رہا۔

”او، اگر تم مجھے تیزی سے خفک ہونے والا پینٹ بھی دے دو تو نہیں اپنی کار پر خود ہی نیا رنگ کر لوں گا۔ اب شروع ہو جاؤ..... فورا۔“ میکملن نے ریوالور کا ڈرانا دیتے ہوئے کہا۔

پیٹر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اُبھر آئی۔ ”او کے باس... نہیں دونوں پلیٹوں کل عنصر تک مل جائیں گی۔ جو نہی سانچے تھنڈے ہو جائیں گے، میں فوراً پلیٹوں کو بنانا شروع کر دوں گا۔“ پیٹر نے جواب دیا۔ ☆☆☆

میکملن اپنی کار ہائی وے کی ٹریفک میں دوڑا رہا تھا۔ ایکسلریٹر پر اس کے پیٹر کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا رنگ جیکسن ڈل کی جانب تھا۔

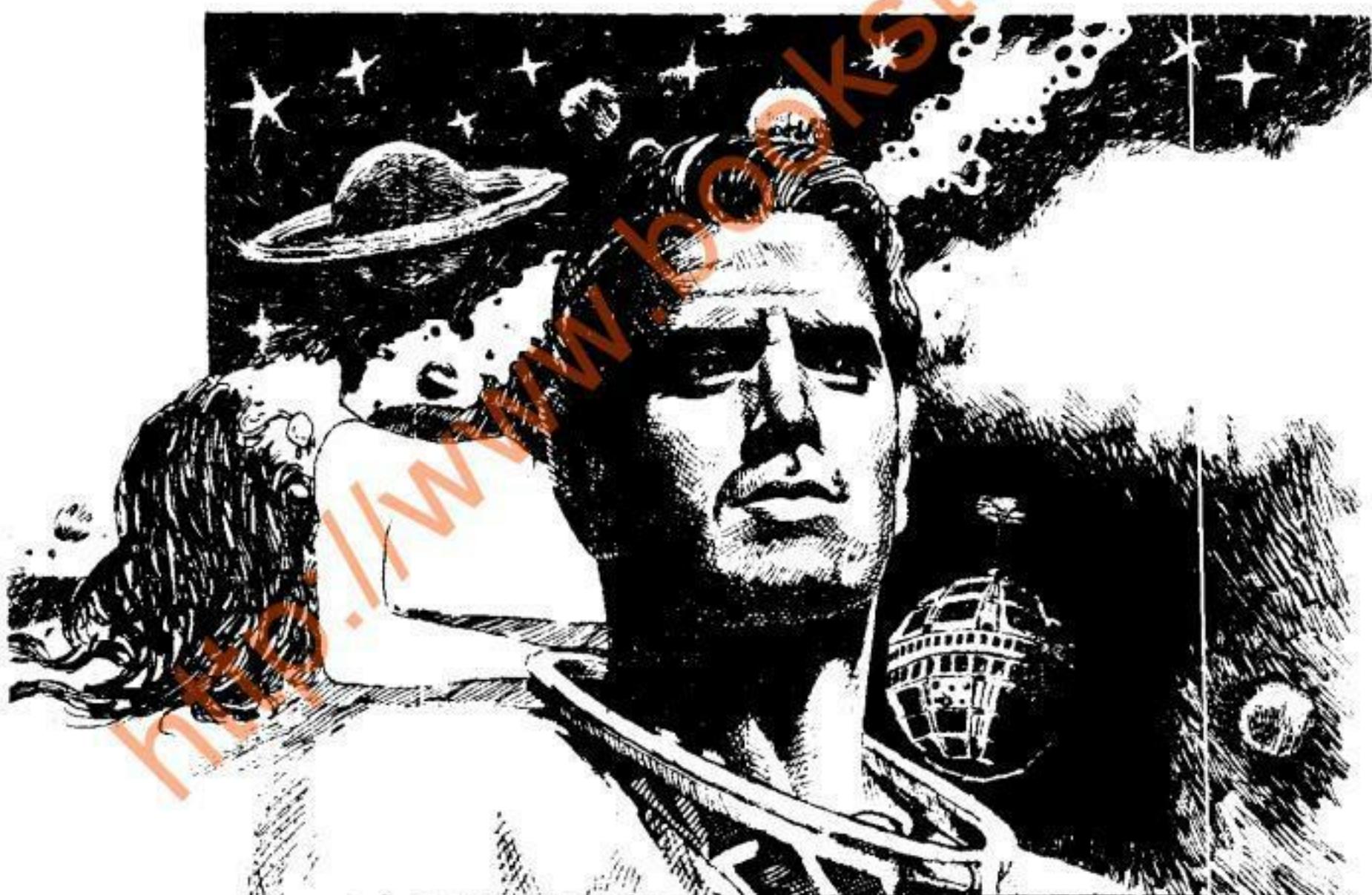
وہ مٹسٹن تھا۔ اب پولیس اسے کبھی پکڑنہیں پائے گی، اس نے اپنے آپ سے کہا۔ پیٹر نے ان جعلی پلیٹوں کا کام نہایت خوش اسلوبی اور مہارت سے سرانجام دیا تھا۔ پولیس اس نیلے رنگ کی سیدان کار میں ہو گی جس کی لائن پلیٹوں جو رجیا کی ہوں۔ اور وہ اپنی ناقابل شاخت کار میں ہموار سڑک پر بلا کسی رکاوٹ اپنی منزل کی جانب روائی

تشہکا

صوفیہ شکیل

انسان کی ہر خواہش کبھی پوری نہیں ہوتی... ہر جیتا جاگتا وجود آسودہ اور ناؤسودہ ارزوئوں کا مرکب ہوتا ہے... یہ ایک کلیہ ہے جو ماضی سے مستقبل تک پر محیط ہے... اج سے بہت آگے کی ایک کہانی جس کا مرکزی کردار سزا یافته تھا... بسیط خلامیں انسانوں کے منجمد وجود دور دراز ستاروں تک ذہونی پر مامور... ان میں مرد بھی ہوتے تھے اور لڑکیاں بھی... اس نے بڑی محنت کے بعد ایک لڑکی کا انتخاب کیا... نو برس کی جدوجہد کے بعد وہ اسے جمود سے زندہ وجود کی حالت میں لا یا... لیکن وہ بہول گیاتھا کہ وہ خود بھی ایک مجرم ہے... دو حصوں میں بتا پوا...

زمین سے اربوں میل دور تاریک خلامیں جنم لینے والی ایک کہانی



”کیا تم جاگ کئی ہو؟“ اس نے پوچھا مگر وہ نہ ملی۔
ڈینڈیں نے اپنے اندر جوش بڑھتا حسوس کیا، وہ کس لامبار۔ اس کی مگردن کے مگر موجود پلاسٹک کاشاخی رین
قدرتی بس تھی۔ کوئی بھی اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔
زیادتی کی صورت میں وہ ذرا بھی مزاحمت نہ کر پاتی۔ وہ کوئی

وہ کتنی خوب صورت تھی، ڈینڈیں نے سوچا اور کتنی
لا چار۔ اس کی مگردن کے مگر موجود پلاسٹک کاشاخی رین
پیدھا کھڑا تھا۔ وہ ابھی اڑانپورٹ کپسول سے باہر آئی
بھی اس لیے اس نے کچھ بھی نہیں پہن رکھا تھا۔

کے سوا کوئی جاگ نہیں رہا تھا اس لیے کسی دھات کے گھروں پر
کوئی نہیں یا کسی حیز کے دوسرنی شے سے لگرانے کی آواز، چاہے
وہ کتنی بھی دھی، کتنی بھی دور کیوں نہ ہو، ایک خطرہ تھی اور ایک
سے زائد بار ڈینڈش نے کئی گھنٹے یادن خوف میں گزارے
تھے جب تک کہ اس نے وہی بھی ہوئی لائے، ثیوب یا کھلا
دروازہ نہ ڈھونڈ لیا جس کی آواز نے اسے چونکا یا تھا۔ اسے
آگ لگنے کے پریشان کن خواب بھی آتے تھے۔ فولاد اور
کرٹل کے بنے خلائی جہاز میں اس کا امکان نہ ہونے کے
برابر تھا لیکن وہ جس آگ کے متعلق خواب دیکھتا تھا، وہ گھر کی
آگ نہیں بلکہ نیچے موجود ترروں کی خوف ناک آگ تھی۔
”باہر آؤ، جہاں میں تمہیں دکھ سکوں۔“ لڑکی تھکمانہ
انداز میں بولی۔

ڈینڈش نے نوٹ کیا کہ اسی نے اپنا بدن جھپٹانے کی
زحمت نہیں کی تھی۔ وہ برہتہ جاگی تھی اور برہتہ بھی تھی۔ اس
نے روکنے والے جال کو انٹا دیا تھا اور بستے سے نکل آئی تھی
اور اب اس کمرے میں جس میں وہ جاگی تھی، اس کی تلاش
میں ادھر ادھر پھر رہی تھی۔

”انہوں نے ہمیں انتباہ کیا تھا۔“ وہ بولی۔ ”کہ کا
دھیان رکھتا، خلائی پاگلوں سے بچتا، تمہیں پچھتا تا پڑے گا۔ ہم
نے ریسپشن سینٹر پر یہی ساتھا اور اب تم یہاں موجود ہو۔ تم
جہاں بھی ہو، خدا کے لیے باہر آؤ تاکہ میں تمہیں دکھ سکوں۔“
وہ آدمی کھڑی اور آدمی ہوا میں تیر رہی تھی، اپنے
ہونٹوں پر موجود پتھر یوں و دانتوں سے کانتے ہوئے اور
احتیاط سے داکیں باہمیں دیکھتے ہوئے وہ بولی۔ ”وہ کیا کہاںی
تھی جو تم مجھے سنانے والے تھے؟ ایک خلائی پتھر نے جہاز کو
تاباہ کر دیا، سوائے تمہارے اور میرے ۰۰۰۰ اور ہماری قسم
میں سبھی تھا کہ ہم ہمیشہ پرواہی کرتے رہیں اس لیے ہم
دونوں کے پاس اس کے سوا کرنے کو کچھ نہیں کہ ہم دونوں
اہنی ایک نئی زندگی شروع کرنے کی کوشش کریں؟“

ڈینڈش نے اسے بھالی کے کمرے میں موجود تھی
دور نہیں سے دیکھا لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے یہ سب
پلان کرنے میں بڑا وقت گزارا تھا۔ جسمانی طور پر وہ پرفیکٹ
تھی، نوجوان، دلیلی پتی، اس نے اسی پناہ پر اسے 352 زنانہ
کا لوٹت میں سے منتخب کیا تھا۔ جس طرح کوئی کینٹاگ دیکھ کر
خریداری کرتا ہے اسی طریقے اس نے سب لڑکیوں کی مائیکرو
فائل تصویریں پہنچی تھیں۔ وہ ان سب میں بہترین تھی۔

ڈینڈش شخصی خاکے پڑھنے میں بہت مہارت نہیں
رکھتا تھا۔ وہ نفیات دانوں کو جھوٹا سمجھتا تھا اور ان کے

بھی رد عمل دینے سے یکسر قاصر تھی۔ اسے چھوئے بغیر بھی وہ
جاننا تھا کہ اس کا جسم خشک اور گرم ہو گا۔ وہ پوری طرح زندہ
تھی۔ چند تینوں کی بات تھی اور وہ لڑکی ہوش میں آ جاتی۔

ڈینڈش ستاروں کے مابین چلنے والے خلائی جہاز کا
کپتان اور اکلوٹا کرو ممبر تھا جو اس وقت محمد کا لونٹوں کو
زمیں سے اور طویل اور... خلا سے گزرتے ہوئے ایک
ایسے سیارے پر جا رہا تھا جو ایک بے نام ستارے کے گرد
گردش کرتا تھا اور اب الینور کھلا تھا۔ ڈینڈش نے اس کی
جانب سے نظریں پھیر لیں۔ لڑکی کا نام سلوی تھا لیکن اس
سے وہ بھی مانہ تھا۔ جب اس نے دوبارہ نظر ڈالی تو وہ جاگ
چکی تھی۔ اپنے بستر کے حفاظتی بندوں میں بند ہے ہوئے
اس کے بال، اس کے سر کے گرد نمایاں ہو رہے تھے اور اس
کے چہرے سے غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔

”کہا تم جانتے ہو اس حرکت پر وہ تمہارے ساتھ کیا
کر سکتے ہیں؟“

ڈینڈش بوکھلا گیا۔ اسے بوکھانا پسند نہیں تھا کیونکہ یہ
اسے خوف زدہ کر دیتا تھا۔ نو سال تک جہاز خلائی میں سرگوشیاں
کرتا پھر تارہ تھا..... ضرورت سے زیادہ ملنے والی تھائی
نے اسے خوف زدہ بنا دیا تھا۔ اس جہاز پر کالونٹوں کے
سات سوکیں تھے جن میں سزا یافتہ انسانوں کے ۷۰۰۰ اپنے
دماغوں سیست مجدد تھے گرد وہ اپنے لیکویڈ ہیلیمی کے سیل میں
خت اور بنا تبدیلی کے لیئے تھے اور کوئی اچھے ساتھی نہ تھے۔
خلائی جہاز کے باہر نزدیک تین انسان بھی شاید کروڑوں
سیل دور تھے، مساواۓ اتفاق کے کہ کسی ایسے جہاز سے
ملاقات ہو جائے جو دوسری سمت جا رہا ہو۔ لیکن رکنے اور گھر
جاتے کسی جہاز کے صافر سے ملنے کے لیے اتنے ایندھن اور
طااقت کی ضرورت ہوتی جس کا وہ متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس غرے متعلق ہر شے خوف زدہ کرنے والی تھی۔
تھائی ایک نذاب ناک خوف تھا۔ کرٹل کے ایک انج سے
دیکھنا اور سوائے دور ستاروں کے کچھ نہ دیکھ سکنا ذر کو جنم دیتا
تھا۔ ڈینڈش نے پانچ سال قبل فیصلہ کیا تھا کہ وہ باہر نہیں
دیکھے گا لیکن وہ اس فیصلے پر قائم نہ رہ سکا اس لیے وہ اکثر
کرٹل سے جھاٹک لیتا تھا اور پھر خوف زدہ کرنے والے
خیالات کے بارے میں سوچتا کہ سیل نوٹ گئی، کرٹل اپنی
جگہ سے نکل گیا اور وہ خود اپنے خلائی جہاز میں پھنسا،
قلابازیاں کماتا ہوا نیچے موجود ایک کروڑ ستاروں میں سے
کسی ایک کے وسط میں گر رہا ہے۔

اس بھائی میں کوئی بھی آواز ایک خطرہ تھی۔ چونکہ اس

تشنه کام

ڈینڈش نے اداہی سے اپنی نگاہ پھیر لی۔ ایک میں نے اسے یاد دلا یا کہ جہاز کے نظام کو ہر آدھے ٹھنٹے بعد چیک کرنے کا وقت ہو گیا تھا اور جیسا کہ وہ ایک لاکھ پچاس ہزار سے زائد مرتبہ کر چکا تھا اور ایک لاکھ مرتبہ اسے مزید کرنا تھا، اس نے لیکوئیڈ ہیلیم چیک کی، جہاز کے راستے کا فلاٹ پلان سے موازنہ کیا۔ تسلی کے استعمال اور اس کی فراہمی کی رفتار کو ناپا، سارے نظاموں کو صحیح طریقے سے کام کرتے پایا اور لڑکی کوتا کنے والی دور بین کے پاس آگیا۔

اس کام میں اسے صرف ایک ڈیزہ منٹ ہی لگا تھا لیکن اسی اشائیں سلوی نے وہ لگھا اور آئینہ ڈھونڈ لیا تھا جو اس نے لڑکی کے لیے رکھا تھا اور اب غصے سے اپنے بال بنا رہی تھی۔ محمد کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے کی تکنیک میں ایک نفس تھا جو ناخنوں اور بالوں کی حالت سے تعلق رکھتا تھا۔ اگرچہ ان سب باتوں کو متنظر رکھا گیا تھا، جسموں کو احتیاط سے پلاسٹک کے خلوں میں محفوظ کیا جاتا تھا تاکہ وہ اسی سخت یا تیز دھار شے کو چھو نہ سکیں۔ ناخن اور بال بالکل چھوٹے تراشے جاتے تھے۔ ریپیش سینٹر ہمیشہ کالوں شس کو چھوٹے ناخنوں اور جڑ سک کئے بالوں کی اہمیت جاتے

بنائے پروقاں کو کچرا اس لیے اس نے انہی چیزوں پر اکتفا کیا جو وہ جاتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا شکار مخصوص اور بھروسہ کرے، والا ہو۔ سلوی، عرسوں سال اور ذہانت اوسط سے ذرا کم، اسے مناسب لگی تھی۔ یہ بات مایوس کن تھی کہ وہ زیادہ خوف زدہ نہیں ہوئی تھی۔

”وہ تمہیں پچاس سال سزا دیں گے۔“ وہ اسے ادھر اُدھر تلاش کرتے ہوئے چلائی۔ ”تم یہ جانتے ہوئے؟“

بھالی والا بستر، یہ محosoں کرنے کے بعد کہ وہ اس میں سے نکل چکل تھی، دھیرے دھیرے اپنے آپ کو دوبارہ استعمال کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اس کی پلاسٹک گلی چادر اس کونوں سے نکل کر روپ ہو چکی اور ایک ڈسپوزل بوول میں چکلی گئیں۔ نیچے سے نئی جرامیم سے پاک چادریں نظر آئے لگیں۔ اس کے گرم جنس شروں نے خود کو ہائی ولٹ کرنٹ سے چارچ کیا اور لوٹی نفس نہ پا کر خود کو بند کر دیا۔ بستر کی ساندیں آہنگی سے مت گئیں۔ آلات والی میز کے اوپر پرداہ آگیا۔ لڑکی یہ سب بچھو دیکھنے کو رکھ رکھنکر کرہنس پڑی۔

”مجھے سے ڈر رہے ہو؟“ وہ بولی۔ ”آجاؤ۔ یہ مسئلہ ختم کریں یا پھر ان لوگوں سے غلطی ہوئی ہے۔ مجھے کچھ کپڑے مہیا کرو پھر ہم اس مسئلے پر اطمینان سے بات چیت کرے ہیں۔“

بر عکس

جب رفاقتیں رسوائیوں کا الہادہ اور ہلیں تو زندگی عجیب دور اہے پر آکھڑی ہوتی ہے۔ آخری صفات پر کافی فہرست کا دلچسپ شاہکار

در ماندہ عشق

ہمنئے کا واقع سے ایک اور یادگار داستان۔ **الیاء مسیت اپوری** کا سحر انگیز انداز

سودائی جنور

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کے قلم سے ملت اسلامیہ کے مضموم اور دشمنان اسلام کی سازشوں کا عبرت ہاک انجام

ماروی

ایک انوار اور سوپھار۔ محاورہ کے رد و بدل کے ساتھ دمحوب کی بے چینیوں کا احوال۔ **محی الدین نواب** کے خیالات کی روایت

فروری 2015ء..... ماہ مجتہ کا اچھوتا انداز

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

مسنونہ فاجست

مزید

خطو طاگی حفل،

حفل شعر درجن

ملک صدر حیات کی تفتیش

مختصر امام، تنویر صدیاض، سلیمان نور اور
ڈاکٹر شیر شاہ سبید کی ولفریب کہانیاں

لئے علاوہ

وہ قاتمکوں کو جہاز اڑانے ہی نہیں دیتے۔ اس لیے جو نبی ہم اتریں گے، مجھے صرف چلا کر پولیس کو بلانا ہو گا اور تم اگلے نوے سال سب دے شش چلاتے رہو گے۔ ” وہ ہلکھلا کر ہنسی۔ ” میں اس بارے میں جانتی ہوں۔ میرے چچا انکم نیکس نہ دینے پر پکڑے گئے اور اب وہ امیزوں ڈیٹا میں خود کار گاڑی پر کام کرتے ہیں۔ اس لیے سامنے آجائو اور مجھے دیکھنے دو کہ میں نہیں کس حد تک ڈھیل دے سکتی ہوں۔ ”

وہ بے چین ہو گئی۔ ” خدا یا! ” اس نے سر دا بھیں باسیں ہلاتے ہوئے کہا۔ ” مجھے کسے کسے لوگ ملتے ہیں اور ہاں، یاد آیا، جب تک میں جائی ہو گی ہوں، مجھ کو عسل خانے بھی جاتا ہے اور پھر مجھے نہ شاچائے۔ ”

ڈینڈش کو تھوڑی سلی ہوئی کہ اس نے کم از کم ان ضروریات کا خیال رکھا تھا۔ اس نے عسل خانے کا دروازہ کھول دیا اور اوسن بھی جلا دیا جہاں ہنگامی راشن پڑا تھا۔ جب تک سلوی واپس آئی بسکٹ، گوشت اور گرم کافی تیار تھی۔

” میرا نہیں خیال کہ تمہارے پاس سگریٹ ہو گی؟ ” اس نے پوچھا۔ ” خیر میں گزارہ کروں گی۔ چند کپڑوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور پھر نکلنے کے بارے میں کیا خیال ہے تاکہ میں نہیں دیکھ سوں۔ ” اس نے انگڑائی لی اور رکھا تا شروع کر دیا۔

بظاہر وہ شاورے پچکی تھی جیسا کہ محمد نیند سے جانے پر کرنا چاہیے... تاکہ جلد تروتازہ ہو جائے اور اس نے اپنے تباہ حال بالوں کو ایک چھوٹے تو لیے میں لپیٹ لیا تھا۔ ڈینڈش نے بادل ناخواستہ ایک چھوٹا سا تو لیا عسل خانے میں چھوڑ دیا تھا لیکن اسے یگمان نہ تھا کہ اس کی شکار اسے اپنے سر پر پاندھے گی۔ سلوی سوچ میں گم بیٹھی بچے کچھے ناشتے کو گھورتی رہی اور کچھ لمحوں بعد ایک پیغمبر کی طرح گویا ہوئی۔

” جیسا کہ میں بھتی ہوں۔ اس اشارہ پر سیلز زہیش خبطی تسم کے ہوتے ہیں کیونکہ اور کون ایک ساتھ میں سال کے لیے کمپی سفر کرے گا۔ جا ہے میں کی خاطر ہی، جا ہے کتنے ہی میے کیوں نہ ہوں؟ تھیک ہے تم خبطی ہو... تو اگر تم مجھے جگاتے ہو اور باہر نہیں آتے، مجھ سے بات نہیں کرتے تو میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ”

” اب میں کچھ سکتی ہوں کہ تم شروع سے ہی تھوڑے پاگل نہیں بھی تھے تو اس قسم کی زندگی نے تمہیں تھوڑا سا کھکا دیا ہے۔ شاید تم صرف تھوڑا ساتھ چاہتے ہو۔ میں یہ بات سمجھ سکتی ہوں... ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ تعاون کروں اور اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کروں۔ ”

تھے کیونکہ انہماں کی حالت میں یہ ثوٹ پھوٹ سکتے تھے۔ سلوی ابک ایسکی ڈومی و کھاتی ویتی تھی جس پر کسی دگ بنانے والے کے شاگرد نے کام کیا مگر میں ہو گیا ہو۔ سلوی نے اس مسئلے کو بالآخر اس طرح حل کیا کہ اس کے جواب رہ گئے تھے انہیں لپیٹ کر چھوٹا سا جوڑا بنتا یا اور کنکھا نیچے رکھ دیا۔ اس کے نوٹے ہوئے بال اس کے ارد گرد خلامیں یوں تیر رہے تھے جیسے ریت کا طوفان آیا ہو۔

اس نے اپنے جوڑے کو افسر دگی سے چھووا اور بولی۔ ” میرا خیال ہے تم اس سے محفوظ ہوئے ہو گے۔ ” ڈینڈش نے اس سوال پر غور کیا۔ اسے نہیں آئی۔

بیس سال پہلے جب ڈینڈش کے لیے ہنگریاںے بال تھے اور اس کے ناخنوں پر پاٹش گلی ہوتی تھی جو کہ اس زمانے میں شین ایجراز کا فیشن تھا، اس نے تقریباً ہر رات ایسی ہی صورتِ حال کا تصور کیا تھا۔ ایک لڑکی کا مالک ہوتا، اسے محبت کرنے یا اس کی عزت لوٹنے یا شادی کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اسے ایک غلام کی طریقہ رکھنے کے لیے تاکہ کوئی بھی نہیں بھی اسے روک نہ سکے، وہ اس کے ساتھ جو چاہے کرتا رہے... ہر رات وہ تھی طرح سے یہ خواب دیکھتا تھا۔

اس نے اپنے اس خواب کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا لیکن اسکوں بیس عملی نفیات کے پیرینڈ میں اس نے اس کا تذکرہ ایسے کیا جیسے اس نے یہ کسی کتاب میں پڑھا ہوا اور اس کے استاد نے اسے بتایا تھا کہ یہ گڑیوں سے گھینٹے کی دلی ہوئی خواہش تھی۔ ” یہ شخص کھیل رہا ہے، ایک عورت پانے کی خواہش پر عمل کر رہا ہے، یہ دلبی ہوئی خواہشات کئی صورت میں اختیار کر سکتی ہیں۔ ” اس ادب بوتا بی رہا۔ اگرچہ اس کے خواب جسمانی لحاظ سے سلوں بخشن ہوتے تھے لیکن نوجوان ڈینڈش جب بیدار ہوتا تو بے سکون اور جھلایا ہوا ہوتا۔ وہ اس کے بچپن کی کوئی گرہ تھی۔ عورت کو پوری طرح حاصل کرنے کی شدید خواہش مگر نہ ملنا کامی! لیکن سلوی نہ تو خواب بھی اور نہ ہی گڑیا۔ ” میں کوئی گڑی نہیں ہوں۔ ” سلوی نے اتنا اچانک اور تیزی سے کہا کہ اسے ایک جھنکا گا۔ ” باہر نکلو اور یہ سب ختم کرو۔ ”

وہ سہارا اے، کر سیدھی گھڑی ہوئی۔ اگرچہ وہ ناراض اور غصے میں دکھائی دے رہی تھی مگر پھر بھی خوف زدہ نہیں لگتی تھی۔ وہ صاف صاف بولی۔ ” اگر تو تم صحیح پاگل نہیں ہو، جس کا مجھے یقین ہے، تو تم ایسا کچھ نہیں کر دے گے جو میں نہیں چاہتی۔ کیونکہ تم صحیح نہیں سکو گے۔ صحیح ہے نا؟ تم مجھے مار نہیں سکتے کیونکہ تم اس کی وضاحت نہیں کر سکو گے۔ اس کے علاوہ

تشہہ کام

منٹ روائیں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں نہیں...، لیکن جو اس نے بھی نہیں کہا تھا، وہ بتانے سکی کیونکہ کون اس کے منہ پر آگئی۔ ایک پلاسٹک کی بوری اس کے اردو گرد تھی اور اس کے چہرے، اس کے بدن، اس کی ناخنوں اور اس کے سر پر بندھتے تو یہ سے چپک گئی اور بھائی والا بستراہی سے گھومتا ہوا فریز ٹک روم میں چلا گیا۔

ڈینڈش نے مزید کچھ نہ دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب کیا ہو گا اور اس کے علاوہ ٹائرنر نے اسے یاد دلا یا کہ وہ جیزیں چیک کرے۔ درجہ حرارت، نارمل۔ فیول کا استعمال، نارمل۔ راستہ، نارمل۔ فریز روم ایک نیا کپسول اشور میں جاتا دکھا رہا تھا۔ اس کے علاوہ سب نارمل۔ خدا حافظ سلوی۔ ڈینڈش اپنے آپ سے گویا ہوا، تم ایک اچھی خاصی غلطی تھیں۔ شاید بعد میں، کسی اور لڑکی کے ساتھ... شاید میں کامیاب ہو سکوں۔

سلوی کو جگانے میں ڈینڈش کو نوسال لگ گئے تھے اور اس کا نہیں خیال تھا کہ وہ دوبارہ اسکی کوئی کوشش کر سکتا تھا۔ اس نے لڑکی کے انکل ہنری کے متعلق سوچا جو کہ ساؤ تھا اٹلانٹک میں تھکا دینے والی سب دے چلا رہا تھا۔ اس کی جگہ ڈینڈش بھی ہو سکتا تھا۔ ڈینڈش نے اس سزا کے بجائے ایک اسٹارشپ کا پائٹ بننے کے موقع کو بخوبی قبول کیا تھا۔

اس نے پیچے موجود 10,000,000 ستاروں کو آپنیکیں ریپہر ز کے ذریعے دیکھا بس یہی اس کی آنکھیں تھیں۔ اس نے بے بسی سے غلا کو پکڑنے کی کوشش کی، ان ریڈاروں کی مدد سے جو اس کو چھوٹنے کی صلاحیت دیتے تھے۔ اس نے نوں کے حساب سے اپنے اسٹارشپ میں موجود بے بس جسموں کے بارے میں سوچا جو اس کے قبضے میں تھے، بھرے بھرے، نت نئے اور جوان بدن جنم سے وہ لطف اندوڑ ہو سکتا تھا لیکن اس کا اپنا جسم کہاں تھا جو وہ کسی وجود سے لذت کشید کر سکتا۔ وہ صرف ایک دماغ کی تھا جسے سزا کے طور پر اس خلائی جہاز میں مامور کر دیا گیا تھا۔ اس کا جسم سلوی کے انکل ہنری کی طرح، اس کے دماغ سے جدا کر کے کروڑوں میل دور مرکری کی رنج بستہ تا۔ یکیوں میں جمادیا گیا تھا۔ جسم ساتھ ہوتا تو وہ سلوی کوڑا اور خوف میں بتلا کر کے خوب مزہ لے سکتا تھا... لیکن وہ اس قابل ہی کہاں تھا! اسے اپنا انکوں یا وہ آیا... وہ تو بچپن ہی سے ایسی ناکامیوں کا شکار رہا تھا۔

وہ ضرور سکیاں بھرتا، اگر اس کے پاس رہنے اور سکیاں بھرنے کے لیے آزاد ہوتی۔

”وو مری طرف شاید تم کوئی غلط حرکت کرنے کے لیے اپنی ہمت بچج کر رہے ہو۔ نہیں معلوم کہ تم ایسا کر سکتے ہو یا نہیں کیونکہ ظاہر ہے تھیں یہ نوکری دینے سے پہلے انہوں نے تمہاری اچھی طرح چھان بین کی ہو گئی لیکن چلو یہ فرض کیا کہ تم کچھ ملطک کرو گے تو پھر کیا ہو گا؟“

”اگر تم مجھے قتل کرتے ہو، تو وہ تمہیں پکڑ لیں گے۔

”اگر تم مجھے قتل نہیں کرتے تو پھر اترنے پر میں انہیں بتا دوں گی اور وہ تمہیں مرفقاً کر لیں گے۔

”میں نہ تمہیں اپنے چچا کے متعلق بتایا تھا۔ اس وقت ان کا جسم سیارہ مرکری کے کسی تاریک حصے میں موجود ہی پفریز رہیں ہے اور انہوں نے چچا کا دماغ، سلیم کے راستوں کی راہنمائی کے لیے رکھا ہوا ہے۔ شاید تم سوچو کہ یہ اتنا بر انہیں ہے۔ انکل ہنری کو یہ ذرہ برابر بھی پسند نہیں۔ ان کا کوئی ساتھی نہیں۔ اس معاطلے میں وہ تمہارے جتنے ہی بد نصیب ہیں، وہ انہیں کسی دوسری جگہ بھی رکھ سکتے ہیں جو اتنی اچھی نہیں ہو گی۔ اس لیے وہ صرف اپنے دانت پیتے رہتے ہیں یا میرے خیال میں دانت نہیں لہنا جائے بلکہ گرائیز روز دوست ہے اور وقت اچھی طرح گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

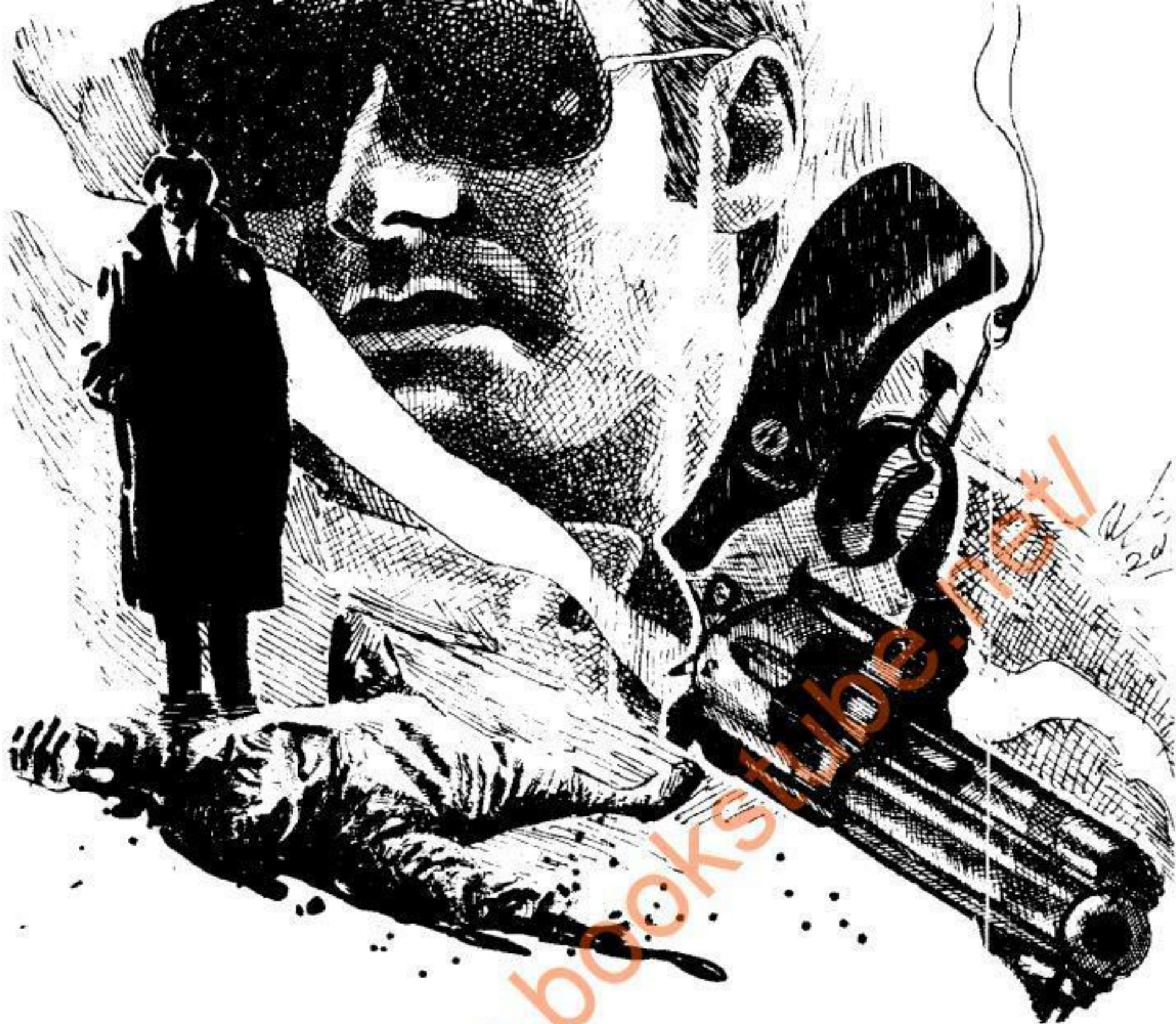
”نوتے، سال! انہوں نے ابھی تک صرف چھ سال گزارے ہیں۔ میرا مطلب ہے جس وقت میں زمین سے اڑی تھی، اس وقت انہیں چھ سال ہوئے تھے۔ اب جتنا بھی وقت گزر گیا ہو۔ تم یہ سزا پسند نہیں کرو گے اس لیے کیوں نہ تم باہر آ جاؤ تاکہ نہم بات چیت کریں۔“

پانچ یادوں منٹ تک وہ ٹھکلیں بناتی رہی پھر... ایک اور روں پر مھن لگ کر اسے غصے میں دیوار پر دے مارا جہاں سے ڈسپوزل یونٹ نے اسے اٹھا لیا۔ وہ بولی۔ ”لعنت ہو تم پر، سامنے آؤ یا پھر کم از کم مجھے مطالعہ کے لیے کوئی کتاب ہی دے دو۔“

ڈینڈش وہاں سے ہٹ گیا اور چند منٹ تک جہاز کی سرگوشی سنارا۔ پھر اس نے بھائی والے بستر کا میکینیزم آن کر دیا۔ وہ مسلسل ناکام رہا تھا اور اب سیکھ گیا تھا کہ مزید نقصان سے بچا جائے۔ جیسے ہی بستر کی سائنسیں کھلیں، لڑکی اچھل کر اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ بستر کے نرم بازو اس تک پہنچ اور اسے اٹھا کر بستر پر لے گئے اور اس کی کمر کے گرد بیٹھ لاک ہو گئی۔

”تم اُنتی، بے وقوف۔“ وہ چلتا۔ مگر ڈینڈش نے کوئی جواب نہ دیا۔

بے ہوشی کی دو اولیٰ کون اس کے چہرے کی طرف اوپر سے آئی۔ وہ بچاؤ کی کوشش کرتے ہوئے چیخ آئی۔ ”ایک



قسط: 10

آوارہ گرد

مند کلیسا، سینی گاگ، دھرم شالی اور اناتھ آثرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بیت نیک نیتی سے بنائی جاتی ہیں لیکن جب بانیوں کے بعد نکیل بگئے ذہن والوں کے باٹھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوب پال نے کلیسا کے نام نہاد را بیوں کو جیسے گھنائوئی الزامات میں نکالا ہے، ان ڈاکٹر عبد الرحمٰن بھٹی کا زکر بھی شرمناک ہے مگر یہ ہورتا ہے... استھصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسی بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحتی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکھ ریا مگر کچھ دن، پھر وہ بونے لگا جو نہیں ہرنا چاہیے تھا... ودبھی منی کا بُتلانہیں تھا جوان کاشکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھاٹات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کی بازو تو انہے ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الت کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چنا کر اس نے دکھادیا کہ طاقت کے گھمذ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو یہ آسرانظر آنے والوں کو نمروڈ کے دماغ کا مژہ بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگارنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تحیر... سنبھل اور ایکشن میں ابھرتا ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...



ان کے لئے سخنے ریشمی بال گیلے ہو کر ان کے گورے شہابی
..... چہرے کی کشش کو سوا کر رہے تھے۔ ان کا بھرا
بھرا گیلا وجود میرے تو اتنا کسرتی جسم سے میں کھارا تھا۔

میں نے ہولے سے ”بیگم صاحبہ“ کہہ کر انہیں خود
سے الگ کیا پھر ان کا ہاتھ پکڑنے سے گرد و پیش پر نظریں
ذالتا ہوانہ سے کراٹے میں آگیا۔ ایک نگاہ اطراف میں
اور اپرڈائی، ہر سو دیرانی اور دم بے خودستائے کے سوا اور کچھ
نہ تھا۔ ہم دونوں نہر کے ریتیلے کنارے پر بیٹھ کر اپنی سائیں
بحال کرنے لگے۔ مجھے اعتراف تھا کہ بیگم صاحبہ پر اپنی
نظریں جمانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ ان کی بیت کذائی
بھی ایسی ہو رہی تھی۔ ان کا دوپنانہ جانے کہاں بہہ کر غائب
ہو گیا تھا۔ ان کے گورے گورے شباب بکھیرتے بازو عیاں
تھے۔ گریبان گیلا ہو کے مزید کشادہ ہو گیا تھا۔ میں یکدم
انھوں کھڑا ہوا۔

”کہاں جا رہے ہو شہزادی؟“ بیگم صاحبہ نے پوچھا۔
میں نے ہولے سے جواب دیا۔ ”میں ذرا اور جا کر
ایک نظر ڈال کے آتا ہوں۔“ مقصد میرا ان سے کچھ دیر کے
لیے ورہونا تھا اور اپنے اندر کی سنتی پرقبا بوپانا بھی، مگر میری
بات سن کر بیگم صاحبہ نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ لیا تو میرے اندر
ایک بار پھر احل پھل ہونے لگی۔ بیگم صاحبہ میرا ہاتھ پکڑ
کے ہوئیں۔

”خطرہ ہم سے دور جا چکا ہے شہزادی۔ آداب بیٹھ جاؤ
اور ذرا ستابو۔“ میں ان کے قریب سکی سکی ریت پر بیٹھ
گیا۔ اب نیند اور سکن سے میرا بُرا حال ہونے لگا تھا۔ آس
یاس کا ماحول گنگ تھا۔ چوار اطراف ناما پھیلا ہوا تھا۔
مجھے شریا کا انتظار تھا، نہ جانے وہ اب تک کیوں نہیں پہنچی تھی؟
مجھے اس نے رابطہ کرنے سے اگر منع نہ کیا ہوتا تو میں اس سے
پوچھتا کہ وہ... کہاں رہ گئی تھی؟

”کیا سوچ رہے ہو شہزادی؟“ معائنے میں بیگم
صاحبہ کی آواز ابھری۔

”کچھ خاص نہیں بیگم صاحبہ! بس ذرا شریا کے متعلق
سوچ رہا تھا، وہ ابھی تک پہنچی نہیں۔“ میں نے کہا۔

وہ میری بات سے صرف نظر کرتے ہوئے تو صرفی بجھ
میں بولی۔ ”شہزادی! آج تمہاری بروقت دانش مندی نے
بچالیا اور نہ ایک بار پھر ہم متاز خان جسے رذیل انسان کی قید
میں ہوتے۔“ میری سوئی شریا کی متوج آمد پر انکی ہوئی تھی۔

”اگر شریانے یہاں پہنچنے کا نہیں کہا ہوتا تو ہم خود ہی
یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتے۔“

وقت کم تھا۔ میرے ٹھنکے ہوئے وجود کا روای
روای تن گیا تھا۔ دل جیسے یکخت سا بھیں سا بھیں کرتی
کنپیوں پر دھڑکنا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے کسی شکاری
درندے کی طرح خونیں نظروں سے اوپر کوارٹر کے سرے
پر دیکھا وہاں شام کے جھکے جھکے سائے تلے کچھ ہولے
متحرک دکھائی دی۔ شیر اور شکاری کا کھلیل شروع ہو گیا تھا۔
..... خطرہ لٹکتی ہوئی تکوار کی طرح مسلط تھا۔ سامنے بہتی نہر
تھی۔ پائے رفتہ نہ جائے ماندن والی صورت حال تھی۔
فرار کی کوئی راہ بجا مانی نہیں دیتی تھی۔ بہت قلیل میل تھے اسی
میں سوچنا اور عمل کرنا تھا۔ صرف ایک میل کے لیے تشویش
سے میرا ذہن ماؤنٹ ہوا تھا مگر پھر فوراً ہی گویا میل کے میل
میرے ذہن رسائیں ایک خیال دارد ہوا۔ بتر کے پودوں
کے جھنڈے سے چند کاوے کھلے نرکل جماں کر رہے تھے۔ میں نے
لپک کر انہیں اکھیڑا، اس کے دو حصے کے پھر بیگم صاحبہ کا ہاتھ
پکڑا اور نہر کے کنارے کی طرف بڑھا اور پھر بغیر چھما کا
کیے بیگم صاحبہ کو۔ لے کر پانی میں اتر گیا۔ نرکل کا ایک نرکل
انہیں تھما دیا اور جو سمجھاتا تھا۔۔۔ مختصر الفاظ میں سمجھا دیا۔
یوں بھی وہ پہلے ہی بہت کچھ سمجھ چکی تھیں۔

ٹھیک اسکی وقت میری ٹھیک ہوئی نظروں نے کئی سلح
اور چست بدن افرا دکھنے اور قریب آتے دیکھا پھر اس
سے پہلے کہ ہم خطرہ تک کھو کھلے نکڑے منہ میں ڈال کر پانی
کے اندر ڈال کا چکے تھے۔

ہم زیادہ گھرائی میں نہیں اتر سکتے تھے فقط اس قدر کہ
ہمارے منہ میں دے۔ بے نرکل کا دوسرا سراپانی کی سطح سے باہر
رہے اور ہماری سانسوں کا تسلسل قائم رہے۔ پانی کے
اندر دم بے خود... سماحول تھا۔ پانی کے پھنٹے بلبلوں کی
آوازیں اور بس... بیگم صاحبہ نے میرا ہاتھ اپنے نرم و
تازک ہاتھ میں مغربی طی کے ساتھ تھام رکھا تھا۔ ہم دونوں
پشت کے بل تہ آب ساتھ ساتھ لیٹئے ہوئے تھے۔

”میں اس طرح پانی میں لیٹئے لیٹئے کئی منت گزر
گئے۔ زیادہ دیر اس طرح پانی کے اندر مجبوس رہتا ویسے بھی
مناسب نہ تھا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر ذرا سرا بھارا۔
پانی کی سطح ہلکو رے لے رہی تھی، شام کی آنکھ کا جل گھرا
ہو رہا تھا۔ گویا وہ رات میں بد لئے گئی تھی۔ ہر سو اندھیرا تھا۔
میں نے بیگم صاحبہ کو سنبھالا و دینا چاہا، وہ پھولی ہوئی
سانسوں کے ساتھ مجھے سے آن لگیں۔ اگرچہ شام گھری بھی مگر
قریب بہت قریب کا منظر خواب تاک انداز میں واضح تھا۔

اوارہ گرد

چھاپ تک سب جھنی رے مو سے نیتاں ملائکے
پر یم بھٹی کامد ہوا پلا لئے، متواںی کر دینی رے مو سے
گوری گوری بیاں ہری ہری چوریاں، بیاں پکڑ لئی
رے مو سے
مل مل جاؤں میں تو رے رنگ رجوا اہنی کر لئی
رے مو سے
کھروں بھام کے مل مل جئے، موھے سماں کئی
رے مو سے نیتاں ملائکے
چھاپ تک سب جھنی رے مو سے نیتاں ملائکے
نیتاں ملائکے... نیتاں ملائکے

تمل چڑھے موڈھے پر بڑے رعب داب کے
ساتھ برا جمان نے پند کا با اثر جا گیردار چودھری الف خان
خود پر جی جان کی محیت طاری کیے گوہ سراپا ساعت بنا بیٹھا
تھا۔ اس کی دم بخود ساعتوں میں رس گھونٹے والی خوش گلو¹
مغفیہ تارہ بیکم اپنے صن بلا خیز کے ساتھ بجسم قیامت بنی
سامنے ایک گول سے قدرے اوپنے چبوتر انما اسچ پر بیٹھی تھی۔
... پہنچیں، چالیس سالہ اس جوان مرد کے ول و جگر کوئی
نہیں گویا حواسوں کو بھی بھاری تھی۔ سازندوں میں طلبی
بین میاں اپنے شاگردوں کے ساتھ میلی موچھیں نکالے چند
تھاپوں کے بعد اپنے طبلے کا مشا کرنے لگتا کہ کہیں سُر اور نگیت
کے امترانج... میں کوئی تقاضت نہ آجائے۔ بس اس محفل
طرب و شیخ میں فقط ایک ہی قدر داں تھا یعنی چودھری الف
خان۔ اختری بائی کے بالا خانے میں صرف ایک تماشائی؟
جانے والوں کے لئے یہ باعث تیرت ہو سکتا تھا مگر اس کی
ایک وجہ بھی بھی کہ سے دار جا گیردار چودھری کوئی معمولی
آدمی نہ تھا۔ اس نے گویا اختری بائی کو کوئی سیست خرید لیا
تھا کہ وہ اس فتنہ ساز مغفیہ تارہ بیکم کا گانا تماش بینوں کی
طرح نہیں بلکہ اس کے ایک پے قدر داں کی حیثیت سے
صرف اکیلا بیٹھ کر سے گا۔ موقع پرست اور لاپی اختری بائی
اس قدر داں کی بھاری قیمت..... وصول کرتی کی کہ
اتی اجرت خالص اسے دیگر تماش بینوں کے جمع سے بھی
حاصل نہیں ہوتی ہوگی۔

حسین و دکش اور خوشی الحان مغفیہ تارہ بیکم کو بھی اس
قدر داں کی یہ ادا بہت پسند ہگی... وہ ہمیشہ ایک ولفریب
مکراہٹ سے اس کا استقبال کرتی تھی مگر ایک حقیقت یہ بھی
تھی کہ اس کی ظاہری مکراہٹ میں ایک دکھ بھری حسرت کی
لکیر بھی ہوتی جو الف خان کو ابتدا میں تو نہیں البتہ وقت کے
ساتھ ساتھ تھی محسوس ہوتی رہی تھی۔ وہ اس کا سبب ابھی تک

صورت حال آئا گیمیرتا کو بیکم صاحب نے بھی محسوس
کر لیا تھا، وہ بولیں۔ ”ہاں، ٹریا کواب تک پہنچ جانا چاہیے
تھا۔ تم خود اس سے رابطہ کیوں نہیں کر لیتے؟“

”میں نے سوچا تھا یہ مگر...“ میں کہتے کہتے رکا پھر
کچھ سوچ کر بولا۔ ”میرا خیال ہے اب مجھے بھی کرنا
چاہیے... ایک منٹ ذرا...“ کہتے ہوئے میں نے اپنے
دائیگیں کان کو انگلی پر چھووا۔ ٹریا نے ٹرانسپر پر ایک ہی
فریکوئنسی سیٹ کی ہوئی تھی۔ اس پر میں نے اس سے رابطہ
کرنا پا گما۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ مجھے لفڑ آیز تشویش نے
آن لیا۔ نہ جانے کیاں وہ میری کاں ریسیو نہیں کر رہی تھی یا
پھر...“

”کیا ہوا؟“ بیکم صاحب نے مجھے سوچتا پا کر پوچھ لیا۔
میں نے جوا بایک سہری سانس لے کر کہا۔ ”وہ کاں
ائینڈ نہیں کر رہی ہے۔“

”ہو سکتا ہے وہ جنپنے والی ہو۔“ وہ بولیں۔
میں نے بہم سے لجھ میں کہا۔ ”شاپیت“ پھر ہم
خاموش ہو رہے۔ مجھے بے چھنی سی ہونے لگی تھی۔ اور پر
کراڑے میں جا کر گرد پیش کا جائزہ لیتا چاہتا تھا۔ ماحول
میں عجیب سی شخص کا دینے والی خاموشی طاری تھی۔ سامنے نہر کا
پانی سبک روی سے بہرہ تھا۔

”بیکم صاحب! آپ یہاں بیٹھیں، مجھے اوپر جا کر ذرا
جاائزہ لیتا چاہیے۔“ بالآخر میں نے کہا۔

”میں بھی بھلوں؟“ وہ بولیں۔
”نہیں آپ بیٹھیں ادھر ہی، میں ابھی آتا ہوں۔“
میری بات پر وہ رسان سے بولیں۔

”جلدی آ جانا چیز۔“ میں نے ہولے سے سر کو اشبات
میں ہلا دیا اور آٹے بڑھ گیا۔ کراڑے پر آ کر میں نے
گرد پیش کا جائزہ لیا۔ ہر سو ملکی سی تاریکی کا راج تھا۔ میں
مطمئن ہو کر واپس نہر کے قریب پنج کنارے پر آ گیا اور بیکم
صاحب سے ذرا فاصلہ رکھ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ بیکم صاحب
دھیرے دھیرے، میرے قریب سر ک آئیں اور بولیں۔

”شہری! میں کہیں آج اپنے بارے میں بتانا چاہتی
ہوں... سنو گے بنا؟“ میں نے ان کی طرف دیکھا اور پھر
دھیرے سے مکرا کر اشبات میں سر ہلا دیا۔ انہوں نے اپنی
داستان سنانی شروع کر دی۔

”میرا اٹلی نام زہرہ بانو ہے اور میری ماں کا تارہ
بیکم۔ وہ ایک منگیہ میں...“

☆☆☆

پھنسنے گا۔ اور کچھ ”طریق“ انہوں نے بھی دی تھی۔ کمان کھنچی نگاہیں جھکا کر ستارہ بیگم نے دیکھ رہے سے کہا۔ ”آپ نے ایک کوٹھے والی کو بڑی عزت بخش دی سرکار۔ کیا ہم اس قابل ہیں؟“

ستارہ بیگم کے حضرت زدہ لجھے نے الف خان کو ترپا دیا اور وہ بے اختیار اس کے دونوں مرمریں ہاتھ تھام کر مضبوط لجھے میں بولا۔ ”آپ کس قابل ہوئے ہم سے نہیں ہمارے دل سے پوچھو۔ ستارہ بیگم اب آپ ہمارے دل کی ملکہ ہیں۔ ہمیں آپ کا جواب چاہیے اور بس! اس سے آگے ہم کچھ نہیں سوچنا چاہتے۔“ چودھری الف خان کی بات پر ستارہ بیگم نے اپنی کشادہ آنکھوں کے متلاطم زیر و بم میں اپنے اس دیوانے فرزانے کی طرف دیکھا پھر بولی۔

”سوچنا تو آپ کو پڑے گا ہی چودھری صاحب۔“

”ہم جو سوچ چھے ہیں، اسے یقین کامل کا درجہ دیتے ہیں۔ ہمیں آپ سے عشق ہو گیا ہے۔ ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں اے منہ جیس کہ ہماری سوچ کا محور و مرکز صرف آپ ہیں۔“

”اور آپ کی بیوی اور بچہ؟“

”وہ ایک روایتی سماجی رابطہ ہے جسے ہم نجھار ہے ہیں اور نجھاتے رہیں ہے مگر آپ سے ایک قلبی تعلق بن گیا ہے۔ ہمیں آپ سے عشق ہے... بے طرح عشق۔“

”بڑے لوگوں کے لیے یہ عشق مشغله بھی تو کھلاتے ہیں۔“ ستارہ بیگم نے کسی مقصد کے تحت ایک تین بات کہڈا لی۔

”آپ کی بات پر ہمیں صاد ہے اے رخ ماہ روشن۔“ الف خان نے برا مناء بخیر کہا۔ ”لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہمیں آپ سے پیار ہو گیا ہے، سچا پیار۔ یہ ثبوت کافی نہیں کہ ہم نے آپ کو ابھی تک مشغله نہیں بنایا، آپ کا سُرستے ہیں تو تہبا، آپ کا دیدار کرتے ہیں تو اکپے۔ ہم آپ کو مشغله بنانا کر آپ نے حسن و جمال کو گہن لگانا ہیں چاہتے تھے۔“ ستارہ بیگم نے ایک بار خاص نگاہوں سے الف خان کے چہرے کی طرف دیکھا پھر ہولے سے بولی۔

”میرے ساتھ تشریف لا گیں۔“ کہہ کر وہ پلٹ گئی

اور الف خان اس کے ساتھ ہو لیا۔ اسے حیرت تھی کہ ستارہ بیگم اسے کہاں لے جا رہی تھی پھر ایک ململ کے سفید پردے کو ہٹا کر ستارہ بیگم ایک دوسرے ہال کرے میں آگئی۔ سامنے کمرے کا دروازہ تھا۔ ستارہ بیگم نے ہولے سے الف خان کو تھہر نے کہا اور خود دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ ذرا دیر بعد ایک خادمہ سر جھکائے برآمد ہوئی اور خاموشی سے ایک طرف کوچلی گئی۔ الف خان کا خیال تھا

ستارہ بیگم سے نہیں پوچھ پایا تھا۔ وہ ہر بار ستارہ بیگم سے اپنے دل کی بہت سی باتوں کا اظہار کرنے کا ارادہ باندھ کر آتا اور ہر بار ہی اس کے سامنے آ کر اسے نامعلوم سی چپ لگ جاتی... اور وہ اس خوش گلوپر اکی بانہوں میں گھوکرہ جاتا...“

بیرونیہ دلائلہ لا ہور کا وہ دور تھا جب بالاخانے کو فن اور فنکار کی ادب نواز نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بعض شرفاء طبقہ خاص میں انہی مخلفیں گھروں میں بھی منعقد کی جاتی تھیں اور تہذیب کا حصہ بھی جاتی تھیں۔ غزل کی گائیکی، شاعری کی تکمیل بندی، مصرع اور ادا یعنی اظہار و خوش الحانی سے ایک لطف اٹھ یا جاتا۔ ہنرمند طوائفیں اور مغنیاں بھی جسیں جن کا اعلیٰ شعری ذوق، بلا کا حافظہ اور اشعار کا ایسا بر جستہ اور برشی استعمال کرے۔

اک غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیک
شعلہ سا پک جائے ہے آواز تو دیکھو
گر پھر گزرتے وقت کے ساتھ رنگ ڈھنگ اور
اندازِ سخن بدلا تو اس کا ذہب بھی بدلتا ہا باہ ہو گیا۔ اسے
گہن لگ لیا اور یہ سب محض نفس دہوس کا شاہ سکار بن کر دے گی۔
چودھری الف خان بے شک فطرتاً ایک عیاشِ حیرت
اور آوارہ مزاج انسان تھا مگر جب سے اس نے ستارہ بیگم کی
وجہ سے اختری بائی کے بالاخانے میں آنا جانا شروع کیا تھا
اس کی عیاشِ طبیعت.... رومانویت میں بدلنے کیلئے تھی۔
حالانکہ وہ شادی شدہ اور نو عمر بیٹھے کا باپ بھی تھا۔ اس کی بیوی
مہر النساء بھی حسن میں کم نہ تھی مگر دل کا کیا کیا جائے کہ مانتا ہی
نہیں۔ ستارہ بیگم اس کے اعصاب پر سوار ہو گئی تھی اور دس و
جان سے اسے چاہنے لگا تھا۔ نظروں ہی نظروں میں ستارہ
بیگم کو اپنے حال کا خاموش عنده یہ دینے لگتا تھا۔ ایک
عورت کو بھی اللہ نے نگاہِ مرد کو پہچاننے کی غیر معمولی صلاحیت
بخیثی ہے۔ ستارہ بیگم بھی الف خان کی دلی کیفیات کو پہچاننے
کیلئے تھی اور بالآخر اس نے بھی ایک روز اسی طرح کی محفوظ
یگانہ میں چودھری کے سامنے اپنا حالِ دل بان کر دیا۔

اشنار نے گویا جلتی پر تسل کا کام کیا۔ مصلحت
اندیشی کے باندھے ہوئے بند توڑا لے۔ جوان در تھادہ باہر
آگیا اور جو باہر تھادہ رقصِ بُکل بن گیا پھر الف خان نے بھی
ستارہ بیگم کے سامنے اپنا حالِ دل بیان کر دیا۔

”ارب ہم سے صبر نہیں ہوتا، ہم آپ سے شادی کے
خواہشِ مدد نہیں۔ شادی کرو گی ہم سے؟“
ستارہ بیگم کو اندازہ تو تھا کہ کسی نہ کسی روز یہ جو والا کمی
جاسوسِ ذائقہ تھا

دوا

اپنال میں ایک مریض سے مراج پری کے لئے آنے والے دوست نے پوچھا۔ ”یہاں دل کی تیز دھونکن کو کم کرنے کے لیے بھی تمہیں کچھ مل رہا ہے؟“
مریض نے جواب دیا۔ ”ہاں، بوزھی بد صورت نہیں۔“

خطروہ

اپنال میں ایک مریض کو ایک خوب صورت نہیں نے سہارا دے کر انھا یا تو مریض بولا۔ ”جی چاہتا ہے تمہارے بازوؤں میں رہ کر دم توڑ دوں۔“
نہیں بولی۔ ”تمہاری یہ خواہش پوری بھی ہو سکتی ہے۔ اچھے بیڈ کے پاس کھڑے ہوئے ڈاکٹر نے تمہاری بات سن لی ہے اور وہ میرے منگیتے ہیں۔“

لیے اختری بائی کو اس کی بات کا لیکھنی ہی نہ آیا۔
”یہ... یہ تو کیا کہہ رہی ہے جی؟“ اختری بائی نے پھیلی ہوئی آنکھوں سے ستارہ بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ جیسے اس کی بات سن کر وہیں کے رہ گئی تھی۔

”میں صحیح کہہ رہی ہوں ماں جی۔“ ستارہ نے ہولے سے کہا۔ ”چودھری الف خان مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔“

”تو نے کیا جواب یا اسے؟“ بالآخر اختری بائی کو لیکھن کرتا پڑا اور وہ حیکھلے پتتوں سے ستارہ بیگم کی طرف گھورنے کے انداز میں تکتے ہوئے بولی۔

ستارہ بیگم نے بھی ماں کے لمحے کی رمزیہ تندی کو بھانپ کر ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ ”کیا انہوں نے ایسا کوئی غلط کہا مجھ سے؟“

”غلط... سرا سر غلط اور تامکن ہے۔“ بھی، تم اسے صحیح سمجھ رہی ہو؟“ اختری بائی کی تیوری پر ٹل پڑے رہے۔

”کیوں ماں جی؟ آپ نہیں جاہتی ہو کہ آپ کی بھی ایک شریفانہ زندگی گزارے؟ وہ شمعِ محفل کے بجائے چراغ خانہ بن کر ایک صاف سحری زندگی گزارے؟“ ستارہ بیگم کے لمحے میں ہلکی سی تکنی گھل آئی۔ اختری بائی ہک دک تھی۔

کہ یہ خادمہ اسے اندر آنے کا کہے گی مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ اب الف خان کی حیرت ابھن کا شکار ہونے لگی۔ کمرے کا دروازہ آؤ دھرا ہوا تھا۔ اچانک اندر سے ستارہ بیگم کی آواز آئی۔

”اندر تشریف لے آئیے سرکار۔“ الف خان چونکا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ تاہم وہ آگے بڑھا اور کمرے میں داخل ہوا تو بری طرح ٹھنڈ کر رہ گیا۔
کمرہ کشاوہ اور آرام دہ تھا۔ ہر شے سلیقے سے رکھی تھی۔ مسہری کے قریب ستارہ بیگم کھڑی تھی، اس کی گود میں چار پانچ سالہ بچہ تھی۔ الف خان ابھن آمیز حیرت سے بھی ستارہ بیگم کو اور بھی اس مخصوص بھی کو سکھنے لگتا۔

”میں ایک ماں بھی ہوں... چودھری صاحب! یہ میری بنتی ہے زہرہ بانو۔ اس کا باپ اب دنیا میں نہیں رہا۔ اس کی ذتے داری میرے کاندھوں پر ہے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟“ ستارہ بیگم نے گود میں ہمکنی بچی کو ہولے سے جھلاتے ہوئے گم صنم سے کھڑے چودھری الف خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو جیسے الف خان کے چہرے پر ایک ٹھہراؤ سا آگیا۔ جیسے وہ تھی جتنی پر بچھی چیز ہے، پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے وہ ستارہ بیگم کے قریب آیا اور دونوں کو تھام کر بولا۔

”ہم نے جو کہنا تھا کہہ دیا، ہمیں یہ دونوں ذتے داریاں قبول ہیں۔“

”اڑ بچی کو آپ نے ایک باپ جیسا پیدا دینا ہو گا اور اس کی ماں کے ہوالے سے اسے کسی حق سے بھی محروم مت سمجھیے گا، وندہ کریں۔“ ستارہ بیگم نے کہا۔

”ہم وعدہ کرتے ہیں۔“ الف خان نے مستحکم لمحے میں کہا اور ستارہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

☆☆☆

اس دور کے کوئھوں اور بالا خانوں میں غنڈے پر معاشر پالنے کا رواج نہیں تھا لیکن انسان کی نظرت ویسی تھی۔ اختری بائی کی لاپچی طبیعت اور مکاری اپنی جگہ پر تھی لیکن اس کے سامنے گمان میں بھی نہ تھا کہ نئے پنڈ کا ایک بااثر اور مہذب جا گیردار ایک دم اتنا پڑا عندیہ دے ڈالے گا۔ وہ تو اب تک اس کے شوق کو ایک پرتعیش تفریح ہی بھی آئی تھی یا پھر وقت گزارنے اور دل بہلانے کا ذریعہ... نہیں جانتی کہی کہ یہ دل اری اور شوق ایک عشقِ مجازی میں فتح ہونے والا تھا۔ یہی سب تھا کہ جب اسی رات ستارہ بیگم نے اختری بائی کو الف خان کے پرلوپول سے آگاہ کیا تو چند مثانیوں کے

حالات بد لئے کے لیے وہ دن رات محنت کرتا تھا مگر میری اور اپنی بیوی کی جدائی نے اسے پھر مایوس کر دلا اور وہ نشے کا عادی بن گیا۔ بالآخر تم سے اتنا بدل ہوا کہ یہ شہری چھوڑ کے چلا گیا اور ایک دن خون تحوک کر مر گیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر نہیں گیا تھا مگر تمہاری ریشه دوائیوں سے تگ آ کر اس نے ایسا قدم انٹھایا تھا۔

”اچھا بیٹی... اب وہ مر گیا ہاں، قصہ ختم۔ تو اب ایک پیاری سی بیٹی کی ماں ہے۔“ اختری بائی نے فوراً پیتر ا بدلا۔ ”دیکھو اپنی زہرہ بانو کو... تو نے بھی غور کیا ہے... بالکل تجھ پر کافی ہے... پھر ایک دن بڑی ہو کر یہ تیرا بھی اسی طرح سہارا بنے گی جس طرح تو میرا بیٹی ہے۔“

”ہرگز نہیں ماں جی۔“ تارہ اپنی ماں کی بات پر تملنا اٹھی۔ ”میں بھی بھی اپنی بیٹی داس بازار کی زینت نہیں بننے دوں گی، ہرگز نہیں۔“

”تو پھر زہرہ بانو کو اور کیا بنا دیں گی؟ یہاں رہنے والیاں یہی کچھ بنتی ہیں جو تم بیٹیں۔“ شرافت کے دعوے دار یہاں صرف دل بہلانے آتے ہیں اور پیشہ پیچھے تحوک کر جاتے ہیں۔ رشتے مانگنے نہیں تے یہاں۔“ اختری بائی نے اپنے تیس سالہ کو اوقات یاد دلائی چاہی تو تارہ نے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”ماں جی ایک بات حق تھی بنا دیں، کیا میں واقعی تمہاری بیٹی ہوں؟“ اس سوال پر اختری بائی گڑ بڑا گئی مگر پھر جلدی سے بولی۔

”تیری ماں ہوں تجھی اتنے ناز و نعم سے پالا ہے تجھے۔“

”پھر تو نے میرے بارے میں کبھی ایسا کیوں نہیں سوچا جیسا میں اپنی زہرہ بانو کے بارے میں سوچتی ہوں؟“ تارہ بیگم نے پوچھا تو جواب نہ بن پا کر مکار اختری بائی نے منہ بنا کر روشن اشروع کر دیا۔

”لو... اب یہ وقت بھی ویکھنا تھا کہ ایک بیٹی اپنی ماں پر شک کرے گی... آہ...“

تارہ بیگم خاموش ہو گئی۔ جو حقیقت اختری بائی اس کے بارے میں جانتی تھی وہ تارہ بیگم نہیں جانتی تھی۔ اختری بائی نے آج تک تارہ بیگم کو یہی بتایا تھا کہ وہ اس کی ماں ہے اور ان کا جدی پشتی پیشہ یہی تھا مگر یہ صرف اختری بائی کو معلوم تھا یا پھر اختری بائی کے دست راست مکمل مونپھوں والے ہیں میاں کو کہ تارہ بیگم انہیں ایک ریلوے اسٹیشن کے اجڑ پلیٹ فارم میں اس وقت روئی بلکہ ملی تھی جب اس

تارہ بیگم اس کے لیے سونے کی چڑیا تھی اور اسی مرغی بھی جو سونے کا انداز دیتی تھی۔ وہ اب اس کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔ جانتی تھی آگ برابر لگی ہوئی ہے۔ ضرور اس عیاش جا گئی دار کی عشقیہ باتوں نے اس کی بیٹی کا دماغ خراب کر دیا تھا اور عشق کا بھوت سرچڑھ کر بولنے لگا تھا لہذا زور زبردستی سے یہ نکل منڈھے نہیں چڑھ سکتی تھی، فوراً کچلی بدل کر لجھ کر گرمی کو ملامت آمیزی کا ملٹع چڑھا کے نزم آواز میں بوی۔

”تو نادان ہے بیٹی، سامنے کی حقیقت کو جھٹلا ریکھے۔ کیا تو بھول گئی کہ آج سے چند سال پہلے تو ایک ایسے تجربے سے گزر چکی ہے۔ دیکھے بیٹی، میں تیری ماں ہوں۔ میں ہمیشہ تیرا بھلاعی سوچوں کی گرانہیں۔ اتنا سمجھانے کے باوجود تو نے پہلے بھی اپنی ضد کی اور من مانی کی، میں برداشت کر گئی۔ کیا دیا جسے رفاقت ہے؟ ایک شریفانہ زندگی گزارے، کا وعدہ اور پھر دانہ چک کر یہ جاوہ جا؟“

ماں کی بات پر تارہ بیگم نے بھی چڑھی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”رفاقت بھی مجھ سے کچی محبت کرتا تھا۔ بے شک غریب کی لیکن وہ مجھے بیاہ کر ایک گھر میں لے کر گیا تھا۔ اس نے میرا ساتھ پورا نجھا یا تھا مگر آپ مجھے زبردستی وہاں سے لے آئیں اور دوبارہ سے چدائی خانہ سے شمع محفل بنا دیا۔“

”تو کیا میں تجھے اس دن بے نمائیں تھے وہاں کی رفاقت نے تجھے محبت کے نام پر دیا ہی کیا تھا؟ عسرت بھری زندگی جہاں تو غھٹ گھٹ کر مر جاتی ایک دن۔“

”ماں جی اس نے مجھے بیوی کا خطاب دیا تھا۔“

”ہونہہ... بیوی...!“ اختری بائی استہزا یہ انداز میں ہاتھ نچا کر بولی۔

”وہ محنت مزدوری کرتا تھا، حق طال کی کھاتا تھا۔ وہ عیاش نہیں تھا۔“

”عیاش نہیں تھا تو یہاں کوئی پکیا کرنے آتا تھا؟“

”وہ حالات کا مارا ہوا تھا، غم غلط کرنے آتا تھا۔“

”ہاں تو پھر تجھے بیوی بنایا کر اس نے کون سا تیر مار لیا تھا۔ حالات تو پھر بھی اس کے نہیں بدلتے تھے بلکہ تجھے شادی کے بعد تو وہ روٹی کو بھی محتاج ہونے لگا تھا۔ ذرا دن گزر تے تو تجھے سے حسم کے دھندے پر بھی لگا دیتا۔“

”ماں جی! ایسا مامت بولو۔ وہ ایسا بھی نہیں کرتا۔ وہ ایک شریف انسان تھا۔“ تارہ بیگم تڑپ اٹھی۔ ”اپنے جاسوسی ڈانجست 94 م فروری 2015۔

اوادھ گرد

ہوئی مگر چپ رہنے کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ اسے خاموش پا کر بن میاں ہو لے۔ ”بس! ابھی عیاش جا گیردار سے جتنے لئے کھرے کر سکتی ہو کر لو بعد کی بعد میں دل بھی جائے گی۔“
بین میاں کی بات اختری بیگم کے دل کو گلی۔ وہ دانت پیس کر خود کلامیہ انداز میں بڑھاتے ہوئے ہوئی۔ ”ہاں بین میاں لئے تو خوب کھرے کروں گی میں اس جاؤ روا رے۔ اتنی آسانی سے تو میں بھی اپنی چڑیا اس کے حوالے نہیں کروں گی۔“

اس روز جب الف خان کا س معاملے میں اختری بائی کے ساتھ سامنا ہوا تو اختری بائی نے ناک بھوں چڑھا لی۔ کہاں تو وہ اس کی آمد پر اس کے آگے بھی جاتی تھی مگر اب معاملہ دوسرا تھا تو اس نے بھی بازاری قسم کی کم ظرفی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا اور خلافِ معمول بڑے اکھر لجھ میں ہوئی۔

”چودھری صاحب! ہمیں آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ آپ نے تو مہمان بن کر میز بن کے گھر میں ہی سیندھ گادی۔“

چودھری الف خان بھاری آواز میں گہر سری سنجیدگی سے ہو لے۔ ”اختری بائی! بات کرتے وقت دل بھی لیا کرو کہ تمہارے سامنے کون کھڑا ہے۔ ہم سیندھ لگانا جانتے ہیں نہیں۔ صاف اور سیدھی بات کرتے ہیں۔ بولو کیا دام لوگی؟“

اختری بائی نے بھی بات بڑھانا مناسب نہ سمجھا، ہوئی۔ ”کون نہیں جانتا کہ اختری بائی کے کوئی تھے کی اصل رونق کس کے دم سے ہے۔ ستارہ بیگم سے محروم ہمارا بہت بڑا نقصان ہے۔“

”دام کی بات کرو اختری بائی۔“ چودھری الف خان سمجھیر لجھ میں ہو لے۔ ”تمہارا خصان ہم پورا کیے دیتے ہیں۔ پہلے بھی ہم نے تمہیں ما یوس نہیں کیا۔“

اختری لجھ اور طنزیہ مکراہٹ سے ہوئی۔ ”چودھری جی، وہ بات اور بھی، اب تو آپ سارا خزانہ ہی ہمارا لے چلے۔ اب بھلا خزانے کی ہم کیا قیمت لگائے ہیں؟“

الف خان اس مکار بڈھی کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے ہو لے۔ ”ہم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہئے نہ ہی ہم کسی کے ساتھ زبردستی کر رہے ہیں۔ پہلے ہم نے سوچا تھا کہ آپ کو ایک بڑی رقم کے علاوہ ہر ماہ ایک معقول رقم باقاعدگی سے دیتے رہیں گے لیکن اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ستارہ بیگم جب ہمارے عقد میں آجائے گی تو ایسا کہنا

کی عمر پ مشکل دس، گیارہ سال کی تھی۔ اختری بائی نے ہی اس کا نام ستارہ رکھا تھا۔

ستارہ بیگم کو اب اپنی فکر نہ تھی۔ فکر تھی تو صرف اپنی بھی زہرہ بانو کی۔ وہ اسے اس ماحول سے نکالنا چاہتی تھی مگر اس کے لیے یہ اشد ضروری تھا کہ وہ خود یہاں سے نکلتی۔ اب اسے چودھری الف خان کی صورت میں یہ سب ہوتا نظر آرہا تھا بلکہ اس نے تو اس کی بیٹی کو بھی اس کا حق اس کا باپ بن کر دینے کی ہای بھر لی تھی۔ وہاں اس موقع کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

ادھر چالاک اختری بائی نے فوراً بیکھی مونچھوں والے بین میاں سے مشورہ طلب کر لیا۔ اس نے بھی ستارہ بیگم کو اپنی سمجھانے کی کوشش کر کے دیکھ لی مگر ستارہ بیگم اپنے ارادے پر قائم رہی تو بالآخر بین میاں نے بھی ہار مان لی۔ اس پر اختری بائی نے اسے لتا ڈالا۔

”پچھے کرو بین میاں! یہ سونے کی چیز یا ہاتھ سے نکل گئی تو یہ کوٹھا ویران ہو جائے گا؟ ہم بھوکوں مرنے لکھیں گے۔ اس کوٹھی کی ساری روئیں ستارہ کے دم سے قائم ہیں۔“

بین میاں بھی دور کی کوڑی والادماغ اور سوچ رکھتے تھے، اسے سمجھاتے ہوئے ہو لے۔ ”دیکھو اختری، غلطی تمہاری ہی تھی، تم۔ نے اس جا گیردار کو رقم کے لائق ہیں خود ہی اس قدر اہمیت دے ڈالی کہ اسے ستارہ کے قریب تر ہونے کا موقع مل گیا۔“

”اب نہیں کیا پا ہا تھا کہ وہ کم بخت اس سے بیاہ کرنے کا فیصلہ کر لے گا۔ اب دل کے پچھوٹے مت پھوزو بین میاں، کوئی سبیل کوئی تدبیر کرو۔“

”یہی ہو سکتا ہے کہ ابھی جو ستارہ کر رہی ہے اسے کرنے دو۔ فی الحال دوسروں سے کام چلاو بعد میں اس مسئلے کو سنبھالنے کی کوشش کریں گے۔“

”اے وو... تم نے بھی خوب کہی بین میاں۔ طبلے بجا بجا کے تمہارا دماغ بھی طبلہ ہو گیا ہے۔ شادی کے بعد تو یہ سونے کا اندھا دینے والی مرغی اڑن چھو ہو جائے گی پھر ہم کیا کر لیں گے؟“

”تو اب ہم کون سا تیر مار رہے ہیں؟ اور اگر ماریں گے بھی تو خود کو، آن لگے گا۔“ بین میاں گاگ لجھ میں پوچھ لے۔ اختری بائی اپنی پیشانی ملنے لگی تو بین میاں ازراہِ نشفی ہو لے۔ ”پریشان کیوں ہوتی ہو اختری بائی، دریا کو تھوڑا بہہ لینے دش و خاشاک نظر آنا شروع ہو جائیں گے، بھروسار گھوسب، بھیک ہو جائے گا۔“

بین میاں کی بات پر اختری بائی کو پچھے زیادہ تسلی نہ

مناسب نہ ہوگا۔ ہاں ہم آپ کو پانچ لاکھ کی رقم کا چیک
کاٹے دیتے ہیں۔“

ادھر تارہ بیگم بھی زمانہ چشیدہ اور حالات کی سائی
ہوئی تھی، جانتی تھی کہ اس کی ایک سوتن بھی ہے۔ ایکسا اسی
سوتن جو ایک بیٹی، بیٹے کی ماں بھی تھی۔ ایسی ماں جو بھی بھتی
ہوگی کہ آنے والی سوتن نے صرف اس کے حق پر ہی نہیں بلکہ
اس کے دو توں بچوں کے حق پر بھی ڈاکا ڈالا تھا۔ پھر زہرہ
بانو تو الف خان کی اواد بھی نہیں تھی مگر آنے والی نے بڑی
چالاکی سے اس کے نام بھی بہت کچھ کروالیا تھا۔ اصل آگ
سینے میں اٹھنے والی مہرالنا کی بھی تھی جبکہ تارہ بیگم کو پہلے
سے ان سارے تین حقائق کا بے خوبی اندازہ تھا۔ بھی سب تھا
کہ وہ چودھری الف خان کی نہ صرف دوسری بیوی بتتا چاہتی
تھی بلکہ اپنی بیٹی زہرہ بانو کا مستقبل بھی محفوظ کرتا جا تھی
اور یہ سب شادی سے پہلے ہی ہونا ممکن تھا اور تارہ بیگم نے
اس لیے الف خان سے ایک مشروط شادی کی تھی اور اس
نے بھی تارہ بیگم جیسی بیٹی دہن کو جلد سے جلد حاصل کرنے
کے نئے میں اس کی ساری شرائط مان لی تھیں اور جائداد میں
بھی اس کا حق محفوظ کر دیا تھا۔

الف خان نے سرسری طور پر اپنی پہلی بیوی مہرالنا
سے کہہ دیا تھا کہ اسے دل برداشت کی ضرورت نہیں، اسے
بھی اس حوالی میں برابر کے درجے پر رکھا جائے گا اور
دونوں کے ساتھ پورا انصاف ہوگا۔

مہرالنا کو ایسے برابری کے درجے کا انصاف ہرگز
قابل قبول نہ تھا۔ وہ تو صرف ایک بادشاہ اور ایک ملکہ کی
قابل تھی... ایک بادشاہ کے ساتھ دو ملکاؤں کی نہیں مگر مہرہ ب
لب بھی اور اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی۔ اس نے اپنی سوکن
تارہ بیگم کا سرسری استقبال کیا۔ ... چھرے پر جبرا
مکراہٹ بھی جمالی بھی مگر تارہ بیگم کو اسی مکراہٹ کی تھی میں
چھپی زہر کی تلمیخت بھی صاف محسوس ہوئی تھی۔

تارہ بیگم بھی کوئی سیدھی سادی عورت نہ تھی۔ زمانے
کے چلن اور اس کے مگر جانتی تھی اور یہ بھی کہ وہ جس حوالی
میں بیاہ کر آئی ہے وہاں پہلے سے اس کے شوہر کی ایک بیوی
موجود ہے جو اس کا اور اس کی بیٹی کا وجود ہرگز کو اپنیں
کرے گی لہذا اسے یہاں صرف اپنے دیوانے شوہر الف
خان پر ہی انحصار کر کے نہیں رہتا ہو گا اپنے اور اپنی بیٹی زہرہ
بانو کے تحفظ کے لیے اسے بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھنا ہوں
گی۔ اگرچہ اسے اور اپنی بیٹی کا مستقبل تو وہ کسی حد تک محفوظ
کر دی چکی تھی مگر بھی اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔
تارہ بیگم نے پہلے ہی سوق رکھا تھا کہ وقت گزرنے کے

اس زمانے میں پانچ لاکھ معمولی رقم نہیں تھی۔ اختری
بائی بھجو گئی تھی کہ رقم ملے نہ ملے سونے کی چیزیاں تو اب دیے
بھی پھر ہونے والی تھی نیزاً اگر الف خان یہ رقم بھی نہ دیتا تو
وہ اس کا کیا بجاڑ لیتی۔

معاملہ طے پا گیا اور پھر تارہ بیگم شمع محفل سے چہارغ
خانہ بن کے چودھری الف خان کے عقد میں آگئی۔

نئے پند کا جا گیردار چودھری الف خان جب تارہ
بیگم کو بیہدہ کر اپنی جا گیر پہنچا تو حوالی میں جیسے سب کو سانپ
تو نکھلے۔ الف خان کی کھلی بیوی مہرالنا کو پہلے شوہر کی آمد
کی خبر ٹیکی تو اس نے فوراً ذریستگ نیمل سنجال لی، بھی سنوری
تو وہ ہر سے ہی رہتی تھی مگر پھر بھی وہ آئینے کے سامنے ہلکے
پھلکے میکد۔ اپنے چھرے میں لگی تھی کہ تھوڑی بہت جو کسر تھی وہ بھی
پوری ہو گئے۔ کرے میں نو سالہ بیٹا متاز خان اور بارہ
سالہ بیٹی اورالنا کھلینے میں مکن تھے۔

جب مہرالنا کو دوسری اطلاع یہ ملی کہ سرکار تو اپنے
ساتھ ایک خاتون کو بھی لائیں ہیں جو ان کی دوسری بیوی
ہونے کا شرف حاصل کر چکی ہے تو مہرالنا کا حسین چہرہ
ایکدم رخی ناگزیر کی طرح پھنکا ریں مارتا ہوا نظر آئے لگا۔
اس کے امدادیک چھنا کا ہوا۔ وہ اندر سے نوٹ کر بھرنے
لگی۔

عورت اور سب سے بڑھ کر ایک بیوی کے لیے اس کا
شوہر ایک مان ہوتا ہے۔ ایک ایسا تقاضہ آمیز غرور جس کے
زعم میں بیوی شوہر کی محبت کو ملکیت کا درجہ سک دے ڈالتی
ہے اور اسی ملکیت کو وہ بلا شرکت غیرے اپنے لیے، اپنے
بچوں کے لیے محفوظ بھتی ہے۔ اس میں شرکت داری اس
کے لیے ناقابل قبول ہوتی ہے مگر مہرالنا اپنے شوہرے
مزاج سے واقف تھی اور اس کی طاقت سے بھی جبکہ خود
مہرالنا کا اپنا کوئی بڑا خاندانی بیک گراونڈ نہ تھا۔ تاہم چھوٹی
سٹھن کے زمیندار گھرانے سے تو وہ بھی تعلق رکھتی تھی لیکن اس
کے اندر اس حصے داری کے خلاف صدائے احتجاج بلند
کرنے کی ہستہ تھی نہ جرأت، نیتیخواہ گھٹ کر رکھنے کی۔ شوہر کی
دوسری بیوی کا مطلب مہرالنا کی نگاہ میں یہی تھا کہ پہلی پر
دوسری کو تر زخم دینا۔ اپنے حق پر ڈاکا ڈالنے والی ایک سوتن کو
وہ کس طرز قبول کر سکتی تھی؟ اس کا یہی احساس کمتری۔
احساسِ محرومی میں بدلت کر اپنی سوکن کے خلاف ایک
گھناؤ نے محاذ پر اسے اکسانے لگا مگر بظاہر وہ یہ کڑوا گھونٹ

شک پرست

ولیم کی ممی شاپنگ سے: اپس آئیں تو ولیم کو شش کے باوجود انہیں یہ بتانے کی جرأت نہ کر سکا کہ ان کا چھٹا کتا پیدی کا رکے یونچ آر ہلاک ہو گیا ہے۔ کچھ دیر گھر کی صفائی سترائی کرنے کے بعد ممی نے اچانک پوچھا۔ ”پیدی کی کہاں ہے؟“

ولیم نے بڑی ہمت سے کام لیا اور آہستہ سے بولا۔ ”پیدی و آج ایک کارنے چل دیا ہے۔“

ممی نے رنج و غم کا اظہار کرنے کے بجائے کھانا لگایا۔ مالی بینے نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد ممی پڑوس میں چل گئیں۔ واپس آئیں تو انہیں پھر کتا یاد آیا۔ ”پیدی کی کہاں ہے؟“

”میں نے تو آپ کو پہلے ہی بتایا تھا کہ پیدی کو ایک کارنے چل دیا ہے۔“

ممی یہ سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو نے لگیں۔ پہچیوں میں قدرے کمی آئی تو ولیم نے کہا۔ ”تعجب ہے کہ دو پھر کو جب میں نے پیدی کی موت کے بارے میں بتایا تھا تو آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا؟“

”نہیں۔“ ممی نے پھکی لے کر کہا۔ ”میں سمجھی تھی کہ تم نے ذمہ دی کہا ہے۔“

ولیل

ایک دوست کی دوسرے دوست سے ہزار میں ملاقات ہوئی۔ اس نے اپنے دوست کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔ ”ارے سلیم! تم بیساکھی استعمال کر رہے ہو، کیا ہوا؟“

سلیم نے جواب دیا۔ ”ایک کار سے مکر ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے کچھ دن تک مجھے بیساکھی استعمال کرائی۔ اب اس کا کہنا ہے کہ میں بالکل نہیں ہو پکا ہوں۔“

پہلے دوست نے کہا۔ ”پھر تم ابھی تک بیساکھی کیوں استعمال کر رہے ہو؟“

سلیم نے کہا۔ ”ہاں ڈاکٹر تو کہتا ہے کہ میں ٹھیک نہیں ہو پکا ہوں مگر میرا دیبا کہتا ہے کہ مجھے ابھی کچھ دنوں اور بیساکھی استعمال کرنی چاہیے۔“

فاطمہ شاہین.....اسلام آباد

ساتھ ساتھ اسے مزید اور کیا کرتا ہے۔ کیونکہ ستارہ نیکم کا بہر حال کوئی آئے پچھے نہ تھا، وہ مکمل طور پر اپنے شوہر پر انحصار کیے ہوئے تھی جبکہ اس کے مقابلے میں مہرالنسا کو اس پر ہر لمحہ سے وقت حاصل تھی۔ اسے چودھری الف خان کی چہلی بیوی کی حیثیت سے جو مان تھا وہ اپنی جگہ تھا پھر وہ اس کے دو بچوں کی ماں تھی، ایک بیٹی اور ایک بیٹا۔ بیٹے کی ماں کی حیثیت سے بھی حوالی میں مہرالنسا کی پوزیشن مضبوط تھی کہ اس نے متاز خان کی مشکل میں چودھری الف خان کو ایک وارث دیا ہے، مگر مہرالنسا کے دو جوان اور شادی شدہ بھائی بھی تھے وہ ان کی اکلوتی بڑی بہن تھی۔ وراثت علی اور ریس خان جو خود اپنے بہنوئی چودھری الف خان کی وجہ سے علاقے بھر میں اینٹتے پھرتے تھے۔ ایک نمبر کے نالائق، نکھ اور بدقاش تھے۔ باپ ان کا چھوٹی سٹھ کا زمیندار تھا، اس کے مرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے عیاشیوں اور سیر پانوں میں جو زندگیں وہ بھی کھپا دیں۔ اب وہ اس مشاہ کی زندہ مگر شہزادہ تفسیر بنے ایک طرح سے اپنی بہن کی سفارش پر حوالی میں رہتے چلے آ رہے تھے۔

لیکن ستارہ نیکم کو ان ساری چیزوں سے کوئی غرض نہیں تھی، نہ ہی اس نے ان کے خلاف اپنے دل و دماغ میں کسی بغض یا آینہ پروری کو جگہ دی تھی۔ وہ فطرتاً صلح جو، اسک پسند اور نیک فطرت تھی مگر اپنے اور اپنی بیٹی کے تحفظ کے سلسلے میں کسی مصلحت اندیشی کو خاطر میں لانے والی نہیں تھی۔ اس بات کا اسے بھی احساس تھا بلکہ ایک قلق تھا مہرالنسا کی طرف سے کہ وہ بہر حال اس کے شوہر کی دوسری بیوی بن کر آئی ہے اور ایک طرح سے اس کے حق پر ڈاکا ڈالنے کے متراود تھا مگر پھر اسلامی اور دینی رو سے ویحستی تو اسے اپنے ضمیر کی اس چھبن کا احساس ہلاک ہونے لگتا کہ چودھری الف خان بہر حال ایک مرد تھا اور اسلام میں مرد ایک سے زائد شادی کر سکتا ہے۔ در پر وہ یہ سوچ کر بھی ستارہ نیکم خود کو تسلی دیتی کہ مہرالنسا کو اب بھی بہر حال حوالی میں تھی کہ اس میں کمی بھی ہو پھر اس نے خود تو الف خان سے شادی نہیں کی تھی بلکہ الف خان نے اس سے شادی کی تھی۔ مطلب یہ کہ وہ اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہوا تھا اور شادی کی ضد کر بیٹھا تھا۔

لیکن اوامر مہرالنسا کے سینے پر تو جیسے ہر دم سانپ لوٹنے لگے تھے اور اسے شہد دینے میں اس کے دونوں

”یہ کیا ہے وڈے ویرا؟“ مہرالنسا بھجن آمیز حیرت بھری نظرؤں سے بھائی کی طرف دیکھ کر بولی۔

”یہ اس جادو کا توڑہ ہے آپا جی جو اس کمینی کے لگے سے نکل کر چودھری جی کے دل دماغ میں اتر کر سرچڑھ کے بولتا ہے۔“ دراشت نے سرگوشی میں بہن سے کہا تو مہرالنسا جانے کیا بھجی اور خوف زدہ نگاہوں سے بھائی کو تکتے ہوئے بولی۔

”گک... گک... کیا یہ زہر ہے؟ نن... نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مجھ میں اس کی بہت نہیں ہے وڈے ویرا۔ چودھری جی کو پتا چل گیا تو وہ مجھ پر کتے چھوڑ دے گا۔“

”او بس کر... پوری گل تے سن لیا کر آپا جی۔“ دراشت علی نے عادت کے مطابق اپنا ایک ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ”زہر نہیں ہے پر زہر سے بھی بڑا کام کرے گی کسی کو شک بھی نہ ہوگا۔“

”یہ ہے کیا پھر؟“ مہرالنسا بالآخر متوجہ ہو کر مستفر ہوئی۔

”یہ گل بونی ہے جسے سیندوں بھی کہتے ہیں جسے ہندو زنانیاں اپنے سہاگ کی ثانی کے طور پر اپنی ماگ میں سجائی ہیں پر اس کو غلطی سے کھالے تو یہ گلے کو جکڑ لتی ہے مطلب یہ کہ اس سے آوازِ جینی گلا ہمیشہ کے لیے خراب ہو جاتا ہے، اب بھیں تم؟“

حسب موقعِ ریس خان بھی موجود تھا۔ وہ غیر مطمئن لجھے میں بولا۔ ”او وڈے ویرا، یہ زہر کی پڑیا ہوتی تو زیادہ اچھا تھا کیونکہ سناروی نکٹ نک سے لوہار کی ایک ہی نٹک زیادہ چٹکی ہونی ہے۔ اس نیکی کا گلابند کرنے سے بہتر ہے گلابی دبادیا جائے ہمیشہ کے لیے۔“

”او تو چپ کرنے کے۔“ دراشت نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ”ان حالات میں ستارہ کی چک بہلی کرنا زیادہ بہتر ہے نہ کہ اسے ختم کرنا۔ وہ مرکنی تو ہم تینوں پر الزام آئے گا۔“

مہرالنسا بھائی کی بات سمجھنی پر دراشت علی نے اس سے کہا۔ ”یہ تم کسی طرح۔۔۔ ہوشیاری کے ساتھ ستارہ بیکم کے کھانے میں شامل کرو دینا۔ دو دھمیں ڈالنے کی ہرگز غلطی نہ کرتا ورنہ دو دھمکار گنگ چوکھا نکل آئے گا اور ستارہ بیکم بدک جائے گی، سمجھنی؟“

”بالکل سمجھنی وڈے ویرا۔“ مہرالنسا بھائی کی بات کا مطلب سمجھ کر یک دم خوش ہوتے ہوئے بولی۔

بھائیوں دراشت علی اور رئیس خان کا ہاتھ تھا۔ ان کے اپنے ول کا چوراٹیں بے چین کر گیا تھا کہ اب ان کے بہنوں کی الف خان کی نئی بیوی ضرور ان کے خلاف کوئی گل کھلائے گی حالانکہ ستارہ بیکم کے ول میں ایسی کوئی بات تھی بھی نہیں مگر مثل ہے کہ لندی بھی ہمیشہ گند میں ہی بیٹھتی ہے اور سارا جسم چھوڑ کر زخم کو ہی چھوٹی ہے۔ اس لیے وہ ستارہ بیکم اور اس کی بیٹی زہرہ بانو کے خلاف اپنی بہن کے ساتھ مل کر کربتہ ہو گھے۔

☆☆☆

بلاشبہ چودھری الف خان نے اپنا وعدہ پوری طرح نجایا۔ ستارہ بیکم نے جو کہا اس نے وہی کیا۔ نو سالہ زہرہ بانو کے نام شہر (نیو میان) میں کوئی بنوادی جو بعد میں بیکم والہ کہلانی۔ ایک کوئی گرائیں نگر کے نام سے پہلے ہی موجود تھی۔ اس نے تئے پنڈ کی جا گیر میں بھی زہرہ بانو کا حصہ ڈال کر اس کا مستقبل محفوظ کر دیا۔ ستارہ بیکم خوش تھی۔ الف خان اسے والہانہ چاہنے لگا تھا۔ وہ اب بھی اپنے کمرے میں اس کے مدھر سروں میں گیت اور غزلیں سنتا تھا۔ اداپنا سرد دھنستا تھا۔ ستارہ بیکم سے اس کی چاہت میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ شادی کے بعد تو اس کی چاہت میں اضافہ تھا ہوتا رہا اور ادھر مہرالنسا تھی کہ انتظار میں بیٹھی تھی کہ ایک دن آتش شوق ہوا ہوا اور وہ موقع تاک کر اپنی سوکن کے خلاف زہر اگلے مگر یہاں اعلیٰ عشق تھا کہ سوای ہوتا جا رہا تھا۔ تب مہرالنسا کو یقین کرنا پڑا کہ ستارہ بیکم واقعی ایک جادو گرنی تھی اور اس کی اصل فسوں کا راز بھی اسے پتا چل گیا تھا جو اس کی سرملی آواز میں پوشیدہ تھا۔

دو تین بار موقع ملنے پر مہرالنسا نے الف خان کو ستارہ بیکم کی حیثیت جانتے کی بھی کوشش جائی مگر الف خان نے بڑی سنبھالی اور شعلہ بار نظرؤں سے ہمور کے اسے ایسا گھر کا کہ دوبارہ وو...۔ ستارہ بیکم کے خلاف اس کے سامنے کچھ بولنے کی جرأت ہی نہ ہو سکی مگر اس کے سینے میں بھر کتی رقت بیکم کی آگ۔ اب ایک جو الامکھی کی طرح چھٹنے کے قریب ہو گئی تھی۔ بعض و رقت بیکم کی آگ اب آتشِ انتقام میں بدلنے لگی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ستارہ بیکم کا گلابی دبوچ ڈالے بنیاں سے وہ اس کے شوہر کے دل دماغ میں سحر پھونکا کرتی تھی۔

اس روز دراشت علی نے بڑی رازداری کے ساتھ اپنی بہن کو ایک چھوٹی سی پڑیا تھماں۔

لے انٹرنیشنل پرنسپل

چھوٹا بچہ جام کی دکان میں داخل ہوا۔ جام نے بچے کو دیکھتے ہی اپنے گاہک سے آہستہ سے کہا۔
”یہ لڑکا دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہے۔ دیکھو ابھی تمہارے سامنے ثبوت پیش کرتا ہوں۔“
جام نے اپنے ایک ہاتھ میں دس روپے کا نوٹ رکھا اور دوسرے ہاتھ میں، دو روپے کی ریز گاری رحمی اور بچے کو بلکر کہا۔ ”پہلا کون سے ہاتھ والے پیسے لوگے؟“
بچے نے دو روپے کی ریز گاری لی اور دکان سے لکل کیا۔
”دیکھا میں نے کیا کہا تھا... یہ بے وقوف کبھی بھی کامیاب نہیں ہو گا اپنی زندگی میں۔“ جام نے اپنے گاہک سے کہا۔
گاہک بال کتو اکر باہر نکلا تو اس نے بچے کو آنکھ کریم کھاتے ہوئے پایا۔ اپنی معلومات کے لیے اس نے بچے کو روک کر پوچھا۔ ”بیٹھ! تم نے دس روپے کے بجائے دو روپے کی ریز گاری لی، ایسا کیوں کیا؟“
بچے نے آنکھیم کھاتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ ”جس دن میں نے دس روپے کا نوٹ اٹھالیا اسی دن یہ صیل ختم ہو جائے گا۔“
(کراچی سے جاوید کاظمی کا شگفتہ پار ۵)

سانس لیا۔ اس کے تیرے روز تو ستارہ بیگم بالکل بھلی چلتی ہو گئی یوں بات آئی گئی ہوئی۔
الف خان ستارہ بیگم کی نغمہ سرائی کو تراہو اتھا بالآخر اس نے اس رات ستارہ بیگم سے ایک غزل کی فرمائش کر ڈالی۔ ستارہ بیگم ماح سرا ہوئی مگر اسے اپنے گلے اور سر پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آواز میں کسی کہننے کی طرح بھدا پن عود کر آیا تھا۔ چیم کوشش اور بار بار کھنکھارنے کے باوجود اپنی آواز کے سریلے پتن کا وہ جادو نہ چلا سکی جو اس کا خاصہ ہوا کرتا تھا۔ الف خان کو بھی اس تبدیلی پر تحریت ہوئی، کہاں تو وہ ساری ساری رات گیت، غزل، تھمری اور دغیرہ ستارہ ہتا تھا لیکن اس رات صرف ایک غزل پر اکتفا کر کے سورہ۔ ستارہ بیگم اس کی وجہ جانبی بھی وہ بھی چپ ہو رہی۔ الف خان نے اس کا دل چھوٹا کرنا مناسب نہ سمجھا

”اک گل ہور سن...“ و راشت آگے بولا۔ ”تو اپنا روپیہ بھی اس را ہاں ذرا بہتر کر لے سمجھ رہی ہے ناں میری گل؟“ مہرالندا نے فوراً اشبات میں اپنا سر ہلا دیا۔
و راشت علی بنے بہن کو دو روز بعد اس منصوبے پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی۔ ان دونوں میں مہرو نے ستارہ بیگم کے ساتھ بالکل ۳ ہیلیوں والا برتاؤ کرنا شروع کر دیا۔
چودھری الف خان و اس پر ایک خونگوار حیرت ہوئی تھی تاہم وہ خوش تھا مگر ستارہ بیگم کو اپنی سکون کی یہ دلبری کھنک گئی۔ اسے کسی سازش کی جو آنے لگی۔ زمانہ چشیدہ تو جی ہے بے ظاہر اس نے بھی اس دا سر دمہری کو ملامعت آمیزی لی میں پدلتے ہوئے اس کے سامنے خوشی کا اظہار کیا۔ وہ یہی بھجتی بھی کر شاید مہر والف خان کے سامنے اچھا بن کر اسے بخدا کھانے کی کوشش کر رہی ہے کہ اس کے جواب میں لامحالہ وہ یعنی ستارہ بیگم ضرور سر درویہ دکھائے گی تو شوہر کے سامنے خود ہی ستارہ بیگم کی لہذا یہ سوچ کر ستارہ بیگم نے بھی مہرالندا کے ساتھ خوش دلی کا روتہ اپنایا وہ خود بھی بھی چاہتی تھی کہ دونوں ایک گھاٹ میں شیر و شکر ہو کر رہیں۔
دو دن گزر کئے تیرے روز مہرالندا نے اپنی سازش پر عمل کر ڈالا اور سریلی آواز والی ستارہ بیگم کو کھانے میں سیندھور کھلا دیا۔

وہ دن خیریت سے گزر اور دوسرے دن بھی سمجھنہ ہوا مگر تیرے روز سچ جب ستارہ بیگم نیند سے بیدار ہوئی تو اسے اپنے گلے بین ہلکی ہلکی خراشی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اسے معمولی بات سمجھا حالانکہ وہ ٹھنڈی بھٹی چیزوں سے مکمل پر ہیز کر دی تھی۔ شام تک یہ معمولی سی گلے کی خراش دکھن میں بدل گئی۔ اس نے ٹھلے نیم گرم پانی میں نمک ڈال کر غرارے کیے افاقت ہوا مگر عارضی۔ اس رات چودھری الف خان کا گیت سننے کا بھی بھی چاہا تھا مگر ستارہ بیگم کی طبیعت کی خرابی کے باعث چپ ہو رہا۔ ستارہ بیگم کو تشویش سی لاقٹ ہوئی، اس نے دسی قسم کا گھر میلو جو شاندہ بھی بنایا کر پیا۔ چوتھے روز تو ستارہ کا گلاعی سو جھ گیا اور دکھن بڑھ گئی۔
ٹھلے کی جعلی کی وزش کے باعث اسے کچھ کھایا بھی نہیں جا رہا تھا۔ الف خان نے فوراً علاقے کے ایک مشہور حکیم کو حوالی میں بلوایا۔ اس نے مارچ سے ستارہ بیگم کے حق کا معائنہ کیا پھر اپنے مطب کی دوا میں دے دیں۔ دو روز میں ہی ستارہ بیگم کو افاقت ہونے لگا۔ بخار اتر گیا، ٹھلے کی سوزش میں کمی آگئی ورود بھی جاتا رہا۔ ستارہ بیگم نے بھی سکون کا

اور تھکا دست کا بہانہ کر کے سو گیا۔

اگلے روز شام میں ستارہ نیجم نے تہار یاض کرنے کی کوشش چاہی تو اسے احساس ہو چلا کہ معاملہ واقعی خراب ہے۔ اس نے فوراً شوہر سے کہہ دیا کہ وہ اسے شہر کے کسی بڑے کان، ناک، حلق کے ماہر کے پاس لے جائے۔

بہر ماں ستارہ نیجم کو مٹان کے ایک مشہور ENT سرتان کو دکھایا گیا۔ اس نے کچھ نیست لکھ دیے، دو ایساں تجویز کیں پھر کچھ روز بعد اس نے اکٹھاف کیا کہ ستارہ نیجم۔ آڑھ صوت میں خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ....

مکمل علاج نہیں رہا۔ تاہم اس نے اپنے تیس یہ تسل ضروری کہ اس سے جان کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک قدرتی آڑھ، وہ تباہے اور بہ ظاہر یہ ایک معمولی خرابی ہے فقط آواز اس شخص کی وجہ سے تھوڑی سوٹی اور کھرد ری ہو جاتی ہے۔ اب ڈکٹر کو کیا معلوم تھا کہ یہ معمولی خرابی ستارہ نیجم کے لیے کتنی بڑی خرابی تھی۔ وہ دل ہولا کر رہ گئی۔

کہہ تو ستارہ نیجم کی سریلی آداز بغیر ساز کے بھی مدھر ہوتی اور الف خان کے کانوں میں رک انڈ بیٹھی مگر اب ٹکوں میں جیسے تسل ہی نہ رہا۔ وہ بڑی بے توجہی سے بہ مشکل ایک غزل اور بھی وہ بھی ادھوری سن کے سونے کا بہانہ کر کے لیٹ جاتا مگر ستارہ نیجم کا دل نہیں دکھاتا تھا۔ جان کیا تھا وہ کہا ب ستارہ نیجم کے لئے میں ایک لا علاج شخص پیدا ہو چکا ہے لہذا اب تو اس نے ستارہ نیجم سے گانے کی فرمائش کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔

ستارہ نیجم دل مسوں کر رہ گئی۔ کئی روز تک تو وہ سمجھی نہ پائی کہ ہوا کہا تھا۔ ماتھا تو اس کا اس وقت سخنکا جب ایک روز مہر النساء اس سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے آج کل مجھے تمہارے کرے سے گنگنا نے کی آوازیں نہیں سنائی دیتیں؟“ پوچھ دو تمہاری اس سریلی اور جادو بھری آواز سن کر تو میں بھی تمہارا گیت سننے کے لیے دروازے سے گزرتے وقت کا ان لگائے کھڑی ہو جاتی تھی۔“ اس کی بات پر ستارہ نیجم بھی ورقدارے چونکہ کھڑی نگاہوں سے اپنی سوتن کے چہرے، کا جائزہ لیا تو اسے اس کی آواز میں مکاری اور بظاہر میٹھی مسکراہٹ میں گینگی چھپی صاف محسوس ہو گئی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا مگر وہ اندر سے کھنک گئی۔

ستارہ نیجم نے بالآخر ایک دن شوہر سے دوبارہ اسے شہر کے ایک حکیم لو دکھانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ ستارہ نیجم کا وہ عالیٰ حکیم تھا جسے وہ اکثر اپنی طبیعت وغیرہ دکھاتی رہتی تھی۔

چودھری الف خان اپنی جیتی بیوی کی کوئی بات نہیں نالا تھا بہر طور اس بار خود تو نہیں گیا مگر ذرا سیور اور ایک خاومہ کے ساتھ اسے شہر جانے کی اجازت دے دی۔ ستارہ نیجم اپنے پرانے حکیم سے ملی اور اسے ساری بات بتا دی کہ اس کے گھنے میں اب پہلے جیسے سُر پلا پن نہیں رہا۔

حکیم نے بے غور ستارہ نیجم کے گھنے کا معافہ کیا اور بالآخر اکٹھاف کیا کہ ستارہ نیجم نے ضرور ایسی کوئی چیز کھائی ہے جس نے اس کے آڑھ صوت کو جذب کر اس کی حواسیت کو متاثر کیا اور اس کے نشوز مردہ کر کے اس کی سریلی آواز میں ہمیشہ کا لفڑ پیدا کر دیا ہے۔

ستارہ نیجم کے لیے یہ جاننگل کافی ثابت ہوا۔ وہ حوالی لوٹ آئی۔ وہ بہت افسردا اور غمکن ہی۔ اسے اب یقین ہو چکا تھا کہ اسے ضرور اس کی سوکن مہر النساء نہیں کوئی اسکی شے انجانے میں کھلا دی ہے جس سے وہ ہمیشہ کے لیے اپنی میٹھی اور سریلی آواز سے محروم ہو جگی تھی۔

غم وغصے کا ایک طوفان ستارہ نیجم کے اندر بھی اٹھا تھا۔ انتقام کی جلن اس کے سینے میں پچھی بھی اور اس نے الف خان سے اس خفیہ سازش کا ذکر کرنے کا بھی ارادہ کیا تھا لیکن پھر اپنا ارادہ بدل ڈالا کیونکہ اس کے پاس ایسا کوئی تھوڑا ثبوت نہ تھا۔ ممکن تھا شوہر کا اس کی طرف سے دل کھٹا ہو جاتا کیونکہ مہر النساء شوہر کے سامنے تو اپنی سوکن کے ساتھ میٹھی بھی نہیں رہتی تھی مگر اس کی غیر موجودگی میں مرد اور استہزا سے دیر روا رکھتی تھی۔

ستارہ نیجم، مہر دے کے دنوں بھائیوں کے چہروں پر اسے دیکھ کر ابھر نے والی کمینے پن کی مسکراہٹ محسوس کرتی رہی تھی جو بہ زبان خاموش یہ دھمکی دیتے ہوئے محسوس ہوتے تھے کہ ”دیکھ لیا ہم سے ٹکرانے کا انجام! خیریت چاہتی ہو تو اپنا بور یا بستر حوالی سے گول کر کے ہمیشہ کے لیے نظروں سے دور ہو جاؤ۔“

”تمہیک ہے پھر۔“ اس روز خود سے بڑھاتے ہوئے ستارہ نیجم نے بھی اپنی کمر کس لی۔ سمجھ تو کوئی تھی کہ ان تینوں سازشی بہن بھائیوں کا ہی یہ سب کیا وھر اتحا اور اس کا مقصد بھی وہ جان چکی تھی۔ اسے خود سے زیادہ اپنی معصوم بیٹی زہرہ بانو کی فکر لاحق ہونے لگی تھی۔ بے شک دریا میں رہتے ہوئے مگر مچھوں سے بیر نہیں لیتا جائیے مگر ان کے درمیان رہتے ہوئے خوف سے آنکھیں بند کر کے رہنا بھی تو خطرے سے خالی نہیں ہوتا چنانچہ یہ سوچ کر وہ بھی خم خنوں کر میدان میں اتر آئی۔ جانتی تھی اگر وہ اس طرح یک



مرحباً شباب

بُشْرَىٰ صَبَحٍ بِخَيْرٍ



تلدوں پھولوں کے کاونڈ میں سرگوشیاں کر کے بکھارنے کے انتہا میں لکھیاں گے کے بعد جنم گزیں گے اور وہیں کی ذہنی پر شہدیکی یقینی ملتے آئی ہے کہ انیاں قدرتی، جستدعاً ہمہ دنہا ہے مر جا آپ سلیمان کو دادا احمد و حبیت میش کے

f Marhaba Laboratories

UAM: 111-152-152

www.merriam-webster.com

اس کرے میں آگئی جسے عرف عام میں بینک کہا جاتا ہے۔ فتحی فضل محمد کے علاوہ مہرالنسا اور اس کے دونوں بھائی بھی تھے۔

یہ سب مونڈھوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فتحی فضل محمد اپنی گود میں بڑا سار جسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ مہرالنسا اور اس کے دونوں بھائیوں کی نگاہ ستارہ بیگم پر ٹڑی تو اسے دیکھ کر ان کے چہروں پر لٹھی اتر آئی جبکہ فتحی فضل احتراماً جسٹر سنپھانے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہم لوگ اس وقت معروف ہیں، تم ابھی جاؤ یہاں سے۔“ مہرالنسا نے کڑوے لجھے میں ستارہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا مگر ستارہ بیگم اسے اور اس کی بات کو یکسر نظر انداز کر کے فتحی فضل محمد کی طرف گھورتی نظر وہ دیکھتے ہوئے تیز اور تحکمانہ لجھے میں بولی۔

”فتحی... تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟“

بے چارہ فتحی ستارہ بیگم کی بات پر تھوڑا گڑ بڑا سا گیا پھر بوکھلائے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”نج... مجی... بب... بیگم صاحب... بھلا آپ کو میں کیسے نہیں پہچانوں گا۔ مجھے کوئی غلطی ہو کئی تھوٹی بیگم صاحب؟“

”تمہاری پہلی اور آخری غلطی مجھے کرم حماف کیے دیتی ہوں۔“ ستارہ بیگم نے کڑک دار اور تحکمانہ لجھے میں کہا۔ ”آنندہ ایک بات کا خیال رکھتا جب بھی چودھری صاحب کی غیر موجودگی میں کوئی حساب کتاب کرنا ہو تو ہمیں بھی آگاہ کرنا ہوگا، سمجھ گئے تم؟“

”سک... سمجھ گیا تھوٹی بیگم صاحب۔ آندہ ایسا ہی ہو گا۔“

مہرالنسا اور اس کے دونوں سازشی بھائیوں کو ستارہ بیگم کی اس بات پر آگ لگ دی۔ مہرالنسا نے تھوڑی پر مل ڈال لیے اور نخوت سے بولی۔ ”ستارہ! فتحی فضل محمد پر اتنا آدی ہے اور چودھری صاحب نے اپنی غیر موجودگی میں ہمیں یہ اختیار دے رکھا ہے کہ ہم...“

”اب ایسا نہیں ہو گا۔“ ستارہ بیگم نے بھی بڑی نخوت سے اس کی بات کاٹ ڈالی اور قریب ایک مونڈھ احتیخ کر بڑے ٹھے کے ساتھ براجمن ہو گئی۔ انداز واطوار سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرہ کی بات تو کیا اس کی موجودگی کو بھی خاطر میں نہیں لارہی تھی۔ یہ دیکھ کر مہرالنسا کے بھائی ریس خان جو مزا جا گرم دماغ تھا تھی سے ستارہ بیگم کی طرف دیکھ کر بولا۔

”خاتون! یہ ہمارا خاندانی معاملہ ہے، کسی باہر کی

طرف میں نہ اور اس پسندی کے ساتھ خاموش رہ گئی تو دنیا اور اسے اور اس کی بیٹی کو کھا جائے گی۔ اب وقت آگیا تھا کہ سر اٹھا کر جیتا پڑے گا۔ اخلاص سے سر جھکانے کو دنیا اب کمزوری پر محول کرنے لگی تھی۔

ستارہ بیگم نے سب سے پہلے یہ سوچا کہ الف خان نے اپنی بامداد سے جو کچھ اس کے یا اس میں زہرہ بانو کے نام کر رکھا ہے اسے قانونی تصرف میں لاٹا ضروری تھا۔ بے شک یہ بات اس کے شوہر کو بڑی لگ سکتی تھی کیونکہ ابھی وہ زندہ تھا مگر مہرالنسا اور اس کے دونوں بھائیوں کے سینے پر سوچ دلانے اور ان کے سامنے اپنی حیثیت منوانے کے لیے ستارہ بیگم نے یہ سب کرنا ضروری سمجھا تھا مگر اس طریقے سلیقے کے ماتحت کہ شوہر کو بھی برانہ لگے۔ چنانچہ ایک روز وہ جسٹر آفس چلی گئی۔ چند ضروری کاغذات کی فائل اس کے ہمراہ تھی۔ اس نے کچھ دے دلا کر ان کا غذاء کے مختار نامے بنوائے اور انہیں باقاعدہ قانونی مشکل دی جس کی وہ اور اس کی بیٹی جائز تھیں۔

یہ سب کرنے کے بعد وہ حوالی لوٹ آئی۔ اب وہ پریشان اور افسردہ سی نہیں رہتی تھی۔ جانتی تھی اس کی پریشان اور افسردہ صورت دیکھ کر اس کے وشمتوں کو خوش گھوس ہوتی تھی۔ لہذا اس نے اپنے چہرے پر اب طہانیت طاری کر لی تھی اور خوش رہتی تھی جس کا نتیجہ جلد ہی سامنے آگیا۔ مہرہ داہنی سوکن کی راحت اور طہانیت بری طرح کھلنکے لگی۔ پہلے وہ ستارہ بیگم کو دیکھ دیکھ کر استہزا نہیں اور نفرت اگیزی سے مُلڑاتی تھی مگر اب وہ ایک نامعلوم سی ابھسن آمیز پریشانی کا ڈکھ رناظرا نہیں لگی۔

ایک روز اس نے شوہر سے اجازت لی کہ وہ اور اس کی بیٹی کچھ دنوں کے لیے بیگم ولا میں رہنا چاہتی ہیں۔ الف خان کو حیرانی تو ہوئی تاہم اس نے اجازت دے دی لہذا ایک خادمہ، ساتھ ستارہ بیگم اپنی بیٹی کو لے کر مہمان بیگم والا آگئی۔ بیگم والا کی حالت بہت خستہ اور بھسری بھسری ہو رہی تھی۔ اس نے فوراً حوالی سے کچھ ملازم بلوا لیے جنہوں نے دو روز میں ہی بیگم والا کی حالت سدھا دی۔ ستارہ بیگم نے اب وقاً و قایہ ہاں آتے رہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اس پار جب حوالی میں فصل کی کٹائی اور دیگر آمدی کا حساب کار فتحی فضل محمد ہاتھوں میں جسٹر تھا سے حوالی میں آئی وار ہوا۔ پہلے مہرالنسا آمدی کا جائزہ لیا کرتی تھی جبکہ ستارہ بیگم نے بھی اس کی پرواہیں کی تھیں نہ ہی اسے کوئی دلچسپی تھی مگر اب چونکہ معاملہ جیسا کو تیسا والاتھا لہذا وہ بھی

آوارہ گود

باث کانتے ہوئے شعلہ بار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔
وراشت نے اپنی بہن کا ہاتھ تھپٹھپا کرائے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
تارہ بیگم نے جب مشی فضل محمد سے سارا اگلا پچھلا
حساب کھلوا کر تفصیلی پوچھتا چہ کی تو اکشاف ہوا کہ گندم اور
انج کی کئی من کی بوریاں خرد بر دی جاتی رہی ہیں نیز بہنوی
کے کام میں ہاتھ بٹانے کے نام پر رئیس خان اور وراشت علی
نے کھاد اور بیجوں کے علاوہ کاشت کاری سے متعلق
خربداری کے سلسلے میں اپنے بہنوی چودھری الف خان سے
دینی تکمیلی رقم ببوری تھیں۔ یہی نہیں کئی مجھنے زرعی آلات کے
لیے خطیر رقم حاصل کرنے کے باوجود ان کا کوئی ریکارڈ نہ
تھا۔

تارہ بیگم نے مشی فضل محمد کو آڑے ہاتھوں لے لیا اور
اس غبن اور دھوکا دہی میں اسے برابر کا مجرم گردانے ہوئے
اس کے لئے لے ڈالے۔ مشی کا تو ایک پیسنا آرہا تھا دوسرا
جارہا تھا۔ مہرالنسا اور اس کے دونوں بھائیوں کو بھی آج پتا
چلا تھا کہ انہوں نے کس ”بلا“ کے ساتھ نکر لے لی تھی جس
نے ان کے آج سارے کچے چھینچے کھول کر رکھ دیے تھے۔
ان تینوں کو چب سی لگ کر تھی۔ تارہ بیگم بے شک زیادہ
پڑھی تھی نہ تھی مل میز ک تک اس نے بھی تعلیم حاصل کی تھی
اور اتنا شعور وہ بھی رکھتی تھی کہ انداد و شمار کی ہیر پھیر کیا ہوتی
ہے اور پھر یہ تو بالکل واضح حساب تھا۔ الف خان بے انتہا
دولت و جائداد کا مالک تھا۔ ممکن ہے اپنی مصروفیات یاد گیر
سرگرمیوں کے باعث اس طرف کم توجہ دیتا ہو یا پھر اپنی
بیوی مہرالنسا زیادہ ہی بھروسہ کرتا ہو۔

تارہ بیگم نے مشی فضل محمد کو لٹاڑتے ہوئے درستی سے
کہا۔ ”مشی فضل! تم تو اس خاندان کے پرانے خدمت گار
ہو، تمہیں اس سارے معاملے پر پردہ ڈالتے کتنا کیش ملتا
تھا؟“

مشی فضل محمد کی حالت غیر ہو رہی تھی لیکن ورثیقت
قصور اس کا بھی نہ تھا۔ وہ مجبور تھا، یہ بھی تجھ تھا اس نے ان
سے کوئی کیش وصول نہیں کیا تھا۔ اس نے فوراً تارہ بیگم کے
آگے ہاتھ جوڑ دیے اور بولا کہ اس کا کوئی قصور نہیں اور نہ ہی
اس نے ہیرا پھیری میں کوئی کیش وصول کیا ہے، وہ بس
ایک نوکر کی حیثیت سے خاندان کے لوگوں کے سامنے مجبور
تھا۔

تارہ بیگم کو اندازہ ہونے لگا کہ مشی بے قصور تھا۔ یہ
نشست برخاست ہونے سے پہلے تارہ بیگم نے مشی کو فی
الفور چودھری الف خان کے سامنے پیش ہونے کا حکم دے
تھا۔

حورت کو اس میں ڈل انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔“
مشی فضل محمد کے پیسے چھوٹ رہے تھے۔ وہ جان گیا
تھا کہ یہاں اب چبھی چھڑ چکی ہے اور کہیں ہاتھیوں کی اس
جنگ میں وہ نہ پڑ جائے وہ پہلے ہی بہت لیے دیے اور کہ
رکھاؤ والا آدمی تھا۔

اپنی سوکن کے بھائی کی ڈل اخالت پر تارہ بیگم جو سہلے
ہی ادھار کھائے بیٹھی تھی، جلتی سلکتی نظروں سے رئیس خان کی
طرف دیکھ کر ترکی بہتر کی بوی۔ ”اس خاندان سے میں بھی
تعلق رکھتی ہوں جہاں تم بہن کے گھر اپنے بیوی بیجوں
سمیت مفت کی رہیاں تو زور ہے ہو۔ آئندہ مجھ سے اپنی
اوقات یا اور کہے، بات کرنا ورنہ مجھے تمہارے سلسلے میں
بڑی تجھ مگر بھی مثل پیش کرنا پڑے گی کہ بہن کے گھر بھائی
کس پائے کی حیثیت سے رہتا ہے۔“

اس چھوٹ پر رئیس خان کا چہرہ احساں تذلیل سے سخت
ہو کر رہ گیا۔ وہ اسی کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا جبکہ وراشت
علی جو خاصی دیر سے خاموش مگر بھانپی نظروں سے تارہ
بیگم کے چہرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا، اسے اپنی بہن
کی سوکن کی تیوریوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ خاتون اب
باقاعدہ کیل کانٹوں سے لیس ہو کر ان کے خلاف اعدان
جنگ کر چکی ہے اور جس بل بوتے پر یہ سب کر رہی ہے وہ
اس کی ٹھوس اور مضبوط وجہ بھی جانتا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی کو
کرارا جواب پڑتے ہی اور اسے احساں ذلت تلے سرخ
ہوتے دیکھ کر ترہ بیگم سے مخاطب ہو کر صلح جو لجھے میں
بولا۔

”محترمہ! میں آپ کی کسی بات پر اعتراض نہیں ہے
لیکن بات کرنے کے پچھے اصول اور ڈھنگ ہوتے ہیں، ثم
شاید اس سے ناقف ہو۔“ وراشت علی کی معاملہ نہیں میں
مکاری کا دخل کا رفرما تھا۔

تارہ بیگم نے اس کی طرف جلتی سلکتی نظروں سے
دیکھا اور ترش۔ بچھے میں بوی۔ ”میں خوب جانتی ہوں کہ کس
طرح کے لوگوں سے مجھے کس طرح بات کرنی چاہیے۔ رہی
بات اصول اور ڈھنگ کی تو تمہیں اپنے چھوٹے بھائی اور
بہن کو سمجھانا چاہیے۔“

مہرالنسا: وہ سہلے ہی سوکن کے ہاتھوں بھائیوں کی اس
تذلیل پر جلی بھن بیٹھی تھی ایک دم آپے سے باہر ہو کنی اور
بھر کر انھوں کھڑی ہوئی۔ ”تم... تم... ایک...“

”خبردا، کوئی غلط بات منہ سے مت نکالنا ورنہ مجھ
سے برا کوئی نہ ہو گا، سمجھیں تم۔“ تارہ بیگم نے فوراً اس کی

دیا۔

ادمر یہ تینوں سازشی بہن بھائی الگ کمرے میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

”بی تو بڑی تیز نکلی۔ اگر یہ سب چودھری جی کو پا چل گیا تو خیر نہیں ہماری، کچھ سوچو کیا کیا جائے؟“ وراشت علی نے پریشان ہو کر کہا تو ریس خان بولا۔

”مشی کو میں دھمکی دے دیتا ہوں کہ وہ چودھری جی کو ایسا کچھ نہ بتائے بلکہ الٹا لازام چندال تارہ بیگم پر ڈال دے۔“

”ہاں تک بہتر رہے گا۔“ مہرو نے بھائی کی بات سے اتفاق کیا۔ موجودہ صورتِ حال سے وہ خود بھی پریشان اور فکر مند تھی تاکہ اس کی سوکن اب اس پر بھاری پڑنے لگی تھی۔ اگر ہودھری الف خان کو سارے کچھ جنہے کا پا چل جاتا تو نہ صرف اس کا اپنے دونوں مسٹنڈے سالوں کی طرف سے دل خراب ہو جاتا بلکہ مہرالنسا سے بھی وہ بدول ہو سکتا تھا۔

”عقل سے کام لو دنوں۔“ وراشت علی نے عادتاً اپنا ایک ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ”مشی کی حالت نہیں دیکھ رہے تھے پہلا پڑا جارا اتحا۔ یہ دھمکی دھمکی سے معاملہ او خراب ہو جائے گا بلکہ اس طرح وہ چندال سمجھی ثابت ہو جائے گی۔“

”وڑے دیرا سمجھی تو وہ اب بھی ہے۔“ مہرو نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بے شک مگر ہمیں مکاری سے کام لینا ہوگا، ہمارے پاس ابھی وقت ہے ہم مشی کو بلا کر اس کے حساب میں گڑ بڑ کروادیتے ہیں۔“

چنانچہ مشی فضل محمد سے جب یہ سب کرنے کو کہا گیا تو اس نے فوراً اپنے کانوں کو ہاتھ لگالیے۔ اس نے رجسٹر اور کھاتوں میں گڑ بڑ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کی وجہ پر تھی کہ تارہ بیگم نے پہلے ہی اسے تسلی دے دی تھی کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا اور کرے گا تو پھنسے گا بلکہ سارا لازام اس پر ہی ڈال دیا جائے گا۔

موقع ملتے ہی تارہ بیگم نے یہ حقیقت مشی فضل محمد سیف الف ذان تک پہنچا دی۔

چودھری الف خان بے شک دولت مند سی لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہ تھا کہ وہ اپنے نقصان کو اس طرح برداشت کر لیتا اور پھر یہ تو مستقل نقصان پہنچانے والا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا پھر جب اسے یہ پا چلا کہ مستقل نقصان میں مہرالنسا اپنے دونوں بھائیوں کی برابر شریک

ہے تو وہ چداغ پا ہو گیا۔

اس نے فوراً طیش اور غیظ و غضب میں آکر چند سخت احکامات جاری کر دیے۔ سب سے پہلا حکم نامہ یہ جاری کیا گیا کہ اس کے دونوں سالے ریس خان اور وراشت علی فی الفور یہ حوالی چھوڑ کر اپنا الگ بندوبست کریں۔ دوسرے یہ کہ فضل محمد آئندہ صرف اور صرف تارہ بیگم کو اس کی غیر موجودگی میں حساب کتاب دیا کرے گا۔ مہرالنسا کا اس سے کوئی اعلق نہ ہو گا۔

مہرو نے اس پر شوہر سے دبے دبے لجھے میں اعتراض کیا تو الف خان نے بڑی سخت نظروں سے اسے گھوڑتے ہوئے سچ کہہ دیا۔ ”مہرو بیگم! شکر کرو کہ تمہارے ان دونوں بھائیوں کے خلاف میں کوئی قانونی کارروائی نہیں کر رہا ورنہ میں ان سے اپنا نقصان بھی بھرو اسکتا ہوں، جیل کی ہوا بھی انہیں کھلا سکتا ہوں، اس رعایت کو کافی سمجھو۔“ مہرالنسا کیا جواب دیتی۔

یوں تارہ بیگم نے پنے ساتھ کی گئی سیندو رسازش کا بدلہ ان تینوں سازشی بہن بھائیوں سے لے لیا۔ مہرالنسا نے تارہ بیگم کے لیے جو گڑھا محدوداً تھا اس میں وہ خودا کیلی نہیں بلکہ اپنے دونوں بھائیوں سمیت جا گری تھی۔ اس کے دونوں بھائی تو حوالی سے ہمیشہ کے لیے بے دخل ہوئے ہی تھے۔ خود مہرالنسا کا اعتبار اپنے شوہر کے دل سے بے دخل ہو گیا تھا اور وہ اہمیت بھی جو اسے حوالی میں بڑی بیگم کی حیثیت سے حاصل تھی۔

مہرالنسا کے دل میں تارہ بیگم کے لیے سانپ لوٹ کر رہ گئے۔ جس وقت اس کے دونوں بھائی حوالی سے اپنا بوریا بستر سمیت کر رکھتے ہو رہے تھے تو تارہ بیگم کے چہرے پر بھی ولکی ہی خالص فاتحانہ مسکراہٹ تھی جیسی ان تینوں بہنوں بھائیوں نے اس کے خلاف سیندو رسازش کی کامیابی کے وقت اپنے مکروہ چہروں پر سجا لی تھی۔

دونوں بھائیوں بڑی معاندانہ نظروں سے تارہ بیگم کو گھوڑ رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں ایک سنتیہہ تھی جیسے کہہ رہے ہو بہت جلد اس کا بدلہ لے کر رہیں گے۔

تارہ بیگم نے اب پوری طرح شوہر کے دل پر دماغ میں اپنی عقل مندی اور وفاداری کی دعا کی تھی لہذا اس رات اس نے اس بات کا بھی شوہر سے اظہار کر ڈالا۔

”سرکار! اللہ گواہ ہے کہ میں نے بھی بھی آپ کا یا اس حوالی کا بلکہ کسی کا بھی بر نہیں چاہا لیکن آج آپ کے سامنے مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ بڑی بیگم

بے ظاہر حالات معمول پر آگئے تھے۔ وقت ایک مناسب ڈھب سے گزرنے لگا تھا۔ موقع محل کی سب سازشیں عبث ثابت ہوئی تھیں کہ وقت نے گویا چپ چپاتے ایک لبی زندگی بھری۔

☆☆☆

ستارہ بیگم کے بالوں میں اب چاندی اُترنے لگی تھی۔ چودھری الف خان بھی وقت کے بہتے دھارے کو عمر کا خراج دیتے دیتے بوڑھا ہو چکا تھا مگر ستارہ بیگم سے اس کی محبت بوڑھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ آج بھی اسے چاہتا تھا گو چاہت کی نوعیت بدل گئی تھی، اس میں جوانی کا وہ والہانہ پن نہیں تھا مگر محبت تو محبت ہوتی ہے جسمانی تعلق سے بڑھ کر اعلیٰ و ارفع ہو چکی تھی۔

ستارہ بیگم نے یہ طویل ماہ و سال حوالی میں بڑی شان اور وقار سے گزارے تھے۔ وہ بڑی پامروڈی سے محلاتی سازشوں کا اب تک مقابلہ کرتی آئی تھی۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے، ایک وہ وقت بھی تھا جب مہرالنسا نے حوالی میں چودھرائی کے حوالے سے ایک شاندار زندگی گزاری تھی پھر ستارہ بیگم کی آمد سے وہ ماند پڑنے لگی۔ اگرچہ اسکی بات تو نہیں کہ ستارہ بیگم کی ذات سے اسے کوئی نقصان پہنچا ہو لیکن مہرالنسا کی ستارہ بیگم سے رقبت اور چاقش نے اسے اپنے ہی ہاتھوں نقصان پہنچایا تھا، نہ وہ ستارہ بیگم کے خلاف حماڑ قائم کرتی اور نہ وہ حوالی میں اپنا وقار کھوتی۔ حالانکہ ستارہ بیگم کے آنے کے باوجود چودھری الف خان نے اپنی پہلی بیوی کو وہی مقام دیا تھا جو اس کا تھا مگر اس مقام کو مہرالنسا خودی اپنی رقبت اور عداوت سے کھو دیا تھا۔ یہ آگ اب بھی جوں کی توں مہرہ کے سینے میں ایک بھڑکتے ہوئے الاؤ کی صورت میں موجود تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں بجاۓ کی آنے کے اضافہ ہی ہوا تھا۔ وقت نے ایک اور ولکی جال چلی تھی، اپنا پاسا ایک بار پھر پٹا تھا اور بالآخر مہرالنسا کی کھوئی ہوئی سائھ ایک بار پھر لوٹنے لگی۔ ایک بار پھر تیر و لفڑک سیکھے کیے جانے لگے وجد یہ تھی کہ مہرالنسا آخر کار اس خاندان کے وارث کی ماں تھی۔ ایک بیٹے کی ماں، چودھری الف خان کے بیٹے متاز خان کی ماں۔

الف خان گواب بوڑھا ہو چکا تھا اس میں جوانی کا وہ دم خم بھی نہیں رہا تھا مگر اب بھی ایک بوڑھے شیر کی سی دھاک جمائے بیٹھا تھا لیکن بعض جذبہ اپنی کمزوریوں کا اپنا ایک اثر تھا اور الف خان بھی اسی ایک کمزوری کے زیر اثر بھر حال

مہرالنسا اور اس کے دونوں بھائیوں نے مجھے بھی پسند نہیں کیا۔“

اس کے بعد اس نے اپنے شوہر کو ان کی سیندور سازش کے بارے میں بھی تفصیلاً آگاہ کر دیا کہ پہ اکٹھاف اس کے ایک پر اتنے اور قابل حکیم نے کیا تھا کہ اس کی سرطی آواز کو خراب کرنے کے لیے اسے کوئی ایسی چیز دھوکے سے کھلا دی ہے جس نے اس کے گلے کا آٹھ صوت ادھیز کر رکھ دیا ہے۔

چودھری الف خان بھی گندم کی روٹی کھاتا تھا۔ عورتوں کے چلتے اور زمانے کی چال بازیوں کا اسے بھی اور اسکے چھپے کیا کہ ستارہ بیگم کیا کہنا چاہتی تھی۔ وہ غصے میں بچھر گیا اور چاہتے تھا کہ اسی وقت مہرالنسا کو کمرے میں بلا کراس کی خبر لے لیں ستارہ بیگم نے ایسا کرنے سے روک دیا۔

”بات اس طرح ختم نہیں ہو گی سرکار۔“ وہ بڑے رسان سے بولی۔ ”اصل خطرہ مجھے مہرہ کے دونوں بھائیوں سے ہے۔ وہ نظر و نظر دل میں مجھے خطرناک نتائج کی دھمکی دے کر گئے ہیں۔ آپ کی وفاداری اور ایمان داری کے صلے میں خدا خداستہ مجھے اور میری معصوم بیٹی زہرہ کو یہاں کہتی بڑے دن تدوین کھنے پڑ جائیں۔“

”ہم تمہاری بات کا مطلب سمجھ رہے ہیں ستارہ بیگم۔“ چودھری الف خان نے بردباری سے کہا۔

اگلے دن الف خان کا حوالی میں ایک اور حکم جاری ہو چکا تھا۔ اس کے دونوں سالوں رئیس خان اور وراثت علی کی حوالی میں داخلے پر باندھی لگادی گئی تھی البتہ مہرالنسا اپنے بھائیوں سے ملنے جا سکتی تھی۔ دوسرا حکم یہ تھا کہ ستارہ بیگم کو حوالی کے جملہ انتظام و الصرام پر اختیار دے دیا گیا تھا حتیٰ کہ تجویری کی چابیاں بھی مہرالنسا کے ہاتھوں سے نکل کر اب ستارہ بیگم کے اتحاد میں آئیں۔

مہرالنسا کے نواب دن وراثت کیا بلکہ ہر پل جلتی ہوئی چتا بن کر رہ گئے تھے۔ وہ اب بھی باقاعدگی سے اپنے دونوں بھائیوں نے ملتی تھی اور اپنا روناروئی رہتی تھی۔ رئیس خان اور وراثت بھی ستارہ بیگم اور اس کی معصوم بیٹی پر کم ادھار کھائے نہیں بیٹھے تھے لیکن ستارہ بیگم نے چال ہی اسی چلی تھی کہ تینوں مردم طرح مار کھا کر اب کونے میں بیٹھے اپنے ہی زخم چائے پر مجبور تھے لیکن وراثت علی کا معاملہ مختلف تھا، وہ غصے اور جوش سے بجاۓ دماغ استعمال کرنے کا بھی عادی تھا۔ وہ اب بہن کو ستارہ بیگم کے خلاف نئی نئی پیشیاں پڑھانے

پر دہیں تو وہ غصے سے پچھک کر رہا گیا۔

اس وقت وہ ٹھے کے ساتھ اپنی بینھک لگائے بیٹھا تھا اور ایک حواری کے ذریعے اس نے فتحی فضل محمد کو بلوایا۔ فتحی اس وقت اپنے دو کمروں کے ناپختہ گھر میں موجود تھا۔ اتفاق سے اس کا بیٹا کبیل خان بھی تھا۔ اس نے جسم پر صرف ایک چوڑے ٹھیر والی شلوار پہن رکھی تھی اور گھر کے لبے چوڑے گھن کے ایک کونے میں نصب چاراکتر نے والی مشین جسے کھڑ میشین کہا جاتا ہے بھینوں کا چارا بنانے میں مصروف تھا۔ کبیل کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ دونوں بیٹے بیٹا ہی اس مکان میں رہتے تھے۔ کبیل تندی اور جفا کی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھا کہ اس وقت متاز خان کا حواری وہاں آن دھرم کا۔

”فتحی! چھوٹے چودھری تمہیں بلار ہے ہیں اسی وقت۔“

فتحی فضل اس وقت سجن میں بچھی چارپائی پر چائے کی پیالی تھا سے بیٹھا تھا۔ چھوٹے چودھری یعنی متاز خان کے بلاوے پر وہ چوتھک سا گیا۔ ایک لمبے کو اس کے بوڑھے چہرے پر ابھسنی تیر گئی۔ ادھر چاراکتر تے ہوئے کبیل نے حواری کی طرف ایک نظر دیکھا اور دوسرا نظر اس نے اپنے باپ کے چہرے پر بھی ڈالی تھی۔

”جی بہت بہتر، ابھی آتا ہوں۔“ فتحی فضل محمد نے حواری سے اتنا ہی کہا تھا کہ حواری کھنڈے ہوئے بجھ میں بولا۔

”ابھی میرے ساتھ چلو بدھے۔ جانتے نہیں چھوٹے چودھری جی کا غصہ۔“ لیکا ایک چاراکتر نے کی مشین کا پھیارک گیا۔ ناپختہ سجن کی سوندھی سوندھی فضائیں مشین چلنے کی تخصوص کھجا کچھ یکدم گھم گئی۔ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ حواری کے ایسے تفحیب آمیز روپ نے اس کے اندر کڑواہٹ گھول دی، ادھر تھی نے گھبرائے ہوئے انداز میں چوری نظروں سے اپنے جوان کریم بیٹے کبیل کی طرف دیکھا پھر چائے کی آدھ بھری پیالی چارپائی پر چھوڑ کر فوراً اٹھتے ہوئے بولا۔

”چلو جی چلو، ابھی علنے میں کون سی بات ہے۔“ ”نہیں بایا، بیٹھ جاؤ تم۔“ دفعاً کبیل کی بھاری آواز گونجی پھر وہ اس اکھڑ مزان حواری کو گھورتا ہوا چارپائی کے قریب آیا اور باپ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ”ابھی چائے آرام سے پجو بابا۔“ اس کے بعد حواری کے سرخ

آپ کا تھا۔

مہر النساء نے ستارہ بیگم سے منہ کی کھانے کے بعد زخمی ناگن کی مرح موقع کے انتظار میں کندلی مار لی تھی۔ اس کی اب ساری توجہ اپنے گبرو جوان بیٹے متاز خان پر مرکوز تھی۔ اس نے اسے گویا اپنا دودھ نہیں بلکہ زہر پلا یا تھا اور متاز خان نفرت کا یہ زہر پی کر اڑو ہا بن گیا تھا۔ باقی رہی کہ اس کے دونوں ماموں رئیس خان اور دراثت علی نے پوری کروی تھی اور اپنی ماں اور اپنے دونوں ماموں کی طرح وہ ابھی اپنی سوتیلی ماں اور بہن زہرہ بانو کو اپنی ازیز دہمن بھجتے گا۔ مہر النساء نے بھی جوان بیٹے کو ہتھار بنا کر استعمال کریا اور اپنی طرح اس کی سرنشست میں بھی کمیگئی، کینہ اور قلزم کا زہر بھر دیا۔

متاز خان کا قد و قامت اپنے باپ چودھری الف خان پر گیا تھا۔ مناسب تر، جنم گھٹھا ہوا، آنکھوں میں ہلکوڑے بیتی ازیزی رعنوت اور چہرے پر احساں برتری کا غرور اور گھمنڈ، کسی کو خاطر میں نہ لانے کا اہانت آمیز روپ یہ جبکہ زہرہ، انوسروقد اور اپنی ماں کی طرح حسین تھی۔ بڑی بڑی کشاو، آنکھیں اور لمبے سخنے ریشمی بال، زمانے کا چلن اور چالیاڑیوں کو جانچنے والا بارعب لہجہ، انداز تھا طب ایسا کہ تم مقابل خود میں رعب میں آنے لگتا۔

اپنے جوان بیٹے متاز خان کی مہر النساء نے جس انداز میں تربیت کی تھی اس نے اسے ایک او باش فطرت، بدقاش اور سرکش بادیا تھا۔ وہ آوارہ دوستوں اور آوارہ سرگرمیوں میں پڑھ کا تھا۔ اپنے گرد ہر وقت بدمعاش حواریوں کا ثولا بنائے رکھتا تھا۔ اس کے دونوں ماموں بھی اس کے ہمراہ پیش پیش رہتے تھے۔

ادھر ستارہ بیگم نے اپنے اچھے اخلاق اور حسن سلوک کی وجہ سے حوصلی کے ہی نہیں بلکہ جا گیر کے ملازموں کو بھی اپنا گرویدہ بنارکھا تھا جبکہ مہر النساء اس کی مکاری پر محمل کرتی تھی۔

ستارہ بیگم کے خیر خواہوں میں حوصلی کا ایک اہم کرتا دھر تھی فضل محمد تو ستارہ بیگم اور اس کی بیٹی زہرہ بانو کا گویا محتد خاص بن چکا تھا۔ فتحی فضل محمد بھی عمر رسیدہ ہونے لگا تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا کبیل خان، لمبا تر نہ گا اور جوان، رنگت سنولی تھی۔ وہ بھی حوصلی کے ملازموں میں شامل تھا۔

ادھر متاز خان کو جب اپنی ماں مہر النساء کے ذریعے یہ پتا چلا کہ حوصلی اور دیگر جا گیر دارانہ معاملات ستارہ بیگم کے



”کس بات کی معافی بابا؟“، گبیل باپ کے چہرے کی طرف دیکھ کر حیرت سے بولا۔ ”ہم نے ایسا کون سا جرم کیا ہے، قصور تو اس زرخیز کے کاتھا جوانے باپ کی عمر کے آدمی سے بے ادبی سے بات کر رہا تھا۔“

”چنگا چنگا... اب چپ کر تو۔“ فضل محمد بولا۔ ”تو پیٹھ کر اپنا کام کر، میں انہی آتا ہوں۔“ وہ چارپائی کے قریب پڑی جو تھوں کو پہنچتے ہوئے بولا تو گبیل نے کہا۔

”بابا! میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔“ بیٹے کی بات پر منشی فضل کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے کی طبیعت سے وافق تھا۔ جانتا تھا یہ اگر اس کے ساتھ چلا تو چھوٹے چودھری کے ساتھ بھی اس کی منہ ماری ہو جائے گی، لہذا وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بے بی سے بولا۔

”اوے پتر! میرے بڑھاپے کا خیال کر لے۔ تو میرا اک ہی سہارا ہے۔ اپنی جوانی پر حرم کر۔ اب حولی کا ماحول پہلے جیسا نہیں رہا۔ میں خود معاملہ ہی سے کام چلا رہا ہوں تو خود کو ان سے علیحدہ رکھ۔“ باپ کو ہاتھ جوڑے دیکھ کر گبیل کا دل چیخ گیا اور اسے خفت محسوس ہونے لگی، اپنے باپ کے دونوں ہاتھوں کو چوم کر احترام سے بولا۔

”بابا! تجھے کتنی بار کہا ہے اس طرح ہاتھ نہ جوڑا کر، اگر تو سمجھ رہا کہ کہ حولی کا ماحول اب بدلتا گیا ہے تو چودھریوں کی نوکری چھوڑ کیوں نہیں دیتا؟ میں جوان ہوں روئی کما سکتا ہوں، تو اب آرام سے بیٹھو اور مجھے بھی اپنی

پڑتے چہرے، کی طرف دیکھ کر درستی سے بولا۔

”اپنے باپ کی عمر کے آدمی سے اس طرح مخاطب ہوتے ہوئے، نہیں شرم نہیں آتی؟ خبردار! آئندہ اپنی زبان کو لگام دے کر رکھنا۔ میرے بابا حولی کے پرانے خادم ہیں، چھوٹے چودھری کیا بڑے چودھری صاحب بھی ان کی عزت کرتے ہیں، سمجھا تو؟“ حواری کے دامیں بغل سے ہو لش رجھوں رہا تھا یوں بھی متاز خان کے سارے قریبی حواری اس لی ہدایت کے مطابق مسلح ہی رہتے تھے۔ گبیل کی بات پر اس کے چہرے پر غصے کی سرخی ابھر آئی اور وہ پر طیش لجھ میں بولا۔

”تم اپنی زبان کو لگام دو، حولی کے نوکروں کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ سرخ چڑھ جاؤ۔“

”ہم تو کر ضرور ہیں مگر غلام نہیں۔“ گبیل نے ترکی بہ ترکی اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ”معاملہ عزت کے ساتھ چلتا رہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس تو کری پر ہم...“

”اہ بس کر پڑے بس کر، چپ ہو جا۔“ دفعہ فضل محمد اپنے بیٹے کی بات کاٹ کر بولا۔ اپنے جوان سال کڑیل اور غیرت سند بیٹے کو جوش میں آتے دیکھ کر بوز چاٹھی خوف زد، سا ہو گیا تھا مگر ادھر حواری بھی جیسے گبیل کی ادھوری بات کا مطلب جان گیا تھا۔ اس نے فوراً اپنے ہو لش پر راتھر کھر کر شعلہ بار نظروں سے لمبے چوڑے گبیل کی طرف گھورتے ہوئے تیزی لجھ میں کہا۔

”میں کہتا ہوں اپنی زبان کو لگام دے کا کے ورنہ چودھری جی اور حولی والوں کے خلاف بولنے پر تجھے پچھتا نہیں ہا بھی موقع نہیں ملے گا۔“

گبیل کا دماغ اتنے لگا اس نے بڑی سنتا تی نظروں سے اسے گھورا پھر ایک استہزا سیئے نظر اس کے ہو لش روایے ہاتھ پر اور پھر چہرے پر ڈالتے ہوئے بولا۔ ”ایسے بانٹے ہوئے خبراتی مکھلوں سے ڈرانا مردوں کا شیوه نہیں۔ خاموشیل سے نکل جاؤ یہاں سے ورنہ...“ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔“ گبیل کی آواز میں نہ جانے کیسی تھیں گرج تھی کہ وہ بڑی معاندانہ نظروں سے گھورتا ہوا پلٹ گیا۔

۔ بے چارہ منشی فضل محمد پریشان ہو گیا اور بیٹے سے بولا۔ ”اوے پتر! تو نے کیا کر دیا؟ ناراض کر دیا اسے، تجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب تجھے سب سے پہلے چھوٹے چودھری جی سے معافی مانگنا پڑے گی۔“

خدمت کا موقع دے۔“

”چنگا، چنگا... چھوڑ دوں گا نوکری، چھوڑ دوں گا۔ اب مجھے جانے دے۔ تو بیٹھ آرام سے۔“ بیٹھنے کو مخندرا پڑتے دیکھ کر باپ نے اسے دلا سادیا اور جسٹر سنجالے باہر نکل گیا۔ کبیل، سوچتی نظرؤں سے دروازے کی طرف دیکھا رہ گیا۔

مشی قفضل مجرڈ راسہا حویلی کی بیٹھک پہنچا تو چھوٹے چودھری متاز خان کو چھوٹش نظرؤں سے اپنا منتظر پایا۔ اس کے قریب ہی دیگر چند شخص حواریوں کے ساتھ وہ حواری بھی موجود اسے بڑی زہری لی نظرؤں سے گھور رہا تھا جو اسے بلانے آیا تھا اور جس کے ساتھ اس کے بیٹھے کبیل کی منہ ماری ہوئی تھی۔

بہر حال مشی قفضل محمد نے ڈرتے ڈرتے چودھری متاز خان کو سلام کیا تو اس کے کانوں سے شعلہ بار اور گرجتی ہوئی آواز ملکر آئی۔ ”اوہ... ہے! تو اکیلا کیوں آیا ہے؟ کدھر ہے وہ تیرا پھنسنے خان پیٹا؟ بڑی اکڑ ہے اس کے دماغ میں؟“

مشی فوراً رجسٹر بغل میں دبا کر اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ”چودھری صاحب! اس کی طرف سے میں معافی مانگ دیتا ہوں، جوان منڈا ہے میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔“

”اوے، یہ بھی سمجھادینا اسے کہ اپنی اوقات میں رہ کر آئندہ میرے دمیوں سے گل بات کرے۔“ متاز خان نے بوڑھے فضل محمد کو خشمگیں نظرؤں سے گھورتے ہوئے درستی سے ہا۔ مشی فوراً کپکپاتے لبھ میں بولا۔

”سمجادوں گامی، بہت اچھی طرح سے سمجھادوں گا۔ میرے لیے کیا حلم ہے؟“ اس نے جیسے موضوع بدلتا چاہا تو متاز خان جو ایک مومن ہے پر بڑی شان سے نانگ پر نانگ چڑھائے براہنان تھا، تحکما نہ درستی سے بولا۔

”آج سے جائیر متعلق سارے معاملات میرے سامنے رکھے گا اور حساب کتاب بھی... سمجھاتو؟“

اس بات کا مشی قفضل کو پہلے ہی خدشہ تھا اور اس کا جواب بھی وہ پہلے ہی سوچ چکا تھا وہ مودبانتہ بولا۔ ”ٹھیک ہے چودھری جی بھلا مجھ کی کمین کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے لل... لیکن وڈے چودھری جی کا حکم ہے کہ...“

”مشی...“ متاز خان دھڑا۔ ”اب اس چھت کے پیچے میرا حکم چلے گا، میا تو نے یا نہیں؟“

بے چارہ فضل محمد دہل کر رہ گیا، بولا۔ ”بالکل جی، بالکل... میں لیا۔“

”اب دفع ہو جائیاں سے، آئندہ میں مجھے تارہ بیگم اور زہرہ بانو کے سامنے سر جھکائے کھڑا نہیں دیکھوں۔“ متاز خان نے دوسرا حکم صادر کر دیا۔ مشی نے دوبارہ فدو یا نہ انداز میں اپنا سر ہلا دیا اور یہے ہی پلنے لگا تو بری طرح شنک کر رک گیا۔

بیٹھک کے دروازے پر ایک خوب رو اور زہرہ بحال صورت دو شیزہ کھڑی تھی۔ یہ تارہ بیگم کی بیٹی زہرہ بانو تھی۔ وہ اندر آ کر متاز خان سے مخاطب ہو کے بولی۔ ”یہ حکم تو بابا جانی کا ہے بھائی جان، بھلا اس بے چارے بوڑھے کو آپ کیوں ڈانت رہے ہو؟“

زہرہ بانو نے پہلا بھلکا دیدہ ڈریب لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کے ریشمی ٹھنڈے یاں شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ کشادہ آنکھوں کی کمانیں چھپی ہوئی تھیں اور ان میں تیز طراری دوز رہی تھی۔ متاز خان نے اپنی سوتیلی بہن کی طرف انتہائی ناگوار نظرؤں سے گھبرا اور پھر نفرت آمیز لمحے میں بولا۔ ”اے لڑکی! ہمیں بھائی جان کہہ کر اپنا رشتہ ہم سے جوڑنے کی کوشش مت کر... جاؤ دفع ہو جاؤ جیاں سے۔“

زہرہ بانو نے شہر میں بھی تعییم حاصل کی تھی اور تعلیم کے دوران کافی عرصے اپنی نیو ملٹان والی کو تھی ”بیگم والا“، میں بھی مقیم رہی تھی۔ لہذا اس مناسبت سے اس کے اندر شہر اور دیہات کا عجیب امتزاج پایا جاتا تھا۔ اس نے گھری نیلے رنگ کی نائنٹ جیزز پہن رکھی تھی اور سرخ قیس، گلے میں اکارف تھا۔ متاز خان کی درستی کے جواب میں اس نے استہزا ایسے مسکراہٹ سے اس کی جلتی سلکی آنکھوں میں بے خوفی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کو میرا بھائی جان کہنا اچھا نہیں لگتا تو پھر میں آپ کو متاز خان کہہ کر مخاطب کرتی ہوں۔ رہی بات رشتہ جوڑنے کی تودہ کسی اور نہیں بابا جانی نے ہی جوڑا ہے اور مجھے اس پر ہمیشہ غفرنے گا۔“

”تو یو شٹ اپ۔“ متاز خان آپ سے سے باہر ہونے لگا۔ حتیٰ کہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر زہرہ بانو کے دلش ہونتوں کی استہزا ایسے مسکراہٹ میں پنڈاں فرق نہ آیا۔ اسی لبھ میں بولی۔ ”متاز خان! اپنے غصے اور دماغ کی گرمی کو قابو میں رکھو۔“

پھر وہ ایک طرف ڈرے سہے کھڑے مشی سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”مشی چاچا! آپ نے وہی کرنا ہے جو بابا جانی (چودھری الف خان) نے آپ کو حکم دے رکھا ہے۔“

آوارہ گود

”بالکل نہیں بابا جانی، اگر یہ ذمے داری ممتاز بھائی جان سنبھالتے ہیں تو خوشی کی بات ہو گی اور میں بھتی ہوں امی جان (ستارہ نیجم) کو بھی یقیناً اس بات کی خوشی ہو گی، انہیں دیے بھی آرام کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آپ کی شفقت اور پیاری ہم دونوں ماں بیٹی کے لیے کافی ہے۔“

”ہم جانتے ہیں۔“ چودھری الف خان نے مسکرا کر کہا۔ پھر اپنے بیٹے کے قریب آ کر اس کے شانے کو تھپٹھپا کر سمجھاتے ہوئے بولا۔ ”اوئے پُرٹ! تو تو میرا شیر جیسا بیٹا ہے اور شیر کو ان چھوٹے موٹے معاملات سے دچکی نہیں ہوئی چاہیے۔ تو شیر دا پت ہے... شیر بن ۰۰۰۰۰ آگے جھے ہی تو یہ سب کچھ سنبھالنا ہے۔ چل اب اپنی بہن کے سر پر ہاتھ پھیڑیوں شباش۔“ ممتاز خان کے لیے یہ بات قطعاً ناقابلِ قبول تھی کہ وہ زہرہ بانو کے سر پر دست برادری رکھتا۔ لہذا اسے خاموش پا کر زہرہ بانو نے خود ہی مسکرا کر الف خان کو سلام کیا اور واپس جانے کی اجازت لی۔

جس وقت زہرہ بانو بیٹھک سے نکل رعنی فضل محمد بھی باہر نکل رہا تھا۔ وہ زہرہ بانو اور اس کی ماں ستارہ نیجم کے حسن اخلاق و سلوک سے پہلے ہی بہت متاثر تھا۔ اس کے قریب آ کر بولا۔ ”زہرہ بیٹی! تمہارا شکر یہ تم اگر بروقت نہ آئی تو یہ نکا چودھری جانے میرے ساتھ اور کتنا بُرا کرتا۔“ زہرہ مسکرا کر بولی۔

”چاچا! عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے مگر افسوس زندگی ناخد اس کا شکیا اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں اور منہ کی کھاتے ہیں۔“

”ویسے زہرہ بیٹی! مجھے اس بات کا افسوس ہوا کہ اب حساب کتاب کے معاملات چھوٹی نیجم (ستارہ نیجم) کے بجائے نکا چودھری دیکھا کرے گا اور وڈے چودھری نے بھی اس کی اجازت دے دی۔“

زہرہ بانو نے ایک ہر انسان لے کر کہا۔ ”اس سے کیا فرق پڑتا ہے مجھی چاچا، مجھے خفر ہے کہ اتنے عرصے اپنی جان نے یہ حساس نوعیت کا کام سنبھال لے رکھا تھا اور بابا جانی کو بھی شکایت کا موقع نہیں ملا۔ اچھا ہی ہوا کہ امی جان بھی سوکھی (بری الدمہ) ہو گئیں۔“

اس وقت فضل نہ چونکا۔ اس کا بیٹا گبیل وہاں آن پہنچا تھا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ گبیل اور زہرہ بانو کا آج چہلی بار آمنا سامنا ہوا تھا اگرچہ غائبانہ تعارف تھا۔

”یہ میرا بیٹا ہے جی گبیل۔“ منشی نے زہرہ بانو سے کہا۔ پھر بیٹے سے بولا۔ ”یہ زہرہ بانو ہے چھوٹی نیجم صاحب

وہ بے چارہ کیا جواب دیتا۔ مگر ممتاز خان گویا ہتھے سے ہی اکھر گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سخت بات کہتا دروازے پر کسی کے بھاری انداز میں کھنکھارنے کی آواز ابھری اور یکافت جیسے سب کو سانپ سونگھے گیا۔ بیٹھک میں چودھری الف، خان داخل ہو رہا تھا۔ زہرہ بانو نے فوراً با ادب ہو کر سلام کیا اور اپنے سر پر اسکارف درست کر لیا۔

”کیا بات ہے دھیئے؟ یہ کیا شور ہو رہا تھا یہاں؟“ چودھری الف خان زہرہ بانو کو بھی اپنی بیٹی ہی سمجھتا تھا، اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ممتاز خان تو جیسے پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ اکر نے زہرہ بانو کے خلاف باپ کے سامنے ٹھکوئے شکایت کی بھرمار کر دی۔ پھر جب زہرہ بانو سے پوچھا گیا تو اس نے باپ کو ہی بتایا جو سچ تھا۔

”منشی نصلی محمد کو میں نے ہی حکم دے رکھا ہے، پُرست ممتاز! تمہیں اس پر کوئی اعتراض ہے؟“ چودھری الف خان نے اپنے جوان بیٹے ممتاز خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

وہ بولا۔ ”بابا جانی! اس لڑکی اور اس کی ماں کا بھلان معاشرتے سے کیا تعلق ہے؟ میں آپ کا خون ہوں گا رشتہ ہے میرا آپ سے، کیا میں آپ کا کچھ نہیں لگتا؟“

بیٹے کی بات پر جہاندیدہ الف خان کو اگرچہ پہلے ہی ماضی کے بعض حوالوں سے کچھ تین حصائیں اور باتوں کا ادراک تھا تاہم یہ بھی جانتا تھا کہ اب اس کا بیٹا بھی جوان ہو چکا ہے لہذا جوان بیٹے کے سامنے وہ کسی قسم کی گرم اگری کرنے کے بجائے بردباری سے بولا۔

”مرے ز پُرست! رشتہ بننے نہیں بناۓ جاتے جاتے ہیں۔“ چاہے وہ خون کے ہوں یا محبت کے مگر اس بات کی کوئی خانست نہیں ہوتی کہ ان دونوں میں سے کون سارشته وفا کرے گا لیکن وقت ثابت ضرور کر دیتا ہے۔ اس سے پہلے جا گیر اور حوصلی سے متعلق ساری معاملہ داری، تمہاری ماں مہر النساء کے ہی پر دیتی، مگر اس نے ہمارے اعتماد کو بُری طرح سے ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس کے بعد سے ہمیں یہ سارا معاملہ مجبوراً ستارہ نیجم کے پر درکرنا پڑا جو آج تک یہ ذمے داری مخوبی انجام دیتی آئی ہے۔ شھیک یہے اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو آج سے یہ ذمے داری میں تمہیں سونپتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ قریب احتراماً سر جھکائے کھڑی زہرہ بانو سے مخاطب ہو کے بولا۔

”تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں بیٹی؟“ زہرہ بانو نے فوراً نہیں مل سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

کی بیٹائے سلام کر... صحیح تال۔"

لبیل جو ایک ثانیے کے لیے یہ تک بھول گیا تھا کہ وہ یہاں آیا کیوں اور کس فکر میں تھا۔ باپ کی بات پر وہ چونکا۔ درحقیقت، باپ کے گھر سے روانہ ہونے کے بعد لبیل بے چین تھا۔ متاز خان کے بد مزاج حواری سے تباخ کلای کے بعد اسے خدشہ تھا کہ کہیں بیٹھک میں اس کے بوڑھے باپ سے ساتھ کسی قسم کی کوئی بدسلوکی نہ کی جائے۔ لہذا اس فکر سے آبوڑھی دیر بعد وہ بھی چلا آیا تھا مگر یہاں پہنچ کر وہ جیسے اپنی مدد بدھ بھی کھو گیا تھا۔ اس کی وجہ زہرہ بانو تھی۔ اس کے پُرشوخ صن نے اسے متاثر کیا تھا اور وہ اسے دیکھتے ہی مبہوت سا ہو کر رہ گیا تھا مگر باپ کے کہنے پر... اور... زہرہ بانو کا تعارف ہوتے ہی وہ فوراً ایک روایتی قسم کے امترام کے دباؤ میں آگیا اور سر جھکا کے زہرہ بانو کو سلام کیا۔ زہرہ بانو نے ہولے سے اپنے سر کو اشیائی خنبش دی... اور جو لیکی کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

بعد میں مذکور فضل محمد نے بیٹے کو بتایا کہ زہرہ بانو کی وجہ سے بات سنجل گئی وہ اس کی تعریف کرنے لگا۔

"بابا! یہ بڑی تو ہے ہی تعریف کے لائق۔" لبیل نے دل میں کہا تھا مگر اپنی حیثیت بھی جانتا تھا اس لیے چبھ رہا۔

حوالی آکر زہرہ بانو نے اپنی ماں کو ساری بات بتا دی۔ وہ بھی مطمئن تھی کہ ایک اہم ذمے داری کو وہ ایک طویل عرصے تک ایمان داری سے نجاتی آرہی تھی اور کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا۔ آج بہترین خوبی وہ اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہو چکی تھی۔

"لیکن اُنی جان! ہمیں اپنے حصے کی زمینوں کی دیکھ بھال اور حساب نہ کرنا ہو گی اور یہ کام اب آپ نہیں میں کروں گی۔" زہرہ بانو نے سنجیدگی سے کہا تو تارہ بیگم کے چہرے پر تفکر آمیزی کے تاثرات نمودار ہو گئے۔ وہ سادہ سے میک اپ اور ٹکے میرون گلر کے نیس لباس میں ایک بادقا خاتون نظر آرہی تھی۔ بیٹی کی بات پر وہ بولی۔

"زہرہ بیٹو! بے شک جو ہمارے حق میں لکھ دیا گیا وہ ہمارا ہو گا مجھے بھی بھی دھن دولت کا لائق نہیں رہا لیکن یہ سب کچھ مجھے تمہاں بھی خاطرا اور تمہارے بہتر مستقبل کے لیے مجبوراً کرنا پڑتا تھا، اس کی وجہ تھم بھی جانتی ہو۔ مگر بیٹی اس وقت حالات اور تھے، چودھری الف خان سے شادی کے

بعد میں فطری طور پر اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے کچھ تحفظات کا شکار تھی، اس لیے میں نے چودھری جی سے اپنی یہ شرط منوائی تھی مگر پھر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنے تحفظات، طہانیت کا احساس ہونے لگتا ہے لیکن بیٹی! آج تمہیں جوانی کی دلیز پر اور خود کو ایک جوان بیٹی کی ماں کے روپ میں دیکھ کر مجھے شدت سے یہ احساس فکر مند کرنے لگا ہے کہ میں شاید اب بھی وہیں کھڑی ہوں۔ ایک کمزور عورت کی صورت... جہاں سے چلی گئی۔" یہ کہہ کر ستارہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ماں کو نجیدہ خاطر دیکھ کر، زہرہ بانو ترپٹ اٹھی۔ فوراً ماں کے سینے سے جا گئی اور بڑے رسان غیر مضبوط لبجھے میں بولی۔ "ای جان! آپ خود کو کیوں کمزور بھتی ہیں؟ آپ کمزور نہیں ہیں۔ عورت ہیں تو کیا ہوا؟ تاریخ بہادر عورتوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ ارادوں کی مضبوطی اور حوصلوں کی بلندی یہ سب میں نے آپ بھی سے تو سیکھا ہے۔" ستارہ بیگم نے اپنے سرسراتے آنچل کے پلو سے اپنی گھری آنکھوں میں اتری نبی پوچھتے ہوئے پیار سے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ہولے سے اس کی پیشانی چوچتے ہوئے بولی۔ "ہاں بیٹی، ہم کمزور نہیں ہیں۔ ہمیں دیکھتی ہوں تو میں جیسے دوبارہ جینے لگتی ہوں۔ لیکن بیٹی ہمارا یہاں حوالی میں دم خم چودھری جی (الف خان) کی وجہ سے ہے۔ زندگی موت کا کیا بھروسہ، میں تو ہر وقت چودھری صاحب کی درازی عمر کی دعا کرتی رہتی ہوں۔ بیٹی! تم متاز خان کے منہ نہ ہی لکو تو اچھا ہے، تم تو جانتی ہوئا... ان ماں بیٹوں کی آنکھیں ہم کائنے کی طرح ٹکلتے ہیں۔"

"میں سب جانتی ہوں اگی جان۔" زہرہ بانو مضبوط لبجھے میں بولی۔ "مگر مجھے اور بھی بہت سی باتوں کا پہنچوںی احساس ہے لیکن آپ کی جو بابا جانی سے کم نہ ہوئی تھی، اس کے مطابق ہمیں جو ملا... وہ ہمارا حق ہے۔ ہم اس حق سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ آپ مجھے پر بھروسہ کھیں اور میرے لیے دعا کیا کریں، بس۔"

"بیٹی! میں تیرے لیے تو ہر وقت دعا کرتی رہتی ہوں۔" ستارہ بیگم نے کہا اور زہرہ بانو محبت سے مکراری۔

اس دن سے اپنے حصے کی جا گیر کے معاملات زہرہ بانو نے خود دیکھنا اور سنبھالنا شروع کر دیے۔ ادھر متاز خان کو بھی باپ کی طرف سے گویا شہ ملتے ہی پر لگ کرے۔ اس نے سب سے پہلے حوالی کے برسوں پرانے خادم یعنی مشی فضل محمد کو نوکری سے بے دخل کر دیا اور اس کی جگہ کسی

آوارہ گرد

میں ہے۔ ان دونوں نے تو اس کا نام بھی بیکم والار کہ چھوڑا ہے۔ میں تو کہتی ہوں اس کا نام بھی بدل ڈالو۔“

ماں کی بات پر متاز خان کینہ پرور لبجھ میں بولا۔ ”اس کا بندوبست بھی میں نے پہلے سے ہی سوچ رکھا ہے ماں جی، میرے آدمی آہستہ آہستہ وہاں اپنا ڈیرا جما رہے ہیں۔ کل تک یہ کام بھی ہو جائے گا۔ میں خود دونوں کے لیے اس کو بھی (بیکم والا) میں جا کر بس کروں گا۔“

”شاواشے پتر! یہ دونوں کام اب جلدی کر لے۔“

مہرالنما نے مکاری سے کہا اور متاز خان نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

زہرہ بانو کو رفتہ رفتہ اور بھی بہت سی باتوں کا احساس ہو چلا تھا۔ متاز خان کو اب کھل کر ان ماں بیٹیوں کے خلاف جگ کرنے کا موقع ہاتھ لگا تھا۔ اس کے او باش حواری اس میں پیش پیش تھے۔ ان میں ویکم المعروف ”جھیما“ قابل ذکر تھا۔ وہ ایک بچپن میں سالہ گرانڈیل آدمی تھا اور صورت سے ہی چھتا ہوا بد معاشر نظر آتا تھا۔

وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے زہرہ بانو بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہونے لگی تھی، اب تک اس کے گرد حویلی کے چند ہی معمولی قسم کے ملازم ساتھ رہتے تھے مگر اب وہ بھی بے چارے متاز خان کے ڈر کی وجہ سے زہرہ بانو سے کترانے لگے تھے۔

زہرہ بانو نے اپنے استعمال کے لیے ایک سفید رنگ کی سوزو کی پوٹھوہاری جیپ رکھی ہوئی تھی، اسے سالوٹ پلانٹ کے نیجے شیراز چیمہ کا ایک خفیہ پیغام موصول ہوا جس میں اس نے فقط اتنا ہی کہا تھا کہ وہ کسی دباؤ کی وجہ سے خود تو نہیں آسکتا مگر یہ زحمت اسے کرنا پڑے گی۔ زہرہ بانو کو دال میں کچھ کالا محسوس ہونے لگا۔ اس نے فوراً رواںگی کا پروگرام بنایا۔ فرشی فضل محمد کو ساتھ لے کر وہ روانہ ہو گئی۔ سالوٹ پلانٹ پہنچی تو ششد رہ گئی۔ کئی سو ایکر پر بیچت اس سالوٹ پلانٹ کی زمین پر جدید خطوط پر سُسٹم سازی کر رکھی گئی۔ اس پلانٹ سے کئی اور بھروسے سے ایک خاص قسم کا تسلیک لالا جاتا تھا۔ آج سے کئی سال پہلے جب یہ پلانٹ چودھری الف خان نے چند زمینوں کے ملکزوں اور ملتان والی کو بھی (بیکم والا) کو اپنی دوسری محبوب بیوی ستارہ بیکم کی شرط پر ان کی بیٹی زہرہ بانو کے نام کیا تھا تو اس وقت یہ پلانٹ بعض یعنی وجہ کی بنا پر بند پڑا تھا اور کافی عرصے تک بند رہا تھا لیکن ستارہ بیکم کی خصوصی توجہ اور ذمہ دار تجربہ کار آدمیوں کی بھرتی کی وجہ سے سالوٹ پلانٹ جلد منافع بخش انداز میں

دوسرے آدمی کو رکھ لیا۔ پہ بھی پختہ العر آدمی تھا مفضل محمد کی طرح قابل اور ایمان دار بھی تھا۔ یہ کیش خور تھا۔

زہرہ بانو کو جب فرشی فضل محمد کی معزولی کا پتا چلا تو اسے بڑا دکھ ہو۔ مگر پھر کچھ سوچ کر خوش بھی ہوئی، اس نے فوراً حویلی سے ایک خادم کو فضل محمد کے مگر بیچ کر اسے بلوالیا اور اسے اپنے ھے کی جا گیر کا مشی رکھنا چاہا تو فضل محمد تذبذب کا شکار ہو گیا۔

حقیقت، یہ تھی کہ فرشی ایک کام آدمی تھا۔ اسے شروع سے ہی محنت اور کام کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ ایسا آدمی چاہتا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے خود کو مصروف رکھنے کی خاطر۔ لیکن اسے تذبذب درحقیقت متاز خان کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ مگر ستارہ بیکم کے اس پر احسانات بھی بہت تھے۔ لہذا وہ اس کی بیٹی کی بات کیسے روک سکتا تھا۔

”چاچ! مجھے آپ جیسے ایمان دار اور تجربہ کار آدمی کی ضرورت ہے اور آپ سے زیادہ اچھا انسان کون ہو گا۔ پھر میں تو آپ کو جاچا بھی کہتی ہوں۔“ زہرہ بانو نے آخر میں بڑی محبت سے کہا تو فرشی فضل محمد بھی مسکرا کر اور اپنا دست شفقت اس کے سر پر رکھتے ہوئے بولا۔

”تو بھی تو میری بیٹیوں جیسی ہے۔ میں اپنی ذمہ داری پوری طرح نجاح نے کی کوشش کروں گا۔“

ادھر متاز خان کے ہاتھ یہ ذمہ داری کیا گئی گویا ایک مشغل ہاٹھ آگیا۔ مہرالنما خوش تھی، اس نے بیٹے سے کہا۔

”ممن متاز! جو ڈیرے کی طرف والی زمینیں اور سالوٹ پلانٹ ہے تا وہ ان دونوں (ستارہ بیکم اور زہرہ بانو) کے نام ہیں۔ اس پر بھی اپنا سب..... سے پہلے قبضہ جائیں، اور ایک بات اور سن یہ سب اپنے کھاتے میں چڑھانے کی بلد سے جلد کوشش کرنا، تیرے دونوں مائے، رہیں اور رہا۔ اس معاملے میں تیری مدد کریں گے۔ مختار کار آفس میں ان کی بڑی جان پہچان ہے، سمجھ گیا۔“

”مار جی! اس کی نکلنے نہ کر۔ یہ کام تو میں پہلی فرصت میں مرنے کی کوشش کروں گا۔ ان دونوں ماں بیٹیوں کا ہماری جائیداد، بلکہ ہماری حویلی کی ایک اینٹ پر بھی حق نہیں ہتا ہے۔ میں تو بابا جان کی وجہ سے اب تک خود کو روک کر ہوئے ہوں ورنہ تو کب کا دونوں کو حویلی سے ہی نکال باہر کرتا۔“

”شباش پتر۔“ مہرالنما بیٹے کے عزائم جان کر خوش ہو کے بولی۔ ”شہزادی کو بھی بھی ان دونوں ماں بیٹی کے قبضے

بھاری ہاتھ سے اس کا کانڈہا دبو ج لیا۔ فضل محمد چونکہ کرکا اور اس کی جانب پٹنا تو جھیماز، ہر آلو نظرؤں سے اسے گھوڑتے ہوئے تبدیدی لجھ میں بولا۔

”اوے بڑھے! تجھے متاز صاحب نے جو یلی سے بے دخل کر دیا تھا اب کیا اس عمر میں اس زنانی کی غلائی کرے گا تو؟“ جھیما کی بات پر مشی فضل محمد کے بوڑھے چھرے پر کچھ تکفیر آمیزی کے آثارا بھرے تھے، زہرہ بانو کا دماغ بھی ایک بار پھر گرم ہونے لگا۔ تاہم مشی فضل محمد نے آئنکی سے جھیما کا ہاتھ اپنے کانڈھے سے جھٹک دیا اور قریب کھڑی زہرہ بانو کے سر پر ہاتھ رکھ کر فقط اتنا بولا۔ ”زہرہ بانو میرے لیے بیٹھوں جیسی ہے۔“

اس کے بعد اس نے زہرہ بانو کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں جیپ میں سوار ہونے لگے۔ اس دوران انہیں جھیما کی خونخوار آواز سنائی دی۔ ”اوے بڑھے! اپنے بڑھاپے پر رحم نہیں کھاتا تو اپنے بیٹے کی جوانی پر ہی ترس کھالے، ہماری دشمنی تجھے مہنگی پرستی ہے۔“ اس کی دھمکی پر ایک لمحہ کو بے چارہ فٹی دہل کر رہ کیا تھا۔ تاہم زہرہ بانو کے حوصلہ دینے پر وہ خاموش ہو رہا۔ زہرہ بانو نے ڈرائیورگ سیٹ سنجالی اور ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ مشی کو جب زہرہ بانو کے عزم کا پتا چلا کہ وہ واقعی اس وقت متعلقہ تھانے جانے کا قصد کیے ہوئے ہے تو اس نے سمجھایا۔

”زہرہ بیٹی! بھی تھانے کا رخ کرنا مناسب نہ ہوگا۔ آپ کو پہلے اپنی امی جان سے اس کا ذکر کر لیتا چاہیے۔“ ”بیٹی میں چاہا۔“ زہرہ بانو نے اٹل لجھ میں کہا۔ ”میرا اس وقت تھانے جانا ضروری ہے۔“

مشی خاموش ہو گیا۔ زہرہ بانو کا چھرہ جوش غیظ تھے سرخ ہو رہا تھا۔ تحوزی دیر بعد وہ تھانے پہنچ چکی تھی۔ تھانے انجارج ایک سب انپکٹر تھا۔ تحوزے دنوں پہلے ایس انج اون پکٹر غلام شیر کا تبادلہ ہو گیا تھا تو عارضی طور پر تھانے کا چارج جہا نزیب نامی ایک سب انپکٹر کو ملا تھا۔ یہ ایک کم عمر کا آدمی تھا اور ایمان دار اور فرض شناس پولیس آفیسر تھا۔ زہرہ بانو نے اپنا تعارف کروایا تو وہ مرعوب نظر آنا لگا پھر جب اصل مسئلہ بیان کیا تو وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ تاہم پوری بات سننے کے بعد وہ زہرہ بانو کو سمجھانے کے انداز میں بولا۔

”ویکھیں بی بی! یہ جاندار وغیرہ کے تنازعات چونکہ خالع تھاندانی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس میں ڈائریکٹ

چل پڑا تھا۔ زہرہ بانو نے جیسے ہی رفتہ رفتہ شور پکڑا تو تارہ بیگم نے یہ سب اسے بھی سکھا اور سمجھا دیا تھا کیونکہ آنے والے وقت میں زہرہ نے ہی یہ سب سنجانا تھا۔

زہرہ بانو جب اپنے مشی فضل محمد کے ساتھ دہاں پہنچی تو اس کے چونکنے کی وجہ وہ شعلہ کارندے تھے جو پلانٹ کے وسیع دعیریض اہامیت کے گیٹ پر متعین تھے اور وہ سب اس کے سوتیلے بھائیاً متاز خان کے آدمی تھے۔ بھی نہیں اس کی جیپ کو بھی اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ زہرہ بانو کا چھرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جیپ سے اُتری اور بار عرب درختی سے ایک کارندے سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”گیٹ کیوں نہیں کھولا جا رہا ہے؟“

”آپ کا داخلہ منوع کر دیا ہے جو چونے چودھری نے۔“ کارندے نے اکھڑپن سے کہا۔

”وہ کون ہے؟“ بھی سری پارٹی میں داخل ہونے سے روکنے والا... اس پلانٹ کی مالک میں ہوں اور تم یہاں میری اجازت کے بغیر ہتھیاروں کے ساتھ کیوں موجود ہو؟ جانتے نہیں ہو: میں کون ہوں؟“

وہی بد تیز کارندہ جو وہیم عرف جھیما تھا اسی بڑی بڑی سمجھوں پر ہاتھ پھیر کر استہزا یہ مسکراہٹ سے بولا۔ ”بہت اچھی طرح جانتے ہیں جی ہم آپ کو... آپ وڈے چودھری کی دوسری زنانی تارہ بیگم کی بیٹی ہو۔“ اس نے دانتہ ایسا کہا تھا۔ اس کی زبان سے اپنی ماں کا اس طرح نام سن کر زہرہ بانو آپے سے باہر ہو گئی۔ غصے سے سرخ ہو کے بولی۔

”میری ماں کا تمیز سے نام لو سمجھے، قانونی طور پر اس پلانٹ پر میری مالیت ہے۔ زیادہ بد معاشری دکھاؤ گے تو میں ابھی پولیس کو ملا اؤں گی۔“ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے اپنے کتوں سمیت۔ ”زہرہ بانو کی جوابی کارروائی نے جھیما کی تھیک ٹھاک نکور کر دی گئی مگر وہ بھی ڈھیٹ فٹی کے ساتھ بولا۔“ ”اوی بی، ذرا ہوا لہجہ رکھو، مجھے اس کا جواب دینا بھی آتا ہے۔“ متاز صاحب کو ہم صرف وڈے چودھری کا بینا سمجھتے ہیں اور اس کے حکم سے ہم یہاں موجود ہیں۔ تم نے جو کھیل کھیلتا ہے جا کر کھیلو۔“

اس اٹھا میں مشی فضل محمد نے زہرہ بانو کے کان میں کچھ کہا تو وہ جھیما کی طرف شعلہ بار نظرؤں سے گھوڑتے ہوئے بولی۔ ”ٹھیک ہے، میں دیکھ لیتی ہوں تم سب کو۔“ یہ کہہ کر وہ پٹی اور جب مشی بھی پٹنے لگا تو دفتار جھیما نے اپنے

اوارہ گرد

سے بات کرنا چاہی تو مہرالننانے اسے منع کر دیا اور مکاری سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ ”نہیں پتہ، ابھی تو چودھری جی کے منہ نہ لگ تو اچھا ہے۔ میں خود پہلے ان سے بات کروں گی۔“

”نہیں بے بے، اب پانی سر سے اوپھا ہو گیا ہے۔“
متاز خان پھرے ہوئے لبجھ میں بولا۔ ”بابا جان کو اب ایک فیصلہ کرنا ہو گا، ہم یادہ۔“

متاز خان نے اس دن باپ سے زہرہ بانو کی شکایت کر دی۔ چودھری الف خان کو بہر حال یہ بات پسند نہیں آئی کہ زہرہ نے تھانے کا رخ کیا تھا۔ اس نے زہرہ بانو کو طلب کر لیا۔ زہرہ بانو نے بڑے اعتداد کے ساتھ متاز خان کی حرکت اور اس کے مسلح حواریوں کی بد تیزی سے آگاہ کیا۔

”کچھ بھی تھا نہیں، تمہیں پہلے ہم سے شکایت کرنا چاہیے تھی۔“ چودھری الف خان نے زہرہ بانو سے کہا۔ تو وہ اپنی غیر معمولی فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے بولی۔

”بابا جانی! میں اپنی اس غلطی پر نادم ہوں اور آپ سے معافی چاہتی ہوں لیکن مجھے بھائی متاز خان کا تفحیک آمیز رویہ برداشت نہیں۔ مجھے ان کی نیت میں فتور نظر آتا ہے۔ کیا آپ ان سے پہ نہیں پوچھیں گے کہ انہوں نے سالونٹ پلانٹ میں مجھے داخل ہونے سے کیوں روکا؟“

چودھری الف خان نے بیٹے کی طرف دیکھا۔

”کیوں پتہ! یہ تمہاری کیا حرکت تھی؟“

”بابا جانی! پھرے کچھ دنوں سے پلانٹ کا کام عدم توجیہ کی بنتا پر بہت کھنائی میں جارہا تھا۔ اس کی وجہ... نااہل اور ناتجربہ کار لوگوں کی بھرتی تھی۔ میں کچھ سو دمند تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا تاکہ پلانٹ کو چلا جاسکے۔“

”پلانٹ کا کام رکا ہی کب تھا؟“ زہرہ بانو نے متاز خان کے اس سفید جھوٹ پر کہا، پھر باپ سے بولی۔

”بابا جانی! یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب یہ پلانٹ اگی جان کے انتظامی تصرف میں نہیں لایا گیا تھا تب تو یہ بہت زبوں حالی سے دوچار تھا مگر جیسے ہی اگی جان نے اس کا انتظام منجلا اور نئے تجربے کار افراد بھرتی کیے تو اس کی حالت تیزی سے سدھرنے لگی۔ اس حقیقت سے آپ بھی انکار نہیں کریں گے بابا جانی کہ آج اس سالونٹ پلانٹ سے سالانہ کروڑوں کا منافع حاصل ہو رہا ہے تو مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ بھائی متاز خان کو اس میں اسکی اچانکہ کیا خرابی نظر آنے لگی کہ کامیاب تجربہ کار

پولیس کو شامل کرنے سے معاملہ اور گھیر ہو سکتا ہے۔ میرا آپ کو مشورہ لیتی ہے کہ پہلے آپ اپنے خاندان کے بڑوں سے مشورہ کر لیں تو یہ زیادہ بہتر ہے گا۔“

”انسپکٹر صاحب!“ زہرہ نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے کاث دار ممتاز سے کہا۔

”اگر آپ بھی متاز خان سے خوف زدہ ہیں تو تھیک ہے پھر مجھے شہر ماگر پولیس انتظامیہ کے کسی اعلیٰ افسر سے ہی بات کرنی پڑے، مگر آپ کاشکریہ۔“ کہتے ہوئے زہرہ بانو کری سے اٹھنے لگی تو انسپکٹر جہانزیب نے اسے روک دیا اور بولا۔

”میں نے تو آپ کے فائدے کی بات کی تھی اگر آپ کچھ اور چاہتی ہیں تو یہی سکی۔ چلیں، میں خود آپ کے ساتھ چل کر مواعیلے کو سنبھالتا ہوں۔“ کہہ کر وہ اپنی کرسی سے انہوں کھڑا ہو اور میز پر رکھی اپنی نوپی اٹھا کر سر پر جائی، سیاہ روں اٹھایا۔ پانچ چھ پولیس کے آدمی لیے اور سرکاری جیپ میں سوار ہو کے زہرہ بانو کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

پلانٹ اپنئے کے بعد ان کا نکراو، متاز خان سے ہو گیا۔ انسپکٹر جہانزیب اسے جانتا تھا۔ دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہو گیں، متاز خان کا چہرہ مارے طیش کے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے نجانے انسپکٹر سے کیا کہا کہ وہ خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔ زہرہ بانو کو اس پر شدید غصہ آگیا۔ متاز خان نے کرختہ لبجھ میں زہرہ بانو سے مخاطب ہو کے کہا۔

”لوگی! میں آخری بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ اپنی اوقات میں رہو ورنہ... تم دونوں ماں بیٹی کے لیے میں بہت برا ثابت ہوں گا۔“ اس کھلی دھمکی پر زہرہ بانو کا پارا بھی چڑھ گیا۔ وہ بھی اس طرح ترکی بہتر کی اور بے خوفی سے متاز خان کے چہرے کو گھوڑتے ہوئے بولی۔

”میں بھی تم سے آخری بار کہہ رہی ہوں لڑ کے...“

اس بار زہرہ بانو نے بھی جواب میں حقارت ظاہر کی تھی۔ ”ہم دونوں ماں بیٹی کو کمزور سمجھنے کی غلطی مت کرنا کیونکہ بھیڑیوں کی کچھا میں بھی ہم ماں بیٹی اپنا تحفظ کرنا جانتی ہیں۔ اپنی اچھی حرکتوں سے بازا آ جاؤ... ایسا نہ ہو کہ مجھے کوئی بڑا قانونی قدم اٹھانا پڑ جائے۔“ یہ کہتے ہوئے زہرہ بانو سے جلتا سالم چھوڑ کر وہاں سے اپنی حوالی لوٹ آئی اور اپنی ماں ستارہ نیکم سے یہ ساری بات گوش گزار کر ڈالی۔ وہ بھی پریشان ہو گئی تھی، اور هر متاز خان نے ان دونوں ماں بیٹیوں کو نیچا کرنے کا جیسے عہد کر لیا تھا۔ اس نے پہلے اپنی ماں سے یہ ساری باتیں کیں پھر اس سلسلے میں جب خود باپ

تب تک ہیں جب تک چودھری جی ہیں۔“

”ہاں متاز، اصل اہمیت اور حیثیت صرف تمہاری ہی ہے جو یعنی میں۔ تم ہی اس پوری جاگیر کے اکیلے وارث ہو۔ یہ بھلا دنوں کمزور عورتیں ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہیں اس لیے غصے میں معاملہ خراب نہ کر۔“ وراشت علی بولا۔

”تو چودھری جی کو دایاں بازوں کے دکھا۔ اس کا سہارا بنتا کہ وہ کئی اہم معاملات میں تجھ پر بھروسا کرنے لگے، تیرا محتاج ہونے لگے۔“

”میں تم دونوں کی پتوں سے متفق نہیں ہوں۔“ رئیس خان نے کہا۔ ”اس طرح معاملہ لمبا کرنے سے دونوں ماں بیٹیاں اپنا اثر قائم کر چلی ہوں گی، ستارہ بیگم کی میں بات نہیں کرتا مگر اس کی بینی زہرہ بانو دونوں میں چار ہاتھ آگے ہے۔ وہ پڑھی لکھی لڑکی ہے، دیکھتے نہیں تم دونوں کس طرح پُر پرزاں نکال رہی ہے۔ فوراً قانون کا دروازہ کھلکھلاڑا، بہتر بھی ہے متاز بچ کہہ رہا ہے نہ رہے بانس، نہ بچے بانسری۔ سب سے پہلے زہرہ بانو کو راستے سے ہٹانا ہو گا۔ اس کے بعد ہمیں کوئی لمبا کھیل کھیلنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔“ متاز خان کو اپنے ماموں رئیس خان کی بات پسند آئی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہی کہ دونوں کافی ہم مزاج تھے جبکہ اس کی بات نے مہرالنسا اور دراشت علی کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ادھروقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے زہرہ بانو نے کچھ اہم اقدامات اٹھائے تھے۔ اس نے اپنی شخصیت کو بھاری بھر کم اور رعب داب بنانے کے بارے میں سوچا۔ اسے احساس ہونے لگا تھا کہ اپنے تحفظ اور اپنے مخالفوں پر دھاک بٹھانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے پھر حالات کے حسب مٹا بھی تھا یہ سب۔

زہرہ بانو نے عام گھر بیوٹا سب ملازموں کے علاوہ کارندے بھی پالنے پر سمجھدی ہے غور کرنا شروع کیا تو اس کی پہلی نظر انتخاب منشی فضل محمد کے جوان گبرد بیٹے کبیل پر پڑی جو اس روز پہلی بار آمنا سامنا ہونے پر یہ تک اسے دیکھتا رہ گیا تھا مگر پھر زہرہ بانو کی ”حیثیت“ اور تعارف کا پتا لگتے ہی اس نے فوراً اپنی نظریں احتراماً جھکا لی تھیں۔

وہ اسے خاصا دلیر اور پُر جوش نوجوان محسوس ہوا تھا۔ زہرہ بانو نے منشی فضل محمد سے اس سلسلے میں صلح مشورہ کیا اور ابھی اس کے بیٹے کبیل سے متعلق کوئی بات نہ کی، تاہم منشی نے بھی اس کے خیال کی حمایت کی کہ اسے بھی اپنے تحفظ کے سلسلے میں صلح محافظ رکھنے چاہئیں۔

لوگوں کو بے دخل کر کے اپنے مسلح کارندوں کا وہاں قبضہ جانے کی فکر کر رہے ہیں؟“

زہرہ، نوکی بات کو چودھری الف خان نہیں جھٹا سکتا تھا۔ وہ تین نظروں سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر متانت سے بولا۔ ”ہتر متاز! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ کیا تم ایک منافع دینے والے پلانٹ کا سیتا نا مارنا چاہتے ہو؟ یہ تو خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے متراوف ہو گا۔ کل ہم سے ان معاملات میں بالکل ناگزیر اڑانے کی کوشش نہیں کرو سکے جو ہم ستارہ بیگم اور زہرہ بانو کے حوالے کر چکے ہیں۔“

چودھری الف خان کی بات پر دونوں ماں بیٹا یعنی مہرالنسا اور متاز خان اندر سے جل بھن گئے۔ چند دنوں بعد کی بات تھی۔ یہ چاروں سازشی ذہن کے مالک پھر زبر جوڑ کے بیٹھ گئے۔ متاز خان کے دل و دماغ میں اس کی مار، مہرالنسا نے جو زہر بھر رکھا تھا وہ اب رفتہ رفتہ ایک آتش فشاں کے روپ میں اجھر نے لگا تھا۔

”میں زہرہ بانو کو اب زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے اب مرنا ہو گا۔“ وہ نفرت اور سفاک لجھے میں بولا۔ اس روز دونوں ماں پیٹا وراشت علی اور رئیس خان کے ہاں آئے ہوئے تھے اور چاروں ایک کمرے میں موجود تھے۔ بیٹے کے خطرناک نژادم کو پروان چڑھانے میں اگرچہ اس کی ماں کا ہاتھ تھا مگر وہ اس طرح کے خون خرابے سے خوف زدہ تھی۔ لہذا بیٹے کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

”نہیں پُر! ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ میں تیرے باپ کا مزاج بانٹی ہوں اور اسے پہلے ہی بہت سی باتوں کا اندازہ ہے۔ اُلٹا ایک بار اس کا دل برا ہو گیا تو ہمارا کچھ بھی نہیں بچے گا۔“

”ہاں متاز!“ بہن کی بات کی تائید میں وراشت علی بھی بھانجے کو سمجھاتے ہوئے بولا۔ ”وہ دونوں ماں بینی ایک نمبر کی مکار عورتیں ہیں۔ تو نہیں جانتا متاز! مگر یہ حقیقت ہم بہت پہلے سے جانتے ہیں کہ ستارہ بیگم نے ابتداء سے اپنے چال چلنے سے کس طرح چودھری جی کا دل چیتا ہے اور اب بینی بھی وقت مکاری کر رہی ہے۔“

”ہاں، ہمیں بھی پہلے چودھری جی کے دل میں اپنی جگہ بنا لی چاہیے۔ اس کے بعد آخری پہاڑی میں کھینکنے کا وقت آئے گا۔“

مہرالنسا بولی۔ ”دیکھ پُر متاز! ابھی جوش دکھانے کا وقت نہیں آیا۔ چودھری جی زندہ ہیں۔ دونوں ماں بینی بھی جاسوسی ڈانجست 2015ء 114

آوارہ گرد

اور خراشوں کے نشانات تھے۔ گریبان چاک تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر صاف نظر آ رہا تھا کہ ایک سے زائد آدمیوں نے شیکھاک پٹائی کر دی تھی۔

زہرہ بانو کو اپنے خوش باش اور تک سک سے فنجیر کی یہ حالت دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا اور غصے سے وہ بڑی طرح کاغذی گلی۔ وہیں کسی مزدور رکرنے اسے بتایا کہ جھیما اور اس کے دوسرے آدمیوں نے کسی بات پر فنجیر کا یہ حشر کیا تھا۔ زہرہ بانو نے پہلے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ کچھ سوچا۔ اس کے بعد فنجیر شیراز سے تھوڑی دیر تک بات چیت کی پھر پلانٹ مل کے تمام ورکرز اور مزدوروں کو ایک میدان میں جمع کر کے تھوڑی دیر میں اچھی خاصی تقریر کر دی۔ جس کا لب لمبا بیہی تھا کہ اس پلانٹ مل کی مالک صرف وہ ہے۔ ممتاز خان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا جائے۔ اور نہ یہاں کے لوگوں کو ان سے دبنے یا انوف کھانے کی ضرورت ہے۔ آج اگر فنجیر کے ساتھ انہوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے تو کل... کسی اور کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا جاسکتا ہے۔ لہذا آپ اپنا تحفظ خود کریں۔ مجھے تحریت ہے کہ آپ لوگ کیوں خوف زدہ ہو گئے؟ اور آرام سے اپنے "صاحب" کو پہنچتے

زہرہ بانو نے جمن مجن کر اپنے گردابیے مخالفتوں کا گھیراڈا نا شروع کر دیا۔ دو عدد بادی گارڈز اس نے شہر سے حاصل کیے۔ تھے جکہ تمن اسے نئے پنڈ کی جا گیرے ہی مل گئے تھے۔ انہیں لائنس یافتہ اسلحہ بھی دلا دیا تھا۔ خود زہرہ بانو نے بھی تھوڑا بہت اسلحہ چلاتا سیکھ لیا تھا۔ اپنی جا گیر کے ویران میدانوں میں جا کر وہ تھیار چلانے کی پریش بھی کرتی تھی۔ ایک پستول اس نے بھی اپنے پاس رکھتا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بادی گارڈز جاسوس بن کر اس کے حصے کی جا گیر کی نگرانی وغیرہ کیا کرتے تھے۔ ایک روز ایسے ہی ایک خبر نے زہرہ بانو کو اطلاع پہنچائی کہ سالوں پہاڑ شیراز چیہرہ پر ممتاز خان اپنے حواریوں کے ذریعے دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ یہ نوکری چھوڑ کے چلا جائے، ورنہ اس کی خیر نہیں۔ یہ سن کر زہرہ بانو اسی وقت اپنے دوسرے کارندوں کے ساتھ وہاں پہنچی تو سب تک ایک اور چونکا دینے والا گرانسوناک منظر اس کا نظر تھا۔

شیراز چیہرہ ایک خوش بیاس اور اچھی شخصیت کا مالک تھا اور ہروانت سوٹ بوٹ میں رہتا تھا۔ اس وقت اس کی حالت غیر ہر ہی تھی، اس کا سوٹ جگہ جگہ سے پھٹ کر لیروں کی شکل میں جھوول رہا تھا۔ فنجیرے اور گردن پر چونکا

سفر در سفر

ویسے تو زندگی ایک سفر ہے لیکن ہیں کہیں پڑا اور بھی آتے ہیں۔ آخری صفحات پر ایک عجیب غریب پڑا دی راستان منظر امام کے قلم کی روائی

درمانہ عشق

تاریخ کے اوراق سے ایک اور یاد کار داستان.....
الیاس سیفیتا پوری کا سحر انگیز انداز

سودائی جنوب

ڈاکٹر عبد الرحمٰن بھٹی کے قلم سے
ملت اسلامیہ کے مضموم ارادوں کا عبرت اثر احوال

ماروی

کبھی ہاڑکی جیت، زندگی کے نئیں نئیں لمحات پر مشتمل رو واد۔ **محی الدین نواب** کا دلچسپ شاہکار

نارج 2015ء کے صفحات کی بست

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

کائنات کا گھست

مزید

خط و طریقی محفل.....

حکیل شعر و مختصر اور

مرزا الحبیر بھٹک کا مدارال ایجاد

لئے کج علاوه

ت

ڈاکٹر شیرشاہ سید، کاشف ذیہر، سلیمان نور،
تو نویر دریاض اور سید احتشام کی دلفریب کہانیاں

اس مذکورہ جو شیئے نوجوان پر خارکھائے ہوئے تھے۔ اس نوجوان نے شاید ان کی اپنی خاصی درگت بنا دالی تھی۔ انہی میں سے ایک نے اس نوجوان کی طرف گھور کے غراتے ہوئے کہا۔ ”تت... تم... زندہ نہیں پہنچو گے... ہمارے استاد حبیما کو تم نہیں جانتے۔ وہ اس پلانٹ کی اینٹ سے اینٹ بھاوے گا۔“

”بند کر اپنی بکواس زر خرید کتے۔“ وہ نوجوان شیر کی طرح دھاڑ کر بولا۔ ”تمہارا استاد بھی کسی کا زر خرید کتا ہے۔ اس سے بھی میں اچھی طرح نٹ لوں گا۔“

”آپ... زہرہ بانو ہیں؟ چودھری ممتاز خان کی بہن؟“ دفعتاً ایک دل میں کھب جانے والی آواز نے زہرہ بانو کی محیت کو توڑا۔ وہ خود کو فوراً ہی قدرے سنجاتے ہوئے بولی۔

"میں صرف زہرہ بانو ہوں، وڈے چودھری الف خان کا دوسرا بیگنگ تھا۔ بنگر کا بیٹا۔"

شاہد زہرہ بانو نے اس کے لمحے کی استفسار یہ چھن کو
محسوس کر کے دانتہ اپنا تعارف اس انداز میں کروایا تھا اور
اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا تھا کیونکہ یہ سن کر نوجوان کی
آنکھوں میں اب ابھن سی تیر کئی تھی۔ صاف محسوس ہوتا تھا
کہ اس نے جس انداز سے زہرہ بانو سے اس کے بھائی متاز
خان کے حوالے سے استفسار کرتا چاہا تھا وہ اس فہمن میں
زہرہ بانو سے کوئی سخت بات کہنے والا تھا۔

دیکھتے رہے۔ یہ جگہ آپ کی روزی روٹی کی جگہ ہے۔
کمال ہے آپ اس کا تحفظ بھی نہ کر سکے اور باہر کے چند
بدمجاشوں کے آگے دب گئے۔ ”اس دوران ایک ورکرنے
زہرہ بانو سے ماطب ہو کر کہا۔

”زہر، بی بی! آج سے پہلے ہمیں کپ یہ معلوم تھا کہ اس مل کی مالک، آپ ہیں چودھری ممتاز خان نبیس۔ ہم تو اس لیے پیچھے ہے، ہے تھے بلکہ ہمارا تو اپنا دل بھی خراب ہو گیا تھا۔ ہم نوکری پھوڑ کر جانے والے تھے، اپنے فیجر صاحب کو پہنچتا ہوا ہم بھی نہیں دیکھ پا رہے تھے۔ ہمیں سخت شرمندگی ہوئی، لیکن آج آپ نے حقیقت بیان کر کے ہماری آنکھیں کھوں دی ہیں۔ اب کوئی مائی کا لعل اسکی حرکت دوبارہ نہیں کر سکتا۔“

”زہرہ بی بی! ہمارا ایک بھادر نوجوان چند ساتھیوں کے ساتھ ان لوگوں کے تعاقب میں گیا ہے جنہوں نے یہ حرکت کی تھی۔ اسے پہنچے میں دیر ہو گئی تھی وہ ہمارا مزدور لپڑ رجھی ہے۔“

اس کی بات سن کر زہرہ بانو کو ایک خوش گوار جیرت ہوئی تھی۔ ابھی پہ مناظرہ جاری تھا کہ ایک ٹرک تیزی سے اندر داخل ہوا۔ سب چونک کراس طرف متوجہ ہوئے۔ فیجر شیر از بھی دھین وَ بیج و عریض احاطے میں موجود تھا۔ اس کی مرہم پہنچی کر دی گئی۔

زہرہ بانو کو متحرک نگاہ ڈرک پر جمی ہوئی تھی۔ پھر کنی
حیرت سے مکمل ہوئی آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

ایک لمبا تر نگا خوب رو جوان مردا پنے وو تین ساتھیوں
سمیت ٹرک کے ڈرائیور گکی بن سے نیچے اتر اور پھر پھٹے
ھسے میں یہ سب چھ دوڑے۔ تھوڑی دیر بعد ہی زہرہ بانو
کی پھٹی پھٹی نظر ورثا نے دیکھا۔ وہی خوب رو جوان مردا پنے
ساتھیوں کی مدد سے، تین چار نڈھال سے آدمیوں کو دبوچ کر
نیچے اتار رہا تھا۔ ہر انہیں گھیٹ کر فیجر شیراز چیمہ کے
قدموں پر لا پھینکا۔ مذکورہ نوجوان خاصا جوش اور غصب
ناک ہو رہا تھا۔ اس نے فیجر شیراز سے کہا۔

”ان کو پچان لو فجر صاحب، سبی تھے نادہ بزدل
کتے جو ہتھیاروں کے زور پر یہاں بدمعاشی کرنے آئے
تھے۔ ہم نے ان کی پٹائی کرڑائی ہے اور آپ کا حساب چکا
دیا ہے۔ مزید آپ ان کے ساتھ جو چاہے سلوک کرو۔“

خوابش

ایک بھکاری سے اس کے ساتھی دوست نے پوچھا۔ ”اگر تمہیں لاٹری میں پہلا انعام مل جائے تو کیا کرو گے؟“

بھکاری نے جواب دیا۔ ”سب سے پہلے پارکوں کی تینچوں پر گدیاں لکھا دیں گا۔“

”آپ کا شکر بیگم صاحب! بس ایک درخواست اور کرتا ہی آپ سے۔“ لیق شاہ نے کہا۔

”ہاں بولو۔“

”ان مزدور و رکروں کو کوئی بونس نہیں ملتا حالانکہ دوسری جگہ یہ روایت قائم ہے۔“

”تم لوگوں کے جائز مطالبے منظور ہوں گے، میں سال میں ایک بونس کا اعلان کرتی ہوں۔“

احاطے میں ”بیگم صاحب“ زندہ باد کے نظرے لگ گئے۔ لیق شاہ مسکراتی اور متاثر نہیں نظرؤں سے زہرہ بانو کی طرف دیکھنے لگا۔ زہرہ بانو بھی مسکراتی مگر گہری نگاہوں سے لیق شاہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے پہلی بار اپنا دل بے طرح انداز میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ حالانکہ وہ بہت ریز رو اور لیے دیے رہنے والی لڑکی تھی، سمجھدار، سمجھی ہوئی۔ پڑھی لکھی اور باشور تھی، لیکن نہیں چانتی تھی کہ تقریر میں ایک لکیر ایسی بھی ہوتی ہے جس کا نہ چاہتے ہوئے بھی انسان اسیر ہو جاتا ہے اور اس کا پتا بھی نہیں چلتا۔

بہر حال معاملہ نہادیا گیا۔ بدمعاشوں کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ شجر شیرازی کے ساتھ مار پیٹ کی رو روت لکھوائی گئی۔ وہ بھی اب زہرہ بانو کے اندام سے مطمئن نظر آتا تھا۔

زہرہ بانو نے اس دن کچھ مزید مسلح گارڈز بھرتی کر کے پلانٹ کے اندر باہر تعینات کر دیے۔

ادھر منشی فضل محمد کے ذریعے کمبل کو زہرہ بانو سے متعلق سارے واقعات کا علم ہوتا رہا تا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ زہرہ بانو میں جذباتی قسم کی دلچسپی لینے لگا تھا۔ اپنے اس جذباتی رنجان پر وہ خود کو وسنا بھی تھا کہ وہ ایک ایسے چاند کا آرزو کیے ہوئے تھا جسے دور سے دیکھا تو جاسکتا ہے مگر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یوں جب وہ اپنا اور زہرہ بانو کا موازنہ کرتا تو بعض زمین آسمان کا تفاوت دیکھ کر اور اپنی کم

”ویسیں بی بی! ہمارے لیے بھی کافی ہے کہ آپ کا تعلق بھی حوالی میں والوں سے ہے۔“ نوجوان نے بالآخر زہرہ بانو کے چہرے پر نظریں گمازتے ہوئے کہا۔ ”وہے چودھری یا متاز خان تک آپ ہمارا پیغام پہنچا دیں کہ ہم غریب مزدور ضرور ہیں مگر محنت اور مزدوری کر کے یہاں حلال روزی کلتا ہے ہیں لیکن کسی قسم کی کوئی بدمعاشی یا بے عزتی ہم ہرگز برداشت نہیں کریں گے بلکہ اس کا بھرپور جواب دیں گے اور آج سے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک متاز خان اور اس کے کارندوں کا یہاں عمل دخل ختم ہیں، ہوتا پلانٹ کا کام جام کر دیا جائے گا۔“

زہرہ بانو اب تک اندازہ لگا چکی تھی کہ بھی وہ مزدور لیڈر ہے جس کے بارے میں تھوڑی دیر پہلے ایک درکرنے اسے بتایا تھا۔

زہرہ بانو اس کی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکراتی تھی۔ نوجوان کو عجیب سی ابھن ہونے لگی۔ اس وقت ایک مزدور ساتھی نے جو پختہ عمر کا قہا آکے بڑھ کر اس نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”لیق پتر... یہ پلانٹ نے کے چودھری متاز خان کی ملکیت نہیں ہے۔ اس میں بھلازہرہ بی بی کا کیا قصور؟ یہ تو خود متاز خان اور اس کے غندوں سے عاجز آتی ہوئی ہیں۔“ پھر ایک درکرنے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہونے والی زہرہ بانو کی تقریر کے بارے میں نوجوان کو آگاہ کر دیا۔

زہرہ بانو بولی۔ ”آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟“ اس کی مراد پورا نام تھا۔

”لیق شاہ۔“ نوجوان نے بتایا۔

”دیکھو لیق شاہ! تم شاید یہاں کے مزدور لیڈر ہو۔ اگر میری بات کا یقین کر دو مجھے یہ سب دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ تم نے، بہادری کے ساتھ متاز خان کے بدمعاش کارندوں کو بھرپور جواب دیا اور میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی تقریر میں بھی ان سب سے کہا تھا کہ آئندہ بھی ان بدمعاشوں کو اینٹ کا جواب پختھے دو۔ ذریں کی سے بھی نہیں... یہ پلانٹ میری ملکیت ہے مگر مجھے اپنا ساتھی سمجھو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ زہرہ بانو نے دیکھا پہلی بار اس نوجوان لیق شاہ کے خوب رو چھرے پر اثر پذیری کی چلک ابھری گی۔ وہ اس سے متاثر نظر آنے لگا تھا۔

”بلکہ میں خود تم لوگوں کے ہاتھ مجبوط کروں گی۔“ اب یہاں ہتھیار بہ دست محافظ گیٹ پر ہر وقت موجود ہیں میں۔“

نہیں لگتی۔ ان دونوں میں بھی کچھ اسی قسم کا رشتہ تھا، وہ بولا۔
”اوے نالائق... تجھے آج اتنے دن بعد میرے
بڑھائے کیسے خیال آگیا؟“

کبیل پریشان سا ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ وہ باپ کے ذہن کی کھنک کوشک کی پڑی سے کس
طرح اتارے؟ اس کے سوا اصل بات کرنے سے وہ لمحچارہ
تھا۔ مصنوعی خفیٰ سے بولا۔

”میں تو تجھے شروع سے ہتا آ رہا ہوں بھول گیا تو؟
مجھے واقعی اب تیرا اس عمر میں کام کرنا اچھا نہیں لگتا۔“

”چنگا، تو تو مجھے دیلا بخ کر بیار کرنا چاہتا ہے؟“
فضل محمد نہ کر بولا۔ ”اوے بے وقوف! مصروفیت انسان
کو صحت مند رکھتی ہے۔ اچھا چل اصل گل بتا تو چاہتا کیا
ہے؟“ بوز ہر فضل محمد کی سوئی اس کھنک آمیز جس پر ابھی
ہوئی تھی جس نے کبیل کو اصل بات کرنے سے اب تک روکا
بوا تھا۔

وہ جھلک کے بولا۔ ”اوہ بھو، مجھے بے وقوف نہ کہا کر،
میں نہیں بات کرتا تجھے سے۔“ کبیل نے عورتوں کی طرح
منہ پھلا لیا۔ باپ کی مسلسل شک بھری کھنک اسے اصل
بات کرنے سے مانع رکھے ہوئے تھی۔ اس بات نے اس پر
جھلکا ہٹ طاری کر دی تھی۔ بوز ہر فضل محمد ہنستے ہوئے بولا۔
”چنگا من، چنگا پتر! ناراض نہ ہو، بتا تو سکی تو چاہتا کیا ہے؟“
کبیل مسکرا کر بولا۔ ”نہیں پیو، بھلا میں تجھے سے
ناراض ہو سکتا ہوں۔ بس میں دیے ہی کہہ رہا تھا کہ وہ...
میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں۔“

”کام کرنا چاہتا ہے؟“ فضل محمد حرمت سے
بولا۔ ”تو تو دیلا کب ہے پترے؟ کرتا تو ہے سارا اون
کام۔“

”یہ کوئی کام نہیں ہے۔“ کبیل منہ ب سور کر بولا۔
”بھینسوں کو سنجنانا، چارا کترنا، یہ تو یہ بھی ہو جائے گا۔
میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتا ہوں۔ سچے شکے والا... اپنی پسند کا
کام۔ مردوں والا۔“

”شاواں بھی، ذرا بتا تو... کون سا مردوں والا کام
کرنا چاہتا ہے تو؟“ فضل محمد بڑی مشکل سے اپنی بھی ضبط
کرتے ہوئے بیٹے کی طرف دیکھ کر بظاہر سنجیدگی سے بولا کہ
کہیں پھر وہ ناراض نہ ہو جائے۔

”پیو، میں نے سنا ہے زہرہ بی بی کو کچھ مخالفوں کی
ضرورت ہے... میں چاہتا ہوں... زہرہ بی بی کی نوکری
کروں۔“

ما جیکی محسوس کر۔ کے اپنادل مسوں کر رہ جاتا اور اپنی کھلنڈ رانہ
نادانی پر پھیل کر نہیں کر رہ جاتا۔ مگر اس پھیل کی کی تھے میں
دکھ کی ایسی تلچھت بھی ہوتی تھی جو اسے بے دم سا کیے ڈالتی۔
کبیل چنے کیوں اب تک، شادی سے جی چہا تا آیا

تھا۔ ماں بے چری اس کے سر پر سہرا سجانے کی آرزوں
میں لیے اللہ کو بیاری ہو گئی۔ اس کی عمر کے کئی نوجوان نہ
صرف شادی شدہ ہو جکے تھے بلکہ باپ بھی بن چکے تھے۔
ایک جگہ کبیل کی نسبت تھی طے ہوئی تھی۔ لڑکی کا نام نوری
تھا۔ گاؤں کے مزارع کی بیٹی تھی۔ کبیل کو بھی کوئی اعتراض
نہ تھا مگر جب کبیل سے اس کی شادی ہونے والی تھی تو چند
روز پہلے ہی نوری کا انتقال ہو گیا۔... اسے کسی سائب نے
ڈس لیا تھا۔

پھر پہلے نہیں کیوں اس روز کے بعد سے کبیل نے
شادی کے پارے، میں سوچا بھی نہ تھا۔ اس نے خود کو کام میں
مصروف کر ڈالا تھا۔ بھینسوں کا چارا کترتا یا پھر باپ کے
چھوٹے موٹے ڈاموں میں اس کا ساتھ بٹاتا، وہ چودھری
الف خان کی زمبوں پر ٹریکٹر بھی چلا یا کرتا تھا۔ بیاری
دوستیاں بھی اس نے گاٹھر کھی تھیں مگر رفتہ رفتہ اس نے خود کو
تھہائی پسند بنا لیا تھا۔ زہرہ بانو سے متعلق ہازہ ترین حالات
اور یہ جان کر کہ انہیں محافظ درکار تھے تو ایک دن اس نے
کچھ سوچ کر باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

باپ عسل سے فارغ ہوا تو دونوں باپ بیٹے چار پانی
پر بیٹھ کر چائے پینے لگے۔ وہ خاموشی سے مگر سوچتی نظرؤں
کے ساتھ بار بار پیان کے افق سے باپ کے چہرے کو سکتا۔

مشی فضل محمد نگاہ نظرؤں نے فوراً تا زیلیا کہ اس کا
بیٹا اسے گاہے بگاہے کچھ سوچتی نظرؤں سے دیکھ رہا تھا۔
بالآخر مسکرا کر بیٹے سے خود ہی بول پڑا۔

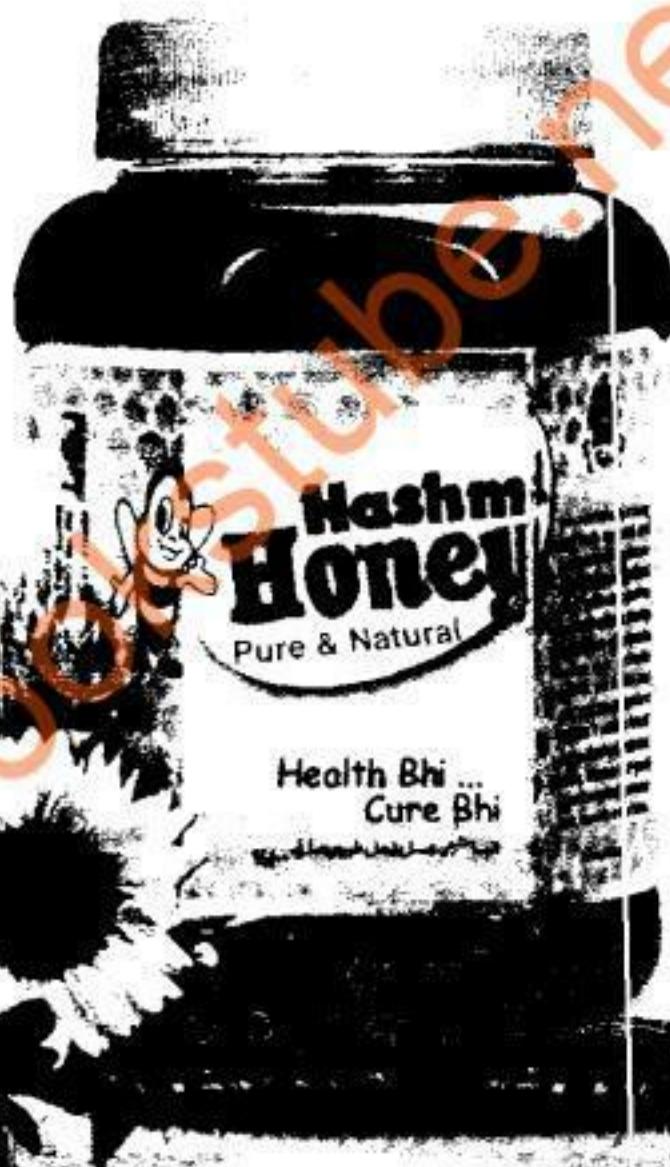
”کبیل پتر! کیا بات ہے۔“ کچھ دنوں سے دیکھ رہا
ہوں تو کچھ بے چین و کھالی دیتا ہے۔ کیا گاؤں کی کوئی کڑی
شری پسند آگئی ہے؟“ باپ نے آخر میں ایک آنکھ میچ کر معنی
خیز انداز میں کہا تو کبیل کا دماغ بھکر سے اڑ گیا۔ چور تو
اپنے سائے سے بھی بد کتا ہے۔ یہی حال کبیل کا تھا مگر پھر وہ
اسے باپ کی ایک روایتی سوچ پر محول کر کے نہ کر بولا۔

”اویسی پیو، لیکی کوئی بات نہیں۔ میں چاہتا ہوں تو
اب آرام کر۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا تو ایک جوان بیٹے
کے ہوتے ہوئے اس عمر میں کام پر لگا ہوا ہے۔“ مشی فضل
بھی ایک باپ تھا پھر جب ایک باپ بیٹے کے درمیان
”ماں“ نہ ہو تو باپ بیٹے کا یہ رشتہ ”دوستی“ میں بدلتے دیر



قدرتی قدرتی اور خالص

قدرت کا انہموں تخفہ



مردی آتے ہی شروع ہو جاتے ہیں ہلتے موسم کے اثرات۔
جوڑوں کا درد، سوچن، نقاہت تو انہی میں کمی، بیغم، کھانسی۔
شبدی اپنی نسل ملکیوں کے تھنخ سے کشید کر، وہ اٹھی شہزادی کی
ج خواراک ہے موگی اثرات سے محظوظ رہنے کی قدرتی مرد۔



صحت بھی ... شفاء بھی

کبیل کو باپ نے جب زہرہ بانو کا عنیدیہ دیا تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سایا۔

مشی جب بیٹے کو لے کر زہرہ بانو کے پاس پہنچا تو کبیل کے دل و دماغ کی عجیبی حالت ہونے لگی۔ اس کا منہ خشک ہو گیا اور وجود میں ایک مضطربانہ ارتعاش محسوس ہونے لگا۔

”اے لے آیا ہوں، بی بی جی۔ اس کو آپ کی خدمت کرنے کا شوق چراکیا ہے تیر مشی نے ہنستے ہوئے زہرہ بانو سے کہا۔ وہ مکرا کر ایک نگاہ کبیل پر ڈالتے ہوئے بولی۔

”احمی بات ہے۔ ہم اے اس کی خدمت کا پورا صلدیں گے۔“

پھر وہ براہ راست کبیل سے مخاطب ہو کے بولی۔

”تمہارا پورا نام سمجھی ہے؟“
”نہیں جی، بچپن سے ہی میں یار لوگ دادا کہتے تھے جی۔ میں شراری ہوتا تھا ناجی بہت... پھر میرا دادا نام پڑ گیا۔ کبیل دادا سمجھی۔“

”ہوں... کبیل دادا۔“ زہرہ بانو نے زیرِ بڑ بڑایا۔ ”تمہارا اب تکی نام تھا رہے گا۔ اس میں رعب اور وبدبہ ہے، کیوں ٹھیک ہے؟“ زہرہ بانو نے مکراتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔ زہرہ بانو نے مزید سچھ سوالات کیے۔ کبیل دادا نے اسے بتا دیا کہ وہ صرف پانچ جماعتیں پڑھا تھا۔ گاڑی چلانا جانتا تھا جبکہ پتوں بھی اسے چلانی آتی ہے۔

”تم کل سے میرے ساتھ رہو گے، میرے باڑی گاڑی بن کر... تمہاری تین ہزار تنخواہ ہو گی۔“ بالآخر زہرہ بی بی نے کہا اور کبیل دادا نے دبی دبی مسرت سے اپنا سر اشبات میں ٹلا دیا۔

وہ دن کبیل دادا کے لیے سرتوں بھرا دن تھا۔ زہرہ بانو نے اسے کچھ قم ایڈ وانس دے دی تھی تاکہ وہ اپنے لیے ساف اور ڈھنگ کا مطلوبہ لباس ترید لے۔ یوں کبیل دادا بھی ایک ”ٹور“ میں آگیا۔

زہرہ بانو کے تجربہ کار مخالفتوں نے کبیل دادا کو زہرہ بانو کی ہدایت پر کچھ دن اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اس دوران زہرہ بانو کو پتا چلا کہ اس کی شہروالی کوٹھی ”بیگم والا“ میں متاز خان کے کارندوں اور اس کی ملازم مہم کی عورتوں کا عمل دخل بڑھتا جا رہا ہے تو زہرہ بانو فوراً کبیل دادا کے ساتھ مٹاں جا پہنچی۔ بیگم والا کے گیٹ پر تعینات چوکیدار بھی اس

بیٹے کی بات سن کر فضل محمد کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

اس کے بوڑھے چہرے پر ایک پریشان کن اور سوچتی ہوئی ابھن نظر آنے لگی۔ بڑے غور سے اس نے اپنے جوان کڑیل بیٹے کے نہیں کو دیکھا پھر بولا۔

”پُتر! مجھے کوئی اعتراض تو نہیں، کیونکہ یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ آج اُل ستارہ بی بی اور زہرہ بی بی پر بُرا وقت آیا ہوا ہے۔ میں اے، ان دونوں ماں بیٹیوں کا نمک کھایا ہے اور ان کے دکھوں سے بھی واقف ہوں۔ اللہ وڈے چودھری کو لمبی عمر دے۔ جب تک وہ زندہ ہے تو سب ٹھیک ہے مگر...“ اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو لوہا گرم دیکھ کر کبیل نے فوراً کہا۔

”بھی بات تو میں نے بھی محسوس کی ہے... حولی میں ستارہ بی بی ور زہرہ بی بی کی حیثیت صرف وڈے چودھری کے دم خم سے قائم ہے۔ متاز خان، اس کی ماں اور اس کے دونوں بھائی کس بری طرح سے ان دونوں ماں بیٹی پر خار کھائے ہوئے ہیں۔ یہ سب میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔“

بیٹے کی اس راحت بھری جان کا ری پر بوڑھا باپ ششدہ رہ گیا اور تیرت سے بچھنی پچھنی نظروں کے ساتھ بیٹے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”پُترے! تجھے ان ساری باتوں کا کیسے پتا ہے؟“

”اوہ...! تو خود ہی تو مجھے حولی والوں کی ساری باتیں بتاتا ہے۔“ کبیل، بات کو آئی گئی کرنے کے انداز میں بولا۔ ”اور پھر میں وڈے چودھری کی زمینوں میں ٹریکٹر چلاتا ہوں۔ حولی کے نوکروں سے میری بھی سلام دعا اور انھک ٹیکھ رہتی ہے، ان سے بھی مجھے بہت سی باتوں کا پتا چلتا رہتا ہے۔“

بیٹے کی بات پر فضل محمد تھیں انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتا رہا پھر بولا۔ ”ٹھیک ہے، تیری یہ مرضی ہے تو میں زہرہ بی بی سے بات کروں گا۔“ باپ کی بات سن کر کبیل ایک دم خوش ہو گیا جبکہ فضل دین دزدیدہ اور سوچتی نظروں سے بیٹے کے چہرے کی دیہی خوشی کے تاثرات کو بھانپنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس کے بیٹے کو واقعی زہرہ بی بی کی نوکری سے دیکھی تھی یا وجہ کچھ اور تھی؟

اگلے دن اے نے زہرہ بانو سے اس کی بات کی تودہ خوش ہو کے بولی۔ ”چاچا! یہ تو میرے لیے خوشی کی بات ہو گی، کیونکہ تمہارا بیٹا بھی یقیناً تمہاری طرح قابل اعتبار اور ایمان دار آدمی ہو گا، اسے میرے پاس بھیج دینا۔“

آوارہ گرد

زہرہ بانو نے بڑے دبنگ لبھ میں ان سے پوچھا۔
”یہ کون اجنبی لوگ ہیں؟ انہیں فوراً نکال باہر کرو۔“
اس اشنا میں تین چار مسلسل افراد جو یقیناً متاز خان کے
کارندے تھے، ان میں کچھ زہرہ بانو کی شاخت رکھتے
تھے، قریب آ کرایک نے کہا۔

”ہمیں چودھری متاز خان نے یہاں بیجع رکھا
ہے۔“

”کیوں؟ اور کس کی اجازت سے؟“ زہرہ بانو نے
سلکتی نظروں سے گھور کر پوچھا۔

”مالکوں کو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔“
ایک دوسرے حواری نے درشت لبھ میں کہا تو کبیل دادا
نے پڑھیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”خبردار! بیگم صاحبہ سے تمیز سے بات کرو۔ اس
کوئی کی ماں کصرف بیگم صاحبہ ہیں اور یہاں انہی کا حکم
چلتے گا۔ تم لوگ اسی وقت یہاں سے چلتے پھر تے نظر آؤ۔“
کبیل دادا کی بات پر تینوں حواری اسے خوف ناک نظروں
سے گھورنے لگے۔ اس بحث و مبارحت کے دوران اندر سے
کچھ عورتیں اور مرد بھی باہر آگئے۔ ان میں کچھ زہرہ بانو کو
پہچان کر مرعوب بھی نظر آنے لگے۔ تاہم زہرہ بانو نے
دونوں طرف کی بگزتی صورتِ حال کو سنjalate ہوئے غیر
متعلقہ افراد کو کوئی سے اپنی عورتوں سمیت نکل جانے کا حکم
صادر کر دیا۔ بے صورت دیکھ اس نے پولیس کی دھمکی دے
ڈالی۔ یوں بھی اب زہرہ بانو کا وہاں پڑھا بھاری نظر آ رہا
تھا۔ وہاں موجود زہرہ بانو کے چند خادموں کے حوصلے بھی
بڑھ گئے تھے۔

متاز خان کے حواریوں نے ایک گھنٹے کے اندر اندر
بیگم والا خالی کر دیا۔

زہرہ بانو نے کبیل دادا کو بیگم والا کا منتظم بنا دیا اور
اسے سختی کے ساتھ بدایت کر دی کہ وہ یہاں کسی غیر متعلقہ فرد
کو گھنٹے نہیں دے گا۔ چہ ہے وہ متاز خان ہی کیوں نہ ہو۔

یہ بہت مشکل اور سخت حکم تھا۔ کبیل دادا نہیں تھا اور
سے زہرہ بانو کو میا طب کر کے بولا۔ ”بیگم صاحبہ امیرا خیال
ہے چھوٹے چودھری متاز صاحب کے سلسلے میں یہ فیصلہ
مناسب نہ ہو گا۔ بہر حال وہ آپ کے بھائی ہیں چاہے
سو تیلے سکی... ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کے کسی آدمی کو
یہاں مستقل طور پر برداشت نہیں کریں گے، یہاں تصرف
جانے کا ارادہ ہو۔ معاملہ خاندانی بھی ہے جو بگڑ بھی سکتا
ہے۔“

کے لپے اجنبی تھا۔ اس نے زہرہ بانو کی گاڑی دیکھ کر بھی
گیٹ نہیں کھولا تھا۔ زہرہ بانو غصے سے لال پیلی ہوتے
ہوئے جیپ سے اُتری اور چوکیدار سے درشت لبھ میں
بوی۔

”کہن ہو تم؟ اور تمہیں میری اجازت کے بغیر کس
نے یہاں رکھا ہے؟“

چوکیدار ایک کسرتی جسم گرد میانے قد کا خراست
آدمی نظر آتا تھا۔ اس نے ملیٹیارنگ کی شلوار قیمی پہن رکھی
تھی اور ہاتھ میں ماوزہ رکھا۔ جواہا وہ زہرہ بانو کو غصے نظروں
سے گھورانے ہوئے نہایت بد تیزی سے بولا۔ ”اوماں! تیرا
دامغ خراب ہے... یہ کوئی چودھری...“

ابھی ہوہ اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ زہرہ بانو کے عقب میں
کھڑے کبیل دادا نے فقط ایک قدم اور ایک ہاتھ مڑھایا
اور دوسرا ہے ہی لمحے اس بداخلا چوکیدار کی گردن کبیل
دادا کے آہنی ہاتھ کے شکنے میں آگئی... چوکیدار نے اپنا^{تیر}
ٹاؤز رسیدھا کرنے کی کوشش چاہی سکر... دوسرے ہی لمحے
کبیل دادا کا ہتھوڑا نہاد دسرا ہاتھ حرکت میں آیا اور چوکیدار
کو اپنے اسیں جبڑے پر قیامت نوٹھی محسوس ہوئی۔ اس
کا دماغ جبختا کر رہا گیا۔ اس کے منہ سے خون اسی پڑا۔ وہ
چند قدم لڑکھڑا کر بند گیٹ سے اس زور سے لکڑایا کہ اس کے
ہاتھ سے اڈزر گر پڑا۔ ابھی سنجل ہی رہا تھا کہ کبیل دادا کی
دائیں ٹانک چوکیدار کی چھوٹی سے آن لگی اور وہ ہلنے جلنے
سے معدہ رہ ہو گیا۔ اس لمحے کبیل دادا کا بھی ایک تاثرات
والا چھوڑ چوکیدار کی دہشت زدہ پھٹکی آنکھوں کے قریب
تھا۔

”دوبارہ بیگم صاحبہ کے بارے میں ایسے
تازیبا الفاظ لکھنے کی جرأت بھی نہ کرنا...“ درنہ تیری گردن
مردڑ دوں گا۔ ”کبیل دادا نے پُر غیظ لبھ میں غراتے
ہوئے کہا اور پھر امینی گن سیدھی کر لی۔

”فوراً ففع ہو جا یہاں سے۔“ دوبارہ نہ دیکھوں ادھر
چھجھے۔ ”چوکیدار کی پہلے ہی حالت پتلی ہو رہی تھی۔ وہ دُم دیا
کر بھاگ کھڑا ہوا۔ زہرہ بانو نے آمیز نگاہوں سے اپنے
اس تھے اور بہا اور بادی گارڈ کو تکے جا رہی تھی۔ کبیل دادا
نے گیٹ پورا کھول دیا اور پھر دونوں جیپ میں سوار ہو کے
اندر واخٹ ہو گئے۔

زہرہ بانو کے ہمراہ دو سلیخ محافظ اور بھی تھے۔ اندر بھی
انہیں کچھ اجنبی چہرے نظر آئے، ان میں اکاؤنٹاکی شناسا
چہرے تھے جو زہرہ بانو کو پہچان کر فوراً اس کی جانب لپکے۔

جان لائے جیسی حالت اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ صرف اپنے بوڑھے ہونٹوں کو جنبش دے سکتا تھا یا پھر آنکھوں کو دائرے کی صورت میں حرکت دیتا۔ سن بھی رہا تھا اور دیکھ بھی رہا تھا مگر بولنے اور جسم کو حرکت دینے سے قاصر تھا۔

ستارہ بیکم بھی غم زدہ تھی، بیٹی کے کاندھے پر آئنگل سے اپنا ہاتھ رکھ کر ازراہِ شفیٰ تھپتی نے لگیں تو زہرہ ماں سے جا گئی اور روپڑی۔ پھر ڈاکٹر اور حکیم صاحب سے باپ کی طبیعت وغیرہ کے بارے میں بچھا۔ دونوں نے اسے دعا کی تلقین کی اور جلد صحت یابی کی تسلی بھی دی۔

ایک طرف کھڑی مہرالنسا ان دونوں ماں بیٹی کو چھپتی نگاہوں سے گھورے جا رہی تھی اور اندر رہی اندر جل بھن بھی رہی تھی، بالآخر جلن کا احساس بڑھا تو بولی۔ ”چودھری صاحب کو آرام کرنے دو... زیادہ دیر ان کے پاس بیٹھنا ان کے آرام میں خلل کا باعث بنے گا۔“ زہرہ بانو اس کی نظر دی اور بجھ کی چمن کا مطلب بجھ تھی... ۔۔۔ مہرالنسا کو.... ان ماں بیٹیوں کی چودھری جی کے پاس موجودگی کھٹک رہی تھی، یوں بھی زہرہ منہ پھٹتھی، سوتیلی ماں کی طرف دیکھ کر دانتہ بولی۔

”ای جی، کیا متاز بھائی ابھی تک نہیں پہنچ؟“ مہرالنسا کے لیے زہرہ کا یہ سوال یک کاری دار نہایت ہوا تھا۔ اسے اس سوال پر اپنے صاحب فراش شوہر کے سامنے سکل کا احساس ہوا تھا اور زہرہ نے ایسا دانتہ بھی کیا تھا۔ وہ کسی سے دینے والی کہاں تھی؟

”ہاں، وہ... وہ... وہ... متاز بیٹھا جا گیر کے ایک ضروری کام کے سلسلے میں کہیں گیا ہوا ہے۔“ مہرالنسا بات بنتے ہوئے بولی۔ زہرہ بانو کو معلوم تھا کہ وہ کہاں سیر پانے میں کیونکہ وہ پہلے ہی معلوم کر چکی تھی کہ وہ کہاں سیر پانے میں مصروف تھا مگر باپ کی حالت کے پیش نظر اسے مزید کسی غُناک دباو میں ڈالنے کے بھائے وہ چپ ہو رہی۔

سب کمرے سے نکل گئے مگر زہرہ بانو کافی دیر باپ کے سرہانے پیٹھی رہی۔ وہ مختلف آیات کریمہ زیرِ ب پڑھ کر باپ پر ہولے ہولے پھونک مارتی جاتی۔

خھوڑی دیر اور گزری تو اسے کمرے سے باہر کسی کے زور زور سے پوٹنے کی آواز آئی۔ زہرہ کو غصہ آیا تاہم وہ آواز پہچان گئی تھی، یہ متاز خان تھا۔ وہ اپنی جگہ سے آئی اور ابھی کمرے کے دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ اسے مہرالنسا کی آواز سنائی دی جو اپنے ”لاڈی“ بیٹے سے سمجھانے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

زہرہ بانو کو سبیل دادا کی بات میں وزن محسوس ہوا، اسے خوشی ہوئی کہ اس کا یہ ذاتی گارڈ صرف دکھنے میں جگجو نظر نہیں آتا، عقل، فہم بھی رکھتا ہے، وہ بولی۔ ”ٹھیک ہے، ایسا ہی ہوتا چاہیے۔“

زہرہ بانو نے چند دنوں کے لیے گبیل دادا کو یہاں رکنے کا حکم دیا۔ اسے اعتراض تو نہ تھا مگر اسے اپنے بوڑھے باپ کی فکر ہونے لگی تاہم وہ بجور تھا۔ یہ سوچ کر کہ چند دنوں کی بات تھی پھر وہ دوبارہ گاؤں چلا جائے گا۔ اس کی اپنی خواہش بھی بھی کہ بیکم صاحب اسے خود سے دور نہ کرے، بولا۔ ”بیکم صاحب! آپ کا یہ حکم سر آنکھوں پر... لیکن میری خواہش تھی کہ موجودہ حالات کے پیش نظر میں آپ کے ساتھ ہی رہتا تو ریا رہتا تھا۔“

”نہیں، ابھی تمہارا یہاں موجود رہتا زیادہ ضروری ہے۔ تم فرشی چاچا کی فکر نہ کرو۔ میں انہیں ممتاز دوں گی، چند روز بعد میں تمہیں نئے پنڈ بلوالوں کی۔“ گبیل دادا نے فدو یا نہ انداز میں اپنے سر کو اشیائی جنبش دی تھی۔

زہرہ بانو وہاں سے نئے پنڈ لوٹ آئی تو ایک چونکا دینے والی اطلاع اس کی منتظر تھی۔ وڈے چودھری الف خان کو فانج کا ایک ہوا تھا۔ بدسمتی سے یہ حملہ باسکیں جانب ہوا تھا اور دل کو بھی متاثر کیا تھا مگر ابھی شاید ان کی زندگی اللہ کو منظور تھی، وہ زندہ توفیق کئے تھے مگر بستر کے ہو کر رہ گئے تھے اور اپنے جسم کو حرکت دینے جتنی کہ بولنے تک سے قاصر ہو گئے تھے۔ زہرہ بانو فوراً ان کے کمرے میں پہنچی اور الف خان کے سرہانے چاٹھی۔ ستارہ بیکم بھی مغموم چہرے کے ساتھ وہاں موجود تھی، ایک ڈاکٹر کو شہر سے بلا یا گیا تھا جبکہ حکیم صاحب بھی موجود تھے۔

متاز خان وہاں نہیں تھا۔ البتہ اس کی ماں مہرالنسا موجود تھی۔ زہرہ بانو سے الف خان کا کوئی ایسا خونی رشتہ تو نہ تھا مگر یہ اعتراف، زہرہ بانو کو ہی نہیں ستارہ بیکم کو بھی تھا کہ الف خان نے زہرہ بانو سے آج تک ایک سگے باپ جیسا ہی بر تاؤ کیا تھا۔ یہ کہا سب تھا کہ زہرہ بانو بھی الف خان کے لیے اپنے دل میں ایک بیٹی اور باپ کا در در رکھتی تھی۔ اس نے نہایت محبت سے، اس کا بے جان۔ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما اور نہنا کا۔ آنکھوں اور مغموم چہرے کے ساتھ باپ کا چہرہ دیکھتے ہوئے مرعش بجھے میں بولی۔

”بابا جان!“ پ جلد اچھے ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ بیبا جان! آپ... آپ...“ فرط جذبات سے وہ اپنا جملہ بھی مکمل نہ کر پائی اور دکھ سے سک پڑی۔ باپ کی بے

آوارہ گرد

”تم ذرا باہر آؤ۔“ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ زہرہ بانو کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس دوران اس لی مال ستارہ بیگم بھی اندر آگئی۔ اس نے بھی شاید متاز خان کے زور زور سے پولنے کی آواز نی تھی اور چہرے سے متوجہ نظر آ رہی تھی۔

”امی جان! آپ باباجانی کے پاس بیٹھیں۔“ زہرہ نے ہولے سے کہا۔

”ت... تم کہاں جا رہی ہو ہیں؟“ وہ متاز... غصے میں نظر آ رہا تھا۔ تجھے سے جھکڑا تو نہیں کرے گا؟“ ستارہ بیگم پریشان ہو رہی تھی۔ زہرہ بانو نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے سے باہر آگئی۔ ایک ہال کمرے میں متاز خان اپنی ماں کے ساتھ کھڑا غصے سے مل کھاتا نظر آ رہا تھا۔ زہرہ کو دیکھتے ہی پھٹ پڑا۔

”تم... تم... اپنی اوقات میں رہو سمجھیں... میں بہت برآدمی ہوں۔ ذرا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔“ زہرہ بانو خالق ہوئے بغیر تن کر کھڑی رہی اور سنجیدگی سے بولی۔ ”میں جانتی ہوں تم کتنے بڑے آدمی ہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”میں جو کہنا چاہتا ہوں، وہ تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو۔ تم نے میرے آدمیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ وہ میری وجہ سے اب تک خاموش ہیں ورنہ تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔“ ”انہوں نے بدمعاشی تھی۔ میرے پلانٹ کے نیجر شیرازی کو بارا پیٹا تھا۔ تمہارے بدمعاش کارندوں نے میری شہروالی کو خی بیکم والا میں قبضہ جانا کی کوشش کی تھی۔“ زہرہ بانو بھی بے خوبی سے بولی۔ ”تم بھی سن لو۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا مجھے بھی آتا ہے۔ میں وہ بنے والی نہیں ہوں۔ اپنے حق کی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔“ تم غنڈے پال سکتے ہو تو میں بھی یہی سب کچھ رکھتی ہوں۔ ”زہرہ بانو کے اس ترکی پتھر کی جواب سے متاز خان کا پاراچھ گیا۔ مگر مہرو نے اسے سنبھالا دیا اور زہرہ سے ناک بھوں چڑھا کر برہمی سے بولی۔

”اے لڑکی! تمہیں یہ سب زیب نہیں دیتا، عورت ذات ہو عورت بن کر رہو۔“

ایک دوران ستارہ بیگم بھی شوہر کے کمرے سے نکل آئی تھی۔ مہرو سے بولی۔ ”بہن! جہاں ظلم دزیادتی اور نا انصافی پروان چڑھے گی تو ایسے حالات بھی خود پر خود پیدا ہونے لگتے ہیں۔ تم بھی ذرا اپنے بیٹھے کو سمجھاؤ، وہ کسی کے حق پڑا کاڑا لئے کی کوشش نہ کرے... یوں بھی یہ وقت ایسی

”پُتُر متاز! اس وقت ذرا برداشت سے کام لے۔“ وہ دونوں ناگزین ماں بیٹھا تیرے پیو سے سگی بن رہی ہیں۔ بڑی محبتیں جتار ہیں دونوں، تیرا یوں غصے میں شور چھانا تیرے پیو کو مجرا لے گا۔ اس دلیے اپنے نمبر بڑھانے کی کوشش کر۔“

لیکن متاز خان کو مہرالثانے جو زہر پلا رکھا تھا وہ اب سرچڑھ کے بولے لگا تھا۔ وہ جو ایسا مال سے غیظ آلو دل بھے میں بولا۔ ”ماں جی! آجھ بھی ہو میں اس حوالی کا وارث ہوں۔ مجھے کسی کے سامنے نمبر بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اس کتیا نے مجھے بدمعاشی کھانی شروع کر دی ہے۔ میرے آدمیوں کو پشاور یا ہے۔ آرنے وہ رہے کی یا میں، ہٹ جا میرے آگے سے ماں... میں اندر جا کے اس حرافہ سے نہیں ہوں۔“

”نہیں پتہ، نہیں... صبر کر... سب تھیک ہونے والا ہے۔ بھول گیا اپنا منصوبہ...؟“ ماں نے دھمے لبھے میں اسے سمجھایا۔

زہرہ کھنک، گئی... پھر اس نے دانت کمرے سے نکلنے کا ارادہ ترک کر دیا اور دروازے سے گئی رہی۔

”پتہ! غصے سے کام بگڑ جائے گا۔“ اس جوش کو نکالے کے آگے موقع ملتے رہیں مگر ابھی نہیں... جا پتہ... شاد شے مودہ تھیک کر اپنا اور اندر جا کے پہلے اپنے پیو کو اپنا چہرہ و کھادے اور اس میں کے مندنہ لگنا۔“ زہرہ کو سخت طیش آ رہا تھا مگر اس نے بھی ہارنہ مانئے اور ان دونوں ماں بیٹھے کے سینے پر موٹکے دلے کی قسم کھا رکھی تھی، فوراً دروازے سے ہٹ گئی اور دوبارہ آ کر خاموشی سے باپ کے سرہانے جا بیٹھی۔

اس کے ذرا بھی دیر بعد متاز خان اندر داخل ہوا اور ایک شعلہ بار نگاہ بیاپ کے سرہانے بیٹھی زہرہ بانو پر ڈالتا ہوا گردن اکڑا کے آگے بڑا اور انتہائی نخوت سے زہرہ بانو کو ”ہٹ پرے“ کہا۔ اس سلوک پر زہرہ بانو غصے کا اکڑا گھونٹ بھر کر، رہ گئی مگر مصلحت کچھ نہ بولی اور خاموشی سے اٹھ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی، تاہم اس دوران جب اس کی نگاہ بیاپ کے چرے پر پڑی تو چونکہ پڑی۔ وہاں ناگواری کے تاثرات اہم آئے تھے۔ وہ سمجھ گئی بیاپ کو بہن کے ساتھ بیٹھے کا یہ ناروا روپی بُرالا تھا۔

متاز خان بیاپ کے قریب کرسی پر برا جمان ہو گیا۔ خانہ پری کے اندر میں چند ہمدردی کے الفاظ ادا کیے پھر انھوں کھڑا ہوا اور جتنے وقت ایک طرف خاموش کھڑی زہرہ کو پر طیش نظر ہوں۔ سے گھورا پھر بولا۔

چھے توئی... پھر ایک لرزہ خیز چھٹی ابھری۔ یہ ڈرائیور کی چھٹی۔ اسی وقت ناٹر برست ہونے کا بھی دھماکا ہوا۔ زہرہ بانو کے طبق سے جھنپیں خارج ہو گئیں۔ موڑ کامنے ہوئے جیپ چونکہ ہلکی رفتار میں تھی اس لیے توازن گزرنے کے باعث اتنے سے فج کرنی تاہم ایک جھنڈ میں جا گئی۔ دوسرے گارڈ نے جیپ کے اندر بیٹھے بیٹھے انہوادھند فائرنگ کر دی جبکہ نامعلوم حملہ آوروں کی طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ جاری تھی۔

”بیکم صاحب! آپ دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کریں، جلدی...“ گارڈ نے چلا کے کہا۔ اس وقت زہرہ بانو کا چہرہ خون سے بھر گیا۔ ایک برست نے گارڈ کا بھیجا اڑا دیا تھا۔ زہرہ بانو دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ تاہم اس نے اپنے محل پڑتے حواسوں پر مقدور بھر قابو پایا اور ایک دروازے کولات مار کے کھولا پھر گھنٹوں اور گھنٹوں کے بل رینگتی ہوئی باہر تاریکی میں کو دیکھی۔ فائرنگ جیپ کے عقب سے اور دوسرے رخ سے ہوری تھی۔ لہذا نیچے اترتے ہوئے اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا اس طرف گھنا جھنڈ تھا۔ وہ اس کے اندر جادبکی۔ فائرنگ یکخت بند ہو گئی۔ ایک طوفان بد تیزی تھا جس کے تھمے ہی چہار اطراف دھڑکتا ہوا سناٹا طاری ہو گیا تھا... زہرہ بانو کو اپنے دل کی دھڑکنیں تک سناتی کنپیوں پر سنائی دینے لگیں۔ وہ دم سادھے ادھر ہی دبکی رہی۔ مگر جانتی تھی کہ وہ یہاں زیادہ دیر تک نامعلوم حملہ آوروں کی نظر و نیکی سے نہیں فج کسکتی تھی۔ اب تک اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ نامعلوم دشمن اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں جن کے ہاتھوں اسے اپنے دونوں گارڈز کی بے گناہ اور عبرت اثر موت کا دکھ برداشت کرنا پڑا۔ سریدست تو زہرہ بانو کو اپنی زندگی کے لालے پڑے ہوئے تھے۔

”اصل شکار نیچ کر بھاگ لٹا ہے استاد۔“ دفعتاً ایک غرائی ہوئی آواز دم پر خود ستائی میں ابھری۔ زہرہ بانو کے دل کی دھڑکنیں جیسے یکخت رک گئیں۔ اس نے بھاپ لیا کہ اسی کے بارے میں کہا جا رہا تھا۔

”کدھر گئی وہ؟ آسمان کھا گیا۔ ڈھونڈو اسے اور نظر آتے ہی گولی مار دو۔ وہ زندہ فج کئی تو ہمارے لیے مصیبت کھڑی کر دے گی۔“ اس آواز کو پہچان کر زہرہ بانو کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ یہ خونخوار اور غرائی ہوئی آواز ممتاز خان کے کار پرواز و سیم عرف تھیما کی تھی۔ شبہ تو زہرہ بانو کو

باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ اندر چودھری جی بیکار پڑے ہیں۔ ہمیں آپس میں لڑنے جھکر نے کے بجائے ان کی جلد صحت یابی کے لیے دعا عیسیٰ کرنی چاہئیں۔“

مہر انسا نے نفرت بھری نظروں سے اپنی سوکن کو گھورا اور پھر غصے سے دانت پیس کر بولی۔ ”میں خوب بھتی ہوں تم دونوں میاں بیٹی کی مکاری کو۔“ پھر اپنے لاڑکے سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”چلو بیٹا! ان کے منہ نہ لگو، یہ تو ہمیں حوصلی میں نیا دکھانے کا موقع ڈھونڈتی رہتی ہیں۔“

تار ایگم کو اپنی سوکن کی اس بات پر دکھ ہوا۔ بڑی طاعمت آیینہ رسانیت سے بولی۔ ”مہرو بہن! خدا گواہ ہے کہ میں نے یا میری بیٹی زہرہ نے آپ لوگوں کے خلاف بھی بھی ا۔ پہنچے ول میں بغرض نہیں رکھا۔ ہم تو خود محبت اور امن چاہتے ہیں۔“

”اوہم... محبت اور امن...“ مہر نے حارت سے سوکن کی طرف دیکھ کر ہونٹ سکیز کر زہرے لیے لبھ میں کہا۔ ”دوسروں کے حق پر ڈاکا ڈالنے والے بھلا امن اور محبت کیا جائیں۔ چلو بیٹا۔“ مہر نے بیٹے کا شان تھپتیا پا۔ ممتاز، زہرہ کو معاندانہ نظروں سے گھورتا ہوا غصے سے پاؤں پنج کر چلا گیا۔

یہ اس سے اگلے دن کا ذکر تھا۔ زہرہ بانو اپنی سفید بوٹھوہار جیپ میں حوصلی سے روانہ ہوئی۔ جیپ وہ خود ڈرائیور گر رہی تھی۔ دو سچ گارڈز عقی سیٹوں پر موجود تھے۔ وہ حسب معمول اپنی زمینوں کی طرف جا رہی تھی۔ مشی فضل محمد کی آج طبیعت تھیک نہیں تھی، اس لیے وہ ساتھ نہیں تھا۔ جیپ کھیتوں کے درمیان میں کھاتے کچھ راستے پر دوڑی جا رہی تھی۔ پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیورنگ کے بعد وہ زمینوں پر پہنچی اور معاملات کا جائزہ لیا۔ وہاں کچھ دیر ہو گئی۔ شام ڈبلنے تک اس نے ایک فلور مل کا دورہ کیا اور آخر میں سالونٹ پہاٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔

گاؤں، دیہات میں ویسے بھی سرِ شام ہی رات کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اس وقت بھی اندر ھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ہیڈ لائش روٹن تھیں۔ زہرہ بانو تھکا وٹ سی محسوس کر رہی تھی اسی لیے ڈرائیورنگ سیٹ اب اس کے ایک گارڈ نے سنبھال لی تھی۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر برا جمایا تھی۔ وہ ابھی پلانٹ سے ایک ڈیزی ہلکو میٹر کی مسافت پر تھی کہ ایک کیکر کے گھنے جھنڈ والے تلک موڑ سے جیپ گھومی اور یکخت فضا میں گولیوں کا بھیاںک تڑتڑا ہٹ آبھری۔ زہرہ بانو غیر ارادی طور پر اور اپنے جھک گئی۔ کئی گولیاں زٹاڑت... جیپ کی باؤٹی میں پیوست ہو گئیں۔ ونڈ اسکرین دھا کے

فضول باتیں

شوہرنے اپنی بیوی کو اسپتال سے بیچ کیا:
 ”صحیح دفتر کے قریب ایک دین نے مزک پار کرتے ہوئے مجھے زبردست لگر مار دی۔ داہنی پنڈلی اور ایک بازوٹھٹ گیا۔ سر میں دس تائیں لگائے گئے تھے... پسلیوں پر سوجن تھی۔ ایکسرے سے پتا چلا ہے کہ تمن پسلیاں بھی نٹوں ہیں۔ تھہرے پر بھی زخم آئے ہیں۔ ذاکٹر کہہ رہا تھا کہ مجھے کم از کم چار ہفتوں کے لیے اسپتال کے بستر پر رہنا ہو گا۔ لگر لگتے ہی میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ بے چاری زویا نے بڑی مشکل سے مجھے ایک لیکسی میں ڈال کر اسپتال پہنچایا۔ وہ مدد نہ کرتی تو جریانِ خون سے میں مر جیا ہوتا۔ وہ ابھی بھی میری دیکھ بھال کر رہی ہے۔ جلدی آؤ تا کہ وہ بے چاری جا سکے۔“

بیوی نے جواب میں بیچ کیا۔ ”فضول پانچ چھوڑوا دریہ بتاؤ کہ یہ کمینی زویا کون ہے جسے بے چاری کہے جا رہے ہو؟“

زادہ صادق، لاہور

حدود میں داخل ہو جائے۔ چنیل میدان میں کہیں کہیں نیلے بیوں کے آثار نظر آتے تھے۔ مگر وہ ذرا فاصلے پر تھے۔ وہ ان کی آڑ تک پہنچتا پامتی تھی۔ اس نے دوز لگادی۔ بھیا تک اور تینی موت اس کے تعاقب میں تھی، اور وہ اس سے بچنے کی سرتوڑ کو شش میں مصروف کار... و فتح عقب سے گولیوں کی سنتا تی ہوئی آواز ابھری اور زہرہ بانو تھی مار کر گری۔ خوف و دہشت کی فضا میں زہرہ بانو کی اضطراری اور غیر اختیاری حرکت تھی اور شاید اس حرکت کے باعث وہ عقب سے داغ ہوئے گولیوں کے برست سے بال بال دنیجی تھی۔ گرتے ہی وہ بھر بھری مٹی والی زمین پر دوڑ تک صرف تی چلی گئی مگر ہمت اس نے پھر بھی نہیں ہاری اور ایک بار پھر انھ کر دوڑی۔ عقب میں شاید دور کہیں موجود تعاقب خونی بھیڑیوں نے اس کا تاریکی میں تحرک ہیولا تازیا تھا۔ زہرہ بانو پر اس وقت ہر ممکن طور پر اپنی جان بچانے کا جنون سوار تھا اور اس جوش تملے وہ دوڑتی ہوئی بالآخر ایک نیلے کی آڑ تک جا پہنچی۔ رک کر اس نے عقب میں دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آن انکا۔ ایک گاڑی کی ہیئت لامش تیزی

پہلے ہی ہو چکا تھا کہ یہ حملہ کون کردا سکتا ہے تاہم اب اس کی تقدیق بھی ہو گئی۔ زہرہ بانو کے دل و دماغ میں اب خوف کے ساتھ ایک سلکتے ہوئے جوش کی طبلی کیفیات پیدا ہونے لگی تھیں لیکن، ابھی اسے ان خونی ہر کاروں سے اپنی جان بچانا تھی اور ہمی دہشت اس پر زیادہ غلبہ پائے ہوئے تھی۔ تاہم اس مشکل گھری میں اس نے اللہ کو یاد کیا اس سے مدد کی دعا مانگی۔ پھر وہ کچھ سوچنے مجھنے لگی تو اسے احساس ہوا، اس آجیپ کے گرد جوش انسانی ہیوںے نظر آرے تھے ان کا تعداد پانچ چھے سے زیادہ نہیں تھی اور ان سب کی توجہ ابھی جیپ کے معائنے پر تھی مرکوز تھی۔ چنانچہ ایک راستہ خالی تھواہ بے آواز گھر بھلی کی سرعت کے ساتھ اس طرف رینگ آئی۔

اسے چھٹا دا ہورہا تھا کہ وہ اپنا پستول نہیں لائی تھی۔ یوں بھی وہ بھی کچھ مار دی اسے اپنے پاس رکھتی تھی۔ پھر اسے اپنے مردہ گارڈن گن سنبھالنے کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ کیونکہ یہ سب اگر کے ساتھ آج ہمکی بار اور اچانک ہوا تھا۔ بہر طور، وہ جس طرف رینگ کر تکلی تھی اس کے دوسرا جانب قدرے نیشنی ڈھان تھی، جھکتی شام کی بڑھتی یا ہی اسے کسی حد تک دشمنوں کی خونی نظروں سے اب تک بچائے ہوئے تھی۔ وہ اس کا نامہ اٹھاتے ہوئے نبٹا کچے کے مختصر کھل راستے پر تیزی کے ساتھ ہاتھوں اور گھٹنوں کے مل رینگتی ہوئی دوسرا جانب نشیب میں اتر گئی۔ یہاں سے اسے ذرا دور ملکی سی تاریکی میں سالونٹ پلانٹ کی بیتیاں نظر آری تھیں۔ فرط جوش سے اس کا دل یہ سوچ کر تیزی سے دھڑکنے لگا کہ اگر وہ کسی طرح یہاں تک پہنچے میں کامیاب ہو جائے تو جان بچنے کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔ مایوسی کے اندر ہیاروں میں امید کی ٹھیٹھی جوت کیا جگل کر زہرہ بانو کو اپنے شکستہ وجود میں جیسے ایک نئی طاقت کی لہرس دوڑتی محسوس ہوئیں۔ دشمن بھی دوڑ نہیں تھے، کسی وقت بھی ملک الموت کی طرح اس کے سر پہنچ سکتے تھے۔ اور وہ اس کی متوقع گرفت سے باہر بھی نہیں تھی مگر امید کی ہلکی روشنی نے زہرہ بانو کی ہمت اور حوصلے کو سوا ضرور کر دیا تھا اور پھر اللہ کا نام لے کر اس نے قدر آدم خود و جھاڑیوں کی آڑ میں دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ جھنڈ زیادہ طویل نہ تھا۔ آگے جا کر چنیل اور بخیر میدان آگیا۔ زہرہ بانو کی سانسیں بڑی طرح پھولی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک بار بھی پچھے مژک کے نہیں دیکھا تھا، اس کی حتی الامکان بھی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح ان خور کے پیاسے بھیڑیوں سے نفع کر پلانٹ کی

ایک گہری سانس خارج کی۔ جھیما اور اس کا ساتھی، اریب قریب کی جھاڑیوں میں اندر ہند فائرنگ کر رہے تھے کہ اگر ان کا شکار ادھر کہیں چھپا بیٹھا ہو تو اس کا وہیں قصہ پاک ہو جائے، زہرہ بانو اگر بر وقت اپنی جگہ نہ چھوڑتی، تو یہ انہی فائرنگ وہیں جھاڑیوں میں اس کا کام تمام کر دیتی۔

زہرہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے چھکے ماندہ وجود میں ایک جنونانہ جوش کی طاقت جمع کی اور لینڈ کروزر کی طرف دوڑ لگائی، جب تک جھیما اور اس کا ساتھی اس طرف متوجہ ہوتے، وہ پھرتی کے ساتھ لینڈ کروزر کا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھی۔ انہن اشارت تھا گیئر بدلنے کی دیر تھی، کامیابی کے جوش سے اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اس نے گیئر بدلا اور ایمسٹر ٹرپ پر پاؤں رکھ دیا۔ لینڈ کروزر بھر کے ہوئے درندے کی طرح غرائی اور ایک طوفانی چھکلے سے آگے بڑھی۔ پھر زہرہ کو کچھ نہ سوچتا۔ وہ اس کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔ اس پر گولیوں کے پورے پورے برست فائر کیے گئے اور بدستی سے ایک بھولی بھکلی گھولی لینڈ کروزر کے بیک اسکرین کو چھاتا ہوئی زہرہ کے دامیں شولڈر اور ہنسی کی بذی کے بیچ میں پہوت ہو گئی۔ زہرہ بانو کو یکخت ایک جھکاگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے جلتی ہوئی سلاخ گھیڑ دی ہو۔ اس کے طق سے کرب ہاک چھ ابھری۔ اسٹرینگ پر ہاتھ بہکے۔ بدست ہاتھی کی طرح دوڑتی پرانے ماڈل کی لینڈ کروزر ڈولنے لگی اور کوئی لمحہ جاتا تھا کہ وہ الٹ جاتی۔ مگر زہرہ بانو اپنی "لب بام" فتح کو... باہم سے جانے کے دیتی؟ اس نے فوراً درد کی اذیت کو پی لیا اور ڈلتی ہوئی لینڈ کروزر کو سنبھالا دیا۔ یوں بھی تا پختہ اور کچھ تباہوار راستے پر وہ بڑی طرح پھکوئے بھی کھلد ہی تھی۔ اکروہ جلد اپنے حواس اور اسٹرینگ پر گرفت نہ جھاتی تو یقیناً لینڈ کروزر اٹھ چکی ہوتی۔

سالونٹ پلانٹ کی وسیع عرض یا ڈنڈری وال کراس کرتی ہوئی گاڑی آبادی کی طرف ہوئی تھی مگر تب تک زہرہ کی اپنی حالت غیر ہوتا شروع ہو گئی تھی۔ وجہ دامیں کاندھے کا زخم اور اس سے تیزی سے بہنے والا خون تھا اور جریانِ خون کے باعث زہرہ پر عُشیٰ یا طاری ہونے لگی تھی، وہ ایک نازک اندام اور کم عمر دو شیزو گھی۔ سہلے بھی وہ ایسے حالات اور تکلیف سے نہیں گزری تھی نیتھی غشی اور نقاہت کے باعث بار بار اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگتا اور چکر آنے کی وجہ سے کئی بار اس کا سر اسٹرینگ پر ڈھلک کر زور سے گمرا یا بھی تھا۔

سے دریافتی فاصلہ نہیں ہوئی ٹیلوں کی طرف آرعنی تھی۔ جان جانے کا خوف ایک بار پھر اسے جکڑنے لگا۔

وہ جاری سے ایک ایسے نیلے کی "ڈھلوانی آڑ" میں جاؤ بکی جہاں خود رو جھاڑیوں کے متعدد جھنڈے پھیلے ہوئے تھے۔ وہ سنس تک روکے وہاں دبکی رہی۔ مگر دھونکی کی طرح چلتی چڑیز سانسوں کی ڈور کو ہٹھپنا اس کے لئے مشکل تھا۔ زہرہ اس کے آگے نکل جانے کی دعا میں مانگنے لگی مگر دشمن بھی کاپیاں تھا۔ گاڑی ایک پرانے ماڈل کی لینڈ کروزر تھی۔ وہ اس کے سامنے، جدھر وہ خود رو جھاڑیوں کی آڑ میں سینے کے بل تتر پیاسی ہوئی تھی، ذرا دور جا کر رک گئی۔ پھر دروازے کھلنے کی دھمک ابھری، زہرہ بانو کی دھرمکتی نگاہیں ان پر لگی ہوئی تھیں۔

وہ سب سچ تھے اور نیچے اتر آئے، ان میں جھیما بھی تھا۔ دشمن کو قریب پا کر زہرہ بانو کا طلق سوکھنے لگا۔ جھیما کی تحکمانہ آواز ابھری۔ "وہ ادھر ہی کہیں قریب چھپی ہوئی ہے، پھیل جاؤ چاروں طرف۔"

وہ اپنے ایک سچ سامنی کے ساتھ وہیں کھڑا رہا۔ باقی تین چار ساتھی، دامیں با میں پھیل کرے۔ شکر تھا کہ عقب میں کسی نے قدم نہیں بڑھائے تھے۔ زہرہ بانو کا ذہن ایک بار پھر اس مشکل گھری سے نکلنے کے لیے تیزی سے کام کرنے لگا۔

دنعتاً اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ جھیما بلند آواز میں اپنے ساتھ کھڑے حواری سے کہرا تھا۔

"ادھر... دو... ہم عقب کا جائزہ لیتے ہیں۔" اور پھر وہ اس سمت مڑا جدھر زہرہ دبکی ہوئی تھی۔ بے رحم موت کو ایک بار پھر سامنے رکھ کر زہرہ کا دم خشک ہونے لگا۔ اس نے پُرسوچ انداز میں اپنے سوکھے پڑتے ہونتوں پر زبان پھیری اور تب ہی ایک خیال بہ سرعت اس کے اندر "کلک" ہوا۔

اس نے نہایت ہوشیاری اور چاک دتی کے ساتھ ان دونوں کے فریب پہنچنے سے پہلے اپنی جگہ بدلي اور رنگتی ہوئی نیلے کا گویا طواف کرتی ہوئی اس سمت آن پہنچی جہاں تھے محض چند قدموں کے فاصلے پر دشمنوں کی لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ زہرہ کا دل ایک بار پھر پر جوش انداز میں زور سے دھڑکا، گویا تقدیر نے چند پل کے لیے اس کے ساتھ یاد ری کی تھی۔ اس کا تی چاہا وہ دیوانہ وار دوڑ کے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا۔ لے اور جیپ میں جاسوار ہو جائے کہ اچانک گولیوں کی تڑتڑاہٹ ابھری۔ وہ بُری طرح دمل گئی۔ پھر جلد ہی اس نے صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے بے اختیار

اوادی گرد

کے چہرے پر میشی مسکراہٹ تھی۔
وہ... دنی بہادر نوجوان تھا۔ لیق شاہ... لمبا چڑا،
مردانہ وجہت کا حامل... جو اس کے سالوت پلات کا
مزدور لیڈ رہتا۔

”تت... تت... تم... مم... مجھے یہاں... کسے
لائے؟ میں تو... میں تو...“ حرمت و ابھن کی ملی جگی
کیفیات اور کمزوری کے باعث اپنا جملہ مکمل نہ کر پائی اور
ہانپئے گلی۔ لیق شاہ چند قدم چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور
ملامت سے بولا۔

”بیکم صاحب! آپ یہاں بالکل حفظ ہیں۔ یہاں
کوئی مائی کا لعل آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا... آپ
پریشان نہ ہوں۔“

لیق شاہ کے ہمدردانہ اور پُر خلوص لجھ اور الفاظ نے
اسے متاثر کیا۔ بے اختیارتہ جانے کس جذبے کے تحت زہرہ
یا نو کے نرم لبوں پر الوبی سی مسکراہٹ بھر گئی۔ اس کی کشادہ
آنکھوں کے ڈوروں میں رمزیہ گھرائی کا شابہ بھی اٹھ آیا۔
یوں۔ ”تمہارا شکر یہ لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں
یہاں کیسے اور...؟ اور تم...؟“

”آپ کو کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں بیکم صاحب۔“ وہ
بولا۔ ”لگتا ہے آپ کے ساتھ بہت بڑا حادثہ پیش آیا ہے۔
آپ یہ اتفاق ہی تھا کہ آپ کی گازی جس گھر کے دروازے
کے سامنے رکی گئی اس کے گھن میں، میں چار پائی ڈالے لینا
تھا کہ باہر مسلسل بجتے والے ہارن پر چونکہ رباہر لکھا تو آپ
کو دیکھ کر مجھے شدید حرمت اور تشویش بھی۔ آپ زخمی تھیں
اور شاید خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو
چکی تھیں۔ آپ کے ساتھ آخر ہوا کیا تھا؟“

محقر اصرحت بیان کرنے کے بعد لیق شاہ نے آخر
میں پوچھا۔ اس کی بات سن کر زہرہ بانو بے اختیار ایک
ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی اور پھر چند ثانیوں بعد اس نے
اپنے ساتھ پیش آمدہ حالات کے بارے میں دھیرے
دھیرے اسے تفصیل سے بتا دیا جسے سن کر لیق شاہ کے
چہرے پر پہلے تو سخت تشویش کے آثار نمودار ہوئے، اس
کے بعد اس کی بڑی بڑی چمک دار آنکھوں میں غیظ و غضب
کے شعلے سے پھونٹے گئے اور پھر وہ اسی جوش تلے جسے
خود کلامیہ بڑا ہا۔

”یہ اچھا نہیں کیا... چھوٹے چودھری نے... میں
اس مردار بذاتِ جھیسے کا بڑا خشکر دوں گا۔“

ایک بار پھر اپنے لیے اس گرانڈ میل خوب روگرد یہاں

آبادی پر نہ ناطاری تھا ہر سوتار کی بھیلی ہوئی تھی۔
کچھ اور گارے منی۔ کے گھروں کے گھن ویران پڑے تھے۔
دروازے بند تھے، لینڈ کروزر ان کے سامنے سے دوڑتی
ہوئی گزر رہی تھی، ایک موقع پر زہرہ بانو کی ہمت جواب
دینے لگی اور اس نے متوقع حادثے سے بچنے کے پیشی نظر
فوراً بریک پر پاؤں رکھ دیے۔ وہ نہ حال سی ہو رہی تھی،
گازی ایک جھکٹے سے رک گئی، وہ دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو
چکی تھی۔ سر اسٹریٹ گنج پر میکن ہارن کے اوپر آنٹھا تھا۔ رات
کی دم بخود خاموشی میں لینڈ کروزر کا ہارن متشل چینے لگا۔

☆☆☆

ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک بالکل اجنی جگہ پر پایا۔
پہلے تو ذہن پر غزوہ میں طاری رہی۔ مگر دھیرے دھیرے
حوالہ بحال ہوئے۔ کچھ سچھنے سمجھنے کا یارا ہوا تو اس نے خود
کو ایک صاف سترے پر لیئے بیا تھا۔ وہ کمرا بھی زیادہ
بڑا تھا، جگی دیواریں تھیں جن میں فریم کی ہوئی کچھ افراد کی
بلیک اینڈ داٹ تعاویر تھیں۔ آہستہ آہستہ اسے اپنے اوپر
بیٹتے ہوئے حالات و واقعات یاد آنے لگے۔ پھر درد کی
ایک نیس بھی اسے اپنے دائیں کاندھے پر محوس ہوئی۔ اس
نے زخم چھونے کی بے اختیار کوشش چاہی تو اس کے طلق سے
ہلکی سے کراہ خارج ہو گئی۔ اس نے دیکھا اس کے زخم پر
مرہم پٹی بندھی ہوئی ہے۔ کمرے میں ہلاک چلکا عام گھر لیو
سامان پڑا نظر آ رہا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی دوسرا کمرے
میں موجود نہ تھا۔ لبتاً اس کے چیزوں کی طرف دروازہ تھوڑا
بھڑا ہوا تھا جس کی درمیانی متوازنی لکیر سے باہر گھن میں
ہونے والی روشنی اسے نظر آئی، ایک بار پھر اس کے دل کو
انجمنے خطرات اور اندریشاں و سوسوں نے گھیر لیا۔ اسے
پیاس محوس ہوئی، طلق میں کانے سے چینے لگے۔

وہ دھیرے سے چار پائی پر اٹھ کر بیٹھنے کی سعی کرنے
لگی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ کاندھے کے زخم سے دوبارہ نیس
ابھری اور وہ پھر بے سدد ہو کر چار پائی پر لیٹ گئی۔ قریب
تپائی پر کچھ دوائیں بھی رکھی تھیں۔

”کچھ کوئی ہے؟ کچھ کوئی ہے؟ کچھ کوئی ہے؟“
یہاں... میں کہس ہوں؟“

وہ متوجہ ہو چلا تی تو باہر گھن میں کسی کے قدموں کی
آہٹ ابھری، پھر دروازہ پورا کھلا۔ اس نے لینے لیئے
اپنے چیزوں کی سمت دروازے کی طرف دیکھا اور جوان
خوب روگرد کیہ کر اس کا دل ایک لمحے کو جسے دھر کنائی بھول
گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ نوجوان

لیق شاہ نے زہرہ بانو کو گاڑی کا دروازہ گھول کے اس میں سوار کر دیا پھر خود بھی دوسری جانب سے گھوم کر اس کے برابر والی سیٹ پر براہمن ہو گیا۔

کچھ دیر بعد یہ لوگ حوالی پہنچ گئے۔ وہاں زہرہ بانو کی ڈھونڈ پڑی ہوئی تھی۔ ستارہ بیگم اپنی بیٹی کو دیکھ کر پُرسکون تو ہوئی مگر پھر اسے زخمی حالت میں دیکھ کر سخت متذکر اور تشویش زدہ بھی ہو گئی۔

زہرہ بانو نے انہیں ساری بات بتاوی۔ مکار مہرالنسا بھی ماں بیٹی کا "حال" جاننے کے لیے دیاں آن موجود ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی ابھسن طاری تھی۔ تاہم بعد میں زہرہ بانو نے اپنے خدشات سمیت اکیلے میں ماں کو ساری حقیقت بیان کر دی۔

اوھر لیق شاہ نے واپس جانے کی اجازت چاہی تو زہرہ بانو نے ایک ملازم کو گاڑی میں اسے گھر تک چھوڑ آنے کا کہہ دیا۔ رخصت ہوتے وقت زہرہ نے لیق شاہ کا شکریہ بھی ادا کیا۔

واپس آکے لیق شاہ چار پائی پر پڑے پڑے نیند کو مہربان کرنے کے لیے کروئیں بدلتا رہا مگر نیند تھی کہ اس کی آنکھوں سے کوسوں دور ۰۰۰ وہ اس مزاج کا آدمی تھا۔ اس قبیل کا کہ کسی نوجوان حسینہ پر یوں بڑی طرح فریفته ہو جاتا مگر محبت کی ایک اپنی خوبیوں اور کشش ہوتی ہے بلکہ اسے "بے اختیاری" کہا جائے کہ لیق شاہ کی آنکھوں کے سامنے بار بار زہرہ بانو کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ کئی بار اسے خود سے ہمکلام ہونا پڑا۔ وہ کیوں بیگم صاحبہ کے بارے میں ایسا سوچ رہا تھا۔ کیا اسے ان کے اور اپنے درمیان واضح "فرق" نہیں نظر آ رہا تھا؟ کس قدر طبقاتی تفاوت تھا وہ دونوں کے درمیان۔ اس طرح پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی، صبح پہلی سے چائے پاپا حاکے وہ جب کام پر نکلنے لگا تو ماں کی نظرؤں نے اس کے چہرے کی رت جگے کی تھکاوٹ بھانپ لی اور پیار سے بولی۔

"پھر لیق! تو ساری رات کا جکہ، ہوادکھائی دیتا ہے۔ لگتا ہے نیند نوٹے کے بعد وہ بارہ نہیں سو سکا ہے، آج چھٹی کر کے آرام کر لے۔"

"نہیں ماں جی، میں چھٹی نہیں کر سکتا... چلتا ہوں۔" ماں سے کہہ کر وہ چلا گیا۔

آج واقعی اس کا کام پر بھی دل نہیں لگ رہا تھا مگر بے دلی سے وہ کام میں مصروف رہا۔ اوھر زہرہ بانو کے ساتھ بھی کم و بیش یہی صورتِ حال تھی بلکہ کچھ سوا یہی تھی، وہ پُر جوش

نظر آئے والے لیق شاہ کو تھہ بار کیفیات میں پا کر زہرہ بانو کے دل میں ایک عجیب سے تفاخر کا احساس جا گا۔ تاہم وہ بولی۔ "میری گاڑی باہر موجود ہو گی؟ وہ "گھر" تلاش کرتے ہوئے یہاں بھی آ سکتے ہیں۔ تم مجھے کسی طرح حوالی پہنچا دو۔ میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھلا سکتی۔" اس کی بات مُن کر لیق شاہ ایک دم بے چین سا ہو گیا، بولا۔ "بیگم صاحبہ! یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میں نے آپ پر احسان نہیں کیا۔ آپ تو ہم غریب مزدوروں کے لیے ایک مریان اور ہمدرد مالک ثابت ہوئی ہیں۔ آپ بالکل فکر نہ کریں جہاں آپ کہیں گی، میں بہ حفاظت آپ کو وہاں اپنی جان پر بھی کھیل کر پہنچا دوں گا لیکن آپ اس بات سے بے نظر ہو جائیں کہ وہ بذات کھرا ڈھونڈتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں گے۔"

معاودروازے کے پاس کسی کے ہولے سے کھانے کی آواز ابھری اور دو عمر سیدہ مرد اور خاتون اندر داخل ہوئے۔ مرد نے جسم پر صدری پہنچنے کی تھی اور پیچے پرانی سی چار خانوں (ایل لکھی)، عورت نے بھی عام سا گھریلو لباس زیب تن کر رہا تھا۔

"یہ... میرے ماں باپ ہیں۔" لیق شاہ نے ان دونوں کی طرز اشارہ کرتے ہوئے زہرہ بانو سے کہا۔

"سلام۔" زہرہ نے چار پائی پر لینے لینے... گے پر دھرے۔ اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر کہا۔

"میں رہے پتھری... طبیعت تو ٹھیک ہے تا اب تیری؟" لیق شاہ کے باپ نے پر شفقت لجھے میں کہا۔ اس کی ماں بھی زہرہ بانو کے سرہانے آن بیٹھی اور ہولے سے اپنا ایک ہاتھ زہرہ کی پیشانی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تاپ (بخار) تو اتر گیا۔ حکیم جی نے پنی تو ٹھیک باندھی۔"

"میں ٹھیک ہوں ماں جی اب۔" زہرہ نے ہولے سے لیق شاہ کی ماں کو مخاطب کر کے کہا پھر لیق شاہ کی طرف مستفرانہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ اس کا مطلب سمجھ کر بولا۔

"بیگم صاحبہ! آپ آرام کریں۔ صبح ہوتے ہی میں آپ کو حوالی چھوڑ دوں گا، آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔"

"میری امی جان پر یشان ہو رہی ہوں گی۔" زہرہ نے ہولے سے مگر متذکر لجھے میں کہا۔ لیق شاہ نے فہمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ اس کے بعد اس نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔"

د فیک کی بھی گوشے میں اور لکھ مریں

گھر بیٹھ

رسالے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ، پسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پیکر زدہ، ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں، اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ

(بشمل رجڑ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 700 روپے

امریکا، ہندوستان، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 8,000 روپے

بیچ ممالک کے لیے 7,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ قم اسی حساب سے ارسال کریں یہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجڑ ڈاک سے رسائل بھیجننا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے پہنچنے والوں کیلئے بہترین تجذبی ہو سکتا ہے یہ دن ملک سے قارئین صرف دس سو یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی ورزی یا سے رقم بھیجے پر بھاری بینک فیس عاید ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

رابطہ شمع عباس (فون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 نیز || ایکٹیشن ڈیپس باؤسٹ اتحادی میں کوئی روڈ کر جی

فون 35895313 ٹس 35802551

کشیلا اور کڑیل نوجوان لیق شاہ اس کے سخنان دل پر تو اسی دن ہی جاگزیں ہو۔ چکا تھا جب اس نے پہلی بار پلانٹ کے احاطے میں اسے مخاطب ہوتے دیکھا تھا پھر اب شب گزشتہ کی تازہ کار اور اس قدر قربت کی حامل "مُبھیز" نے تو زہرہ بانو کو اور بھی دلی و بند باتی طور پر اس کے قریب کر دیا تھا۔ وہ ضم ہونے تک بھگا اس اہم اور خوب ریز جاں لیوا دفعے کی متعلقہ تھانے میں پورٹ کر داتا بھی بھولی رہی۔ تاہم اسے جب یاد آیا تو وہ خود ہی تھانے جا پہنچی۔ وہی سب انکفر جہاں زیب اپنی سیٹ پر موجود تھا۔ مہرالنسانے اسے ساری بات تھائی، وہ فوراً حرکت میں آیا اور جائے وقوعہ پر اس نے زہرہ کی جپ اور اس کے بد نصیب گارڈز کی لاشیں بھی دریافت کر لیں۔ مھیما اور اس کے ہاصلوں ساتھیوں کے خلاف ایف آئی رکٹ گئی۔ زہرہ تو براہ راست متاز خان کے خلاف بھی کارروائی کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت ہمراہ ستارہ بیگم اور کچھ لوگ بھی تھے۔ تاہم ستارہ بیگم نے ہی انکفر جہاں زیب کے سانحہ صلاح مشورے کے بعد متاز خان کے خلاف مصلحت پر چکر ڈالتا مناسب نہ ہوتا۔ بات لمبی ہو کتی تھی اور ہر سر و سوت پر چکر ڈالتا مناسب نہ ہوتا۔ بات لمبی ہو کتی تھی اور ہر کیس بھی طول بڑھ جاتا اور کمزور بھی۔ مھیما، متاز خان کا دست راست تھا۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس کے منہ سے یہ اگلوانا پولیس کا کام ہوتا کہ اس نے یہ سب خونی کارروائی کس کے حکم پر کی تھی۔ یوں بھی بعد میں بہت سے شواہد جاتے کہ دیکم عرف مھیما کس کا آدمی تھا، وغیرہ۔

مھیما کو پولیس ڈھونڈنے لگی اور بالآخر اس کے چند ساتھیوں سپت گرفتار کر لیا گیا۔ مگر جب زہرہ بانو کے سامنے ان سب کی شناختی پر یہ کروائی گئی تو اس نے مھیما سمیت ان سب کو پہچان لیا۔

زہرہ بانو معلمین ہی۔ یہ اس سے اگلے دن کا ذکر ہے۔ زہرہ بانو اپنے علاج کی خاطر شہر آئی ہوئی تھی اور بیگم ولاء میں مقیم تھی۔ لبتوہ مھیما اور اس کے ساتھیوں کو متوقع قرار واقعی سزا ولاء کے لیے اس نے منشی فضل محمد اور لیق شاہ کو سخت ہدایات ای تھیں کہ وہ روزانہ تھانے جا کر مذکورہ مجرموں کی سزا، غیرہ کے سلسلے میں بلا ناغہ انکفر جہاں زیب سے ملتے رہیں۔ اور ہر بیگم ولاء میں پہلے سے محافظ گارڈز کے سربراہ کی حیثیت سے مقیم کیلیں دادا کو جب زہرہ بیگم کے زخمی ہونے اور اس دفعے کا پتا چلا تو وہ سخت تشویش اور لفڑ کا شکار ہو گیا۔

"بیگم صاحبہ! آپ گراند منا ہیں تو اب مجھے یہاں

لیق شاہ ان کے لیے نووار دھنی تھا کیونکہ وہ پہلی بار بیگم والا آیا تھا اور زہرہ بانو کو ایک اہم چوتھا دینے والی اطلاع پہنچانے آیا تھا۔ وہ تنہا تھا اور مسافر لاری میں آیا تھا۔ بیگم والا کے قوانین کے مطابق جب لیق شاہ کو کبیل دادا کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اپنے جیسے ایک گرانڈیل اور لمبے چوڑے نوجوان کو دیکھ کر چھوڑا چونکا تھا تاہم کھنڈی ہوئی سنجیدگی سے بولا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“
”لیق شاہ۔“

”کہاں سے آئے ہو؟ اور بیگم صاحب سے کیوں ملتا چاہتے ہو؟“

جو بابا لیق شاہ نے پاٹ متانت سے جواب دیا۔ ”میں نے پنڈ سے بیگم صاحب کے لیے ایک اہم خبر لایا ہوں اور تم اب سوالوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے بیگم صاحب کو فوراً میری آمرکی اطلاع دو۔“

لیق شاہ کا لہجہ کبیل دادا کو پسند نہیں آیا۔ نہ جانے کیوں کبیل دادا، لیق شاہ سے ایک ہا معلوم ہی رقبت محسوس کرنے لگا۔ اب اس بے چارے کو کیا پتا تھا کہ جس شخص کو وہ سوال جواب کی کسوٹی میں پر کھنے میں مصروف ہے وہ اس کی بیگم صاحب کے ذل میں کیا مقام رکھتا ہے۔

”ہو لے کا کے! ذرا ہو لے... یہ بہاں کے اصول ہیں۔ بیگم صاحب کو کب سے جانتے ہو؟“

کبیل دادا نے ملکے سے چڑ کر کہا۔ اسے لگا تھا کہ اس کا یہ سوال قطعاً غیر متعلق تھا اور نہ جانے کس خفتہ جذبے تسلی اس کے ہونٹوں پر آیا تھا۔ ادھر لیق شاہ کا بھی پارا چڑھنے لگا۔ جو شیوا وہ بھی مذہب تھا۔ کبیل دادا کو گھور کے بولا۔ ”تم صرف بیگم صاحب سے یہ کہ دو کہ نئے پنڈ سے لیق شاہ آیا ہے۔ تمہیں سارے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔“

اس کے یوں پڑا عتمادِ بیجھے میں یہ الفاظ دادا کرنے پر نہ جانے کیوں یکخت کبیل دادا کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوئیں۔

خونی رشتون کی خود غرضی اور پرانے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پروردش پانے والے نوجوان کی سننسی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

چھوڑ کر ملت جائیں۔ یہ وقت کی ضرورت ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔“ زہرہ بانو نے اس کی بات پر غور کرنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر بولی۔ ”میری حفاقت کے لیے اللہ کافی ہے۔ جب موت آئی ہوگی تو کیا تمہارے ہوتے ہوئے نہیں آئے گی؟“ بیگم صاحبہ کی بات پر کبیل دادا لا جواب ہو گیا۔ وہ بولا۔ ”بیگم صاحبہ! اللہ تعالیٰ تو سب کا یمان ہارے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان آنکھیں بند کر کے آٹل کے دریا میں چھلانگ لگا دے۔ اپنی حفاقت کا بھی آخر حکم اللہ نے ہی دیا ہے۔ میرا خیال ہے میں یہاں خود کو ضائع کر رہا ہوں۔“

”بے ضائع کر رہے ہو تم خود کو؟“ زہرہ بیگم نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”تم بہاں کسی جھونپڑی کی حفاقت پر مامور نہیں کیے گئے ہو کبیل! یہ کروڑوں کی پر اپرٹی ہے نہ پر میرے اپنے حریصانہ نظر س جماں بیٹھے ہیں۔ اس نیں کوئی تجھ نہیں کہ تم ایک بہادر اور جی دار انسان ہو۔ س لیے تو میں نے تمہاری ہمت تمہاری ولیری اور جاں نہاری کو پہلے ہی بجا پنٹے ہوئے تمہیں یہاں معین کر رکھا ہے۔“

”پر بیگم صاحبہ! آپ کی جان اس کوئی سے تو زیادہ قیمتی ہے نا۔“ کہتے ہوئے کبیل دادا نے گہری نظر بیگم صاحبہ کے حصین چہرے پر ڈال کر جھکا۔

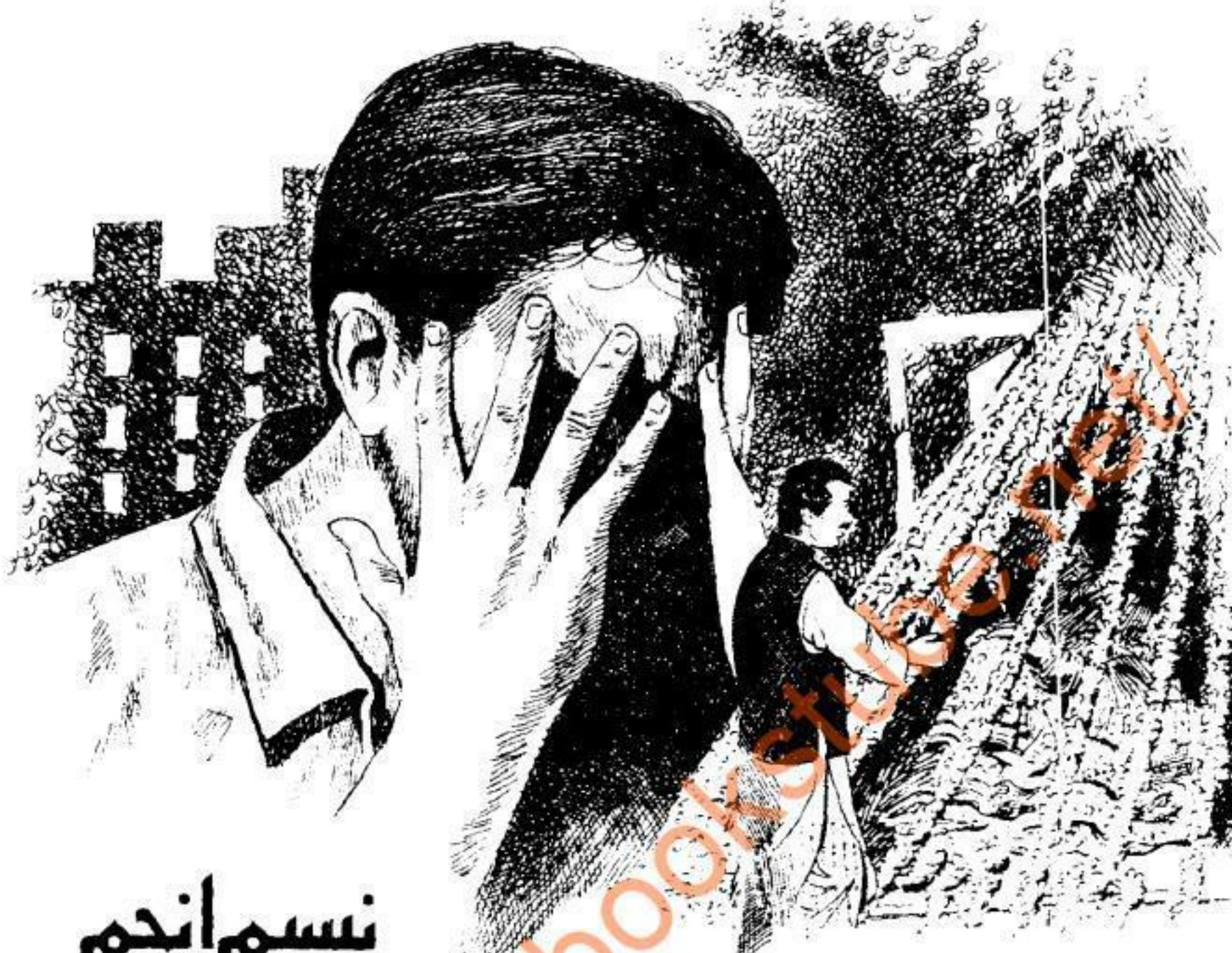
”تم اس کی فکر نہ کرو کبیل دادا... ایک تمہارے جیسا ہی بہادر اور قادر اساتھی نئے پنڈ میں بھی موجود ہے اور مجھے تم دونوں پر ہمیشہ فخر ہے گا۔“ اس کی بات سن کر کبیل دادا چپ ہو رہا۔

زہرہ بانو نے آخر میں اس کی بھی تعریف کرتے ہوئے اس فخر کا اظہار کیا تھا کہ اس نے بڑی جی داری اور بہادری کے ساتھ بیگم والا سے متاز خان کے حواریوں کا نہ صرف قبضہ چڑرا یا تھا بلکہ انہیں مار بھا گیا بھی تھا۔

بیگم صاحبہ کے لیوں سے اپنی تعریف سن کر کبیل دادا بالکل بچوں کا طرح خوش ہو گیا۔

زہرہ بانو تیزی سے صحت یا بہوری تھی تیرے دن لیق شاہ نئے پنڈ سے سیدھا بیگم والا پہنچا۔

وہاں تعین گارڈز کو کبیل دادا کی طرف سے سخت تاکید تھی کہ جبکی نووار دا آئے سب سے پہلے اسے اس کے پاس لایا جائے۔ لہذا لیق شاہ کو سب سے پہلے کبیل دادا کے کمرے میں لایا گیا جو بیگم والا کے وسیع و عریض احاطے



نسیمِ اندھم

منظر راما

شادی پر دل کا خواب ہوتا ہے... اسے بھی اپنے لئے ایک، حسین و دلکش لڑکی کی تلاش تھی... حسن اتفاق سے یہ گوپرنایاب وہ اپنے گھر کے آس پاس ہی دریافت کر بینہا... شادی سے پہلے کی یہ قرار یا انہوں کے بعد کی خود سپردگیاں اس کے پردۂ ذہن پر ان مث نقوش ثبت کر گئیں... فنکار گھرانے سے ٹکرائیں کاسنسنی خیزو پرشکفتہ احوال...

اس جاؤ داں لمحے کے مضرات جو اسے تمام زندگی جھینے تھے... لیوں پر تمسم کھیر دینے والا شکر پارہ ...

بہت پیاری لڑکی تھی۔

وہ لڑکی مجھے بزری کے محیلے کے پاس کھڑی و کھالی دی اور میں بھی بزری لینے کے بہانے اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔
ابھی میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ بزری والے نے پوچھا۔ ”کیا چاہیے بھائی جان۔“

”بھائی، پہلے ان کو منداو۔“ میں نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”ان کی فکر نہ کریں بھائی جان، ان کو بہت کچھ لیا

بہانے اس دکان پر کھڑا ہو گیا۔ اس لڑکی نے مجھے دیکھا... اس کی آنکھیں یہ ظاہر کرنے لیئیں کہ وہ مجھے پچان چکی ہے اور شاید اس نے یہ اندازہ بھی لگالیا ہو گا کہ میں اس کو دیکھ کر رکتا ہوں اور خواجواہ کی خریداری کرنے لگتا ہوں۔

وہ لڑکی اس دکان دیار سے کہہ رہی تھی۔ ”آپ نے پرسوں جو مجھے کوٹھ کریم دی تھی، وہ تو ایک پارٹھی۔“ ”تو آپ واپس لے آتیں ہے۔“

”بس لانا بھول گئی۔ ابھی صرف بتاری ہوں۔ آپ اسکی چیزیں شاپ پر نہ رکھ کریں۔“

اس وقت میں نے مداخلت کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ اتفاق سے یہ اچھا موقع ہتھ آگیا تھا۔ ”یہ تو پر ابلم ہے محترم کہ ہمارے یہاں کے لوگ اسکی باتوں پر دھیان نہیں دیتے۔ نہ دکان دار اور نہ خریدار۔“

”می ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ابتداء ہو چکی تھی۔ اب میں اس سے کچھ اور کہنے والا تھا کہ کسی نے پچھے سے آکر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ وہی سبزی والا تھا۔ ول چاہا کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔ ”اب کیا بات ہو گئی؟“ میں نے غصے سے پوچھا۔ ”کیا چاہتے ہو تم؟“ ”صاحب! آپ کو یاد کیوں نہیں آ رہا کہ وہ نوپی آپ ہی کی ہے۔“ اس نے کہا۔

”کیا بکواس ہے۔“ میرا پارا اب گرم ہو گیا تھا۔ ”تم پاگل نہیں ہو گئے۔“

”بھائی جان، برانہ مانیں یہ میری عادت ہے جب تک کسی کی چیز اس کو واپس نہ چلی جائے، مجھے نیند نہیں آتی اس لیے جب میں نے آپ کو یہاں دیکھا تو دوزا ہوا یہاں تک چلا آیا۔“

اب اتنی دیر میں وہ لڑکی پھر غائب ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے اس کا مجھ سے کیا اعلق تھا جو میری خاطر دکان پر کھڑی رہتی۔

یہ کم بخت سبزی والا تو میرے لیے عذاب بن گیا تھا۔ دونوں دفعہ جب میں اس لڑکی کے قریب ہونے لگا تو یہ کم بخت نیک پڑا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ تیسری بار بھی کچھ ایسا ہی ہو جائے۔ اسی لیے میں نے سوچا کہ اب اس نوپی کا معاملہ ختم ہی کروں تو بہتر ہے۔

”ہاں یار۔“ میں نے افسوس کے انداز میں اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ”یار! میں بھی واقعی بہت بھلکو ہو گیا ہوں۔ بہت سی باتیں یا وہی نہیں رہتیں۔ وہ نوپی میری ہی ہے۔ بہت بہت شکریہ بھائی کہ تم نے اسے سنچال کر رکھا ہوا

ہے۔ آپ اپنی بات کریں اور روانہ ہو جائیں۔“ عجیب بدتریز قسم کا بزری والا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی بھی زیرِ بُل مسکرا رہی تھی۔ میں نے مجبوراً دوکلو آلو خریدے اور آگے بڑھ گیا۔

اگر وہ لڑکی بزریاں خرید رہی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اسی محلے کی ہے۔ ورنہ محلے سے باہر کے لوگ یہاں آ کر سبزیاں نہیں خریدیں گے۔

میں کچھ فاصلے پر جا کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ لڑکی اور سبزی والا مجھے نہ دیکھ سکیں۔ کچھ دیر بعد لڑکی شاپ اٹھائے ایک طرف جاتی دکھائی دی۔

میں بھی اس کے پیچے چل پڑا۔ میرا را دیہ یہ تھا کہ اس کا گھر دیکھ لوں۔ ابھی تھوڑا ہی آگے گئے تھے کہ کسی نے آکر میرا شانہ پکڑ لیا۔ میں نے جنجلہ کر دیکھا۔ یہ وہی سبزی والا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ میں نے غصے سے پوچھا۔ ”صاحب آپ اپنی یہ نوپی میرے ٹھیلے پر بھول آئے تھے۔“ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ایک بے ڈھنگی سی نوپی کی طرف اشارہ کیا۔ ”نہیں بھائی، یہ میری نوپی نہیں ہے۔“ میں غصے سے بولا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے بھائی جان، میرے ٹھیلے پر آپ اور اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی آیا ہی نہیں تھا اور یہ نوپی اس لڑکی کی توبیہ ہو گی۔“

”کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو؟“ میں غصے سے چلا نے لگا۔ ”نہیں ہے یہ میری نوپی۔“ ”ابھا اچھا نہیں ہو گی۔ ناراض کیوں ہو رہے ہو بھائی جان۔“

وہ نوپی لے کر واپس چلا گیا لیکن اتنی دیر میں وہ لڑکی غائب ہو چکی تھی۔ اس کم بخت سبزی والے نے سارا کام خراب کر دیا تھا۔

پھر دال وہ لڑکی آنکھوں کے راستے میرے دل میں اتر چکی تھی۔ اگر وہ اسی محلے کی تھی تو بھی نہ بھی دوبارہ ضرور ملتی۔ وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے۔ جذبہ عشق سلامت ہوتا انشاء اللہ۔ کچھ دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے۔ میں دوکلو آلو ٹھر لے کے آگیا۔

اب میری نگاہیں اسی کو تلاش کیا کرتیں اور ایک دن وہ پھر دکھائی دے گئی۔ اس بار بھی وہ اکٹلی ہی تھی اور کسی دکان سے روسری لے رہی نہ تھی۔ میں بھی چمنی لینے کے

نسیم انجم

”اب کیا کواس کرنے آئے ہو؟“ میں نے غصے سے پوچھا۔

”صاحب! آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”کس بات کی معافی؟“
”وہ نوپی اے نائن والے محمود صاحب ہی کی تھی۔ میں خواخواہ آپ کے پیچھے پڑا رہا۔“

”اب تو بات تو ختم ہو گئی تھی نا، اب میرے پاس دوڑے آئے کی کیا ضرورت تھی؟“

”نہیں صاحب، یہ تو میرا اخلاقی فرض تھا۔“ اس نے کہا۔ ”مجھے کل رات بھرنیز نہیں آئی۔ یہی سوچتا رہا کہ کس طرح آپ سے معافی مانگوں۔“

”اچھا اب جاؤ۔“ میں نے غصے سے کہا۔
شکر ہے کہ بزری والے سے گفتگو کے دوران میں وہ اڑکی کھسک نہیں گئی بلکہ دہیں کھڑی نے چلی جا رہی تھی۔ بزری والے کے جانے کے بعد اس نے کہا۔ ”یہ بزری والا تو آپ کے پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔“

”لغت ہواں پر، کم بخت اسی وقت پک پڑتا ہے جب میں آپ سے کچھ کہدا ہوتا ہوں۔“

”ہاں، کچھ لوگ ایسے ہی بے موقع ظاہر ہوتے ہیں۔“

”اب اگر دوبارہ آیا تو ہاتھ مار دوں گا سالے کو۔“
اڑکی نسل پاش لے چکی تھی۔ وہ دکان سے ہٹ گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہو تھا۔ ہم ایک طرف کھڑے باٹھنے کرنے لگے۔

اڑکی نے بتایا کہ وہ لوگ اس محلے میں نئے آئے ہیں۔ اس کے باپ کی صدر میں دکان ہے اور پانچ بہنیں ہیں۔ وہ خود کاٹج میں پڑھ رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

میں نے بھی اسے اپنے بارے میں بتا دیا کہ میں کون ہوں اور کیا کرتا ہوں۔

وہ جتنی خوب صورت تھی، اس کے بولنے کا انداز بھی اتنا ہی لکھ تھا۔ بہت بھولا بھالا انداز تھا اس کا۔ کچھ دیر بعد اس نے چونک کر کہا۔ ”اچھا ہی، میں تو چلتی ہوں۔“

”کیا میں امید رکھوں کہ تم سے پھر ملاقات ہو سکتی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ تو آپ بزری والے سے پوچھ لیں۔“ وہ نہ کر پولی۔ ”اگر اس نے اجازت دے دی تو ضرور ملاقات ہو گی۔“

”ہے۔ لااؤ دے دو مجھے۔“

”وہ تو آپ کی امانت ہے بھائی لیکن مجھے ایک اور بات یاد آ رہی ہے۔“

”وہ کیا ہے؟“

”وہ اے نائن والے محمود صاحب بھی اسی ہی نوپی پہن کر آتے ہیں۔ نہیں ایک بار اُن سے پوچھ لوں پھر آپ کو دے دوں گا۔“

میرا تو بلند پر یہ رہائی ہونے لگا تھا۔ کم بخت کیا آدمی تھا۔ وہ اپنے سٹیلے کی طرف واپس چلا گیا اور میں ہونقوں کی طرح وہیں کھڑا رہا۔

”مجی بھائی جان آپ فرماؤ، آپ کو کیا لیتا ہے؟“ دکان دار نے مخاطب کیا۔

”کچھ نہیں بھائی۔“ میں بہت بدول ہو کر غصے میں دہاں سے واپس آ گیا۔ کم بخت بزری والے کی وجہ سے سارا کام ایک بار پھر خراب ہو گیا تھا۔

دو چار دنوں پر کے بعد وہ اڑکی پھر دکھائی دی۔ وہ اس بار بھی کسی دکان پر نہیں۔ پہاڑیں کیا شوق تھا اس کو۔ اب مجھے تو کچھ لیتا نہیں تھا پھر بھی میں اس سے قرب کی خاطر اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

وہاں جا کر پاٹھلا کر وہ دکان میک اپ کے سامان کی تھی اور وہ اڑکی نے پاٹش لینے آئی تھی۔ اب میں کیا کرتا۔ میں تو نہیں پاٹش لینے سے رہا۔

اس اڑکی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور اس بار اس نے خود مخاطب کیا۔ ”تو جتاب! آج کیا چیز لئی ہے آپ کو؟“

”وہ بزری والا کچھ لینے کی مہلت دے تب تو لوں۔“ میں نہ کر پوچھا۔

تو یہ تھی اس اڑکی سے پہلی باضابطہ قسم کی گفتگو۔ ”مجھے جمیش کہتے ہیں۔“ میں نے فوراً ہی اپنا نام بتایا۔

”میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کا نام تو نہیں پوچھا تھا؟“ اڑکی نے ہما۔

”ہاں پوچھا تو نہیں تھا لیکن بتاوینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔“

”چیزیں، آپ نے بتا دیا ہے تو میں بھی بتا دوں۔ میں نیم انجمن ہوں۔“ اس نے کہا۔

پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ اور کہتا، وہی بزری والا پھر پٹک پڑا۔ اس کو دیکھتے ہی میرا پارا چڑھ گیا۔ کم بخت ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

میرے منہ سے بزی والے کے لیے گالی نکلتے تھے پر رکھ دیا تھا۔ رہ گئی۔

”ارے بیٹا، اتنے دنوں کے بعد کیوں آتا ہے؟“
”بس خالہ کیا بتاؤ، رات دن کی مصروفیت رہتی ہے۔“

”میں تو کہتی ہوں شادی کر لے۔“
”ای لیے تو آئی آیا ہوں خالہ۔“ میں نے کہا۔
”لوگی دیکھ لی ہے میں نے۔“
”جس بتا۔“

”ہاں خالہ۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں اس پسند کرنے لگا ہوں۔“
”اور لڑکی؟ اس کا کیا خیال ہے تیرے بارے میں؟“

”وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے۔“
”ہائے ہائے کیا انہوں ہی لڑکی ہے۔“
”کیا کہہ رہی ہو خالہ؟“ میں بھڑک اٹھا۔ ”مجھے میں کیا خرابی دیکھ لی تم نے؟“
”ارے ناراض کیوں ہو گیا۔ چل چھوڑ۔ یہ بتا نام کیا ہے اس لڑکی کا؟“ خالہ پوچھا۔
”سمیں اجمم۔“

”ہاں، نام تو اچھا ہے۔“
”لڑکی بھی بہت اچھی ہے خالہ۔“ میرا مود پکھہ ٹھیک ہو گیا تھا۔ ”تم ان کے گھر چلی جاؤ۔ میرے ہی محلے میں رہتی ہے۔ شریف لوگ ہیں۔“
”چلی جاؤں گی پیٹا۔“ خالہ نے کہا۔ ”بس پکھہ دن لگیں گے۔“
”کیوں؟“

”ارے بیٹا! اس نبینے مکان کے کرائے کا بندوبست کرتا ہے۔“ خالہ نے کہا۔ ”تم تو جانتے ہو بیٹا، آٹھ ہزار کرایہ دیتی ہوں۔ پانچ ہزار کا بندوبست ہو گیا ہے۔ تین ہزار رہتے ہیں۔ وہ ہو جا گیں تو چین مل جائے۔“
”خار اب لیک میل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا۔“ میں جھلا کر بولا۔ ”تین ہزار مجھ سے لے لیتا۔“

”پھر تو میں آج ہی چلی جاؤں گی۔“
”بات پکی کر کے آنا خالہ۔“
”بس تو میرا کار نامہ دیکھ لیتا۔“
شام کے وقت میں نے خالہ کو سمیں اجمم کے گھر پہنچا دیا۔ اس دوران میں سمیں اجمم مجھے اپنے مکان کا ایڈریس سمجھا چکی تھی۔

”اغتنت بھیجو جی بزی والے پر۔“ میں نے کہا۔ ”تم بتاؤ تم لوگی یا نہیں۔“

”بیں شام پانچ بجے اسٹائلش کو چنگ سینٹر جاتی ہوں۔“ اس نے بتایا۔ ”چھ بجے وہاں سے لٹکتی ہوں۔“
لیکن، اس نے اشارہ دے دیا تھا کہ میں اسٹائلش کو چنگ سینٹر پر آکر مل سکتا ہوں۔ اس کے بعد ہماری باقاعدہ ملاقاتیں ہونے لگیں۔

وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس کے ساتھ قدرت نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اسے جیون ساتھی بنایا جا سکتا تھا۔ میں اس کے لیے روز بروز سخنیدہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایک دن جب ہم ایک ریسٹوران میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے اس سے پوچھا۔ ”سمیں ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہارا کہیکر رشتہ وغیرہ ہوا ہے؟“

”نہیں، ابھی تک نہیں۔“ اس نے جواب دیا۔
”رشتے آتے ہیں لیکن ابھی تک کوئی ایسا نہیں آیا ہے جس پر غور کیا جائے۔“

”کیا میرے لیے غور کر سکتی ہو؟“
”وہ شرما گئی۔“

” بتاؤ، کیونکہ اب میں اپنی زندگی میں تمہاری ضرورت محروس کر رہا ہوں۔“

”اپ میں خود کیا جواب دوں۔“ اس نے کہا۔
”آپ اپنا رشتہ لے کر کسی کو ہمارے یہاں بھیج دیں۔“
”تمہارے والدین کی کچھ شرائط وغیرہ تو نہیں ہیں؟“

”شرائط کیا ہونی ہیں، بس یہی کہ لڑکا پڑھا لکھا اور مہذب ہو۔“ اس نے کہا۔

”وہ تو خیر میں ہوں۔“
”آپ کے یہاں کوئی ہے جو آسکے؟“ اس نے پوچھا۔

”میری ایک خالہ ہیں۔“ میں نے بتایا۔
”تو بس ان کو بھیج دیں لیکن ذرا جلدی۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کیس آپ کے ہاتھ سے نکل جائے۔“

میں دوسرے ہی دن خالہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئیں۔ کیونکہ میں جب بھی ان کے پاس جاتا۔ ان کے ہاتھ پر ہزار پانچ سو ضرور کھو دیتا۔ اس بار بھی میں نے ہزار کا نوٹ سلام دعا کرتے ہی ان کے ہاتھ

نسیم انجم

میں خون کے گھونٹ لی کر رہ گیا۔ ”جناب! یہ مکان میرے والد نے بنوایا تھا۔“ میں نے بتایا۔

”ماشاء اللہ!“ اس نے اپنی گروپ ہلائی۔ ”دونوں باپ بیٹے ایک ہی مزاج کے ہو۔“

میں نے سوچا کہ ایسی شادی پر لعنت بھیج دوں۔ یہ شخص تو مسلسل توہین کیے چلا جا رہا ہے۔ میں نے خالہ کی طرف دیکھا تو وہ بے چاری آنکھ کے اشارے سے سمجھا رہی تھیں کہ خبردار خاموش رہو۔ بولنے دو اس کو۔

خدا بھلا کرے اس کی بیوی کا۔ اس نے عین وقت پر بنتے میاں کو نوک دیا۔ ”یہ آپ نے کیسی باتیں شروع کر دیں۔ لڑکے سے کچھ پوچھیں تو سکی۔“

”کیا پوچھوں، یہ تصورت ہی سے بے وقوف نظر آ رہا ہے۔“

میرا خیال ہے کہ رشتے کے سلسلے میں ایسی گفتگو شاید کسی نے نہ سنی ہوگی۔ یا تو وہ شخص پگل تھا یا مجھے پاگل بنانے آیا تھا۔

”ویکھو میاں۔“ اس نے س بالہ بھی بدلت کر کہا۔ ”تم تو مجھے پہلی نظر میں اچھے لگ تھے۔ خاندانی شرافت تمہارے چہرے پر لکھی ہوئی ہے۔“

”بہت بہت شکریہ جناب۔“ میں نے ادب سے گردن جھکا لی۔ اب میرا مودہ بھی یکسر بدلت گیا تھا جبکہ خالہ اٹھیمان کی سائیں لے رہی تھیں۔

”میں صرف یہ دیکھ رہا تھا کہ تم میں کتنی قوت برداشت ہے۔“ بنتے میاں نے کہا۔ ”کتنا صبر ہے تم میں۔ کیونکہ آج کل کے بہت جلدی ہاپر ہو جاتے ہیں۔“

”نہیں جناب، میں ویسا نہیں ہوں۔“

”وہ تو دیکھ لپا ہے میں نے۔“ اس نے کہا۔ ”اچھا یہ بتاؤ چھوڑ کر بھاگ تو ہیں جاؤ گے؟“

”چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا؟“ میں نے حیرت سے اس کو دیکھا۔ ”کس کو چھوڑ کر بھاگوں گا؟“

”ارے میاں، جس سے تم نے شادی کا سوچا ہے۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جناب!“ میاں بیوی کا رشتہ کوئی کھیل نہیں ہوتا۔ زندگی بھر کا ساتھ ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزم ہو جاتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ وہ مسکرا دیا۔ ”ویسے یہ سوال بھی

میں نے اس لیے پوچھا تھا کہ آج کل کے لڑکے بہت مودی ہیں اسی لیے ہر بیٹی کے باپ کو خدشہ رہتا ہے۔“

”نہیں جناب آپ اٹھیمان رکھیں۔ ایسی کوئی بات

میں نے خالہ سے کہہ دیا تھا کہ میں کونے والے ہوں میں بیٹھا ہوں۔ ”بس خدا کا نام لے کر جاؤ اور کوئی اچھی سی خبر لے کر آ جاؤ۔“

خالہ کی واپسی آدھ گھنٹے بعد ہی ہوئی تھی۔ ”ارے بیٹا، کیا قسم ہے تیری۔ وہ لوگ تو جیسے بالکل تیر بیٹھے تھے۔ فنا فرشتہ منثور کر لیا۔“

”کیا کہہ رہا ہو خالہ؟“ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”ہاں بیٹا، ب اس کا باپ تمہیں دیکھنے کے لیے آئے گا۔ میں نے تیرے گھر کا پتا بتا دیا ہے۔“

”کب آئیں کے خالہ؟“

”پرسوں۔“ ”خالہ، یقیناً جانو، تم نے کیا کام کر دکھایا ہے۔“ میں خوشی سے نہال ہوا جا رہا تھا۔ ”تم نے جو کہا، وہ کر دکھایا ہے۔“

”پرسوں شام کو میں بھی آجائیں گی تیرے پاس۔ کچھ ناشتے وغیرہ کا بندوبست کر لیں۔“

”تم اس کی فکر مت کر دخالہ۔ ایسا بندوبست کروں گا کہ سب حیران رہ جائیں گے۔“

”اور ہاں، ایک بات اور۔ یہ بنتے میاں ذرا مختلف حرم کے انسان ہیں۔ دونوں بات کرتے ہیں۔“

”اوہ یہ بنتے میاں کون ہیں؟“ ”ارے وہی لڑکی کے ابا۔“ خالہ نے بتایا۔ ”ایسی باتیں کرتے ہیں کہ سامنے والا سلگ کر رہ جائے لیکن ان کے سامنے بالظل مختدے رہتا۔ ان کی کسی بات کا برا نہ مانتا۔“

”اچھا ہوا خالہ جو تم نے سمجھا دیا۔ اب میں دیکھ لوں گا بنتے میاں کو۔“

”مقررہ دن اور وقت پر وہ لوگ آگئے۔ صرف میاں بیوی تھے۔ کیم ائم کے ماں اور باپ۔ جبکہ خالہ دو پھر میں آگئی تھیں۔“

”میں نے یہک، بسکٹ اور مٹھائی کا بندوبست کر دیا تھا جبکہ خالہ نے شانی کتاب بنالیے تھے۔“

”سلام دعے کے بعد بنتے میاں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا یہ مکان تمہارا ہی ہے؟“

”میں جناب۔“ ”اسی لیے اتنا بیکار ہے۔“ بنتے میاں نے کہا۔ ”لوگوں کے پاس پھر اتو آ جاتا ہے لیکن اچھا ذوق نہیں آتا۔ کتنی بے ذائقہ ملکر اسکیم ہے اس کی۔“

نہیں ہوگا۔ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہو گا جب میں نیم انجمن کو پھوڑنے کا سوچوں گا۔

”تو پھر وہ کون ہے۔ دبلي پتی سی جس کے ہوتوں کے پاس ہل ہے۔“

”وہ میری بہن ہے۔ نیم انجمن۔“

”کیا بکواس لگا رکھی ہے۔ وہ بھی نیم انجمن ہو گئی۔“

”ہاں، آپ یقین کریں۔ ہم پانچ بہنسی ہیں۔ اور سب کے نام نیم انجمن ہیں۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”ایسا ہی ہے سرتاج، میں نیم انجمن اول ہوں۔“

میرے بعد والی نیم انجمن دوم ہے۔ اس کے بعد والی نیم انجمن سوم ہے۔ اس کے بعد چارم اور پنجم ہیں۔ آپ جس نیم انجمن میں بات کر رہے ہیں، وہ نیم انجمن سوم ہے۔“

”یہ کیا لغتی خاندان ہے۔“

”ایسا ہی ہے سرتاج۔“ اس نے کہا۔ ”نیم انجمن دوم اور چارم کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ ان دونوں کے شوہر بھی نیم انجمن ہیں۔“

”پھر تو تمہاری اماں اور باوا بھی نیم انجمن ہوں گے۔“

میں جمل کر ریوا۔

”ہاں ایسا ہی ہے۔ ابا کا نام نیم انجمن سینر ہے اور اماں نیم انجمن جو نیز ہیں۔“

لیکن تمہارے ابا کا نام تو بنے میاں ہے۔“ میں نے کہا۔

”وہ تو پیار کا نام ہے۔ اصل نام نیم انجمن ہی ہے۔ اور یاں ایک بات اور بتاؤ۔ آپ میری جس بہن کی بات کر رہے ہیں، وہ نیم انجمن سوم ہے اور اس کی معنی بھی نیم انجمن ہی ہے۔“

اب اس کے بعد میرے پاس کچھ سننے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اس لیے میں اس کرےے سے نکل بجا گا۔

اب آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ یہی کہانی ہے۔ ایسا کیسے ممکن ہے۔ لیکن میں اگر آپ کو سمجھا دوں تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

فرض کریں ہمارے ارباب اختیار نیم انجمن ہیں اور وہ لوٹ کھوٹ میں بتا ہیں اور ان کی شرط یہی ہوئی ہے کہ ان کے ساتھ جو آکر ملے گا، سے بھی نیم انجمن بنتا پڑے گا۔ تو آپ ذرا نظر و دُر اکیس کیا اپر سے نیچے تک سب ہی نیم انجمن نہیں ہیں۔ کیا ہر ادارے میں نیم انجمن نہیں بیٹھے ہیں؟“

ذرا سوچ کر جواب دیں۔ صلائے عام ہے یا ران نکتہ داں کے لیے۔

”ہائے ہائے دیکھیں تو سکی۔“ اس کی بیوی نے کہا۔ ”لڑکا کتنے اچھے اچھے ڈائیلاگ بول رہا ہے۔ اب توہاں کر دیں۔“

”پلو، اب توہاں کر دیتا ہوں۔“ بنتے میاں نے کہا۔

”مبارک ہو۔“ خالہ بھی بول پڑیں۔

”اب جلدی سے برات کی تیاری کرو میاں۔“

”بی جتاب، میری طرف سے تو ماں کل تیاری ہے۔“

”تو بس ہمیں بھی تیار سمجھو۔ اب کسی دن تاریخ میں کر لیتے ہیں۔“

سب کچھ جھٹ پٹ ہو گیا تھا۔ تاریخ بھی ملے ہو گئی اور شادی ائمی ہو گئی۔ ہاں اس دوران میں ایک بار بھی نیم انجمن سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ہم ایک ہونے والے تھے۔

بہر حال شادی ہو گئی جو سادگی سے ہوئی تھی۔ دیے بھی دھوم دعا کیا کرنا تھا۔ شاید یہ میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔ جب نیم انجمن جیسی لڑکی میری بیوی بن گئی تھی۔

اب میرا اس کا جنم جنم کا ساتھ تھا۔ میں نے تو سوچ لیا تھا کہ اس کو خوش رکھنے کے لیے دن رات مخت کر دوں گا۔ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔

خدا خدا کر کے رات ایک بجے کے قریب مہمان رخصت ہوئے تو میں جلد عروسی میں آگیا۔ نیم انجمن دہن بھی گھونکھت ہاں لے یعنی تھی۔

میں نے اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔ ”ویکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سبزی والا یہاں بھی پک پڑے۔“

”کیا تم سبزی والے کو بھول گئیں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ”ارے وہی جو بار بار ہمارے درمیان آ جاتا تھا۔“

”پتے نہیں، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ اس نے کہا۔

اور اس وقت مجھے خیال آیا کہ اس کی تو آواز بھی بدلتی ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے اس کا گھونکھت ہٹا دیا۔ او خدا! یہ تو کون اور کچھی۔ ایک بھدی سی لڑکی۔ موئے موئے ہونٹ اور پچھی پچھی آکھیں۔

”کون ہو تم؟“ میں نے غصے سے پوچھا۔

”میں نیم انجمن ہوں۔ آپ کی بیوی۔“

”بکراں کرتی ہو۔ تم نیم انجمن نہیں ہو۔“

”خدا کے لیے یقین کریں مجھ پر، میں نیم انجمن

کھوں سازش

عکس و ناطق

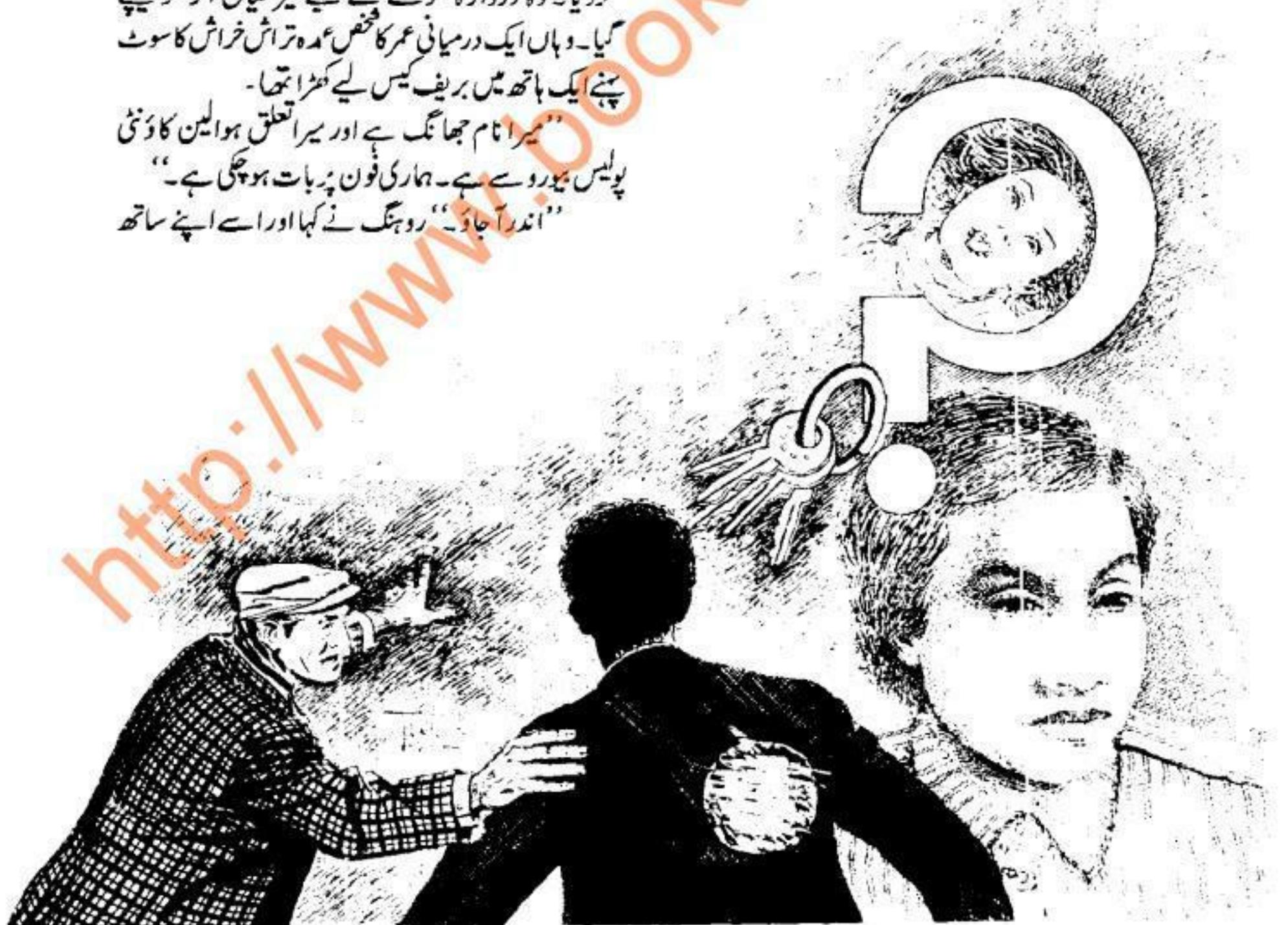
کسی بھی سازش کے جوز توز کو بہانپنا... قتل کی وجہ دریافت کرنا... باریک بیس ذہن کی کارگزاری و کارکردگی پر مشتمل ہوتا ہے... ایک ایسے ہی پیچیدہ، معما کیس کی دلچسپ رواداد... قاتل تمام توثیق و شواہد کے ساتھ موجود تھا... مگر اسی کوئی قاتل تسلیم کرنے پر راضی نہ تھا... سراگرنسی سے دلچسپی رکھنے والے مذاہوں کے لیے کامیابی سے قریب تر ہونے کے نکات و مشاہدات کا بہترین شاہکار نامہ...

**ایک ایمیلی وشی دو شیزہ کے شب و روز اس نے اپنے عشاق
کے دلوں میں حسد و رٹک کے شعلے بھڑکا دیے تھے...**

روہنگ اپنے کمرے میں بیخا ایک میگزین پڑھ رہا تھا کہ تھنٹی کی آواز نے اسے اپنی جگہ سے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دروازہ کھونے کے لیے سریع ہیاں اُتکر چیخ گیا۔ وہاں ایک درمیانی عمر کا تھنٹی عمدہ تراش خراش کا سوت پہنچنے ایک ہاتھ میں بریف کیس لیے کھڑا تھا۔

”میرا نام جھانگ ہے اور میرا تعلق ہواليں کاؤنٹی پولیس بیورو سے ہے۔ ہماری فون پر بات ہو چکی ہے۔“

”اندر آ جاؤ۔“ روہنگ نے کہا اور اسے اپنے ساتھ



بیڈ منشن کو رٹ ہیں۔ بدھ چبیس نومبر کی شام ساز ہے سات سے ساڑھے نوبجے تک بیڈ منشن ٹیم نے معمول کے مطابق ہفتہ دار پریکٹس کی۔ اس نیم میں کوچ کے علاوہ سولہ کھلاڑی ہیں لیکن اس شام صرف نو کھلاڑیوں نے پریکٹس میں حصہ لیا۔ سات غیر حاضر کھلاڑی جائے وقوف سے اپنی غیر موجودگی ثابت کر چکے ہیں اور پولیس کی تحقیقات سے یہ تصدیق ہو گئی کہ قتل کی واردات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

”ایک جونیئر کھلاڑی جھانگ ویس نے آٹھنچھ کریں منٹ پر کوچ سے جانے کی اجازت چاہی۔ کوچ خاصاً زرم مزاج ہے چنانچہ اس نے اجازت دے دی۔ جانے سے پہلے جھانگ نے لیاس تبدیل کیا چونکہ نومبر کے آخری بہت میں سردی بڑھ جاتی ہے لہذا اس نے جیکٹ اور سر پر اسکارف بھی باندھ لیا۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے اپنا بیگ لے کر وہاں سے روانہ ہوئی اور پھر بھی واپس نہیں آئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی نیم کے کھلاڑی پریکٹس کرتے رہے۔ کوچ اور دو کھلاڑی بالترتیب ساڑھے نو اور نونچ کر چالیں منٹ پر روانہ ہوئے جبکہ بقیہ پچھے کھلاڑیوں کی روائی دس بجے کے قریب ہوئی جب کو رٹ نیجرسیو بھی منگ وہاں آیا۔ اس نے تمام کھڑکیاں چیک کیں اور روشنیاں گل کر دیں۔ ان چھ کھلاڑیوں نے بھی اسے ہال کے دروازے کو تالا لگاتے دیکھا اور پھر وہ سیڑھیاں ترکر نیچے چلے گئے۔“

”کیا کھڑکیوں کے علاوہ صرف وہی دروازہ ہال میں داخل ہونے کا واحد راستہ ہے؟“ روہنگ نے پوچھا۔

”ہاں۔“ جھانگ نے جواب دیا۔ ”یہ سیو کاروزانہ کا معمول تھا کہ وہ رات دس بجے کے قریب دفتر سے کروں کی چاپیاں لیتا اور اوپر جا کر کروں اور ہال کی روشنیاں گل ٹرکے دروازوں کو تالا لگادیتا اور دوسرے روز صبح آٹھ بجے وہی سارے تالے کھولتا تھا۔ اس رات وہ نونچ کر پچاس منٹ پر چاپیاں لے کر اوپر گیا اور دس نچ کر پانچ منٹ پر اس نے چاپیاں واپس کر دیں پھر وہ جمنازیم کی عمارت سے روانہ ہو گیا۔ اس کی تصدیق دفتر میں موجود دو افراد سے ہو گئی ہے۔ ان میں ایک ستر چین اور دوسرا اس کا دوست ہے۔ وہ بھی سیو کے چانے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ درحقیقت چین ہی وہ شخص ہے جو تمام چاپیاں ایک باکس میں رکھتا ہے۔ جب سیو نے چاپیاں واپس کیں تو اس نے انہیں باکس میں رکھ کر تالا لگادیا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ اگر چاپیوں والا باکس مغل

لے کر اوٹ روم میں آگیا۔ جھانگ نے صوفے پر بینہ کر بریف کیس سے ایک لفافہ نکالا اور روہنگ کی طرف بڑھا تھا ہوئے بولا۔ ”کیپن تانگ نے یہ خط بھیجا ہے۔ میں چاہنا ہوں کہ تم اسے ایک نظر دیکھو۔“

روہنگ نے لفافہ کھول کر خط پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔ ”جھانگ میرا اچھا دوست ہے اور بیڈ منشن کو رٹ کیس کی تحقیقات کر رہا ہے جو اپنی نوعیت کا انوکھا اور تقابلی تصریح معاہدہ ہے۔ تم نے گزشتہ کیس میں جو ہماری معاونت کی گئی اس کے پیش نظر میں نے جھانگ کو تم سے مشورہ کرنے کے لیے کہا ہے۔ امید ہے کہ مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ تانگ چونگ کن۔“

روہنگ نے اسے خط واپس کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تمہاری روکر کے خوشی ہو گئی لیکن سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس داقعے کے بارے میں بہت کم معلوم ہے۔“

”یونیورسٹی انڈیا میس کی درخواست پر اخبارات کو بہت کم تفصیلات فراہم کی گئی ہیں لہذا تمہیں یہی تاثر میں گا کہ یہ ایک سپدھا سادہ کیس ہے جس میں قائل نے سزا کے خوف سے خود کشی کر لی۔“

”بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن لیا اس کے علاوہ بھی کوئی بات نہیں؟“ روہنگ نے پوچھا۔

”ہاں، اندر کی کہانی کچھ اور ہے گو کہ تمام ثبوت ایک ہی نتیجے کی جانب اشارہ کرتے ہیں لیکن ایک دو باقی اس کے حق میں نہیں ہیں۔“

”یک سراغ رساں کے لیے یہ بہت اہم ہے کہ وہ معمولی۔۔۔“ تک پر بھی پوری توجہ دے۔ تم کہو، میں سن رہا ہوں۔“

جھانگ اپنا گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ ”یہ قت ایک ماہ بیل جمنازیم میں ہوا تھا۔ یہ ایک چار منزلہ عمارت ہے جس کی اپنی منزل پر ڈیپارٹمنٹ آف فریکل انجوکیشن کے دفاتر ہیں۔ دوسری منزل پر تمام سہولتوں سے آرائش اسپورٹس ہال ہیں جن میں مختلف ان ڈور گیم کھیلے جاتے ہیں جن میں بیس ٹنس، باسکٹ ہال، والی ہال، بیڈ منشن اور ٹنس وغیرہ شامل ہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے بریف کیس سے ایک اور کاغذ نکالا اور روہنگ کو پکڑاتے ہوئے بولا۔ ”یہ جمنازیم کا نقش ہے۔“

روہنگ نے غور سے نقشہ دیکھا۔ جھانگ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ”لاش بیڈ منشن ہال میں پائی گئی جو مشرقی تائیوان میں بہترین سمجھا جاتا ہے۔ اس میں چار

گھوہی ساوش

رات سب سے آخر میں گئے تھے، وہ جگہ بالکل خالی تھی اور تمام کھڑکیاں بند تھیں۔ ان کی اس بات سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے وہ کھڑکیاں چیک کی تھیں۔ انہیں اتنی مضبوطی سے بند کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک دھاگا بھی نہیں گز رکتا۔ انہی یہ لوگوں نے یہ گواہی بھی دی ہے کہ ہال کا دروازہ کورٹ فیجر بنے بند کیا تھا اور اس کی چالی وفتر میں موجود بکس میں رکھوادی تھی۔ اسی صورت حال میں کوئی شخص رات دس بجے کے بعد بیٹھ منٹن ہال میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں کسی لاش کا پایا جانا تا قابلِ یقین ہے۔“

”واقعی یہ ایک غور حل سوال ہے۔“ روہنگ نے کہا۔

”میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مقفل کرے میں لاش پہنچ جائے۔ قاتل نے یہ کارنامہ کس طرح انجام دیا ہوگا؟“

”ایک منٹ۔“ روہنگ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”قتل کا وقت کیا تھا؟ پہلے ہمیں ایک ایک کر کے واقعہ کا جائزہ لینا چاہیے اس کے بعد ہی کوئی نظر یہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی چاہوں گا کہ تم مجھے دروازے کی حالت کے بارے میں بتاؤ؟“

”میدی یکل ایگز امنر کی روپورٹ کے مطابق اس کی موت ساز ہے نو اور ساز ہے گیارہ کے درمیان واقع ہوئی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ جیا نگ کورٹ سے جانے کے بعد بہت تھوڑی دیر زندہ رہی۔“

”ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“ جیا نگ نے کہا۔ ”جہاں تک دروازے کا تعلق ہے تو اس پر بھی کھڑکیوں کی طرح کوئی چیز چھاڑنیں کی گئی۔ دراصل صرف دو دن پہلے ہی دوسری منزل کے تمام تالے تبدیل کیے گئے تھے اور اگر دروازے پر زور آزمائی کی گئی ہوتی تو فور اپنا جل جاتا۔“

”کیا تمہیں یقین ہے کہ اس دروازے پر کھڑکیوں کے علاوہ اس ہال میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں کوئی روشن دان یا ایسا خلا ہو جس میں سے ایک آدمی پر آسانی گزر سکے۔“

”ہم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے وہاں کوئی خفیہ راستہ یا پوشیدہ جگہ نہیں ہے۔ اگر دروازہ اور کھڑکیاں بند ہوں تو وہ ہال مکمل طور پر مقفل ہو جاتا ہے۔“

”اس لاش کے حوالے سے کوئی قابلِ توجہ بات؟“ ”نہیں۔“ یہ کہہ کر جیا نگ نے بریف کیس کھولا اور

ہو تو چین کے علاوہ کوئی بھی شخص جیم کے کسی دروازے کی چالی حاصل نہیں کر سکتا۔“

”بالکل، اس کے علاوہ جمنازیم کو بند کرنے کی ذمے داری بھی ادا کی ہے۔ اس نے اس روز بھی ایسا ہی کیا اور سیو کے جانے کے بعد وہ بھی اپنے دوست کے ہمراہ وہاں سے پچلا گپا۔ جسرا کا مطلب ہے کہ اس رات جمنازیم میں کوئی شخص نہیں تھا۔ دوسری فتح آٹھ بجے تیان ہی بونیورسٹی کے دو طالب بیٹھنے کھیلنے کے لیے وہاں آئے تھے لیکن اس وقت بیٹھنے والے کا دروازہ مقفل تھا۔ میں اسی وقت سیو بھی وہاں آگیا۔ اس نے ہال کا دروازہ کھولا اور جیسے ہی اندر قدم رکھا تو اس کی چھوٹی نکل ٹکی۔ وہ دونوں لڑکے بھی اس کے پیچھے گئے اور اندر کا منظر دیکھ کر ان کے قدم زمین پر جم گئے۔ دروازے کے پاس ہی ایک لڑکی فرش پر چست پڑی اور اس کی گردان۔ کے گرد ایک اسکارف پہنچا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور زبان باہر نکل آئی تھی۔ سب سے عجیب بات یہ کہ اس کی لاش کے کر دینکن قطاروں میں شل کاک رکھی ہوئی تھیں جو ایک سفید مشک کی محل میں نظر آ رہی تھیں۔ سیو نے اس لڑکی کی بغل دیکھی، وہ مر جکھی۔ شاید ان دونوں لڑکوں نے پہلی بار کوئی لاش دیکھی ہی۔ مجھے یاد ہے کہ پولیس نے ان سے پوچھ چکھ کی تو ان میں سے ایک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تا ہم سیو بالکل پر سکون رہا۔ اس نے ان لڑکوں سے کہا کہ وہ نیچے جا کر پبلک شلی فون سے پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دیں اور وہ خود چیزیں اور دوسرے اسٹاف مبرز کوفون کرنے جا رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ نیچے چلا گیا، اس وقت تک دونوں طالب علم بھی صدمے کی کیفیت سے باہر آچکے تھے۔ وہ بھی سیو کی ہدایت کے مطابق پولیس کوفون کرنے پڑے گئے۔ وہ واپس آئے تو دیکھا کہ نیزہ میں اور کئی اسٹاف مبرز بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ وہ منٹ بعد بولیس بھی وہاں آگئی۔“

”متوالہ کون تھی؟“ روہنگ نے پوچھا۔

”وہی لڑکی جیا نگ جو وقت سے پہلے پریکش چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس کے گلے میں سرخ اسکارف کا پھنڈاڑاں کر موت کے لھات اتارا گیا۔“

”نیرے ذہن میں بھی اسی کا نام آیا تھا۔“ روہنگ نے کہا۔

”اب میں جوبات بتانے والا ہوں، وہ اس معاملے کا سب سے حرمان کن نکلتا ہے۔“ پولیس کیپشن پہلو بدلتے ہوئے بوالا۔ ”ان چھ کھلاڑیوں کے کہنے کے مطابق جو اس

بظاہر یہ نامکن نظر آتا ہے کہ وہاں کوئی لاش چھپا دی جائے اور اس تمام حقیقت کے بعد ہم اسی نتیجہ پر پہنچ ہیں کہ اس رات دس بجے کے قریب بیٹھ منش ہال میں کورٹ نیجر اور ان چھ کھلاڑیوں کے سوا کوئی اور زندہ یا مردہ شخص نہیں تھا۔ وس نج کر پانچ منٹ پر ہال کے دروازے کی چابی وفتر میں موجود باکس میں رکھ دی گئی ہے اگلے روز سع آنہ بجے کھولا گیا۔ اگر ان خطوط پر سوچا جائے تو صرف ایک مختصر وقہ ایسا ہے جس میں مقتولہ کو بینڈ منٹ ہال تک رسائی ہو سکتی ہے یعنی وس اور وس نج کر پانچ منٹ کا درمیانی وقفہ جس میں سیو کو ہال میں تالا لگانے اور چابی چین کے حوالے کرتے دیکھا گیا۔

”وہی پانچ منٹ بہت اہم ہیں۔“ روہنگ نے کہا۔

”اس کے علاوہ کسی اور وقت مقتولہ ہال میں داخل نہیں ہو سکتی گھی۔ گوکہ ان چھ کھلاڑیوں نے سیو کو ہال کے دروازے میں تالا لگاتے دیکھا تھا لیکن وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کے جانے کے بعد سیو نے وہ تالا کھولا ہو گا۔ اس جرم میں چین کا طوث ہونا خارج از امکان ہے کیونکہ اسے وہاں کام کرتے ہوئے صرف تین دن ہوئے تھے۔ ویسے بھی جائے وقوع سے اس کی غیر موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس رات ساز ہے گیا رہ بجے تک اپنے دوست کے ساتھ تھا۔“

”میرا وجدان بھی یہ کہتا ہے کہ چین کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔“ روہنگ نے کہا۔

”ڈپلی کیٹ چابی استعمال کرنے کا بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ دوسری منزل کے تمام تالے وقوع سے صرف دو روز پہلے ہی تبدیل کیے گئے تھے اور چین کو پورا یقین ہے کہ دن بھر میں سیو کے علاوہ کسی ورثتے نے چابی کو ہاتھ نہیں لگایا اور وہ بھی ہمیشہ اسے فوراً ہی واپس کر دیتا تھا۔“

اس کے بعد جھانگ نے اپنے بریف کیس سے ایک اور کاغذ نکالا۔ ”یہ خط لاش کے داکیں ہاتھ میں تھا۔ اس پر بھی ایک نظر ڈال لو۔“

یہ ایک چھوٹا سا مستطیل نم کاغذ کا گھرا تھا جس پر ایک مختصر سی تحریر تاپ کی گئی گھی۔ ”رات دس بجے بینڈ منش کورٹ میں ملو، وہاں صرف میں اور تم ہوں گے، سیو منگ۔“

”اس تحریر کے حوالے سے سیو سب سے زیادہ مشتبہ شخص بن جاتا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیو نے بدھ کے دن کسی وقت پر رقعہ جیا گنگ کو دیا ہو گا اور اسی لیے وہ وقت سے پہلے پر کیس چھوڑ کر چلی گئی جبکہ سیو معمول کے

اس میں سے ایک تصویر نکال کر روہنگ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔ ”یہ لاش کی تہ مویر ہے۔“

تصویر میں لڑکی کا چہرہ مل کھایا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں چھیل گئی تھیں۔ اس کے دونوں بازوں پھیلے ہوئے تھے اور وہ میں ناگزین کے ماتندا سخت نظر آ رہی تھیں۔ اس کا ایک جوتا داکیں پاؤں کے برابر پڑا تھا جبکہ دوسرا بائیں پاؤں کے پنج سے باہر آ رہا تھا۔ اس کی گردان کے گرد ایک سرخ رنگ کا اسکارف پہنا ہوا تھا۔ لاش پر کے گردشل کاک کی مثلث ایک پر اسرا ر منظر پیش کر رہی تھی۔ روہنگ نے تصویر واپس کرتے ہوئے کہا۔

”لڑکی کا ایک جوتا پیر سے لکھا ہوا ہے۔ اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو؟“

”لگتا ہے کہ قاتل نے لاش کو بغلوں سے پکڑ کر گھینٹا ہے اور اسی کھلکھل میں جوتا پاؤں سے نکل گیا۔“

”کیا تمہارے پاس ہال کا نقش ہے؟“ روہنگ نے پوچھا۔

”ہاں۔“ یہ کہہ کر جھانگ نے اپنا بریف کیس کھولا اور ایک کاغذ نکال گر روہنگ کو پکڑا دیا۔ ہال میں چار کورٹ ایک قطار میں بنے ہوئے تھے اور لاش کورٹ اے میں میں ہی جو دروازے۔ کے ساتھ اور شرقی اشور کے سامنے تھا۔ جھانگ نے کہنا شروع کیا۔ ”کورٹ اے، دروانے سے بالکل قریب ہے۔ میرا خیال ہے کہ قاتل نے لاش گھیٹ کر وہاں اسی لیے رکھی تاکہ دروازہ کھولتے ہی اس پر نظر جائے۔“

”بھی یقین ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ روہنگ نے کہا۔ ”اگر تمہاری بات کو درست مان لیا جائے تو تمام اشارے کورٹ نیجر سیو کی طرف جاتے ہیں، وہی ایک ایسا شخص ہے جو قتل کر سکتا ہے۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟“

”ہاں، جو چچ طالب علم سب سے آخر میں وہاں سے رخصت ہوئے ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہال بالکل خالی تھا اور کسی بھی کورٹ میں کوئی لاش نہیں پڑی ہوئی تھی بلکہ شرقی اور مغربی اشور روم میں بھی انہوں نے کوئی لاش نہیں دیکھی۔“

”ان اشور، میں کیا رکھا جاتا ہے؟“

”جھاڑو، ماپ، پھرے کی نوکریاں، غیر استعمال شدہ نیٹ، شسل کاک کے ڈبے اور دوسرا صفائی کا سامان۔“

”تمہیں وہاڑ کوئی غیر معمولی بات نظر آئی؟“

”ہم نے دووں اشور ز کا اچھی طرح جائزہ لیا۔“

گھوہ ساوش

وقت تھا۔ ”جیا گلک اپنے موقف پر قائم تھا۔“
”ٹھیک ہے، میں نے اس جانب غور نہیں کیا تھا۔“
روہنگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اب بھی ایک بڑا
سوال موجود ہے۔ تمہارا کہنا ہے کہ کمپیوٹر پر ناٹپ شدہ یہ
تحریر مقتولہ کے سیدھے باٹھ میں ٹھیک۔ لگتا یہی ہے کہ پرنٹ
نکلنے کے بعد اس کاغذ کو کسی فتنگی سے کاٹا گیا ہے اور اس
میں صرف چودہ الفاظ ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے
اتھی مختصر تحریر ناٹپ کرنے، اس کا پرنٹ نکلنے اور اسے فتنگی
سے کامنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ وہ یہ تحریر را تھے سے بھی
لکھ سکتا تھا۔ کیا وہ کمپیوٹر کا اتنا زیادہ استعمال کرتا تھا کہ اسے
چینی زبان کے حروف لکھنے میں دشواری ہونے لگی تھی؟“
”میں سمجھ گیا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ ممکن ہے کہ
اسے یہی طریقہ پسند ہو۔“

”اگر سیو کو موردا الزام نہیں کیا تو پھر ہمیں اس سوال
کو مختلف زاویے سے دیکھنا ہوگا۔“ روہنگ نے سمجھ سوچتے
ہوئے کہا۔

”لیکن سیو اس موقع سے فائدہ اٹھانے والا واحد
محض تھا۔“
”کیا کسی شخص نے سیو کو ان پانچ منشوں کے دوران
دیکھا تھا؟“

”بُدھتی سے نہیں، وہاں سے جانے والے آخری
محض نے تصدیق کی ہے کہ اس وقت تمام ہال بند ہو چکے
تھے۔“

”مجھے اس مقدمے کا کوئی سرا نظر نہیں آرہا۔“
روہنگ نے کہا۔ ”تمام ثبوت سیو کو ہی قاتل ظاہر کرتے ہیں
لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ سیو نے اس لاش کو کہیں اور دفن
کرنے کے بجائے بیڈ منشن ہال میں کیوں بند کر دیا؟“
”میرا خیال ہے کہ اس پر لاش کی اتنی دہشت طاری
ہو گئی تھی کہ وہ اسے وہیں چھوڑ کر بچاگ گیا۔“

”یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس قتل کو نہ چھپانا چاہ رہا ہو۔“
”ہم یہ ساری ٹنگلوں مفرد نے کی بنیاد پر کر رہے
ہیں کہ سیو نے یہ قتل کیا ہے اور مجھے اس پر ٹھنک ہے اور اسی
لیے میں تم سے مدد لینے آیا ہوں۔ اب میں کہیں کہاںی کا بقیہ
حصہ ناتا ہوں جس کے بعد سیو کے قاتل ہونے میں کوئی شبہ
نہیں رہے گا۔“

”میں سن رہا ہوں۔“ روہنگ نے کہا۔
”وقوعہ کے سمجھ دیر بعد پولیس وہاں پہنچی اور تحقیقات
شدید کر دی۔ اسی دوران ایک غیر متوقع بات یہ ہوئی کہ سیو

مطابق اپنے نام میں مصروف رہا۔ سب لوگوں کے جانے
کے بعد جیا گلک وہاں پہنچی اور سیو نے دوبارہ تالاکھوں دیا
اور اس کے ساتھ ہال کے اندر چلا گیا۔“

”وہ دونوں بیڈ منشن ہال میں کیوں گئے تھے؟“
روہنگ نے پوچھا۔

”ممکن ہے کہ وہ تہائی میں کوئی بات کرنا چاہتے
ہوں۔“

”اس کا مطلب ہے کہ اس نے سوچے سمجھے منصوبے
کے تحت جیا گلک کو قتل کیا؟“

”میں سرف امکانات پر بات کر رہا ہوں۔ ممکن ہے
کہ اس نے فری اشتغال کے تحت اسے قتل کیا ہوا اور اس
کے لیے لڑکی کا اسکارف استعمال کیا یا اس نے کسی تیز دھار
آلے سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا لیکن اسکارف دیکھ کر
اس کا ارادہ بدلتا گیا۔“

”دونوں ہی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔“ روہنگ نے
کہا۔

”میرے پیاس ایک اور ثبوت ہے جس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ سیو۔ یہ قتل ایک منصوبے کے تحت کیا۔ میں وہ بعد
میں وکھاؤں گا۔ بہر حال سیو نے لڑکی کی گردن میں چند
ڈال کر اسے مارڈا۔ پھر ایک اسٹور روم سے سانچھیں کاک
نکالیں اور لاش کے گرد تین قطاروں میں رکھ دیں پھر اس
نے ہال میں نالا گکا یا اور چاپی نیچے دفتر میں واپس کر دی۔“

”تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ وہ ڈھنل کاک اسٹور سے نکالی
گئی تھیں؟“

”نظاہر یہی لگتا ہے کیونکہ اسٹور روم میں پرانی یا
استعمال شدہ ڈھنل کاک رکھی جاتی ہیں اور لاش کے گرد بھی
اسکی ہی ڈھنل کاک رکھی گئی تھیں۔ اس لیے یہ فرض کیا جاسکتا
ہے کہ قاتل نے وہ ڈھنل کاک اسٹور روم سے ہی نکالی ہوں
گی۔“

”اگر سیو ہی قاتل ہے تو کیا اس کے لیے ممکن تھا کہ وہ
پانچ منٹ میں جیا گلک کو قتل کرے، اس کی لاش کے گرد ڈھنل
کاک ترتیب سے رکھے اور چاپی واپس کر دے۔ یہ مت
بھولو کہ اسے دوسری منزل کے دوسرے کردوں کو بھی چیک
کرنا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان سب کاموں کے لیے پانچ
منٹ ناکافی ہیں۔“ روہنگ نے کہا۔

”کیونکہ اس رات وہ نونچ کر پچاس منٹ پر اوپر
آگیا تھا تو اس نے پہلے دوسرے کرے بند کر دیے ہوں
گے اسی صورت میں اس کے پاس قتل کرنے کے لیے کافی

لا پتا ہو گیا۔

ایک آدمی اس کے گھر تک گیا جہاں وہ تمہارہ تھا لیکن وہ گھر واپس نہیں پہنچا۔ ہم نے اس کے کئی دوستوں سے پوچھا لیکن کوئی نہیں بتا سکا کہ وہ کہاں ملے گا۔ وہ سری صح اس کی لاش پیغف اوشین یونیورسٹی جمنازیم کے قریب جھاڑیوں میں ملی۔

”تمہارے خیال میں اس نے خوشی کی ہو گی؟“ روہنگ نے پوچھا۔

”بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے۔ اس کی موت زہرخوارانی کی وجہ سے ہوئی۔ اس نے ایک خط بھی چھوڑا ہے۔“ یہ کہہ کر جیانگ نے بریف کیس سے ایک اور کاغذ نکال کر روہنگ کو پکڑا دیا جس میں لکھا ہوا تھا۔

”میں نے جیانگ ویسن کو مارڈا لائیکنہ وہ کسی اور سے محبت کرنے لگی تھی۔ اس کی نظر میں محبت بھی کپڑے تبدیل کرنے کے برابر تھی۔ میں اس کی نظر وہ اتر چکا تھا۔ اس لیے میں نے اسے مارنے کا ارادہ کر لیا۔ میں نے اسے رات دس بجے بیٹھنے والی میں بلا یا۔ وہ دوسرے کھلاڑیوں کے جانے کے بعد وہاں آئی۔ میں نے بیٹھنے والی کا دروازہ کھولا اور اسے اندر بلایا۔ پہلے میرا ارادہ ہتھیار استعمال کرنے کا تھا لیکن اس کے محلے میں اسکاراف دیکھ کر اسے ہی استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے اس کی گردان میں اسکاراف مفبوطی سے باندھا اور وہ سرگئی۔ اس نے ایک دفعہ کہا تھا کہ بیٹھنے اس کا پسندیدہ حیل ہے چنانچہ میں نے اس کی لاش کے گردشل کا کرکھ دیں۔ اس رات میں دہشت کی وجہ سے ایک پل کے لیے بھی سونہ سکا۔ مجھے ذر تھا کہ کہیں پاکل نہ ہو جاؤں چنانچہ میں نے ایک خط لکھا تاکہ اسے اپنی میز پر رکھ کر کہیں دور چلا جاؤں۔ دوسری صح اس کی لاش دیکھ کر میں تقریباً پاکل ہو گیا۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ میں نے اس لڑکی کوں کر دیا جس سے محبت کرتا تھا۔ میں نیچے دفتر میں گیا۔ چابیاں واپس کیں اور وہ خط اپنی میز پر دیا۔ میں نے چیزیں کو لاش کے بارے میں مطلع کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ مرنے سے پہلے اس خط کے ذریعے اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہوں تاکہ میری روح کو سکون مل سکے۔ مجھے اپنے فعل پر کوئی چھٹا دانیں لیکن اب زندہ رہنا نہیں چاہتا۔“

روہنگ نے خط پڑھنے کے بعد واپس کر دیا اور بولا۔ ”یہ خط بھی کمپیوٹر پر ناٹپ ہوا ہے۔ اب ہمارے پاس سیو کے متن خط ہیں جن میں دوناٹپ شدہ اور ایک ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ یہ ناٹپ شدہ خطوط بغلی بھی ہو سکتے ہیں کوکہ

”یہ کیا کہہ رہے ہو؟“ روہنگ نے پوچھا۔

”لاش دیکھنے کے بعد وہ فوراً ہی چابیاں واپس کرنے دفتر میں آیا۔ اس وقت چین ہی وہاں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ سیو نے اس سے کوئی بات کیے بغیر چابیاں باکس میں رکھیں اور اپنی میز پر ایک خطر کھوڑاں سے چلا گیا لیکن اس باری خط ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔“ یہ کہہ کر جیانگ نے اپنے بریف کیس سے ایک کاغذ نکال کر روہنگ کو پکڑا دیا۔ یہ ایک عام ساخت تھا جس میں لکھا ہوا تھا۔

”مجھے افسوس ہے، اب میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے۔ کچھ چھوڑ کر یہاں سے چلا جاؤ۔“

”اس کے بعد کیا ہوا؟“ روہنگ نے خط واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

”فریلک ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے چیزیں میں کیا اور روہنگ شن کے کہنے کے مطابق سیو گھبرا یا ہوا اس کے دفتر میں آیا اور بولا۔ بیٹھنے والی میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے واپس چلا گیا۔

”کیا چیزیں میں نے یہ دیکھا کہ وہ کس طرف گیا ہے؟“

”نہیں پھر اس نے اسٹاف کے دوسرے لوگوں کو بلا یا اور وہ سب بیٹھنے والی کی طرف چل دیے۔“

”کیا کسی ورنے سیو کو چیزیں میں کے دفتر سے جانے کے بعد دیکھا؟“

”نہیں، کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ کمپس کے عقبی گیٹ سے بھی جا سکتا ہے۔ وہاں پار کنگ لاث کے سوا کوئی اور عمارت یا شاپ نہیں ہے۔“

”کیا تمہیر یقین ہے کہ یہ واقع صح آٹھ بجے پیش آیا جب تیان ہی یونیورسٹی کے دو طالب علم بیٹھنے والی محلے کا انتفار کر رہے تھے؟“

”ہاں، ہم نے پورے نام نیبل کا جائزہ لیا ہے۔ آٹھ بجے جمنازیم کے ھلنے پر دونوں طالب علم سیزھیاں چڑھ کر بیٹھنے والی کی طرف گئے۔ آٹھ بج کر ایک منٹ پر چین نے باکس کا تالا کھولا۔ آٹھ بج کر دو منٹ پر سیو دفتر میں داخل ہوا اور چبیاں لے کر چلا گیا۔ آٹھ بج کر ٹین منٹ پر اس نے بیٹھنے والی کا دروازہ کھولا۔ میرے پاس ایک ایک منٹ کا حساب موجود ہے۔“

”میں سمجھ گیر۔“ روہنگ نے کہا۔ ”پھر کیا ہوا؟“

”پولیس۔“ فوراً ہی اس کی تلاش شروع کر دی۔

واپسی

ایک صاحب اپنی بیوی کو سپر دخاک کرنے کے بعد قبرستان سے گھروالا پس آئے۔ دروازے کا تالا کھول بی رے تھے کہ ہوا کے ایک زوردار جھکڑ کی وجہ سے چھجھ پر رکھا ہوا گلا ان کے کندھے پر آگرا۔ کندھے کو سہلاتے ہوئے ان صاحب نے کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے وہ فوراً ہی گھر میں واپس آگئی ہے۔“

عبد الغفار زاہد، ایبٹ آباد کا تعاون

سے بھی ہوئی ہے۔“
”دوسرائیں ٹیم کے کچین لی یوسانگ کا ہے۔ یہ بھی عورتوں کا ریسا ہے اور اس نے سابقہ گرل فرینڈز کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں جیانگ بھی شامل تھی۔ یہ تعلق اس وقت ختم ہوا جب وہ موجودہ گرل فرینڈ لنگ فی یان کی محبت میں گرفتار ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جیانگ کے دل میں لنگ کے لئے بغض تھا اور ان دونوں کے درمیان کئی مرتبہ لڑائی بھی ہو چکی تھی۔ لی نے جیانگ کو ایسا کرنے سے روکا۔ میں نے سن ہے کہ اب ان کے جھکڑوں میں کمی آگئی تھی، کون جانتا ہے کہ پردے کے پیچھے کیا ہو رہا تھا۔“

”اگر ان تینوں کے درمیان اتنے اختلافات تھے تو وہ اپک ٹیم میں کیوں رہے؟ یہاں طرح معاملات میں بگاڑ پیدا نہیں ہوا؟“

”جیانگ کی روم میٹ کا کہنا ہے کہ وہ ایک ضدی اور خود سریز کی تھی۔ وہ نہ صرف اپنی بیٹھ منٹ پر یکش جاری رکھتا چاہتی تھی بلکہ ان دونوں کے سامنے رہ کر ان سے انتقام بھی لے رہی تھی۔“

”لی کے پاس جائے واردات سے غیر موجودگی کا کوئی ثبوت ہے؟“

”لی اور لنگ نوں کر چالیں منٹ پر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ رات انہوں نے اپنے کمرے میں گزاری جہاں وہ اکٹھے رہتے ہیں لیکن کسی نے ان کے بیان کی تصدیق نہیں کی۔“

”اسی صورت میں سب سے پہلے انہی پر شک کیا

ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت نہیں جس سے سیو کی بے گناہی ثابت ہو سکے لیکن مجھے یہ معاملہ کچھ بہم نظر آ رہا ہے۔“

”ابہام کی بات تو یہ ہے کہ میدے یکل ایگزائز نے بھی اس کی کلائیوں پر زخموں کے نشانات دیکھے ہیں لیکن اس کے سوا کوئی اور ثبوت نہیں ملا۔ اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ کیا تم۔“ ان تمام معلومات سے کوئی نتیجہ اخذ کیا؟“

”ابھی نہیں، میں مزید تفصیلات جاننا چاہتا ہوں۔“ روہنگ نے کہا۔ ”ہم سیو سے ہی شروع کرتے ہیں۔“

”اس کی عمر تیس کے لگ بھگ تھی۔“ جھانگ نے کہنا شروع کیا۔ ”وہ مقامی باشندہ ہے اور دو سال سے کورٹ فیbrig کے طور پر کام رہا تھا۔ عورتوں کا رسایا تھا اور ہمیشہ کسی نہ کسی سے چکر چلا رکھتا تھا۔ ابھی شخصیت کو جاذب نظر بنانے کے لیے پھول، وار قیص، چزرے کے جوست اور سن گلاسز استعمال کرتا تھا۔ ایک سال پہلے بھی اس کا ایک لڑکی سے معاشرہ چلا اور اس بے چاری گواں سکول سے نکال دیا گیا۔ سیو بڑی مشکل سے اپنی نوگری بچانے میں کامیاب ہوا لیکن بعد میں اس نے کوئی اسکی حرکت نہیں کی۔“

”کیا کسی اور کو جیانگ کے ساتھ اس کے تعلقات کے بارے میں علم تھا؟“

”اس کے ساتھ رہنے والی ایک لڑکی اس بارے میں جانتی تھی۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ دو ماہ پہلے ان کے تعلقات ختم ہو گئے تھے لیکن وہ بیٹھ منٹ ٹھیلنے آتی رہی اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کسی کے ساتھ جاتی تھی۔ وہ مضبوط اعصاب والی فیشن انٹل ہو چکی تھی۔ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں یونیورسٹی ٹرینر صدر بھی منتخب ہو چکی تھی۔ اسی لیے اسے پسند کرنے والے بہت تھے۔“

”بیٹھ منٹ ٹیم کے دوسرے کھلاڑیوں کے بارے میں کیا کہو گے؟“ روہنگ نے پوچھا۔

جھانگ نے اپنی نوٹ بک نکالی اور صفحے ملتے ہوئے بولا۔ ”میں نے کوچ سمیت ان تمام لوگوں سے پوچھ چکھ کی ہے جو اس رات وہاں موجود تھے۔ پہلے ہم کوچ جھو جھو نگ جھی کی بات رتے ہیں۔ وہ ایک سیدھا سادہ شخص ہے اور ٹیم کے تمام کھلاڑی اسے پسند کرتے ہیں۔ جیانگ کے ساتھ اس کا تعلق کوچ اور کھلاڑی جیسا تھا۔ وہ ساڑھے نوبی کورٹ سے روانہ ہو گیا تھا اور پونے وس بیچ گھر پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ گھر پر بی اپنے میں دوستوں سے سازھے گیا رہ بجے تک باتیں کرتا رہا۔ اس کی تصدیق ان دوستوں

”وہ اسکول کے قریب ہی ایک کرائے کے کمرے میں تھا رہتی تھی۔ کسی نے اسے واپس آتے نہیں دیکھا اور نہ ہی کرے میں اس کا بیڈ منٹن بیگ موجود تھا۔“

”ایک اور بات بتاؤ، تمہارا کہنا ہے کہ تیان ہی یونیورسٹی سے آنے والے دو لاکوں کا پینٹک اوئیں یونیورسٹی میں اپنے کسی دوست سے ملاقات کا وقت طے تھا۔ کیا ان کی اس دوست سے ملاقات ہوئی؟“

”نہیں۔“ جیانگ نے اکتائے ہوئے لمحے میں کہا۔ ”میں نے تمہیں وہ سب کچھ بتا دیا ہے جو میں جانتا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ کس نتیجے پر پہنچ ہو؟“

”پہلے تم اپنی رائے بتاؤ۔“ روہنگ نے کہا۔ ”میرے خیال میں سیو کو پھنسایا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ چودہ سطروں کا خط اس نے لکھا ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر وہ قاتل ہوتا تو بھی مقتولہ کی لاش بیڈ منٹن ہال میں بندھ کرتا جس کے نتیجے میں وہ مشتبہ ہو گیا۔ اس نے خود کشی کرنے سے پہلے اپنے خط میں قتل کی جو وجہ بیان کی وہ بھی مجھ سے ہضم نہیں ہو رہی لیکن حقائق بھی بتاتے ہیں کہ یہ قتل اپنی رائے دو؟“

”میں تم سے اتفاق کرتے ہوں کہ سیو کو پھنسایا گیا ہے۔ وہ قاتل ہے اور وہ ہی شریک جرم بلکہ بالکل بے گناہ ہے۔ یہ اسکر پٹ کی بہت ہی ذہن شخص نے لکھا ہے۔ اس کے مطابق وہی شخص قاتل ہے جس نے احساس جرم سے مغلوب ہو کر خود کشی کر لی اور ایک خط چھوڑ دیا تاکہ اصل قاتل بھی با تھنہ آسکے۔“

”لیکن قاتل نے یہ کام کس طرح کیا اور لاش کے گرد شش کاک کیوں رکھویں۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ جیران کن بات ہی ہے۔“

”اپنی رائے بتانے سے پہلے میں کچھ باتوں کی تصدیق چاہتا ہوں۔“ روہنگ بولا۔ ”تمہارا کہنا ہے کہ جب سیو صبح کے وقت چابی لینے اور واپس کرنے گیا تو اس وقت چینی دفتر میں اکیلا تھا۔“

”ہاں کیونکہ چینی کے علاوہ دوسرے لوگ دفتر میں بہت کم نہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کیمپس میں گھوم پھر کر اپنے فرائض انجام دیتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان

جا سکتا ہے۔“ روہنگ نے کہا۔ ”تیرا کون ہے؟“ ”سوپا اور چھو، ان چھوکھلاڑیوں میں سے ایک ہے جو رات دس بجے جمنازیم سے روانہ ہوئے۔ انہوں نے ایک قریبی مارکیٹ میں کھانا کھایا اور دس بجے کر پچاس منٹ پر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ سو کا کہنا ہے کہ وہ گھر چلی گئی تھی لیکن ساڑھے گیارہ بجے تک وہ کہاں رہی، یہ واضح نہیں ہے۔“

”کیا اس کے پاس جیانگ کو قتل کرنے کا کوئی محرك تھا؟“

”یہ کہنا بہت مشکل ہے گو کہ وہ جیانگ کی اچھی دوست تھی۔ لیکن، ایک افواہ یہ بھی ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک وہ سیو کے بھی بہت قریب تھی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ وہ صرف دوست تھے اور اس نے سیو سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ ہم اس امکان کو نظر نہ ادا نہیں کر سکتے کہ اس نے حسد کی وجہ سے جیانگ کو قتل کیا ہو گا۔“

”تم اسے بھی مشتبہ افراد کی فہرست میں شامل کر سکتے ہو۔“ روہنگ نے کہا۔

”جہاں تک بقیہ پانچ کھلاڑیوں کا تعلق ہے تو ان میں سے تین جائے دو قواعدے سے اپنی غیر موجودگی ثابت کر چکے ہیں۔ بقیہ دو کھلاڑی ڈوگنگ اور وانگ یو جی مشتبہ افراد کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان میں سے وانگ کی جائے واردات سے غیر موجودگی کی تصدیق ہو گئی ہے جبکہ ڈوگنگ بھی جیانگ کو شدت سے چاہتا تھا۔ اس نے صرف اس کے قریب رہنے کے لیے بیڈ منٹن نیم میں شمولیت اختیار کی تھی لیکن جیانگ نے اسے بری طرح جھیڑک دیا تھا لیذ اسے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے مایوسی کے عالم میں اسے قتل کر دیا ہو گا۔ وانگ کے ارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ لی پر فدا ہو گئی تھی جب اس کا جیانگ سے افسر چل رہا تھا، اس بات پر دونوں میں بڑا تیکی بھی ہوئی اور وانگ نے اسے قتل کرنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ یہ چھ میئنے پہلے کی بات ہے۔“

”کچھ لوگوں کی نفرت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے۔“ روہنگ نے کہا۔

”درست، ایک افواہ یہ بھی ہے کہ بعد میں اس نے جیانگ سے معافی وانگ لی تھی۔“ یہ کہہ کر اس نے نوٹ بک بند کر دی اور کہا۔ ”میرے پاس مشتبہ لوگوں کے حوالے سے بھی معلومات نہیں۔“

”جیانگ کی رہائش کہاں پر تھی؟ کیا وہ ساڑھے آٹھ بجے کوئٹہ سے روانہ ہونے کے بعد گھر گئی تھی؟“

گھوہ سازش

بنتا تھے ہیں کہ ہال کی چابی دفتر میں رکھے باتیں میں محفوظ تھی۔ اس لیے رات وس بجے سے صحیح آٹھ بجے کے درمیان نہ کوئی شخص بیٹھنے والیں میں جا سکتا تھا اور نہ ہاں لاش چھپائی جاسکتی تھی پھر قاتل اور مقتولہ اس مقفل ہال میں کیسے داخل ہوئے اور اس سوال کا جواب کیسے پاس نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ قاتل نے جیا نگ کو کسی اور جگہ قتل کیا اور بعد میں لاش بیٹھنے والی میں رکھ دی۔

”لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟“ جیا نگ نے کہا۔ ”ہم نے دروازہ اور تمام گھر کیاں چیک کی تھیں۔ ان میں سے ایک دھاگا بھی نہیں گزارا جاسکتا۔“

”اس نے ہال کا دروازہ کھولنے کے لیے چابی استعمال کی تھی۔“ روہنگ نے مسرا تھے ہوئے کہا۔

”لیکن چابی تو باتیں میں رکھی ہوئی تھی۔“ جیا نگ پھلو بدلتے ہوئے بولا۔

”لاش کی منتقلی کا کام اس نے صحیح آٹھ بجے کے بعد کیا جب بیڈ منشن ہال کا دروازہ کھولا جا چکا تھا۔“ جیا نگ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ”لیکن لاش تو صحیح آٹھ بجے بیڈ منشن ہال میں پائی گئی تھی۔“

”یہ بھی ایک چال تھی۔ جس جگہ ان دو لڑکوں نے لاش دیکھی وہ بیڈ منشن ہال نہیں بلکہ اس کے برابر والا دالی ہال تھا۔“

”تم کیا کہہ رہے ہو؟“ جیا نگ حیران ہوتے ہوئے بولا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”میں سمجھاتا ہوں۔“ روہنگ نے جمنازیم کا نقشہ میز پر پھیلاتے ہوئے کہا۔ ”قاتل نے جیا نگ کو نونج کر پہلے دوسرے گرے چیک کرے گا اور جمنازیم بند ہوتے وقت والی ہال میں کوئی نہیں ہوا چنانچہ اس نے یہ خطرہ مول لے لیا۔ میرا خیال ہے کہ چند منٹ پہلے ہی والی ہال میں چلا گیا اور گھر کیاں بند کر دیں۔ جیسے ع جیا نگ وہاں آئی، اس نے وقت ضائع کیے بغیر اسی کے اسکارف سے اس کا گلا گھوٹ دیا۔ پھر اس نے سانحہ عدو شش کا ک بھی اس کی لاش کے گرد رکھ دیں جو وہ پہلے ہی بیڈ منشن ہال سے قیلے آیا تھا اور وہ جعلی خط بھی مقتولہ کے ہاتھ میں تھا مادیا تا کہ قتل کا الزام سیو پر آئے، پھر وہ والی ہال کے دروازے پر کھڑے ہو کر سیو کا انتظار کرنے لگا۔ جب سیو آیا تو اس نے کہا کہ وہ صرف دروازہ مغل کر دے کیونکہ وہ پہلے ہی گھر کیاں چیک کر چکا ہے۔ ہال کی بتیاں بند تھیں اس

میں سے کچھ لوگ اس وقت تک دفتر ہی نہ پہنچے ہوں۔“

”وہ فون کیا رکھا ہوا ہے جس سے ان لڑکوں نے پولیس کو اطلاع دی تھی؟“

”جمنازیم کی عمارت کے مرکزی دروازے کے ساتھ تھی۔“

”کون کی سیڑھیاں فون سے قریب پڑتی ہیں؟“

”اگر ہم سامنے والے دروازے سے عمارت سے داخل ہوں تو وہاں ہاتھ پر ہی جنوبی سیڑھیاں ہیں۔“

”کیا سیو نے ان لڑکوں کو بتایا تھا کہ فون دروازے کے ساتھ ہی رکھ ہوا ہے؟“

”ہاں کیونکہ انہیں ٹیلی فون ڈھونڈنے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔“

چند منٹ خاموش رہنے کے بعد سراغ رسال روہنگ کی آنکھوں میں چمک ابھری اور اس نے کہنا شروع کیا۔ ”سب سے پہلے تو اس قتل میں سیو کے کردار کا یقین کرنا ہو گا جو تم طرز کا ہو سکتا ہے یعنی قاتل، شریک جرم یا بے گناہ۔ اگر اسے قاتل مان لیا جائے تو اس نے اپنے جرم کو چھپانے کی کوشش کیوں نہیں کی اور خاموشی سے موت کو لگائی۔ اگر وہ شریک جرم ہے تو قاتل نے اسے جیا نگ کو مارنے کے لیے استعمال کیا اور بعد میں اسے قربانی کا بکرا بنادیا لیکن یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے جرم کرنے کے لیے ایسا طریقہ کیوں اختیار کیا کہ سارے ثبوت اس کی جانب اشارہ کریں۔ کیا وہ اتنا بے وقوف ہو سکتا ہے کہ مقتولہ کے ہاتھ میں اپنا خط پکڑا دے۔ اسی لیے میں اسے بے گناہ سمجھتا ہوں۔ یاد کرو کہ اس کی کلائیوں پر رسی سے باندھے جانے کے نشانات تھے جس کا مطلب ہے کہ اسے قید میں رکھا گیا۔ اب ہم قتل کے محکم کی طرف آتے ہیں۔ قاتل جو کوئی بھی ہے وہ جیا نگ کے معمولات سے واقف تھا۔ اسی لیے اس نے واردات کے لیے بیڈ منشن کو رٹ کا انتخاب کیا۔ اس نے خود کشی سے پہلے سیو کی جانب سے لکھے جانے والے جعلی خط میں قتل کا محکم حد بتایا ہے جو اس کے اپنے بذباٹ کی ترجمانی کرتا ہے۔“

”اگر سیو قاتل نہیں ہے اور جیا نگ نے خود کشی نہیں کی تو اصل قاتل نے بیڈ منشن ہال میں آنے اور جانے کے لیے کوئی گھری چال چلی ہو گی کیونکہ مجھے دروازے اور گھر کیوں پر تو ابی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔“ جیا نگ نے چھتے ہوئے بیچ میں کہا۔

”میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔“ روہنگ بولا۔ ”حقاً

”میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس روز صحیح کے وقت اپنے آپ کو سیو ظاہر کرنے والا شخص دراصل فزیکل ایجوکیشن کا چیئرمین کیا ورنگ شن تھا اور وہی جیانگ کا قاتل ہے۔“

”یہ کسے ہو سکتا ہے؟“ جیانگ بے یقین سے بولا۔
”آخر تم واقعات کا تجزیہ کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس روز صحیح کے وقت اپنے آپ کو سیو ظاہر کرنے والا شخص کی ملاقات صرف تمن افراد سے ہوئی تھی۔ ان میں باہر سے آئے ہوئے دو طالب علم تھے جنہوں نے پہلے بھی سیو نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے وہ جعلی سیو کو ہی کوڑت پھر سمجھتے رہے۔ تیرا شخص چمن ہے جس نے جعلی سیو کو چابیاں لیتے اور واپس رکھتے ہوئے دیکھا لیکن ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی، اس کے علاوہ چمن کو دفتر میں آئے ہوئے صرف تمن دن ہوئے تھے۔ اس لیے وہ سیو کا روپ دھارے ہوئے چیئرمین کو نہیں پہچان سکا۔“

”اس کے بعد کیا ورنے اپنا حلیہ تبدیل کیا اور دوسرے مجرماً اسٹاف کو لے کر اوپر آگیا۔ اس بار اس نے جنوب کی جانب بنی ہوئی سیز ہیوں کا انتخاب کیا جہاں سے وہ دونوں طالب علم بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔“

”تا قابل یقین۔“ جیانگ اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔
”کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ سیو قاتل نہیں ہے لہذا اس روز وہاں آنے والا سیو جعلی تھا پھر وہ کون ہو سکتا ہے۔“ جعلی سیو ان طالب علموں سے یہ کہہ کر نیچے گیا تھا کہ وہ چیئرمین کو اس قتل کی اطلاع دینے جا رہا ہے، بعد میں چیئرمین نے بھی گواہی دی کہ سیو اس کے پاس آیا تھا اور پھر غائب ہو گیا جو کہ نجی نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی اور کو سیو کے رد پر میں دیکھ کر نہ پہچان سکے۔ یہ ذرا ما صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو سیو کے خصوصی لباس، اس کے طریقہ کار، جمنازیم کے نقشے، اسٹاف کی آمد و رفت اور چابیوں کی رکھاوائی سے واقف ہو۔ کیا وہی کو ان معمولات سے ممل آگاہی تھی۔ خاص طور پر اسے یہ معلوم تھا کہ صفت کے وقت وفتر میں چمن کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا۔ اس لیے سیو کے روپ میں اس کے پہچانے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ صرف وہی ایک شخص وقوع کی شب جیانگ کو قتل کرنے کے بعد سیو کو کہہ سکتا تھا کہ وہ والی بالا کے بجائے دوسرے دروازے پر چک کر لے۔“

”لیکن سیو کہاں چلا گیا تھا؟ وہ دوسرے روز کام پر کیوں نہیں آیا؟“ جیانگ نے پوچھا۔

لیے سیو نے اندر جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کے بعد قاتل نواہ میں چلا گیا اور اس وقت تک وہاں جھپٹا رہا جب تک سیو اور بیڈ منشن نیم کے کھلاڑی نیچے نہیں چلے گئے۔ اس کے بعد وہ باہر آیا اور انتہائی پھر تی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بوفورا ہال کے دروازے پر لگی ہوئی تختیاں بدل دیں۔ شاید وہ پہلے ہی ان میں لگے ہوئے اسکر وڈھیلے کرچکا تھا تاکہ انہیں ”سامنی سے نکلا جاسکے۔“

”دوسرے دن قاتل آٹھ بجے سے کچھ پہلے ہی جمنازیم چکیج گیا۔ اس نے وفتر سے چابیاں لیں اور ہال کا دروازہ کھولتے اور پر چلا گیا۔ وہاں اس کی ملاقات ان دو لڑکوں سے ہوئی جو بیڈ منشن ہال کے دروازے کے باہر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ دراصل والی بالا ہے پھر قاتل نے دروازہ کھولا اور یہ ظاہر کیا جیسے وہ لاش کو دیکھ کر حیران ہو گیا ہو۔ اس نے ان لڑکوں سے کہا کہ وہ نیچے جا کر پولیس کو فون کر دیں اور یہ ظاہر کیا کہ وہ خوب بھی دوسرے لوگوں کو بلانے جا رہا ہے لیکن وہیں سیز ہیوں پر کھڑا رہا اور لڑکوں کے جانے کے بعد دوبارہ اوپر آگیا۔“

”پھر اس نے بڑی تیزی سے کارروائی کی۔ اس نے بیڈ منشن ہال کا دروازہ کھولا اور لاش کو وہاں منتقل کر دیا اور جلدی جلدی وہ ساری شل کاک بھی تین قطاروں میں لاش کے گرد رکھ دیں۔ شاید اس کام کے لیے اس نے اسٹور میں رکھی ہوئی ٹرالی استعمال کی؟ وہ دراصل یہ دونوں ہال ایک ہی جیسے ہیں اور ان میں فرق محسوس کرنا مشکل ہے۔ ویسے بھی وہ لڑکے پہلی بار وہاں آئے تھے اور لاش کو دیکھ کر اتنے حواس باختہ ہو گئے کہ کسی اور بات کی طرف وھیان ہی نہ دے سکے۔ قاتل نے سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ لاش کے گردشل کاک رکھ دیں تاکہ بیڈ منشن کو بیٹ کا تاثر دیا جاسکے۔“

”لاش اور شل کاک منتقل کرنے کے بعد سب سے اہم مرحلہ تختیاں بدلتے کا تھا۔ قاتل کو یہ اطمینان تھا کہ اس وقت تک اسٹاف کے دوسرے لوگ نہیں پہنچے ہوں گے۔ اس لیے اس کے دیکھے جانے کا امکان بہت کم تھا۔ اپنی کارروائی مکمل کرنے کے بعد وہ شمال میں واقع سیز ہیوں سے اتر کر دفتر میں گیا۔ اس نے چابیاں واپس کیں، سیو کی میز پر خط رکھا اور باہر آنے کے بعد اس نے چیئرمین کے دفتر میں قدم رکھا اور پھول دار قیص، چڑے کے جو تے اور سن گلزار تار دیے.....“

”کیا.....؟“ جیانگ تقریباً چلاتے ہوئے بولا۔

JASOOSI DIGEST PUBLICATIONS

Convey Your Message to
Millions of Our Readers,
World Wide
Through



http://
jdpbooksfree.com

63-C, PHASE II EXTN., D.H.A., MAIN KORANGI ROAD, KARACHI 75500-PAKISTAN.
PHONES : (92-21) 35802552-35804200-35895313 FAX : (92-21) 5802551

Email : jdpgroup @ hotmail.com

پر واقع کروں کی چاہیوں پر اس کی الگیوں کے نشانات ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہاری ہدایات کے مطابق کارروائی کرتا ہوں۔" جھانگ نے کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں ایسا انوکھا اور منفرد میں نہیں دیکھا۔"

"اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔" روہنگ نے کہا۔

"بہر حال میں تمہاری رپورٹ کا انتظار کروں گا۔"

"جیسے ہی کوئی حقیقتی بات معلوم ہوئی، میں تمہیں اطلاع دے دوں گا۔" جھانگ نے کہا۔ "آج کی ملاقات کے لیے بہت بہت شکریہ۔"

اگلے روز شام کے وقت ایک بار پھر جھانگ کی سینڈان کارروائی کے دروازے پر گھڑی ہوئی تھی اور وہ پُر جوش انداز میں روہنگ سے کہہ رہا تھا۔ "کیا وہ نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ دروازے کی چاہیوں پر اس کی الگیوں کے نشانات ملے ہیں تو اس کے پاس سچ بولنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"کیا اس نے قتل کے محکم کے بارے میں کچھ بتایا؟"

"ہاں وہ جھانگ سے محبت کرتا تھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ جھانگ اس کے بجائے سیو سے محبت کرنے لگی ہے تو وہ حسد کی آگ میں جلتے لگا۔ چنانچہ اس نے دونوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس ہوشیاری سے ذرا ما اسچ کیا کہ سارا الزام سیو پر آجائے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس الیہ پر تو کیوں بھی شرمندہ ہو گیا ہو گا۔" روہنگ نے کہا۔

"مجھے تو ڈر تھا کہ شاید معا بھی حل نہ ہو لیکن تمہاری مدد سے ہم اصل قاتل تک پہنچ گئے۔ مجھے حرمت ہے کہ تم نے تصورات کی بنیاد پر نتائج کیسے اخذ کر لیے، واقعی تم ایک طفیل سراغ رسائی ہو۔"

روہنگ کے چہرے پر ہلکی سکراہت پھیل گئی۔ وہ اسے کہے بتاتا کہ کبھی وہ خود بھی اس منزل سے گزر چکا تھا۔ اسے بھی کسی سے حسد ہو گیا تھا اور اس نے اپنے ذہن میں اسی قسم کا منصوبہ ترتیب دیا تھا لیکن وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اپنے منصوبوں پر عمل کرنے سے چکچاتے ہیں اور وہ تصور میں ہی اپنے منصوبوں سے لطف انداز ہوتے رہتے ہیں۔ شاید ایک سراغ رسائی اور قاتل میں بھی فرق ہے۔

"اے ہے کیا وہ نے اغوا کر کے کسی جگہ نظر بند کر دیا تھا۔" کیا وہ اس کے کپڑے اتار کر خود پہن لیے اور وسری صبح کام پر چلا گیا۔ سیو کی نوپی پہن لینے سے اس کا ہمیز اسٹائل بھی چھپ گیا تھا۔ لاش ملنے کے بعد وہ دوبارہ سیو کے پاس گیا اور اس کے کپڑے اسے پہنادیے پھر اس نے سیو کو نشہ آور دوا پلائی اور اس کی لاش کیمپس کے نزدیک جھاڑیوں میں چھینک دی۔ رات تھوڑی سیو کی جانب سے لکھا ہوا جعلی خط بھی رکھ دیا جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ اس نے خود کشی کی ہے۔" "لیکن کیا وہ نے ایسا کیوں کیا۔ اسے جیا نگ یا سیو سے کیا دھرمی تھی؟"

"میرا خیال ہے کہ ان خطوط کا مقصد صرف تفتیش کو غلط راستے پر ڈالنا تھا۔ قاتل صرف یہ تاثر پیدا کرنا چاہ رہا تھا کہ سیو نے شخص سد کی بنا پر جھانگ کو قتل کیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود حسد کی آگ میں جل رہا تھا کیونکہ کسی زمانے میں وہ بھی جھانگ کا عاشق رہ جا تھا۔ اس نے دونوں کو قتل کر دیا کیونکہ جھانگ نے اسے دھوکا دیا اور سیو سے محبت کرنے لگی۔ اس طرح کے واقعات صدوں سے چلے آرہے ہیں۔ کیا وہ نے اپنی نفرت کو عملی جامہ پہنایا اور اس شیطانی اسکیم پر عمل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔" جھانگ نے کہا۔ "مان لیا کہ کپیوٹر ناٹپ کیسے ہوئے دونوں خط جعلی تھے لیکن سیو کی میزت، جو خط ملا وہ اس کی اپنی وینڈ رائٹنگ میں ہے، اس بارے میں کیا ہو گا؟"

"بظاہر تو ہمیں لگتا ہے کہ سیو نے یہ خط غصے کے عالم میں لکھا ہو گا جب اس کا جھانگ سے جھٹڑا ہوا تھا۔ شاید جھانگ نے وہ خط یا وہ کو دکھایا ہوا اور اس نے چالاکی سے اسے اپنے قبضے میں لے لیا تاکہ بعد میں اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکے۔"

جھانگ نے تائید میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری باتوں پر یقین ہے لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"تم اگر سیو کے کپڑوں اور جھانگ کی لاش کے گرد رکھی ہوئی ششل کا کوچک کرو تو تمہیں ان پر کیا وہ کی الگیوں کے نشانات مل جائیں گے۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ وہ اس رات جائے واؤچ سے اپنی غیر موجودگی ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس رات کیا وہ کی نقل و حرکت کے بارے میں جان سکو تو تمہیں یہ اپنی معلوم ہو جائے گا کہ اس نے سیو کو کہاں نظر بند کیا تھا۔ رب سے اہم ثبوت یہ کہ دوسرا منزل



بے جا خواہشات سمندر کے مانند بوتی پیں... جو کم ہونے کے بجائے پہلتا ہی چلا جاتا ہے... وہ بھی ایک ایسے ہی سمندر کا ماہر تیرا کرتا... تیرنا اسے پڑھی آتا ہے... اس لئے ذوبنے کا کوئی خیال اس کے ذہن میں نہ آسکا... اور نہ ہی اس کے قدم ذگمگائے... مگر سمندر بے حد بے رحم ہوتا ہے... جب اس میں جوار بھاناں لٹھتا ہے تو پرشی کو تباہ و بر باد کر دالتا ہے...

فہرست کتب گتھیوں کو مسلسل الجمادینے والی نکتہ درست کہانی کے عجیب و غریب موڑ...

تلویر ریاض

دھوکا

کر دیا تھا گوکہ ادا کاری کو بھی ذریعہ روزگار نہیں بنایا تاہم میں اب بھی اس میں حصہ لیتا پسند کرتا تھا کیونکہ اس طرح خواتین سے تعلقات بڑھانے کے سواقع ملتے تھے لیکن میری روزی کا ذریعہ پرائیویٹ سراغِ رسانی تھا جو میں زیادہ تر ہیری کے لیے ہی کرتا تھا۔

”رات کے کھانے پر ایک دوست ملنے آرہی ہے۔“
ہیری نے مجھے اطلاع دی۔ ”اس موقع پر مجھے تمہاری خدمات کی ضرورت ہوگی۔“ یہ کہہ کر وہ ہوی کے اندر چلا گیا۔

جنی ماسڑز کے بارے میں جو سوچا تھا وہ اس سے مختلف ثابت ہوئی۔ وہ ان لڑکوں میں سے نہیں تھی جن کے ساتھ ہیری شانہ ملا کر چل سکتا۔ اس نے صرف جیز اور ٹی

ٹک نے اپنی گاڑی ہویلی کی مضبوط لوہے کی باڑھ کے ساتھ کھڑی کی اور باہر آگیا۔ میرا کزن ہیری سامنے والے ان میں کھڑا کسی کار گیر سے باٹھ کر رہا تھا۔ آنی اگا تھا۔ کے انتقال کے بعد ہیری نے اسی ہویلی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہ گزشتہ سات سال سے یہیں مقیم تھا۔ اس داران میں وہ مسلسل ہویلی کی تزیین و آرائش میں لگ رہا۔ اس روزانہ کی توڑ پھوڑ سے میں تنگ آگیا تھا اور میں نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے ہویلی میں واتھ اس چھوٹے سے مکان کو چھیڑنے کی کوشش کی جو آئئی اگا تھا کی وصیت کے مطابق میری ملکیت تھی تو میں عدالتی کارروائی سے بھی آریز نہیں کر دیں گا۔ میری بات سن کر اس نے زور دار قہقہہ لگایا تھا کیونکہ یہ وصیت اسی نے تحریر کی تھی اور جانتا تھا کہ وہ جب، چاہے میری قیام گاہ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

مجھے دیکھ کر وہ کار گیر جانے کے لیے مڑا اور بولا۔ ”میک ہے مسروقات سائیڈ، سو ستم بہتر ہو جائے تو میں کام شروع کرتا ہوں۔“

اس کے جانے کے بعد ہیری مجھے گھورتے ہوئے بولा۔ ”تمہاری ریہر سل ختم ہو گئی؟“
میں نے زمانہ نوجوانی سے ہی تھیز میں کام شروع

باتیں کر کے سرکاری وکیل کا کام آسان نہ کرے۔ شیکھیر کے الیہ ڈراموں میں اسی یک طرف محبت کو بنیاد بنا دیا گیا تھا۔ میں نے بھی کچھ عرصہ قبل ایک ایسے ہی ڈرامے میں کام کیا تھا جس میں فریق خلاف کی جانب سے محبت کا جواب گرم جوش سے نہ دیے جانے پر محبوب کا دل نٹ جاتا ہے۔ کچھ بعد نہیں کہ اسی بات وذہن میں رکھنے ہوئے ریان، پولیس کی توجہ کا مرکز بن گیا ہو۔ یہ ایک طاقتور مجرک ہو سکتا تھا اور اس کی بنیاد پر وہ یقیناً مجرم خبر با جا سکتا تھا لیکن میری توقع کے برخلاف ہیری نے اس سے ریان کے کاروبار کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔

”اس کا کام بہت اچھا چل رہا تھا۔“ جینی نے کہا۔ ”یہ سے علیحدگی کے بعد ریان نے مغل طور پر اپنے آپ کو دیب ڈیزائن بنس کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس نے مزید ڈیزائز فی خدمات حاصل کیں اور اپنے کام کو بڑھانے لگا۔ میکون کا کہنا تھا کہ اہ سال کے وسط تک میں لاکھ ڈالز کا ہدف حاصل کر لیں گے۔“

”یہ میگی کون ہے؟“ ہیری نے پوچھا۔

”ریان کی شرکیپ کار، اس کا پورا نام میگی وارنر ہے۔“ جینی نے کہا۔ ”شاید تمہیں یاد ہو کہ وہ اسکوں میں بھی سے ایک سال آگئے تھی۔ وہ بہت ہی زیادہ ایک کار لیں اور مقبول طالب علم تھی۔ وہ سماجی سرگرمیوں میں بھی حصہ لتھی تھی۔“

ہیری نے سر پڑتے ہوئے کہا۔ ”ہاں مجھے یاد آگیا۔ وہ بہت خوب صورت تھی۔ وہ کون خوش نصیب تھا جس سے اس کی شادی ہوئی۔“

جینی مسکراتے ہوئے بولی۔ ”تج کل کی عورتوں کو زندگی گزارنے کے لیے شادی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیا تم اس سے اختلاف کر دی گے ہیری؟“

ہیری جواب میں مسکرا کر رہا گیا۔ اس لمحے مجھے یوں لگا جیسے اس کمرے میں میری موجودی نیز ضروری ہے لیکن اچانک ہی ہیری مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ”کیا تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو؟“

وہ اب بھی مسکرا رہا تھا اور اس کی نظریں مسلسل جینی کے چہرے پر جنمی ہوئی تھیں۔ میں نے اسے کافی عرصے بعد مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور یہی چیز میرے لیے حرمت کا باعث تھی۔ ہیری غیر معمولی شخصیت کا حاصل تھا۔ چھوٹ چار اچھے قدم کا ہیری جمع میں سب سے منماز اور منفرد نظر آتا تھا۔ اس کے لیے عورتوں کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن اس نے ابھی

شریٹ پمن رکھی تھی اور ہیری کے مقابلے میں کافی کم عمر لگ رہی تھی گو کہ وہ دونوں ہم عصر تھے۔

”جینی کے بھائی ریان پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے۔“ ہیری نے کہا۔ ”اب اسے میری بلکہ تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“ ہیری وکیل تھا اور جب وہ اپنے امیر اور مشہور دوستوں سے وعدہ کر کے پھنس جاتا تو اسے میری مدد کی ضرورت پڑتی تھی۔

”میں جانتی ہوں کہ اس نے یہ قتل نہیں کیا۔“ جینی آگے کی طرف جھکتے ہوئے بولی۔ ”وہ ایس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے اسے کبھی تکلیف نہیں پہنچائی۔“

میں نے بھی رشتہ میں اخبارات میں یوگا ٹیچر کے قتل کی خبر پڑھی تھی۔ اس کے سر پر شدید ضرب لگائی گئی تھی اور بعد میں اس کی لاش کو یوگا اسٹور کے عقبی کمرے میں رکھ دیا گیا جہاں وہ یوگا کی تربیت دیا کر لی تھی۔ اخبارات نے اس کے قتل کی خبر کو صفحہ اول پر شائع کیا کیونکہ وہ ایسا ہی بینک کے سینہ، وہ اس پر یہ نہ ڈیوڈ کار لائل کی بیوی تھی اور اسکی وجہ سے ڈیوڈ کار لائل اٹارنی نے براہ راست ثبوت کی عدم موجودگی کے باوجود ریان پر الزام عائد کرنے میں جلدی دکھائی۔ ریان کو مشتبہ قرار دیئے کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اس کا سابق شوہر تھا جسے چھوڑ کر ایس نے اپنے سے بہت زیادہ عمر کے ڈیوڈ کار لائل سے شادی کر لی تھی۔ اخبارات نے دعویٰ کیا تھا کہ ایس کو گمانام اور شرارت آمیز ای میلہ موصول ہو رہی تھیں جو ریان کے لیپٹاپ سے بھیجی گئی تھیں۔ جس رات ایس کا قتل ہوا اس سے کچھ دیر پہلے اس کی فیس سک پر ریان کا دھمکی آمیز پیغام بھی موصول ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اسٹوڈیو کے دو طالب علموں نے بھی یہ بیان دیا تھا کہ انہوں نے ایک ہفتہ قبل ریان سے ملتی جلتی قامت کے ایک شخص کو رات کے وقت یوگا اسٹوڈیو کے آس پاس منتلا تے دیکھا تھا۔ ریان کے پاس جائے وقوع سے عدم موجودگی کی کوئی شہادت نہیں تھی بلکہ ریان کی دیب ڈیزائن پہنی میں کام کرنے والے ایک ملازم یعنی کریک کا کہنا تھا کہ دوسرے روز صبح جب ریان کام پر آیا تھا تو وہ خاصا مضطرب اور بے چین و کمالی وسے رہا تھا۔ یہ تمام واقعاتی شہادتیں جنہیں بنیاد بنا کر ریان کو ملزم خبرہایا چاہرہ تھا۔ ”ایس اس کے لیے زندگی سے بڑھ کر تھی پھر وہ اسے کیسے قتل کر سکتا ہے؟“ جینی نے کہا۔

میرا خیال تھا کہ ہیری اسے نوک دے گا کہ وہ اسی

پریستا کی رہبت

”نہبہ ہے! آپ کیا جاتے ہیں؟“

”پیار۔“

”کس کا پیار؟“

”عورت کا۔“

”عورت کے تو بہت سے روپ ہیں۔ عورت ماں ہے، بہن ہے، بیوی ہے۔ چلو فرض کرو۔۔۔ اگر آپ کو ماں کا پیار مل جاتا ہے تو؟“

”تو دنیا و آخرت میرے لیے جنت ہے۔“

”اگر بہن کا پیار مل جاتا ہے تب؟“

”تو میری پکھنوفزار ہے گی۔“

”لیکن اگر بیوی کا پیار مل جائے تو؟“

”تو باقی سب کچھ چھوڑ دوں گا۔ آخر کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی تو پڑتا ہے۔“

عقلیل احمد کی عنفل مندی ضلع قصور سے

اپنے اردو گرد نظر آئے والی امیر اور خوب صورت عورتوں میں سے کسی ایک میں دچکی نہیں لی گئی لیکن اس وقت وہ جمنی پر کچھ زیادہ بڑی فریفہت ہو رہا تھا۔

”کیا تمہارا بھائی ان دنوں کسی اور عورت سے مل رہا تھا؟“ میں نے جمنی سے پوچھا حالانکہ اخبارات میں اس جانب اشارہ دیا گیا تھا کہ وہ ابھی تک ایمس کو دل میں بسائے ہو۔۔۔ تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ پولیس بھی انہی خطوط پر کام کر رہی ہو گی۔ میں نے محض وقت گزاری کے لیے یہ سوال کیا تھا جب تک میرے ذہن میں کوئی اور کار آمد سوال نہ آجائے۔ اسی لیے جمنی کا جواب میرے لیے حیرت کا باعث بنا۔

”میں اس کی محبت تھی۔“ جمنی نے کہا۔ ”لیکن ریان عورتوں کے معاٹے میں پارسا نہیں ہے۔ وہ عورتوں سے ڈینگ کرتا رہتا ہے اور اپنے ساتھ کام کرنے والی کسی بھی عورت سے اس کا عارضی تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی تباہ شخص نہیں تھا جیسا کہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔

”لیکن وہ ای میلو؟“ میں نے پوچھا۔

”بیٹی اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔“ ”اس کا کہنا ہے کہ یہ ای میلو اس نے نہیں بھیجی ہے میں اور مجھے اس کی بات پر یقین ہے۔ ایمس کی فیس بک پر جو پیغامات ہیں ان کا غلط مطلب لیا گیا ہے۔ ریان اسے دھمکی نہیں دے رہا تھا بلکہ اسے تنیجہہ کر رہا تھا۔“

”کس قسم کی تنیجہہ؟“ میں نے کہا۔

”جمنی کند ہے اچکاتے ہوئے بولی۔“ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں تمہیں ریان سے بات کرنی چاہیے۔ اسے خود یہاں آنا چاہیے تھا لیکن وہ بہت زیادہ پریشان ہے اور اس نے اپنے آپ کو گھر تک محدود کر لیا ہے تاکہ لوگوں کی نظروں سے دور رہے۔“

”یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم اپنے بھائی کی مدد کرنا چاہتی ہو۔“ میں نے کہا۔ ”بہتر ہو گا کہ تم اس کے لیے کسی اچھے وکیل کا انتظام کرو جو اس کا وفاع کر سکے۔“

”میں وارز نے جیکسن اینڈ کلے کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔“ بیری نے کہا۔ ”اور وہ ہم سے مشورہ کرنے پر رضا مند ہو گئے ہیں۔“

”میں پہلو بدل کر رہ گیا۔ ایش جیکسن، بیری کے اسکول کے زمانے کا ساتھی تھا۔ محض حالات کا تفاضا تھا کہ یہ دونوں حریف ایک ساتھ کام کرنے پر تیار ہو گئے تھے لیکن

دوسری صبح میں مرکز شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ مجھے توقع تھی کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کی نقل حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ریان اور ایمس کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خلاصہ اور ایمس کی فیس بک پر ریان کی جانب سے بھیجے جانے والے پیغامات کی نقل حاصل کر سکوں گا۔ میں نے نیلی فون پر جیکسن اینڈ کلے کی ایڈمن آفیس سے یہ فائل میں ای میل کرنے کے لیے کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ ایش مجھ سے بال مشافہ گفتگو کرتا چاہ رہا تھا لہذا میں اس سے طنے پتھنی گیا۔

جیکسن اینڈ کلے کا دفتر ریورز بلڈنگ کی تیروں میں اور چودھوپیں منزل پر واقع تھا۔ سچے سجائے قیمتی دفتر دیکھ کر مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔ اس کی تیز میں و آرائش میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی تھی۔ دیواروں پر قیمتی لکڑی کے فریم، فرش پر دیزیز قالین، نرم صوفی اور آرام دہ کر سیاں غرضیکہ ہر چیز قیمتی اور خوب صورت تھی۔ یہاں تک کہ استقبالیہ پر بیٹھی شیری بھی

اپنے سیاہ لباس میں بے حد پُر کشش نظر آ رہی تھی۔

”ایش مجھ سے ملتا چاہتا ہے۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔
اس نے صوفی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
”تم بیٹھو، میں اسے بتاتی ہوں۔“

چند منٹ بعد ایش اپنے کمرے سے برآمد ہوا۔ اس نے مجھ سے مصافحہ کرنے یا ہیلو کہنے کی رسمت بھی گوارانٹیس کی اور بولا۔ ”اس کبس میں مزید کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی حقیقی ثبوت نہیں، صرف واقعی شہادتیں ہیں جو میرے موکل کو ملزم ثابت کرنے کے لیے تک足 ہائی ہیں۔ تم سے آخری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کوشش کر کے دیکھ لو اور کوئی کارآمد بات معلوم ہو تو مجھے ضرور بتانا.....“

میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ گزشتہ برس میں اور ہیری اس کے ساتھ ایک کیس پر کام کرچکے تھے۔ میں نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ ”ہم اس کیس کو حل کرچکے تھے۔ درحقیقت ہم نے اپنے موکل کو بہت بڑا فورد باجکدہ ساری عمر خود کو اس شک سے آزاد نہیں کر دی سکے گا کہ وہ چبے گناہ ہے۔“

”میں جانتا ہوں کہ تمہیں اپنی قابلیت پر بہت زعم ہے۔“ ایش برہم ہوتے ہوئے بولا۔ ”یعنی کی خواہش ہے کہ ہیری کو اس معاملے میں شامل کیا جائے۔ میں نے اسے منع بھی کیا لیکن وہ اپنے ارادے پر سختی سے قائم ہے۔ میں تم سے صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ ایک مرتبہ ثبوتوں کا جائزہ لے لو اور اسے بتاؤ کہ سب کچھ ہمارے کنٹرول میں ہے۔“

ہیری بھی میرکی بات پر توجہ نہ دیتا اور نہ ہی اس معاملے سے الگ ہوتا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایش کو بھی اس بارے میں شب تھا اور اس نے مجھ سے بات کر کے ہیری کو اس کیس سے الگ کرنے کی آخری کوشش کی تھی۔

”کیا میں وہ دستاویزات دیکھ سکتا ہوں؟“ میں نے پوچھا۔

”ہا۔“ اس نے کہا۔ ”میں نے پہلے ہی اپنی سیکریٹری کو کہہ دیا ہے کہ وہ ان بیانات کی نقول تیار کر لے جو ہم نے گواہوں کے انٹریویو کی مدد سے تیار کیے تھے لیکن ان میں کوئی خاص بیانات نہیں۔ کوئی بھی گواہ یہ نہیں بتا سکا کہ اس نے کسی مشتبہ شخص کو اشوڈیو کے آس پاس منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے نیال میں یہ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا اور ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت

نہیں ہوگی۔“
مجھے غصہ آگیا۔ کیا اس نے یہی بات کہنے کے لیے مجھے پلا یا تھا۔ میں نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر اسی بات ہے تو تمہیں اور جیسی ماشرز کو بھی اس کیس سے چیچھے ہٹ جانا چاہے۔“

میں اسے مشتعل کرنے میں، کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ جنجنگلاتے ہوئے بولا۔ ”میں بہت صروف ہوں اور تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اپنے موکل کو اس الزام سے بری کروالوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہیری کی مداخلت سے کام بگز جائے۔ مجھے امید ہے کہ ان کاغذات کو دیکھ کر تمہاری تسلی ہو جائے گی اور اس معاشرے میں مجھے تمہاری مدد کی بھی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں سیکریٹری کے ذریعے ان کاغذات کی نقول بھجوادوں گا۔“

اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ایک خوب صورتی لڑکی کاغذات کا پلندالیے آئی اور مجھے پکڑا دیا۔ ایش ہر ممکن طریقے سے میرے لیے مشکلات پہرا کر رہا تھا۔ اس نے مجھے پسیوور پر فائلوں تک رسائی دی، کے بجائے ان کے پرنٹ میرے حوالے کر دیے۔ اب نہیں خود ہی انہیں اسکیں کرنا تھا۔ لابی میں رک کر میں نے وہ کاغذات سیکیورٹی ڈیکٹ پر رکھے اور انہیں ترتیب دینے لگا۔ اچانک ہی عقب سے ایک آواز سنائی وی۔

”تم ہیری واٹ سائیڈ کے۔ لیے کام کرنے ہو، کیا میں تھیک کہہ رہا ہوں؟“

میں نے مڑ کر دیکھا۔ میرے سامنے ڈیوڈ کار لائل کھڑا تھا۔ اس نے یقینی سوت زیب ان کیا ہوا تھا اور بال سلیقے سے بنائے ہوئے تھے۔ میں نے ٹپات میں سرہلا یا تو وہ بولا۔ ”تنا ہے کہ وہ میری بیووی کے قس کی تحقیقات کر رہا ہے؟“

”ہا۔“ میں نے ایک بار پھر اس سے میں سرہلا دیا۔

”تم دونوں ہی ماشرز کے، لیے کام کر رہے ہو؟“ کار لائل سرو لیجے میں بولا۔ ”لیکن ریان جھوٹ بول رہا ہے۔ میں اور ایس بہت خوش تھے، البتہ ہیری بیوی ان اسی میلر کی وجہ سے پریشان تھی جو ریان نے سے بیچھی میں۔ بہتر ہو گا کہ تم اس سے دور رہو۔“

اس کے لیجے میں دھمکی کا عنصر نہماں تھا۔ میں نے اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔ ”میں ہیری واٹ سائیڈ کے لیے کام کرتا ہوں اور وہی فیصلہ کرتا۔ ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ کس کے لیے کام کرنا ہے اور کس کے

دھوکا

کا بڑا حصہ ان کتابوں کو خریدنے پر صرف کیا تھا۔ ان میں سے بعض کتابیں بہت نایاب اور قیمتی تھیں اور اب ان کی قیمت کئی گناہ بھی تھی۔ اس لیے ہیری نے پرانی لاہبری کی جگہ ایک جدید انسٹنٹ لائبریری تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ پہ کتابیں موسم کی غنیمتیوں سے محفوظ رکھیں۔

وہ تھوڑا مضطرب دھائی دے رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا کوئی مسئلہ تھے؟“

ہیری نے جھٹکے سے سراخایا جیسے وہ گہری نیند سے بیدار ہوا ہو پھر بولا۔ ”جیک، تم جنی کے بھائی سے بات کیوں نہیں کرتے؟“

”میں بھی اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم انہیں فون کر کے بتاؤ، میں ان سے ملنے کے لیے آرہا ہوں۔ ایش سے ملنے کے بعد یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔“

”واقعی؟“ ہیری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں جنی کوفون کر کے کہہ دیتا ہوں کہ تم وہاں پہنچ رہے ہو۔“

☆☆☆

دروازہ جنی نے ہی کھولا تھا۔ وہ مجھے لے کر کچن میں چلی گئی جہاں اس کا بھائی ریان میز پر بیٹھا کافی کے گھونٹ لے رہا تھا اور اس کی نظریں خلا میں جھی ہو گئی تھیں۔ اس کے برابر میں سنبھرے بالوں والی ایک عورت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا دی۔ ریان بھی اپنی جگہ سے انھوں کھڑا ہوا اور اس نے مجھ سے مصافی کرنے کے لیے اپنا ہاتھ آگئے بڑھا دیا۔ وہ اپنی بہن سے عمر میں چھوٹا تھا۔

”یہیں دارزی سے، میری بزنس پارٹنر اور دوست۔“ ریان نے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ وہ ایک بار پھر مسکرا دی اور اس نے بھی مصافی کے لیے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھا دیا۔

”میرے ساتھ اچھائیں ہو رہا۔“ اس نے مجھے بینختے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارے دلیل کا خیال اس سے مختلف ہے۔“ میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہا۔ وہ شکایت کرنے کے انداز میں بولا۔ ”مجھے بلاوجہ پھنسایا جا رہا ہے اور پولیس والے اصل قاتل کو تلاش نہیں کر رہے۔“

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ”قتل اس کے شوہرنے کیا ہے۔ پولیس والے میری باتوں پر نہستے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اسے

لیے نہیں۔“ کارائل نے اپنے معاون کو قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں اپنے وہیں چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند قدم بعد پچھے مز کردیکھا تو وہ اسی لفت کی جانب بڑھ رہا تھا جس سے پہنچنے پہلے میں باہر آیا تھا اور مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ گلی۔ وہ ایش کے پاس جا رہا تھا۔ یہ ریان کے مفاد میں نہیں تھا کہ اس کا وکیل مقتولہ کے موجودہ شوہر کو زیادہ عزت دے رہے تھا اسی لیے مجھے ایش کی نیت میں فتور نظر آ رہا تھا۔

وہ اپس آنے کے بعد میں نے دوپھر کا بیشتر حصہ ان کا غذا۔ کوڑھنے میں گزار دیا۔ پوسٹ مارٹم روپورٹ کے مطابق ایس کی گردن نوث گئی تھی۔ اس کے سر کے عقبی حصے اور گردون پر بھی زخمیں کے نشانات تھے لیکن ابھی یہ معلوم کرنا باقی تھا کہ یہ زخم کس طرح آئے۔ کیا اس کے لیے کوئی چیز استعمال کی گئی۔ اٹر ریان کے دعوے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہیں ایسے ذہنیں میں آتی ہے کہ قاتل نے کوئی ایسا تھیمار استعمال کیا جس کے ذریعے وہ ہمارے نوکل کو چھانس سکے۔

میں نے فی الوقت اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی وسیع نہیں کی اور این ای میلو کو دیکھنے کا جو ریان نے سینہ طبر پر ایس کو بھیجی تھیں گو کہ پولیس نے سرکاری طور پر انہیں ظاہر نہیں کیا تھا لیکن معتبر ذرائع نے ان کے اصلی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک ای میل میں لکھا تھا۔ ”تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس کا خمیازہ بھیگلتا ہو گا۔“

”بازاری عورت۔“ دوسری ای میل میں لکھا تھا۔ دوسری ای میلو میں بھی ایسی ہی بے ہودہ زبان استعمال کی گئی تھی اور جو کچھ جنی نے اپنے بھائی کے بارے میں کہا تھا، یہ اس سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ اب بھی ایس سے محبت کرتا تھا۔

جنی کا اصرار تھا کہ اس کا بھائی ایسی ای میلو نہیں لکھ سکتا۔ اس نے ہر محبت کرنے والی بہن کی طرح اپنے بھائی کو شرافت اور مہربان قرار دیا۔ اس سے محبت کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا کہ شاید اس کے مشاہدات مکمل طور پر درست نہ ہوں۔ اس لیے ضروری تھا کہ مزید تحقیقات کرنے سے پہلے میں، ایک دفعہ خود ریان سے مل لوں۔

ہیری حسب معمول لاہبریری میں تھا۔ اس کی نظر نہیں پڑھی جو اس نے لاہبریری کی تعمیرنو کے لیے بنایا تھا۔ اس نے پہلے ہی لاہبریری خالی کر کے تمام کتابیں ایک محفوظ جگہ پر منتقل کر دی تھیں۔ آئی اگا تھانے اپنے ذلتی الاوائیں جاسوسی ڈائجسٹ 153 فروری 2015

ایس اور اس کے نئے بوائے فرینڈ کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا۔

”بوائے فرینڈ؟“ میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ اب تک میں نے اس بارے میں نہیں سنا تھا اور نہ میں نے بھی اسی کوئی بات بتائی تھی۔

”ہاں، میں۔ اسے مرنے سے ہفتہ بھر پہلے ایک شخص کے ساتھ دیکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”اور اس سے ایک دن پہلے بھی۔ اسی لیے میں نے اسے وارنگ دی تھی اور بتا دیا تھا کہ اسے محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ خطرہ اس کے بہت نزدیک منڈلا رہا ہے۔ یہ واحد موقع تھا کہ میں نے اسے کوئی پیغام بھیجا ہو۔ میرا خیال تھا کہ اسے متباہ کرتا بہت ضروری ہے کیونکہ کار لائل مجھے جیسا نہیں، وہ اس بات کو بھی برداشت نہیں کرے گا۔“ ”تمہیں یقین ہے، کہ اس کا کسی کے ساتھ چکر چل رہا تھا؟“

”میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن وہ شخص دیکھنے میں ایسا ہی لگ رہا تھا۔“ ریان نے کہا۔ ”اور جو کچھ وہ دونوں کر رہے تھے، اس سے نہیں بھی شک ہوا۔“ ”تم جانتے ہو کہ وہ اجنبی شخص کون ہے؟“ ریان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں، میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔“

”وہ کہاں تھے؟“ یا کسی اور نے بھی ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں، دونوں بارہ وہ شخص ایس کی کار میں تھا۔“ ”اور تم اس کی کار کی نگرانی کر رہے تھے؟“ میں نے چھپتے ہوئے لبکھ میں کہا۔

”وہ پچکچاتے ہوئے بولا۔“ ”ہاں شاید۔“ ریان اگر یہی بات عدالت میں کہہ دیتا تو اس کے لیے مشکل ہو جاتی۔ سابقہ ہوئی کا پچھا کرتا ایک مشتبہ اقدام تھا شاید اسی لیے ایش نے اس پر پروہ ڈال دیا تھا۔ کسی ثبوت کے بغیر کوئی بھی ریان کی بات پر یقین نہ کرتا۔

”تم ایسا کیوں کر رہے تھے، اس کی کار کی نگرانی کرنے کا مطلب جانتے ہو؟“ ”وہ میری علطی تھی۔“ میگی نے کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ ایس کے ساتھ کچھ صحیح نہیں ہو رہا تھا میں نے ریان سے اس کا تذکرہ کر دیا۔“

”تم ایس کو جانتی ہو؟“ میں نے میگی سے پوچھا۔ میگی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاڑا،

میں نے ریان اور ایس کی شادی میں شرکت کی تھی اور جب اس نے یہاں یوگا کا اسکول کھلا تو اب سے پہلے میں نے اس کی کلاس اٹھنے کی تھی۔ یہاں تک کہ طلاق کے بعد بھی میں ہفتے میں دو مرتبہ اور بھی بھگتی تھیں، اس کے اسٹوڈیو جایا کرتی تھی اور بعض اوقات وہ مجھے عبحدہ سے بھی پڑھاتی تھی۔“

میں نے ریان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم ایس کے لیے پریشان تھے پھر تم نے کیا کیا؟“

ریان اپنی کری پر سیدھے ہوتے ہوئے بولا۔ ”مجھے شروع سے معلوم تھا کہ کار لائل سے اس کی شادی کا میاب نہیں ہو گی کیونکہ دونوں کے مزاج بالکل مختلف ہیں۔ جب میگی نے مجھے بتایا کہ ایس کتنی اُس اور پڑھرو نظر آرہی تھی تو میں نے سوچا کہ شاید میرے اپے یہ ایک اچھا موقع ہے اور میں ایک بار پھر ایس کو حاصل کر سکتا ہوں۔“

”وہ واقعی ہے خوش نظر آرہی تھی اور میں نے ریان سے اس کا تذکرہ کر کے علطی کی۔ مجھے اپنی زبان بند رکھنا چاہیے تھی۔“ میگی نے کہا۔

”نہیں میگی، تم نے مجھے بتا کر اچھا کیا۔ میرے لیے یہ جاننا ضروری تھا۔“ ریان بولا۔

”لہذا تم نے اپنی سابقہ بیوی کو تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں بلکہ میں اس کی تلاش میں گیا تھا۔“ ریان نے کہا۔ ”میں نے اسے شیڈی سائیڈ کے کافی شاپ میں دیکھا جہاں وہ عوما جایا کرتی تھی۔ میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ پھر پریشان نہ مل رہی تھی۔ اس نے مجھے بالکل نظر انداز رکھا تھا میں نے کار سک اس کا پیچھا کیا اور بھی میں نے اس شخص کو اس کو گاڑی میں سوار ہوتے دیکھا جب اس نے سینٹر ایونیو کے پارکنگ لائن میں اپنی کار کھڑی کی تھی۔“

”پھر کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

”انہوں نے کچھ دیر باتمیں یہ پھر ایس نے گاڑی چلا دی۔ میں بھی انہی کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ میں نے انہیں ایک اپارٹمنٹ میلے میں داخل ہوتے دیکھا۔ مجھے ذرخوا کہ کہیں ایس نے دیکھ لے اس لیے، میں ہاں نہیں رکا۔“ ”کیا تم نے اس کے بعد بھی اس کا تعقب جاری رکھا اور اس کے یوگا اسٹوڈیو کے آس پاس منڈلاتے رہے؟“ ”نہیں۔“

”لیکن تم نے اسے دوبارہ اس شخص کے ساتھ دیکھا۔“

ہے۔ اس نے نفی میں سرہلا دیا۔
اس کی عمر اسی سال سے زیادہ تھی اور میں نے محسوس کیا کہ اسے سامان اٹھا کر چلنے میں وقت محسوس ہو رہی تھی۔
میں نے از راہ ہمدردی وہ تھیلے پکڑ لیے اور باتیں کرتا ہوا اس کے اپارٹمنٹ تک آگئا۔ تقریباً تیس منٹ تک میں اسے کریڈتارہا۔ بالآخر وہ بول ہی پڑا۔

”اس کا نام بوب نگسن ہے اور اس کمپلیکس میں وہ واحد کنوارا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی شاید اکاؤنٹ یا دیل ہے۔ میں نے بھی اس عورت کو اس کے ساتھ نہیں دیکھا حالانکہ وہ کئی عورتوں کو اپنے ساتھ لا تا رہتا ہے۔“

میں نے کار میں بینخ کر اپنے مل فون کے ذریعے انٹرنیٹ پر بوب نگسن کے بارے میں جانے کی کوشش کی۔ اس کی ویب سائٹ سے فون نمبر کے سوا کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ نمبر ملانے پر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ دفتر سے نکل چکا ہے، چنانچہ میں نے وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ وقت گزاری کے لیے میں قریبی ریستوران میں پلا گیا اور عمر سیدہ ویٹس کو ہمیر برگر اور چس کا آرڈر دے دیا۔

المیں کے مبنی معاشرتے نے مجھے الجھاد یا تھا۔ ہمیری سے بات کرنے سے قبل مجھے یہ معلوم کرتا تھا کہ کیا کوئی اور بھی ریان کے لیپ ٹپ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے میں نے ریان کو فون کیا تو وہ بولا۔

”میرا لیپ ٹاپ چونہیں گھٹھنے میرے پاس ہی ہوتا ہے۔ میں اسے گھر یا دفتر میں ساتھ رکھتا ہوں۔ میں نے پوری ہسٹری چیک کر لی۔ ہے۔ صرف ایک رات میں کسی تقریب میں گیا ہوا تھا اور لیپ ٹاپ ٹاپ گھر پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ ممکن ہے اسی دوران کسی نے اسے استعمال کیا ہو۔ کار لائل کے پاس اتنا پیسا ہے کہ وہ کسی ماہر کی خدمات حاصل کر سکتا ہے۔“

پولیس روپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ المیں کو دھمکی آمیز ای میلو اس کے قتل سے کئی بختی پہلے موصول ہوئی تھیں جو ریان کے لیپ ٹاپ سے بھیگی گئی تھیں۔ اگر کار لائل یا اس کے کسی ساتھی نے یہ کام کیا ہوتا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ یہ لیپ ٹاپ ان کے پاس دن رات رہتا اس لیے یہ تصور کرتا مشکل تھا کہ کار لائل نے یہ سب کچھ کیا ہوتا وقٹیکہ ریان کے دفتر کا کوئی شخص اس سازش میں ملوث نہ ہو۔ شاید یہ وہی ملازم ہو سکتا ہے کہ جس نے دعویٰ کیا تھا قتل کے اگلے روز ریان کافی یہ جان زدہ نظر آ رہا تھا۔

اتفاقیہ طور پر ہی سنی۔“

میگی نے ایک بار پھر مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ”چند دنوں بعد میر، نے اسے بتایا کہ الیں کافی شاپ میں بیٹھی رہ رہی تھی۔“

”لہذا میں ایک بار پھر اسے دیکھنے گیا اور میں نے اس شخص سے ساتھ کار میں دیکھا۔“ ریان نے کہا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ میں نے کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا بھروسہ اسی اپارٹمنٹ میں چلے گئے لیکن مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ وہی شخص تھا جس کے ساتھ میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔“

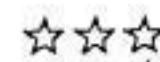
”تم نے پولیس والوں کو یہ بات بتائی؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں لیکن لگتا ہے کہ انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ یہاں تک کہ میرے دیل ایش نے اس پر توجہ نہیں دی اور کہا کہ میں اس کا تذکرہ نہ کروں کیونکہ اس سے مجھے فائدے کے بنائے نقصان ہی ہو گا۔“

میگی اس کی کمر تھپتی ہوتے ہوئے بولی۔ ”یہ یقین کرتا بہت مشکل ہے کہ الیں کا کسی کے ساتھ معاشرہ چل رہا تھا۔“

”اُر نے مجھ سے بے وقاری کی۔“ ریان نے غمزدہ آواز میں لہما۔ ”گو کہ اس نے کار لائل کی غاطر مجھے چھوڑ دیا لیکن میں آج بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟“

”یہ پارٹمنٹ کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”ممکن ہے کہ کسی اور نے بھی ان دونوں کو ایک ساتھ وہاں جاتے ہوئے دیکھا ہو۔“



گارڈن اپارٹمنٹ کمپلیکس دیکھنے میں ایک باوقار رہائش گاہ معلوم ہو رہی تھی اور میرے حساب سے محبت کرنے والوں کے لیے یہ انتہائی مناسب جگہ تھی۔ وہاں جانے سے پہلے جنی نے مجھے الیں کی کچھ تصاویر دے دی تھیں۔ میں نے اس امید پر وہاں رہنے والوں کا دروازہ ٹھنکھٹا تاشروع کر دیا کہ شاید کسی نے الیں کو وہاں آتے جاتے دیکھا ہو۔ تقریباً ۷۵ لوگوں نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں مایوس ہو کر اپنی کار کی طرف واپس جا رہا تھا کہ میری نظر ایک بوڑھے شخص پر گئی جو سامان کا تھیلا ہاتھ میں لیے چلا آ رہا تھا۔ میں نے اسے الیں کی تصویر دکھاتے ہوئے پوچھا کہ کیا اس نے بھی اس عورت کو یہاں آتے ہوئے دیکھا

”یہ بھی میرا اور موکلہ کا معاملہ ہے۔“
میں نے مزید چند منٹ اسے کریڈنے کی کوشش کی۔
میں ایس، اس کی شادی شدہ زندگی اور اس کے ماضی کے
بارے میں جانتا چاہ رہا تھا لیکن نکسن نے بڑی ہوشیاری سے
میری ہر کوشش ناکام بنادی۔ مجھے بہت زور کی بھوک لگ
رہی تھی اس لیے میں نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں
سمجھا اور بولا۔ ”ہم رات کے کھانے پر گفتگو جاری رکھ سکتے
ہیں؟“

”میرا خیال ہے کہ ہم نے اس موضوع پر کافی بات
کر لی ہے۔“ نکسن نے ایک بار پھر میرا دارنا کام بنادیا۔
”تم نے مجھے کچھ نہیں تایا۔“ میں نے جواب دیا۔
”اور میرا سا تھی جود را صل بائی بھی ہے، اس پر خوش نہیں
ہوگا۔ تم ہمارے ساتھ ڈنر کیوں نہیں کرتے تاکہ وہ بھی دیکھ
سکے کہ تم کتنی خوب صورتی سے سوالوں کو ٹال دیتے ہو۔“
”یقینا۔“ اس نے کہا۔ ”کیوں نہیں۔“

میں نے ہیری کوفون کر کے بتا دیا کہ کھانے پر ایک
مہمان ہمارے ساتھ ہوگا اور نکسن کو لے کر جو میں کی جانب
روانہ ہو گیا۔ ہیری نے خوش دل سے اس کا استقبال کیا اور
رسی علیک سلیک کے بعد بولا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ تم ایس
کے دلکش تھے لیکن تم تو خاوندی مقدمات لیتے ہو۔ کیا اس کا
یہ مطلب لیا جائے کہ تم شوہر سے طلاق لینے میں اس کی مدد
کر رہے تھے؟“

نکسن نے اثبات ہیں سرہلایا تو ہیری بولا۔ ”اے
اپنے شوہر سے کیا شکایت تھی؟“

”وہ اسے زبانی اور جذباتی طور پر تکلیف دیتا
تھا۔ نکسن نے جواب دیا۔“ میں نے اس طرح کے کئی کیسر
ہندل کیے ہیں اور ایسے... معاملات وقت گزرنے کے
ساتھ ساتھ خراب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایس کے لیے
یہی بہتر تھا کہ وہ اس شخص سے چھٹکا احاطہ کر لے۔“

”طلاق لینے میں کیا مسئلہ تھا؟“ ہیری نے پوچھا۔
نکسن کے جواب دینے سے پہلے ہی دیٹر نے کھانا
لکنے کی اطلاع دی اور ہم تینوں کھانے کی میز پر آگئے۔
ہیری کی عادت تھی کہ وہ کھانے کے دوران میں اپنے کام
کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا تھا لہذا ہم نے بلکی پھر لکی باشیں
شرکت کر دیں۔ میرے کان اس وقت کھڑے ہوئے جب
میں نے نکسن کو ہیری کے پرانے اسکول کے بارے میں
بولتے ہوئے سن۔ وہ وہاں کے نئے ہیڈ ماڈر کے بارے
میں بتا رہا تھا۔

اپارٹمنٹ کمپلیکس میں داخل ہونے والی گاڑیوں کی
تعداد بڑھتی بارہی تھی لہذا میں نے ریان سے اگلے روز صح
اس کے دفتر میں ملنے کا فیصلہ کیا اور ریستوران سے باہر
آگیا۔ کمپلیکس کا پارکنگ لائٹ تقریباً بھر چکا تھا لیکن مجھے
نکسن کے اپارٹمنٹ کے قریب ہی گاڑی کھڑی کرنے کی
جگہ لگنی۔ میں نے گھنٹی بجا لی، دروازہ اسی نے کھولا اور میں
یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میرے سامنے تیس سال پہلے کا ذیوڈ
کار لائل کھڑا ہوا ہے۔

”میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟“ اس نے پوچھا۔
میں نے ایس کی تصویر اسے دکھائی اور کہا۔ ”تمہیں
کئی مرتبہ اس اورت کے ساتھ دیکھا گیا ہے اور میں اس
بارے میں تم۔ ہے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا تم ایس دالے ہو؟“ اس نے پوچھا۔
میں نے نئی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں ایک
پرائیویٹ سراغ رساں ہوں اور ایس کار لائل کے قتل کی
حقیقات کر رہا ہوں۔“

”پولیس اس شخص کو جانتی ہے جس نے قتل کیا ہے۔“
یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے
اپنا پاؤں آگے بڑھا کر اسے یہ موقع نہیں دیا۔

”مجھے یقین ہے کہ پولیس تم سے بھی کچھ پوچھنا چاہے
گی کیونکہ تمہارا ایس سے معاشرہ چل رہا تھا۔“

اس نے زاردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”تم بہت اچھے
سراغ رساں نہیں ہو۔ ہمارے درمیان کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ
میں شادی ختم کر دیں میں اس کی مدد کر رہا تھا اور ایسا
طریقہ تلاش کر رہا تھا کہ وہ جیل جانے سے فیک جائے۔“

”ایس جیل کیوں جاتی؟“ میں نے پوچھا۔
”تمہیں تفصیل جاننے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے
کہا۔

”اگر وہ تمہاری موکلہ تھی تو تم اسے لے کر یہاں کیوں

آئے؟“

نکسن نے اماری سے دو گلاس نکالے اور ان میں
پانی بھر کر ایک گلاس مجھے پکڑا دیا۔ ”یہ اسی کی خواہش تھی۔“

”میں نے ہذا ہے کہ تم کسی عورتوں کو یہاں لاتے
رہتے ہو؟“ میں نے کہا۔ ”کیا وہ سب تمہاری موکلہ تھیں؟“

”ہاں، وہ اپنے ظالم شوہروں سے نجات حاصل کر رہا
چاہتی تھیں۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ ایس کار لائل بھی اسکی ہی

عورت تھی؟“

دھوکا

کر دیا اور اس کے نتیجے میں میری ملازمت ختم ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ اس نے قدم قدم پر بیڑے لیے رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ میں جس قانونی فرم میں جاتا یہ مجھے وہاں سے نکلوادیتا۔ میں ہر جگہ سے ناکام ہو کر اپنے شہر آگئا اور پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی۔

”ایسی لیے جب تیار ہو گئے؟“ ہیری نے کہا۔

اس کی مدد کرنے پر تیار ہو گئے؟“
”وہ اسے ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ یہاں ایک نئی زندگی شروع کرنے آئی تھی اور شوہر کے سوا اس کا کوئی نہ تھا لیکن وہ بھی اپنے کام میں مصروف رہتا۔ کارلائل نے اس کی تھائی کا فائدہ اٹھایا اور اسے درغلانے میں کامیاب ہو گیا۔ باتوں باتوں میں اس نے ایس کا وہ راز بھی معلوم کر لی جس کی وجہ سے وہ مضطرب رہا کرتی تھی۔ کارلائل نے اندازہ لگایا کہ اس کے لیے ایس سے اچھی بیوی کوئی نہیں ہو سکتی اور اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ اسے اپنے اشاروں پر غضا سکتا تھا۔“

”ایسی کیا بات تھی جس نے ایس کو پریشان کر کھا تھا؟“

”عکسی چلاتے ہوئے اس نے ایک شخص کو نکر مار دی تھی لیکن کسی کو اس پر شبہ نہیں ہوا تھا۔“

”وہ تو ایک حادثہ تھا۔“ ہیری نے کہا۔

”بالکل لیکن وہ اپنے ضمیر کی خلشی سے نجات نہ پا سک۔ ریان سے شادی کے بعد وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید وہ اس واقعے کو بھول جائے گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس سے ایک غلطی ہو گئی تھی اور میں اسے اس بوجھ سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔“

بہت باتیں ہوئی تھیں۔ ہیری نے مجھے اشارہ کیا اور میں نکسن کو اس سے گھر چھوڑنے چلا گیا۔ اس نے راتے میں انکشاف کیا کہ ریان کی شریک کارمیکھی وارنر نے پیرس میں اس وقت اس کی مدد کی تھی جب کارلائل نے اسے ملازمت کام کر رہی تھی۔ اس نے بڑی بہن کی طرح اس کا خیال رکھا اور لاءِ کائن میں داخلہ لینے میں اس کی مدد کی تباہ سے ہی وہ دونوں را بطور میں تھے۔

☆☆☆

میں بستر پر لیدا میگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ کارلائل کے طبعی رجحان کے بارے میں جانتی تھی البتہ جب اس نے ایس کو پریشان دیکھا تو ریان کو فوراً ہی بتا دیا۔

2015ء فروری 157

”والٹرڈن میں بالکل بھی انتظامی صلاحیت نہیں۔“

بنظاہر یہی لگتا ہے کہ اسے اسکول کی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن اسے پسند نہیں کرتے۔ بورڈ نے صرف اسے اسکول کی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے رکھا ہے لیکن اس سے یہ کام بھی نہیں ہو رہا۔ اگر اس کی بیوی کا حال ہی میں انتقال نہ ہوتا تو سابق طلباء کی تعلیم اسے اب تک نکال چکی ہوتی۔ ریان، سڑرا اس سلسلے میں پیش پیش تھا لیکن اب وہ خود مشکل میں ہے۔“

”تمہیں ہیڈ ماسٹر کے بارے میں اتنی معلومات کیسے حاصل ہو سکیں؟“ ہیری نے پوچھا۔

”مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ کارلائل اس کی پشت پناہی کر رہا تھا اور ایس نے کئی مرتبہ اس بارے میں اپنے شوہر کو اسکول کے ٹریئنر سے باتیں کرتے ہوئے سناتھا۔“

”تمہارے خیال میں کارلائل ایک ناہل شخص کی حمایت کیوں کر رہا تھا؟“

نکسن نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ”ایس طرح وہ اسکول پر اپنا کنٹرول قائم کر سکتا تھا۔“

”کارلائل نے تمہیں ملازمت سے کیوں فارغ کر دیا تھا؟“ ہیری نے بالکل غیر متوقع طور پر سوال کر دیا۔

”شاید اس لیے کہ وہ تم پر تھک کرنے لگا تھا۔“ نکدن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ ”ہاں، اس نے مجھے نکال دیا تھا کیونکہ میں.....“

اس نے لمحہ بھر کر کمرے کا جائزہ لیا جیسے جواب دینے لے گئے مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہو پھر بولا۔

”قانون کی تعلیم حاصل کرنے سے پہلے میں اس کے لیے یورپ میں کام کیا کرتا تھا۔ اس وقت میری عمر کم تھی، میں مختلف شہروں میں جاتا اور نئے نئے لوگوں سے ملتا لیکن اس کا خاتمہ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح ہوا۔“

ہیری کچھ نہ بولا۔ نکسن نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”وہ جب بھی یورپ کے دورے پر جاتا تو میں پہلے سے وہاں موجود ہوتا۔ میرے فرائض میں شامل تھا کہ اس کے لیے سانحہ تلاش کروں۔“

”لیکن تم زیادہ عرصے یہ کام نہ کر سکے۔“ ہیری نے کہا۔

”وہ شخص اذیت پسند ہے۔ ایک دفعہ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ جنسی تسلیم حاصل کرنے کے لیے کس طرح اپنے ساتھی کو اذیت دیتا ہے تو میں نے اس کی مدد کرنے سے انکار جاسوسی تلاش کروں۔“

کر لینی چاہیے جس نے پولیس کو بتایا تھا کہ ریان، ایمیں کی موت کے بعد بہت مضطرب نظر آ رہا تھا۔ ریان نے اس کا نام مائیک بتایا اور یہ بھی اکشاف کیا کہ پولیس کو بیان دینے کے بعد وہ مازمت چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اس معاملے میں طوث نہیں ہوتا چاہتا۔ میگنی نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانا۔

”کیا وہ قاتل اعتبر ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم۔“ ریان نے کہا۔ ”لیکن اس روز میں واقعی مشتعل تھا کیونکہ مجھے ایمیں کی ایک ای میلٹی تمی جس میں کہا گیا تھا کہ میں اس سے دور رہوں اور اسے پریشان کرنا چھوڑ دوں۔ اب تم بھاگ کر اس نے ایسا کیوں کہا۔ اسے میرے کپیوٹر سے بھجوئی کی جو ای میلٹول رہی تھیں، یہ انہی کا جواب تھا لیکن اس صبح مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ میں نے اسے فون کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے فون نہیں ٹھایا۔ اس وقت تک وہ مر ہی گئی۔“

اس نے اپنے سلیں فون کے ذریعے مجھے مائیک کا فون نہیں بھیج دیا اور بولا۔ ”مائیک یہی، کہے گا کہ اس روز میں مشتعل تھا کیونکہ س وقت دفتر میں وہی واحد شخص تھا جس نے مجھے پریشان دیکھا۔“

”تمہارے پاس بہت قسم کپیوٹر اور مانیٹر ہیں۔“ سڑک پر چلتا ہوا کوئی بھی آدمی انہیں آکر پہ آسانی استعمال نہیں کر سکتا۔“ میں نے انتقبالیہ ڈیک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جہاں کوئی موجود نہ تھا۔

”ہمارے ہاں ڈیوٹی کے وقت مقرر نہیں ہیں۔“ لوگ اپنی سہوت کے مطابق آتے اور کام کر کے چلے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آج انتقبالیہ ڈیک بیماری کی وجہ سے نہیں آئی۔“

”کیا تمہارا یہ پناہ گفتگو ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کوئی اس تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے؟“

”پاس ورڈ کے بغیر اسے کوئی استعمال نہیں کر سکتا۔“ میں نے بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ اسے محفوظ رکھنے کے لیے مزید اقدامات کروں۔“

مجھے اس کی خود اعتمادی پہنچ آگئی۔ میں کوئی کپیوٹر ایک پہنچ نہیں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ پاس ورڈ کو کوئی مشکل کام نہیں۔ ریان کے دفتر میں اس کے پیپ ٹاپ تک رسائی کے کئی موقع تھے۔ اس کے دفتر کا کوئی بھی فرد آسانی اس کے اکاؤنٹ سے اہ بے ہو دہ ای میلٹول ایمیں کو بھیج سکتا تھا۔ مائیک نے پولیس کو صرف ریان کے رو دیے

اے امید تھی۔ وہ اپنی سابقہ بھوئی کی مدد کر سکے گا۔ میں ریان سے صرف ایک مرتبہ ملا تھا لیکن مجھ میں لوگوں کے چہرے پڑھنے کی صلاحیت تھی اور اسی صلاحیت نے مجھے بتا دیا تھا کہ ریان کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ کار لائیل کا معاملہ دوسرا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں وہی وحشت دیکھی تھی جو کسی قاتل کی ہے۔

فون کی گئنی کی آوازن کر مجھے بستر سے اٹھا پڑا۔ دوسری طرف ہیری تھا۔ ”جیک، تمہیں کل صحیح مس وارز سے ملنا ہے۔ وہ اور نکمن پیرس میں مل چکے ہیں۔“

میں نے اسے نکسن سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنانے کے بعد کہا۔ ”اب یہ واضح ہوتا جا رہا ہے کہ کار لائیل ہی ہمارا مطلوب شخص ہے۔“

ہیری نے لوکی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ دوسرے دن میں میگنی سے ملنے کے لیے لیمن کیک کی جانب روائہ ہو گیا۔ یہ عمارت شہر کے وسط میں واقع تھی۔ ریان کا مودہ کافی خراب تھا۔ اس کی وجہ بھجے جلد ہی معلوم ہو گئی۔

ایش نے اسے فون کرنے کے بتایا تھا کہ ڈسٹرکٹ ایئر فی آئندہ چند روز میں اس کے خلاف چالان عدالت میں پیش کرنے والا ہے۔ وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اب تم مجھے کیا چاہتے ہو؟“

میں نے اسے بھٹکنے کا اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ ایمیں کی کار میں بھٹکنے والا شخص نکسن تھا۔

”میں اسے بہانہ ہوں۔“ ریان نے کہا۔ ”اس پرے میری ایک ملاقات کی تقریب میں ہوئی تھی۔ یہی وہ شخص ہے جس سے ایمیں ان دونوں مل رہی تھی۔“

”ہاں لیکن جو تم سمجھ رہے ہو ایسا نہیں ہے۔“ میں نے کہا پھر میں نے اسے نکسن سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنادیا۔

”وہ ایمیں کا کیل تھا۔“ ریان آگے کی طرف مجھکے ہوئے بولا۔ ”میری سبھی میں نہیں آتا کہ ایمیں نے کار لائیل کو اس حادثے کے بارے میں کیوں بتایا۔ اس نے مجھے یہ بات کیوں نہیں بتائی۔“

میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں نے اصل مقصد گی طرف آتے ہوئے کہا۔ ”کیا میگنی یہاں موجود ہے؟ مجھے اس سے کچھ سوالات کرنے ہیں؟“

”وہ اس وقت گھر پر دوپھر میں ہونے والی ایک مینگ کی تیاری کر رہی ہے۔“

مجھے خیال آیا کہ ریان کے اس ملازم سے بھی بات

دھوکا

عمر بڑ کر سکتا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ وہ اس کے ذریعے کوئی ای میں بھیج سکے؟"

اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ "شاپنگ لیکن میں نہیں بھیج سکتی کہ وہ ایسا کیوں جائے گا۔ میں نے اسے بھی پیسوں کے لیے پریشان نہیں دیکھا۔"

پھر وہ گھر سے ہوتے ہوئے بولی۔ "مجھے ذرا جلدی جانتا ہے۔ کیا تم کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو؟"

"ایمیں کی کار میں بینخے والا شخص باب نکسن تھا۔ کیا تم اسے جانتی ہو؟"

وہ دوبارہ اسنوں پر بیٹھ گئی اور بولی۔ "کیا تم جانتے ہو کہ وہ ایک دوسرے سے....."

"نہیں۔" میں نے اس کی بات کا نتے ہوئے کہا۔ "وہ ایمیں کا وکیل تھا۔"

"لیکن وہ تو طلاق کے مقدمے لیتا ہے۔ کیا ایمیں اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہ رہی تھی مگر کیوں؟"

"کیونکہ کار لائل ایک غیر مہذب شوہر تھا۔" میگھی نے مجھے خور سے دیکھا اور بولی۔ "لیکن ایمیں نے بھی کوئی بات مجھے نہیں بتائی۔"

"لیکن تم نکسن اور کار لائل کے بیرون ملک تعلق کے بارے میں جانتی ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کار لائل کے لیے کیا کام کرتا تھا۔"

"اس وقت وہ کم عمر تھا اور اسے اچھے بُرے کی تیز نہیں تھی۔ میں نے اس کی مدد کی اور اسے لاءِ کالج میں داخلہ دلوادیا۔ میں اب بھی اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہی کار لائل سے فرات کرتا ہے۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ اس نے کار لائل کی جنی زندگی کے بارے میں جو کچھ کہا وہ جھوٹ ہے؟"

"میں صرف یہ ہد رہی ہوں کہ اس وقت وہ بہت کم عمر تھا اور اس نے بڑے بڑے خواب دیکھ رکھے تھے بہر حال ایمیں کا اس سے ملنا اچھا نہیں ہوا۔ وہ بہت خوب صورت تھی، ممکن ہے کہ باب بھی اس پر فریغتہ ہو گیا ہو۔"

گھروالہ آگر میں نے ہیری کو میگھی سے ہونے والی عنفلگو سے آگاہ کیا اور کہا۔ "میگھی نے نکسن کو جھوٹا تو نہیں کہا لیکن وہ بھتی ہے کہ نکسن مہالغا آرائی سے کام لے رہا ہے۔"

"تم کس لگی بات کا یقین کرتے ہو؟" ہیری نے پوچھا۔

"ہم دونوں ہی جانتے ہیں کہ کار لائل ایک برا شخص ہے اور مجھے لقین سے کہ نکسن نے اس کے بارے میں جو کہا، وہ بُر ہے۔ ممکن ہے میگھی کسی وجہ سے اس کے خلاف نہیں بولنا

کے بارے میں ہی نہیں بتایا بلکہ مجھے شبہ تھا کہ ریان کو پہنانے میں اس کا ذرا یادہ موثر کردار ہو۔

دہاں سے خصت ہونے کے بعد میں نے اپنی کار سے مائیک کوفون نیا لیکن اس سے کوئی کار آمد بات معلوم نہ ہو سکی پھر میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے ریان کی ملازمت کیوں چھوڑ دی تو اس نے بتایا کہ یہ مشورہ میگھی نے اسے دیا تھا کیونکہ پولیس کو بیان دینے کے بعد اس کا وہاں نہ پہنچانا مناسب نہ تھا۔

"ریان کے کہنے کے مطابق ملازمت چھوڑنے کا فیصلہ تم نے کیا تھا؟"

"نہیں، میگھی نے مجھ سے استغفار دینے کے لیے کہا تھا بلکہ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ تھی ملازمت کے سلسلے میں میری مدد کرے گی۔"

مائیک سے لفٹکو کر کے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایسا شخص نہیں جو ریان کے لیپ ٹاپ سے چھیڑ چھاڑ کر سکے لیکن ملازمت چھوڑنے کے حوالے سے اس کے اور ریان کے بیانات میں تضاد تھا۔ ان میں سے کون جھوٹ بول رہا تھا اس کا فیصلہ میگھی سے ملنے کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔

میگھی مجھ سے ملاقات پر آمادہ ہو گئی اور جب میں اس سے ملنے آئیے پہنچا تو اس نے دروازے پر ہدی کہہ دیا کہ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے پھر وہ مجھے پہنچنے میں لے گئی اور بیرے سامنے کافی کا کپ رکھتے ہوئے بولی۔

"تم مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہ رہے ہو؟"

"بہت سی باتیں ہیں۔" میں نے کہا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے مائیک جیکسون کو فارغ کیا تھا؟"

اُس کی آنکھیں حیرت سے تچھیل گئیں پھر وہ سنبھلے ہوئے بولی۔ "نہیں بلکہ صرف یہ کہا تھا کہ اس کا وہاں رہنا مناسب نہیں۔ میں نے اسے کنٹریکٹ پر کام دینے کی پیشکش لی تھی اور اسے دوسرا جگہ ملازمت دلوانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اگر وہ دوسرا جگہ ملازمت کرتا ہے تو مجھے اس پر کوئی انتراض نہیں۔"

"گویا تم نے اسے ریان کی ملازمت چھوڑنے پر اکسایا۔" میں نے کہا۔ "یہ بات تم نے ریان کو کیوں نہیں بتائی؟"

"کیونکہ وہ اسے واپس لانے کی کوشش کرتا۔ میں نے سوچا کہ یہ سب کے لیے بہتر ہو گا کہ اگر پولیس اس معا۔ ملے میں مزید تحقیقات نہ کرے۔ میں ریان کو ذہنی طور پر پُر سکون رکھنا چاہ رہی تھی۔"

"کیا تم بھتی ہو کہ مائیک، ریان کے کپسیوٹر میں کوئی

کارلائل کے ساتھ ساتھ نکس پر بھی اس قتل کا شہر ظاہر کر کتے ہو، اس طرح تمہارے نوکل کے خلاف مقدمہ اور بھی کمزور ہو جائے گا۔ کیا ایسا کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے؟“

”میں نے اسے منع کیا ہے۔“ جینی نے کہا۔ ”ڈیوڈ کارلائل ایک خطرناک شخص ہے۔“ پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”تم نے جو کچھ معلومات حاصل کی ہیں ان سے صرف شبہات پیدا ہو۔ ہے ہیں لیکن ریان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور نہ کارلائل یا نکسن پر الزام عائد کیا جاسکے گا۔ ایش کا کہنا ہے۔ ہم ان میں سے کسی کو ملوث کیے بغیر بھی ریان کو بری کر دستے ہیں۔“ پھر وہ ہیری سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ ”عاف کرنا ہیری، مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تمہیر اس حاملے میں شامل کیا۔ میں صرف یہ چاہ رہی تھی کہ اپنے بھائی کی ہر ممکن مدد کر سکوں اور مجھے امید تھی کہ تم اسے بے گناہ بابت کرنے کے لیے کوئی خوب شوٹ تلاش کر لو گے۔“

”اب تمہیں مزید پچھہ کرنے کی ضرورت نہیں۔“ ایش نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”تمہاری مختصر تحقیقات ختم ہوئی۔“

ہیری کی خاموشی پر مجھے حیرت ہوئی۔ ابھی تو میری تحقیقات شروع ہوئی تھیں۔ میں کارلائل کے یاضی کے بارے میں جانے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ اس کے ساتھ کارناموں کے کچھ مزید ثبوت حاصل کر سکوں گا لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔

ایش اور جینی کے جانے کے بعد ہیری نے مجھ سے کہا۔ ”بہتر ہو گا کہ تم نکسن سے مل کر اسے مزید کریڈنے کی کوشش کرو۔ اس نے میکن و کارلائل کے بارے میں بتایا تھا اور یہ کہ اس نے کسی اور سے بھی کارلائل کے قصے پیان کیے۔ اسے کوئی ایسی عورت یاد ہے جس کا کارلائل سے تعلق رہا ہو۔“

میں نکسن سے ملنے اس کے دفتر پہنچ گیا۔ اس وقت وہ فارغ تھا۔ میں نے اپنی آمد کا منفرد بیان کرتے ہوئے اس سے پوچھا کہ کیا وہ ان عورتوں کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے جیہیں وہ کارلائل کے لیے لیا کر رہا تھا لیکن اس نے یہ کہہ کر مجھے نالئے کی کوشش کی کہ اسے ان میں سے کسی کا نام یاد نہیں۔

”لیکن تم نے کسی کا غذ پران کے نام پتے اور فون نمبر تو لکھ رکھے ہوں گے۔“ تمہیں کافی محتاط رہنا ہوتا ہو گا۔ راہ چلتے تو کسی عورت سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ تمہیں یقیناً

چاہتی یا وہ اسے، شک کافائدہ دے رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کارلائل نے ہی اپنی بیوی کو مارا ہے جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اسے چھوڑنا چاہ رہی ہے۔“

میں نے اسے مائیک اور میگی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ”پہلے میرا خیال تھا کہ مائیک نے ریان کا لیپ ٹاپ استعمال کیا ہے لیکن اس سے بات کرنے کے بعد یہ خیال غلط تھا۔“

”تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ کارلائل نے کسی اور کے ذریعے یہ کام کروا یا؟“ ہیری نے کہا۔

”وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اس کے لیے یہ بہت آسان تھا کہ وہ ریان کے دفتر میں کام کرنے والے کسی شخص کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکے۔ ریان کے دفتر کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور سڑک پر چلتا ہوا کوئی بھی شخص بہ آسانی اندا جا سکتا ہے۔“

”تحوڑی دیر میں ایش اور جینی یہاں آنے والے ہیں اور تم نے باب نکسن کے بارے میں جو کچھ معلومات کیا ہے وہ اس پر بات کرنا پڑا گے۔“ ہیری نے اکٹاف کیا۔

”ہمیں زیادہ نظر نہیں کرنا پڑا۔ ہیری نے انہیں اپنی اسٹڈی میں بٹھایا۔ میں نے اپنالیپ ٹاپ کھولا اور باب نکسن سے کارلائل کے بارے میں ملنے والی معلومات ان کے گوش گزار کر دیں۔ ایش بیزاری کے عالم میں پہلو بدلتا رہا۔ جب میں اپنی بات ختم کر چکا تو وہ بولا۔“ تمہیں بھزوں کے چھتے کو چھوپنے کی ضرورت نہیں۔“

”نکسن کے بیان کی روشنی میں کارلائل پر بھی اس قتل کا شہر کیا جا سکتا ہے اور تم اس بیان کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اس میں کوئی چیز چاہت نہیں ہوئی چاہیے۔“

ایش نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”اس کی ضرورت نہیں۔ ریان پر اگر فرد جرم عائد ہو گئی تو بھی اسے سزا نہیں ہو سکے گی کیونکہ پولیس کے پاس واضح ثبوت نہیں ہیں اور ہم کارلائل کو گئیئے بغیر بھی ریان کو بری کرو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ نکسن جھوٹ بول رہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا ایمس سے معاشرہ چل رہا ہو اور محبت میں ناکام ہونے پر اس نے ایمر، کو قتل کر دیا ہو، پھر تم یہ کیسے ثابت کر دیے کہ نکسن واقعی ایس کا وکیل تھا۔ کیا اس نے ایمس کی جانب سے کوئی وکالت نہ داخل کیا تھا یا بھی اس سے اپنی خدمات کا معاوضہ طلب کیا۔“

”میں تمہاری بارت سمجھ گیا۔“ ہیری نے کہا۔ ”تم

بنتے ہوئے بولا۔

”مکن کی حالت تھیک نہیں ہے۔“

میں نہیں جانتا کہ ہیری کو یہ کیسے معلوم ہوا جبکہ نری نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اس کے تعلقات بہت وسیع تھے۔ یقیناً اس نے اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا ہوگا۔ میں نے کہا۔ ”پولیس کے خیال میں یہ ایک حدث ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس شخص کی حرکت ہے جس نے ایس کو قتل کیا۔“

”مکن سے تمہاری کیا بات ہوئی تھی؟“ ہیری نے پوچھا۔ میں نے اسے مکن سے ہونے والی نفتوں کا خلاصہ بتایا اور کہا کہ میں اس سے سزید کچھ معلوم کر سکتا تھا لیکن اسے سل فون پر ایک پیغام موصول ہوا اور وہ جانے کے لیے انٹھ گیا۔

”اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ پیغام کس کا تھا تو ہم یہ بھی جان سکتیں گے کہ اس کا رکورڈ چلانے والا کون تھا۔“ ہیری نے کہا۔

ہیری نے کئی جگہ فون کر کے اس کے سل فون کے بارے میں معلوم کرنا چاہا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جب مکن دفتر سے باہر سڑک پر آیا تو فون اس کے ہاتھ میں تھا۔ ممکن ہے کہ کار کی نکر لکنے کے بعد فون اس کے ہاتھ سے گرفتار ہوا اور کسی نے اسے انٹھایا ہوا۔

”ابھی تک کسی کو معلوم نہیں کہ وہ فون کہاں ہے۔“ ہیری نے کہا۔

میں نے اپنے سل فون سے مکن کا نمبر ملایا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے کہا۔ ”مکن ہے وہ فون ابھی تک وہیں پڑا ہوا اور کسی کی اس پر نظر نہ گئی ہو۔“ یہ کہہ کر میں نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو مجھے اپنی نانگ میں تکلیف محسوس ہونے لگی۔

”تم کہاں جا رہے ہو؟“ ہیری نے پوچھا۔

”مکن کا فون تلاش کرنے۔“ میں نے کہا۔ ”اس شخص نے میری جان بچائی ہے۔ اس کے احسان کا بدلہ اسی طرح اتنا رجا سکتا ہے کہ میں کا رُورائیور کا نام معلوم کرلوں۔“

ہیری میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تھیک ہے لیکن محتاط رہنا۔ میں بھی اپنی طرف سے کوشش کرتا رہوں گا۔ اگر تمہیں کچھ معلوم ہو تو مجھے فون کر دینا۔“

جب میں مکن کے دفتر پہنچا تو اس وقت بھی مارش ہو رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر مکن کے نمبر پر فون کیا لیکن کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں نے سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی کاروں کے نیچے، یہاں تک کہ قریب میں واقع

اپسے ٹھکانوں کا علم ہو گا جہاں سے اس کے مطلب کی عورت مل سکتی تھی۔“

”یہ بہت پرانی بات ہو گئی۔“ مکن نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے کبھی کسی کا نام، پہنچیں لکھا بس اس مقصد کے لیے ہوٹلوں اور کلبوں کے چکر لگاتا رہتا تھا۔“

”کیا تم نے میگھی دار نر کے علاوہ بھی کسی اور کو اس بارے میں کچھ بتایا تھا؟“

”میگھی بیلی اور واحد فرد تھی جس سے میں یہ بات کر سکتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ کار لائل کتنا طاقتور شخص ہے اس لیے کسی اور سے بات کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔“

”تم ایسی کے وکیل تھے۔ کیا تم نے کوئی وکالت نامہ تیار کیا تھا یا کوئی ایسا ثبوت جس سے ظاہر ہو کہ وہ تمہاری مٹوکلہ ہے؟“

”ابھی ہمارے درمیان ابتدائی بات چیت ہو رہی تھی۔“ اس نے کہا۔ اسی دوران اسے سل فون پر ایک پیغام موصول ہوا۔ اس نے اسکرین پر نظر ڈالی اور بولا۔ ”معاف کرنا، مجھے ایک کام سے جانا ہے۔“ پھر وہ کسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں جتنا سوچتا ہوں، مجھے اس قتل میں کار لائل کا ہاتھ ہی نظر آتا ہے اگر کوئی ثبوت نہ ملا تب بھی میں عدالت میں اس کے خلاف گوانہ ضرور دوں گا۔“

ہم ایک ساتھ ہی دفتر سے باہر آئے۔ آسان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہم دونوں سڑک پار کر رہے تھے کہ اچانک ہی اس نے اپنا ہاتھ میرے گندھے پر رکھ کر دھکا دیا۔ میں لڑکھڑایا اور میں نے دیکھا کہ مکن سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ ایک کار اسے نکر کر چل گئی تھی۔

تحوڑی دیر میں ہی وہاں مجمع اکٹھا ہو گیا پھر ایک پولیس کار، سارن بجاتی ہوئی آئی۔ لوگ مجھے سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے لیکن میری نظر مکن پر جب ہوئی تھی۔ اسے ایمبوالنس میں ڈالا گیا پھر ایک پولیس والے نے مجھے سے پوچھا۔ ”کیا تم اس کا رکورڈ پہچان سکتے ہو؟“

میں نے نفی میں سرہلا دیا۔ پولیس والے نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے ہیری کو فون کیا لیکن اس نے کال انیندیں کی۔ میں نے واں میل پر پیغام چھوڑ دیا پھر بیل قریبی اسپتال پہنچا تو نری نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ مکن کی ماں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، پھر میں پولیس اشیش گیا اور وہاں سے حادثے میں ابتدائی روپورست حاصل کی۔ گھر پہنچا تو جسم کا جوز جوز دکھ رہا تھا۔ ہیری نے مجھے اسٹڈی میں بخایا اور میرے لیے چائے

مجاہذوں تک میں جھائک کر دیکھ لیکن نگنسن کافون کہیں نظر نہیں آیا۔ کئی مرتبہ کوشش کرنے کے باوجود مجھے ناکامی ہوئی تو میں گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

میں نے فرنچ میں رکھا ہوا کھانا نکال کر پہنچ کی آگ بجھائی اور صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہیری میرے کمرے میں داخل ہوا اور کہنے لگا۔ ”جیک، ہم نے ابھی تک اس ہتھیار کے بارے میں نہیں سوچا جس سے ایس کو ہلاک کیا گیا۔“

اس نے جواب کا انتظار کیے بغیر میرا لیپ ٹاپ کھولا اور ایس کے یوگا اسٹوڈیو کی تصویریں دیکھنے لگا پھر اس کی نظر ایک تعمیر پر جم کئی جس میں عقبی دیوار کے ساتھ ایک بڑا شیف لگا ہوا تھا۔

”اس شیف میں چٹائیاں، بلاک، سکینے اور ریت کی بوریاں نظر آرہی ہیں۔“ ہیری نے کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یوگا اسٹوڈیو میں ریت کی بوریاں کیوں رکھی ہوئی تھیں۔ ہیری میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں نے پاہر رکھی ہوئی بوریوں میں سے ایک کو جزوی طور پر خالی کیا۔“ اس نے زیر تعمیر لائبریری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہاں تک کہ اس کا وزن دس پونڈ رہ گیا۔ وہ بالکل اس تصویر میں نظر آنے والی بوریوں کی طرح لگدی رہتی تھی۔ اس کے باوجود میں اس کی مدد سے کچھ میں گہرا رُحاذہ لئے میں کامیاب ہو گیا۔“

دوسرے لفظوں میں ہیری ریت کی بوری کو آلة قتل قرار دے رہا تھا۔ میں نے فوراً اس کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ ”پوست مارٹم کار پورٹ کے مطابق اس کی لاش کے قریب اسی کوئی بوری موجود نہیں تھی۔“

”لیکن شیف میں تو ریت کی بوریاں نظر آرہی ہیں۔“ ہیری نے کہا اور مجھے ایک نئی ابھسن میں گرفتار کر کے چلا گیا۔

دوسری صحیح ناٹھے کی سیز پر ہیری کچھ تصویریں دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک تعمیر بوری میرے ہاتھ میں تھماںی جس میں میگوں ایک عنیع شخص کی کمری میں ہاتھ دا لے کھڑی تھی۔

”یہ والڑیں ہیں ہے۔“ ہیری نے بتایا۔ ”ہمارے اسکوں کا موجودہ ہیڈ ماسٹر۔“

”کیا اس وقت ہیڈ ماسٹر کی بیوی زندہ تھی جب یہ تصویر پہنچی تھی؟“ میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”ہاں۔“ ہیری نے کہا۔ ”لیکن اس سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی؟“

”میں یہ ضرور جانتا چاہوں گا۔“
”تم نے صحیک ہبھا تھا جیک کہ ایک قاتل دوبارہ بھی قتل کر سکتا ہے۔ وہ بھی ایک کار کے حادثے میں ہلاک ہوئی تھی اور موقع پر کوئی کواہ موجود نہیں تھا۔“

یہ کہہ کر اس نے تصویریں سمجھیں اور بولا۔ ”ہم لمحہ کلب میں کریں گے۔“

راستے میں اس نے بتایا کہ ڈیوڈ کار لائل اور میگی دارز کو بھی لمحہ پر بلا یا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا کار لائل سے خداشت کو رد کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم قاتل کے قریب پہنچ چکے ہیں اور اب ہمیں تیزی سے اگر رواتی کرنا ہے۔“

میں خوش ہو کر ہیری کی بات پر غور کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ جس شخص نے ہیڈ ماسٹر کی بیوی کو ہلاک کیا تھا وہی نگنسن کو بھی مارنا چاہ رہا تھا اور اسی نے ایس کو بھی قتل کیا ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات تو آرہی تھی کہ کار لائل ابھی بیوی کو قتل کر کے اس کا الزام ریان ڈال سکتا ہے۔ وہ نگنسن کو بھی پارنے کی کوشش کر سکتا ہے لیکن وہ ہیڈ ماسٹر کی بیوی کوں قتل کرے گا۔

ہم کلب پہنچ تھے تو میگی پہلے ہے دہاں موجود تھی۔ ہیری کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ”تم نے پاہنچ آدمیوں کے لیے میز مخصوص کروائی ہے۔ کیا کوئی اور بھی آرہا ہے؟“

ہیری نے دروازے کی طرف دیکھ کر سر ہلاکا یا جہاں سے ڈیوڈ کار لائل اندر داخل ہرہا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کا رنگ زرد پڑ گیا لیکن جلد ہی اس سے اپنے آپ قابو پالیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایش نگنسن بھی آگیا اور بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وقت پر پہنچ سکیا ہوں۔“

ہیری نے اسے میختھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ ”اچھا ہوا کہ تم آگئے۔“ پھر وہ دوسرے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ”ایک گھنٹا قبل میر مسٹر جیکسن کو ایس کار لائل کے قتل کے بارے میں ہونے والی تحقیقات کی فائل روپورٹ دے چکا ہوں۔“

”یہ سب کیا ہے؟“ کار لائل نے ہیری سے پوچھا۔ ”تم نے کہا تھا کہ تمہارے پار میری بیوی کے قاتل کے بارے میں کچھ نئی معلومات ہیں جوہ سب جانتے ہیں کہ اسے ریان ماسٹر نے قتل کیا ہے۔ میرے پاس کسی فائل روپورٹ کو سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔“

ہیری نے مینیو سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ”پیش جاؤ ڈیوڈ۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہاری بیوی کو کس نے قتل کیا

دھوکا

رکھ دیا۔ اس وقت تک تم نہیں جانتی تھیں کہ بوب نکن، ایلیس کا وکیل تھا۔ جب تمہیں معلوم ہوا کہ اس کی کار میں سوار ہونے والا وہی تھا تو تم نے اس سے رابطہ کیا اور جب اس نے تمہیں بتایا کہ وہ ڈیوڈ کار لائل کا کچھ بیان کرنے والا ہے تو تم نے اسے بھی راستے سے ہٹانے کی کوشش کی کیونکہ کار لائل تمہارے لیے دودھ دینے والی گائے کے مانند تھا۔

”بہر حال یہ سب اقامتی شہادتیں ہیں۔“ ایش نے ہیری سے کہا۔ ”ہمیں کسی ثبوت کی ضرورت ہوگی۔“ اسی وقت میرے میں فون کی تھنٹی بھی۔ فون نے تھی میرے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور میں نے ہیری سے کہا۔ ”بوب نکن کا میں فون مل گیا۔“

یہ سنتے ہی میگی اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ ”میں نکن سے رابطہ میں تھی۔ میں نے اسے بخ پر بلا یا لیکن وہ نہیں آیا۔ اس حادثے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“ جیسے ہی وہ جانے کے لیے مزی تو کار لائل نے اسے روک لیا اور بولا۔ ”سب کچھ سامنے آجائے گا۔ تم نے ہی ان دونوں کو قتل کیا ہے اور پولیس جلد ہی ثبوت بھی تلاش کر لے گی۔“

جب میگی اپنے گھر پہنچ تو پولیس وہاں پہلے سے موجود تھی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ نکن کی ماں کو وہ میں فون اپنے بیٹھے کے کمرے سے ملا تھا۔ جب اس نے فون پر میرے متعدد پیغامات دیکھے تو مجھ سے رابطہ کیا اور پولیس کو جانے میں دیر نہیں گلی کہ اس فون پر آخری بار میگی نے ہی نکن سے رابطہ کیا تھا۔ مزید تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ میگی نے ہی اپنی کار سے نکن کو تکریم کیا تھی اور اسی نے ایلیس اور جولی ڈیلن کا قتل بھی کیا تھا۔

ڈیوڈ کار لائل اور ہیڈ ماسٹر دونوں نے ہی میگی کے ساتھ اپنے تعلق کا اعتراف کر لیا لیکن وہ اپنی بیویوں کے قتل میں ملوث نہیں تھے۔ مخصوصہ میگی کا تھا جس نے اپنے مفادات کی خاطر پہلے جولی اور پھر ایلیس کو اپنے راستے سے ہٹایا۔ اس نے ریان کے کمپیوٹر تک رسائی حاصل کی اور اس کی جانب سے ایلیس کو جعلی ای میلو بھیج کر اسے چھاننے کی کوشش کی۔ اسے یقین تھا کہ ایلیس کو قتل کرنے کے جرم میں ریان کو سزا ہو جائے گی اور وہ بلا شرکت غیرے اس کے کار و بار کی مالک بن سکے گی لیکن ہماری وجہ سے اس کا منصوبہ غارت ہو گیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

ہے اور وہ ریان ما۔ شرمندی تھا۔“

کار لائل نے ایک شمندی سانس بھری اور بیٹھ گیا۔ دیٹر کے جانے کے بعد ہیری نے اس سے پوچھا۔ ”مس وار نہیں کب۔“ بلیک میں کر رہی تھی؟“

میگی نے ڈینک کر ہیری کو دیکھا۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس سوال پر میرا چونکنا بھی فطری تھا جبکہ کار لائل پتھر کا بہت بہتا... بیٹھا تھا۔ ہیری اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ”تمہیں بوب نکن سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن تم نہیں جانتے۔“ تھے کہ انہی دنوں پیرس میں مس وار نکی اس سے دوستی ہو گئی تھی۔ اسے کمزور لوگوں سے دوستی کرنا پسند ہے۔ اس سے مواصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں وہ اسکی چند عورتوں کا چاٹانے میں کامیاب ہو گئی جن سے تمہارے ناجائز تعلقات تھے۔ یہاں واپس آنے کے بعد اس نے تم سے رابطہ کیا اور پیسوں کا مطالبہ کرنے لگی۔ اس نے مختلف موانع پر تم سے دس دس ہزار ڈالر مانگے اور تم ہر بار اس کا مطالبہ پورا کرتے رہے ورنہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نالاق ہیڈ ماسٹر کی بھی حمایت کی جو اس کا محبوب تھا۔

میگی کو اچاک ہی ہوش آگیا اور وہ بولی۔ ”یہ سب تصوراتی اور احتمانہ شبہات ہیں۔“ تمہیں ایسا کہتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔“

ڈیوڈ کار لائل سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ میگی کو مقابلہ کرتے ہوئے بولا۔ ”تم نے ایلیس اور والٹر کی بیوی کا قتل کیا اور نکن کو جس گاڑی سے نکل ماری۔“

”اس کا کوئی ثبوت نہیں۔“ وہ غراتے ہوئے بولی۔ ”یہ سب احتمانہ باتیں ہیں۔ میں کیوں کسی کو قتل کروں گی؟“

”تم نے اپنے محبوب کی بیوی کو اس لیے قتل کیا تاکہ اس کی جگہ لے سکو۔“ ہیری نے کہا۔ ”ایک بار قتل کرنے کے بعد تمہارے لیے دوبارہ ایسا کرنا آسان ہو گیا تھا۔ تم ریان کے کار و بار پر بھی قبضہ کرنا جاہ رہی تھیں لیکن اسے قتل نہیں کر سکیں چنانچہ تم نے اسے ایلیس کے قتل میں ملوث کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تم نے ریان کے کمپیوٹر سے ایلیس کو دھمکی آمیز ای میلو بھیجیں اور ایک دن جب یوگا کی کلاس کے دوران ایلیس نے تمہیں بتایا کہ وہ ڈیوڈ کار لائل سے طلاق لے رہی ہے تو تمہارے ذہن میں اسے ختم کرنے کا خیال آیا اور تم نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ریت کی بوری انٹا کر اس کی گردن پر دے ماری اور پھر اس بوری کو دوبارہ اپنی جگہ پر

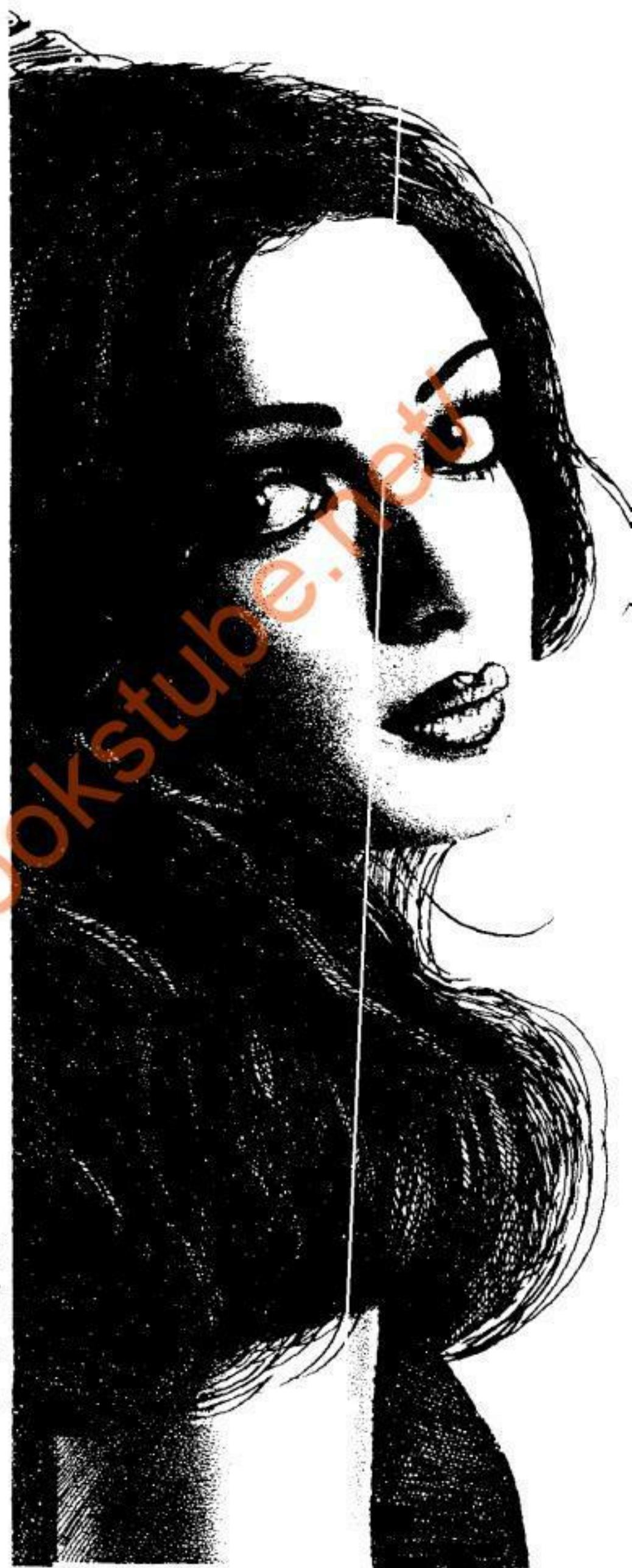
جو اس

احمد اقبال

شیکسپیر کا کہا ہوا ایک ضرب المثل کی
حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ زندگی ایک
اسنیج ہے جس پر ہم سب اداکار ہیں جو
اپنا اپنا کھیل دکھائے چہے جاتے ہیں... یہی
اداکار زندگی کے آغاز سے انجام تک ایک
جووا کھیلتا ہے... جس میں خطرات اور
حوادث کی بازی پہلو سانس کے ساتھ
لگتی ہے اور آخری سانس تک جاری
رہتی ہے... تخلیق کے ناقص ہوں یا
بیماریاں... وہ زندگی دے ہر نومولود کو
شکست سے دوچار کرنا چاہتے ہیں مگر
زندگی مقابلہ کرتی ہے اور یہ کھیل انسانی
تدبیر اور نوشۂ تقدیر کے، ساتھ زندگی کے
تمام اہم اور غیر اہم فیصلوں میں جاری
رہتا ہے... خوشی... غم... نفع...
نقصاں... دوستی... دشمنی... محبت
اور نفرت... سب ہار جیت کے وہ روپ ہیں
جن سے ہر انسان ایک جواری بن کے
سامنا کرنے پر مجبور ہوتا ہے... جواری...
انسانی جذبوں کے راستہ عمل سے جنم لینے
والی وہ کہانی ہے جونگر نگر گلی گلی اور
گھر گھر نتی بھی لگتی ہے اور پرانی بھی...
آپ بیتی بھی اور جنگ بیتی بھی...
تجسس اور حیرانی کے سارے رنگ
دکھلاتی جادو اثر تحریر...

زندگی کی بساط پر انہم جو اکھیزے

والے کھلاڑی کی ہوش رہاستان





میرا بھی نام ملک سلیم اختر نہیں..” میں انھوں کھڑا ہوا۔ ”سی یو
ان کو رٹ۔ ”

جو شخص کسی بیور و کریٹ کے رعب واب سے بات
کر رہا تھا ایک دم کوئی غرض من درخواست گزار بن گیا۔
”ملک صاحب، ملک صاحب! آپ تو بلاوجہ ناراض ہو
گئے۔ میں ابھی عملے کو اور سیکورٹی والوں کو طلب کرتا ہوں۔
مل جائیں گے شاہ صاحب... بلیز بیٹھے۔ ”

اب اس کا سارا غصہ عصے پر اترा۔ اس نے ایک
ایک کو بر طرفی اور جیل کی دھمکی دی۔ ”مریض کو تلاش کر
کے لا و دس منٹ میں درنہ کی کی خیر نہیں۔ ” اس نے دہاڑ
کے کہا۔

آدھے گھنٹے میں اس نے بڑے اصرار اور عاجزی
کے ساتھ مجھے چائے پینے پر مجبور کیا اور یقین دلاتا رہا کہ
مریض ضرور ملے گا۔ لیکن ایسا ہوا نہیں۔ ابھی تک میں نے
ایک امید پر انور سے بات نہیں کی تھی۔ اب میں نے ایم
ایس کا فون استعمال کرتے ہوئے انور کو بتایا کہ سکندر شاہ
اپتال سے غائب ہے اور تلاش۔ باوجود نہیں ملا۔
دوسری طرف وہ نہیں۔ ” مل جاؤ کیسے... وہ ابھی پانچ
منٹ پہلے گھر پہنچا ہے۔ ”

”سکندر شاہ گھر پہنچ گیا ہے؟“ میں بھونپ کارہ گیا۔
”اچھا میں آتا ہوں۔ ”

میں نے اخلاقی طور پر ایم ایس سے مخذالت کی اور
اس کی بات پسے بغیر کمرے سے ڈل گیا۔ میری پریشانی
ضرور ختم ہو گئی تھی لیکن اپتال والوں کی غیر ذمہ داری پر
اب بھی غصہ تھا۔ عام طور پر اپتال بیان حفاظتی نظام ایسا ہوتا
ہے کہ مریض فرار نہ ہو پائے۔

مراد ہاؤس میں عجیب مسئلہ تھا۔ سکندر شاہ کی آواز ایک
کمرے سے سنائی دے رہی تھی، اور دو دروازے بند تھے۔ ریشم کے
ساتھ روپی کچھ حیران پریشان لا و نج میں پیٹھی تھی اور شاید
انہیں میرا ہی انتظار تھا۔ مجھے دیکھ کر دونوں کھڑی ہو گئیں۔
میں نے کہا۔ ” انور کہاں ہے؟“

دونوں نے ایک ساتھ بند دروازے کی طرف اشارہ
کیا۔ ” اندر شاہ جی کے ساتھ۔ ” ریشم بولی۔

” دروازہ کیوں بند ہے؟“
انور نے شاہ جی کو روک رکھا۔ ” روپی نے کہا۔
” اندر جا کے دیکھ لو۔ ”

میں نے ناک کیا تو انور نے دروازہ کھولا اور پھر بند
کر دی۔ سکندر شاہ کمرے میں چکر لگانے لگا تے ذرا سی دیر

سکندر کے غائب ہو جانے سے اپتال کے عملے
پر بدحواسی طاری آتی۔ میں نے اپتال کے ایم ایس سے
رجوع کیا۔ وہ غیر ضروری طور پر بد دماغ آدمی تھا۔

اس نے پیزاری سے کہا۔ ” اب مریض نہیں مل رہا تو
میں کیا کروں، خود تلاش کروں اُسے؟“

میں نے غصے کو ضبط کیا۔ ” یہ آپ کی مرضی ہے، خود
تلاش کریں یا عملے سے کہیں۔ ”

” ابھی آپ نے بتایا کہ وہ ہر جگہ دیکھے چکے۔ ”
” دیکھیے میرے کہنے کی بات اور ہے آپ سختی سے
کہہ سکتے ہیں۔ ”

اس نے میر مسحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔ ” یعنی
سختی سے کہنے سے آپ کا مریض مل جائے گا؟“

اب میں نے الجہ بدلا۔ ” لکھیر مسٹر ایم ایس! میں
نے مریض کو اپتال میں داخل کرایا تھا۔ کسی یتیم خانے میں
نہیں، اس کی سیکورٹی آپ کی ذمہ داری تھی۔ ”

” اگر یتیم خانہ نہیں تو یہ جیل خانہ بھی نہیں... ہم
مریضوں کو باندھ کے نہیں رکھتے۔ ” وہ برہمی سے بولا۔

” آپ کا مریض بھاگ گیا ہو گا۔ ”

” کیا مریض یہاں سے بھاگ بھی جاتے ہیں؟“
” بس... دوپہر ادا کے بغیر بھاگ گئے۔ ایک تو اور پر
والے کمرے کی کھڑکی سے فلمی انداز میں لٹک کے نکل گیا۔

وہ بھی رات کے وقت... ہمارا لاکھوں کا نقصان ہوا۔ ”

” لیکن یہ مریض سکندر بخت تھا۔ کروڑی تین بلڈر...
ایسی لیے وی آئی پی روم میں تھا۔ اس کی ادا سکلی ایڈ و انس
میں تھی اور وہ نقیانی مریض تھا۔ ”

” پھر تو اپتال ذمہ دار نہیں۔ اگر ایک پاکل بھاگ
جائے، آپ جاسکتے ہیں۔ ” وہ ترشی سے بولا۔

میں نے ایک دم میز پر مکا مارا۔ ” میں کہاں جا سکتا
ہوں، یہ بھی بتا دوں آپ کو... میں سیدھا پولیس میں
اپتال کے خلاف ایف۔ آئی آر لکھوانے جاؤں گا کہ مجھے
ٹک ہے اپتال والوں نے اس کے گردے نکال لیے۔

اس کا بلڈ لے لیا۔ شاید اس کا جگہ بھی اور اس کا بون میرے
بھی۔ جب وہ مر گیا تو اسے پوسٹ مارٹم کے لیے کسی
میڈیکل کالج کو بیج دیا یا خاموشی سے دفنادیا۔ اور اس کیس
کی رپورٹ کل کے اخبارات میں شائع ہو گی تو تمہارا اور
تمہارے اپتال کا نام بھی ہو گا۔ پھر آجانا میرے خلاف
ذی فیم کرنے کا کیس کرنے۔ میں بھی کوئی معمولی وکیل نہیں
کروں گا۔ تمہاری گرفتاری کے وارثت نہ جاری کرو ایسے تو

جواری

صاف نظر آتا تھا کہ اس کی کیفیت بذریانی ہے۔ وہ رفتہ رفتہ دیوانگی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ ہر گز رتے دن کے ساتھ اس کی کیفیت جنوں ہو گی۔ نہ میں ماہر نفیات تھا اور نہ ڈاکٹر... اس کی یہ حالت ایک دن میں نہیں ہوئی تھی اور اس میں بہتری بھی ایک دن میں نہیں آسکتی تھی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ طویل عرصے تک زیر علاج رہے۔ کسی الگ تحلیل جگہ پر جہاں سے نہ وہ بھاگ سکے اور نہ کسی کونفصان پہنچا سکے عرف عام میں اسکی جگہ پاگل خانہ ہی کھلانے میں لین وہ عام غریب لوگوں کے لیے سرکاری علاج کی جگہ ہے جہاں ان کی دیکھ بھال بھی اسکی ہی ہوتی ہے کہ جو وہاں ایک بار بخیج گیا اسے نہ عزیزہ اقارب نے یاد رکھا اور نہ دنیا نے۔ جو یاد رکھا تو بس فرشتہ۔ اجل نہ۔

”کیا خیال ہے چل کے اسے تلاش کریں؟“ انور بولا۔

میں چونکا۔ ”ہاں، آخر اس کی ہمت کیسے ہوئی شاہ جی کے ساتھ بد تمیزی کی۔“

”اور پھر بھاگ گیا۔ مرد کا بچہ تھا تو ٹھہرتا۔“

میں نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں، رانا کو۔“

”تم جانتے ہو؟“ شاہ جی نے خوش ہو کے کہا۔ میں نے کہا۔ ”مجھے موڑ سائیکل کے نمبر سے یاد آیا۔ آخر میں چاہ سو بیس ہے ۳۰۰۰ وہ ہے پکا چار سو بیس، بدمعاش۔“

”بس تو پھر چلتے تیر، انور وہ تمہارے ابا تو شکاری تھے تا، ان کی بندوق کہاں ہے؟“ شاہ جی بولا۔

”رکھی ہے۔ ہاتھ وقت اٹھائیں گے لیکن پہلے کھانا کھائیں۔“ میں نے کہا۔ ”میں نے کہا۔“

اس کے بعد جو ہوا نیری اور انور کی سادہ سی پلانگ تھی۔ ہم نے اسے باتوں میں الجھالیا اور روپی نے اس کو کھانے میں خواب آور دوادے دی۔ ہم ڈاکٹر کو بلا تے تو وہ بدک جاتے۔ سکندر شاہ کو بہت جلدی تھی۔ اس نے کھانے میں دیر نہیں لگائی مگر ہم وقت گزارتے رہے اور اسے بہلاتے رہے۔ ہمارے نزدیک یہی کامیاب حکمت عملی تھی۔ پھر انور نے کہا کہ وہ بندوق لے آئے تو چلتے ہیں۔“

سکندر شاہ نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔ ”اس سالے رانا کی قضاۓ آئی تھی کہ سکندر اعظم سے پنگالیا۔ مارا جائے گا آج، تم گولی وہ ذالنا جو سور مارنے کے کام آتی ہے۔ بہت مارے ہیں میں نے پہلے بھی۔“

کے لیے رکا۔ ”انہا کیا تو آگیا ملک... اس اتوکے پٹھے نے بند کر رکھا ہے مجھے۔ میں کوئی پاگل ہوں۔“

”باقل نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”مگر جانا کہاں ہے آپ کو؟“

”ارے وہاں ایک حرام زادہ آگیا تھا میرے پاس۔“ اس نے غصے میں کہا۔ ”میرے کمرے میں آگیا۔ اتنی بڑی دار ڈھنی اس کی۔“

”وہاں سپتال کے کمرے میں؟“ میں نے پوچھا۔ ”کون تھا؟ کوئی ڈاکٹر؟“

”وہ چکر لگانے لگا۔“ نہیں یار، مجھے سے کہنے لگا کہ بیٹا تو گناہ دیا تم نے... اب یہ دو بھی مارے جائیں گے۔ ان سے کہہ دینا کہ ہم سے پنگانہ لیں۔ ورنہ جو ہو چکا، اس سے بھی برا ہو گا۔ میں نے اسے گالیاں دیں تو بھاگ گیا۔ میں اس کے پیچے دیڑا۔“

”اور دوڑتے ہوئے گھر تک آگئے؟“ میں نے کہا۔

”نام نہیں پوچھا اُس کا؟“

”اس نے کہا کہ نام کو چھوڑ دیں۔ میں بہت خطرناک آدمی ہوں۔“ میں نے کہا کہ تم جیسے ایک سو ایک میں گاڑ چکا ہوں۔ تم نے بات نہ مانی ہماری توسیب کو ایک ہی قبر میں دیا دوں گا... رانا ہے میرا نام۔“ میں تقریباً اچھل پڑا۔ ”رانا! یہی نام بتایا تھا اس نے؟“

”مالا اور میں نے کہا کہ میں ہوں رانا کا نام... نام پائیکر۔ وہ ایک دم نکل گیا۔ میں اس کے پیچے پکا تو وہ بھاگا اور میں اس کے پیچے رہا۔ لیکن باہر نکل کے وہ بیٹھ گیا ایک موڑ سائیکل پر... جو گوئی اور چلار ہا تھا اور بھاگ گیا۔“

”میں نے کہا۔“ آپ کو نہیں روکا کسی نے، گیٹ پر؟“ ”وہ نوکن میں گھس گیا تھا۔ پھر پیچے دیوار تھی اس کے اوپر سے، کوڈ گیا۔ وہاں مجھے دیر ہو گئی۔ پھر تو مارا تھا میں نے اسے، اُنکا بھی تھا اسے... میں دیوار پر چڑھنے لگا تو گرا، دوبارہ چڑھا اتنی دیر میں وہ بھاگ گیا۔“

”تااب کہاں جا کے ماریں گے آپ اسے؟“ میں نے کہا۔

”میں نے موڑ سائیکل کا نمبر دیکھ لیا تھا۔ میں اسے تلاش کر لوں گا۔ میرا دوست ہے موڑ جسٹریشن میں... چھوڑوں گوئیں اسے، میں اسے گوئی مار دوں گا۔ ایم بھردا دوں گا اس پر، سالے کو پتا بھی نہیں چلے گا اور بوم...“ وہ قہقہہ مار کے ہسا۔

”بعد میں رابطہ ہوا بھی؟“

اس نے نفی میں سر ہلا�ا۔ ”اس کا نام تھا ڈاکٹر محسن! وہ بھی واپس جا رہا تھا وہیں جائے معلوم ہو گا۔ اس کا باپ بہر حال مشہور آدمی ہے۔ اگر اپستال ہو گا تو ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اخراجات کا کوئی مسئلہ نہیں۔“

”یہ رات اُنکے پہنچ گیا اپستال میں۔“

”اب اس کا کیا ڈسکس ریس۔ وہ لوگ پہنچے لگے ہوئے ہیں اور ہمارا پہنچا نہیں چھوڑیں گے پا تو ہم ان کی بات مان لیں اور سو فیصد غیر اخلاقی، غیر قانونی کارروائیں سے اپنا منافع لیتے رہیں... یا چنانچہ قبول کر لیں کہ ہم نہیں یا تم نہیں۔“

”اگر یہ صرف میرا فیصلہ ہے تا تو کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن فیصلہ ہے روپی کا۔ میں اسے نہیں، وک سکتا اور مجبور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ ٹوٹ جائے۔ اہا ٹنالہ کی ہے۔ ڈر جاتی ہے اور ان لوگوں کا ناجائز مطالبہ مان جاتی ہے تو اس کی مرضی اور وہ میری طرح سوچتی ہے تو پھر اس کی لڑکی کیا کرے گی۔ وہ مجھ سے ہی توقع رکھے گی، میر، اسے انکار کیے کر سکتا ہوں۔“ میں سامنے کار کے پنجے بہہ کر گزرتی سیاہ سڑک کو دیکھتا رہا۔ ”اور میں؟ کیا میں نکار کر سکتا ہوں؟“

اس نے نفی میں سر ہلا�ا۔ ”نہیں۔“

”میں اس قسم کے کسی کار بار میں شریک بننے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ لوگ بروہ فروش ہیں۔ عورتوں، لڑکیوں کو اخھاتے ہیں اور نہج نے کماں پیچتے ہیں۔ مشیات کی ماقی سے ان کا تعلق ہے لیکن ایک بات جو شاید تیرے علم میں بھی نہ ہو جب ہم اس سے مل کر واپس آ رہے تھے نادر شاہ سے... تو میں نے ایک جگہ دیکھا تھا کہ لوگ کسی زیر زمین راستے سے نکل رہے تھے۔ یوں جیسے اُگ رہے ہوں یا اٹل کے باہر آ رہے ہو رہا۔“

اس نے مجھے حیرانی سے دیکھا۔ ”کہاں؟“

”مجھے ہام نہیں معلوم اس جگہ کا جوڑ رائج ہے میں واپس لایا تھا، اس نے میرے سوال کا جواب، گول کر دیا تھا مگر اس جگہ کو پہچان لوں گا۔ وہاں ایک باغ تھا یا جنگل۔ اس میں کوئی مزار تھا جس پر لوگ ہوا تکون بزر جندر اہواں لہر رہا تھا۔ وہ سب لوگ سیاہ وردی میں تھے۔ ایک جیسے جیسے تھے سب کے۔ جیسا ہمارے ذرا سیور کا نغا اور ان کے کندھوں پر کاشنکوں میں تھیں۔ اس اندر گراونڈ راستے پر وہ کہاں سے آئے تھے اور مزار پر کاشنکوں کا کیا کام؟“

انور مجھے دیکھتا رہا۔ ”تو نے اس وقت نہیں بتایا تھا؟“

رفتہ رفتہ ہ پر سکون اور خاموش ہوتا گیا اور اس کی زبان لڑکھڑا نے گلی پھر وہ ایک طرف لڑکا اور سو گیا۔ ہم نے اسے انھا کے گاڑی میں پیچھے لٹایا اور اسے واپس وہیں لے گئے جہاں سے وہ فرار ہوا تھا۔ دونوں لڑکیوں کے چہروں پر فکر، مایوسی اور پر بیانی کے آثار عیاں تھے۔

ریشم نے مجھ سے پوچھا۔ ”بھائی! یہ تھیک تو ہو جائیں میں نے اس کو حوصلہ دینے کے لیے کہا۔“ کیوں نہیں

ٹھیک ہوں گے۔ اسی لیے تو لے جا رہے ہیں۔ آج کل میڈیکل سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے۔“

روبی زیادہ بھدار تھی کیونکہ اپنی بڑی بہن شاہینہ کی طرح وہ ذہنی امراض کی دوادوں کے بارے میں زیادہ جانتی تھی اور اپنی سر کے علاج اور دواداوہ کا خیال آخری وقت تک اسی نے رکھا تھا۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ فکرمندی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ وہ بیٹھی تھی کہ ہم جو کر رہے ہیں اچھا کر رہے ہیں اور ہم ہی کر سکتے ہیں۔ ابھی تک گھر کے ملازم میں کوئی بھک نہیں ہوا تھا کہ اس عظیم الشان سلطنت کے بانی اور مالک کا دماغ چل گیا ہے۔

ہٹان جانے والی سڑک پر آتے ہی انور نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ان کو واپس وہیں لے جانا کوئی عقل مندی نہیں۔ وہ معمودان نقیاتی مسائل سے تو نہ سکتے ہیں۔ شاہ جی کا کیس مختلف ہے۔“

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ”شاہ جی کو محفوظ اور الگ جگہ پر رکھنے کا انتظام ضروری ہے پھر کہاں لے جائیں؟“

”لاہور۔“ انور قطعیت سے بولا۔ ”مجھے اٹلی میں ایک پاکستانی ڈاکٹر ملا تھا۔ اس نے وہاں سے دماغی امراض کے علاج میں اپنی خلائق کیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ واپس جا کے وہ چھانگا مانگا میں، ایک میٹنل اپستال قائم کرے گا۔ وہاں شخون پورہ کے علاج میں ان کی آبائی زمین تھی۔ اس کی دیکھ بھال باقی چار بھائی کرتے تھے۔ والد صاحب مدت سے سیاست میں لے گئے ہوئے تھے جیسے میں نے اس چاگیرداری نظام سے بخاوت کی، وہ بھی ڈاکٹر بننا اور یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ خدمتِ خلق کا جذبہ تھا جس نے اسے یہ اپستال قائم کرنے کی ضرورت پر قابل کیا مگر یہ ہے کہ پیسے کا اسے مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ رفاقتی اپستال بھی بنا نہیں چاہتا تھا۔ بس اسے نو پرافت نولائس کی بنیاد پر چلانے کا خواہش مند تھا۔ وہ ایک سیاح تھا، میری طرح۔“



تمہیں تم نے کافی زحمت دی...
یہ تمہاری بپ

ستا ہوں۔ ساری آبائی زمین کو نکالنے لگاؤں پھر بھی مجھے پسے کی کمی نہ ہو گی مگر روپی... ایک گمزور لڑکی... ایک بیوہ... میری کزن... وہ کیا کرے گی؟“

”یہی ناقابلِ یقین بات ہے۔ تمن گمرا نے ختم ہو گئے اور تسب پتا چلا کہ سب کا دشمن ایک ہی ہے۔ جب میں آیا تھا تو یہ بات صرف میں جانتا تھا کہ نادر شاہ کون ہے۔“

”اسے جانئے کی بہت بڑی قیمت ادا کی ہے۔ ہم نے... ہم سب نے... میں تجھے روک نہیں سکتا کیونکہ تو ابھی تک ہم میں سے نہیں ہے۔ اجنبی ہی مانتا ہے خود کو... مگر میں روپی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔“

”تو اسے قاتل کر لے گا کہ نادر شاہ کی ہر بات مان لے اور اپنا کام کرے... اسے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔“

انور بولا۔ ”میں کوشش تو کروں گا کہ روپی مان جائے لیکن یہ بات میرے فہری کے خلاف ہو گی۔ پتا نہیں میں کر سکوں گا یا نہیں، پھر روپی... تو کچھے اندازہ ہے کچھ کہ وہ کتنی ضدی لڑکی ہے۔“

”ضدی یا مستقل مزاج اور حوصلہ مند۔“

”کچھ بھی تجھے لے۔ وہ نہ مانی تو پھر... تو جائیں تو نہیں جاؤں گا۔“

”لوک کے پٹھے... یہی سمجھا ہے تو نے تجھے اتنے عرصے میں؟ کیا واقعی میں اتنا خود غرض، کمین اور ذلیل ہوں؟“

انور مسکرا یا۔ ”سیرا یقین یہی تھا کہ آپ بکواس فرم رہے ہیں۔“

شخوپورہ سے پہلے ہی کسی دشواری کے بغیر ہمیں ڈاکٹر محمد کا لیکنک مل گیا۔ اس نے علاج گاہ کا نام ”نفیاتی، بحالی کا مرکز“ رکھا تھا۔ یہ ثانیستہ الفاظ تھے جو وہاں رہنے والوں پر بھی خوش گوارا شر رکھتے ہوں گے۔ معلوم نہیں جسمانی یا

”اب بتا رہا ہوں۔ مجھے تجھے ہے کہ وہاں سے بھی اسلک کہیں جاتا ہے۔ اسکل ہو کے آتا ہے یا اسکل ہوتا ہے۔ نادر شاہ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ ہم دنیا کے سارے دھندے کرتے تھے جو ناجائز تھے جاتے ہیں مگر ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔ روپی کی مرضی ہے مگر میں ایسے کی دھندے میں نہ شامل ہو سکتا ہوں اور نہ خاموش رہ سکتا ہوں، میں چلا جاؤں گا اپنے راستے... میں بھاگ جاؤں گا۔“

”بھاگ جائے گا؟“ انور نے یہ تیکی سے وہرا یا۔ ”ہاں، موت برحق ہے لیکن خود کشی حرام ہے۔ پہلے بھی نادر شاہ نے تجھے پھاٹی کے تختے پر کھڑا کر دیا تھا اور میں بہت سطحی تھا کہ وہ بات پرانی ہو گئی۔ اب میں محفوظ ہوں۔ زندہ رہ سکتا ہوں تو انتقام وغیرہ کو بھول کے اہمی زندگی جیوں۔ لیکن اتنے عرصے بعد اچانک میری تمام غلط فہمی دور ہو گئی۔ اس نے ایک ماہ کی مہلت دی ہے تجھے پھر وہ تجھے واپس وہی پہنچا دے گا تختہ دار پر... اور بعد میں تم سے نمثمار ہے گا۔ تم بھی نجی نہیں سکتے اس تو انکار کر کے۔“

”تجھے، بہت افسوس ہے ملک، اتنا عرصہ ساتھ گزار کے تیرے دل میں میرے لیے یا ریشم کے لیے کوئی جذبات نہیں؟ تو اتنی آسانی سے جانے کی بات کر رہا ہے؟“

”تو نے دیکھا انور، میرا دشمن تھما را بھی دمن ہے آج... جس کی کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ تو اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ پیر سائیں پر اسی نادر شاہ کا دستِ شفقت ہے۔ کیسے وہ اچانک سامنے آگیا۔ وہ سکندر شاہ اور پیر سائیں نے ذاتی دشمنی تھی جس نے پردہ انخا دیا۔ مرا دمارا گیا۔ پیر سائیں، شاہینہ اور اس کی ماں... سب مارے گئے تو جیت کس کی ہوئی۔ سکندر شاہ کی؟ تجھے منیر نیازی کا ایک شعر یاد آتا ہے جو سو فیصد حسب حال ہے۔ اک اور دریا کا سامنا تھا منیر بھج کو... میں ایک دریا کے پار اتراتو میں نے دیکھا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ سکندر اپنی دشمنی کو پیر سائیں نکل محمد بور کھتا مگر وہ طاقت کے غدر میں تھا۔ جیت کے بعد اسے پتا چلا کہ اصل میں تو چھپے نادر شاہ ہے۔“

”آج میں بھی اسی کوب سے بڑا دشمن سمجھتا ہوں۔ اس نے، میرے آپاً واحد اوکی نشانی اس حوالی کو ختم کر دیا اور میری ماں کو مار دیا۔ وہ تو کسی دشمنی کے کھیل میں فریق نہ تھی۔ اب وہ تجھے بھی دھمکی دے رہا ہے کہ روپی کو راضی کرو، درستہ میری اُمی خیر نہیں۔ سکندر شاہ کی بھی خیر نہیں تو میں کیا کروں؟ ریشم کو ساتھ لے کر میں بھی نکل جاؤں؟ کہ میرے پاس ذمہ داری ہے تعمیرات کی اور میں کہیں بھی سہولت کی زندگی گزار جائیں گے۔“

زنسگ اسٹاف کی طرح سفید یا گرے نہیں تھیں۔ وہ سب کارنون کردار بننے پھر رہے تھے۔ ایک ”مکی ماوس“ تھا۔ دوسرا آپ ”پوپائے دی بیلر“، تیرسا ”پنک بینچر“ یہ سب تینی دی اور فلم کارنون کریکٹر ہے، حد مقبول تھے اور ان کی موجودگی سے ماحول کی سنجیدگی ختم ہو گئی تھی۔ ان کو انہی ناموں سے بلا یا جاتا تھا اور یہ مثال اپستال سے زیادہ ڈزنی لینڈ لگتا تھا۔ خود عمارت ست روئی تھی۔ سر بزر درختوں میں... رنگ برلنی عمارت سے سارا ماحول خوشگوار اور کسی تفریح گاہ جیسا ہو گیا تھا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ مریضوں کو خوش رکھنے کے لیے وہاں کھیل نتائج، فلم شوب ہوتے تھے اور ان کی کسی خواہش کو حتی الامکان مسترنہیں کیا جاتا تھا خواہ وہ آدمی رات کو چاکلیٹ مانگتیں! کسی سے نہیں کہ میرے ساتھ ڈانس کرو۔ ”یہ آئندہ یا کسے آیا آپ کے ذہن میں؟“ میں نے اس طریق کارکی بہت تعریف کی۔

”میں کیا اور سیرا ذہن کیا۔ یورپ میں پھر اتو کچھ بیانکہ ریسورٹ دیکھے۔ جہاں لوگ آرام اور صحت یا بیکے لیے قیام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اہ دولت مند میں افروذ کر سکتے ہیں۔ پھر ایک دونیا یا آرام گاہ جیسے سینئرڈیکھے جہاں علاج ہوتا تھا۔“

”آپ اے کاروباری انداز میں چلا رہے ہیں؟ مطلب یہ کہ آدمی کے لیے؟“

”تو، پیسے کی مجھے اتنی ضرورت نہیں تھی مگر میں اسے اپنے خرچ پر بھی چلانا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی تو چل جاتا۔ لیکن اداروں کو قائم رہنا چاہیے خواہ افراد رہیں نہ رہیں۔ تو میں نے کچھ مدلی۔ ڈونیشن، بہت تجوڑ امریضوں سے لیا۔ وہ بھی جتنا لا حقین نے دیا۔ کسی نے برا۔ نام دیا تو دوسرے نے زیادہ دے دیا۔ بس کام چل رہا۔ ہے اور چلتا رہے گا انشاء اللہ۔ میرے ساتھ دو ڈاکٹر ہیں فلاٹ نائم... ایک ہر روز لا ہور سے آتا ہے۔ سب والٹیر ہیں۔ رضا کارز میں، پھر یا اسٹوڈنٹس ہیں جن کو ہم نے تربیت دی ہے۔ ہماری گاڑی ان کو لا ہور سے پک اپ کرنی ہے اور وہیں چھوڑتی ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ابھی رضا کا، زیادہ ہیں کام کم تر، آپ پہلے اپنا مسئلہ بتا گیں۔“

مسئلہ انور نے بتایا۔ کاروبار کا اعصابی دیبا، اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خود ساخت خوف، ڈاکٹر نے کچھ دیر لکھنے کے بعد قلم رکھ دیا۔ ”تو چودھری صاحب! مجھے تفصیل چاہیے... واقعات بتا گیں بغیر تبصرے اور ترمیم کے... صرف اتنا بتا گیں کہ کیوں ہوا۔ نتیجہ ہم خود اخذ کریں

ڈہنی طور پر معدود بچوں کو ”اوائل چلندرن“ کہنے کے ان پر خوشگوار اڑات مرتب ہوتے ہیں یا نہیں۔ اصل اہمیت عوامی رد عمل کی ہے۔ نام افراد کے لیے یہ پاگل خانہ ہی تھا۔ اس کا پہلا سائنس بورڈ پر ایک تیرے سے مرکز کی نشاندہی کر رہا تھا۔ ایک سائنس بورڈ پر اس کا فاصلہ تقریباً تین کلو میٹر تھا۔ چھانگانگانگا کے وابع جنگل کا عقبی حصہ تھا۔ بیشتر درخت قدر لی تھے لیکن یو شیپ میں پھیلی ہوئی وسیع عمارت کا اور میانی حصہ با غبانی کی مہارست سے وجود میں آیا تھا۔ وسط میں فوارہ اور اس کے ارد گرد سر بزر ہموار گھاس کے قطعات تھے۔ کناروں پر بیس میں فٹ کے فاصلے سے پیچیں لگائی گئی تھیں اور ان کے سامنے رنگین بولوں کی کیا ریاں تھیں۔

ابھی شام تک کہ مرکز کے بائی لان پر ہل رہے تھے یا بیچوں پر بیٹھے باقی کر رہے تھے لیکن چند بالکل تھا اور گم صم بھی بیٹھے تھے۔ صرف ایک تھا جو سر کے مل قلا بازیاں کھاتا لان کی لمبائی کوٹے کر رہا تھا اور دوسرا اس کو ایک ڈنڈی سے ہائک رہا تھا۔ دونوں کا ہس پنکر کے براحال تھا۔ پاگل پن بھی نہیں تھی۔ ایک نظر میں یہ جگہ کسی ہوٹ یا ہوں کے جیسی لکتی تھی۔ پاگل پر، کی کوئی متسلسل کیفیت نہیں ہوتی۔ بیشتر لوگوں کو جب دوڑہ پڑتا ہے تو وہ پاگل نظر آتے ہیں۔ دورے کی شدت میں زیادہ ہو سکتی ہے اس سے اپستال والے نہ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر محسن نہیں برآمدے میں مل گیا۔ دو اجنیا چہرے دیکھ کر وہ ٹھنکا پھر اس نے انور کو پہچان لیا اور بڑے پُر جوش طریقے پر اس سے ملا۔ ”سوری مجھے صورت یاد ہے، نام نہیں۔ ہم اٹلی میں۔ ملے تھے۔“

”لیں، میں چودھری انور ہوں۔ آرکی میکٹ۔“ انور نے مصافی کر کے میری طرف اشارہ کیا۔ ”یہ میرے دوست ہیں ملک سلیم اختر۔“

ڈاکٹر محسن خوش شکل، خوش مزاج اور خوش لباس آؤی تھا۔ ”ویکم دیکم... آپ دونوں داخل ہوں گے؟“ وہ بولا اور پھر ہنسا۔

انور نے کہا۔ ”جگہ دیکھ کے دل تو چاہتا ہے۔“ ادھر آتے ہوئے مجھے پورا تین نہیں تھا کہ تمہارا خیال ایک حقیقت بن گیا ہوگا۔ باقی باقی میں ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے آپ گاڑی میں سے ہبرے انکل سکندر شاہ کو اتار لیں۔ ہم انہی کو داخل کرانے آئے ہیں۔“

ڈاکٹر نے سر ہلا یا اور مزید سوال کیے بغیر دو ماتحتوں کو طلب کیا جو دردی پہنچ رہے تھے۔ ان کی وردياں عام

جوادی

تحاک کہ جب ضرورت ہو گی انہیں پھر طلب کر لیا جائے گا۔ اصل مسئلہ تھا سیکورٹی عملے کی تبدیلی یا بر طرفی... مجھے اور انور کو ہر وقت احساس رہتا تھا کہ وہ نادر شاہ کے زر خرید ہیں جن کی نظر ہماری ہر قل و ذر کت پر رہتی ہے اور جو اسے باخبر رکھتے ہیں۔ راتا یہاں سے زندہ سلامت فرار ہونے کے بعد اپستال پہنچ گیا تھا۔ اس جیسے اور بھی تھے جو کسی بھی تحریکی کارروائی کے لیے مرادہ اس میں داخل ہو سکتے تھے۔ انہیں روکنے والا کون تھا۔ یہاں تو ان کے مددگار موجود تھے۔ اگر ابھی تک کچھ ہوانہیں تھے تو اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ ہمارے پاس نادر شاہ کی دی ہوئی مہلت کا آدھا وقت باقی تھا۔ آدھا وقت گزر چکا تھا اور ہمیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ ہم نے اس کی بات نہ مانی تو وہ کیا کرے گا۔

فیصلہ ضروری اور ناگزیر تھا۔ ہاں یا نہ... ہم نادر شاہ کے ساتھ ہیں یا نہیں۔ ہم اخلاق اور انسانیت، صمیر اور قانون کو تسلیم کرتے ہیں یا اس کے کاروبار میں شرکت کو... اقرار میں سلاستی بھی۔ انکار میں سوت۔ یہ نادر شاہ جیسے پرانے جو اسی کے لیے حلیل تھا۔ ہم جیسے اندازوں کے لیے خود کشی... یا صمیر کی سوت یا جسم کی... فیصلے کی گھری قریب آ رہی تھی۔ اسے ناٹھیں جا سکتا تھا۔

میں اور انور کو رازداری کی بات کرتے تھے تو لان میں کریماں ڈال کے پیٹھے جاتے تھے۔ گھر کے اندر پہلے بھی یہ اندریشہ تھا کہ ہماری ٹول و حرکت کو کیمرے دیکھ رہے ہیں اور ہماری ٹنٹلوں کو خفیہ حاس مائیکروفون ریکارڈ کر رہے ہیں۔ پڑھو سکتا تھا کہ ہم شہر سے سیکورٹی ماہرین کو بلا لیں جو ان کا سراغ لگائیں اور انہیں تاکارہ کر دیں لیکن یہ بھی سیکورٹی اسٹاف کو نکال باہر کرنے کی طرح جارحانہ قدم ہوتا جس سے دشمنوں کو ہمارے عزم کا اندازہ ہو جاتا۔ ابھی ہم نے ایک قدم ہی لیا تھا کہ کاروبار بند کیا تھا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر تھی سکندر شاہ اسے چلانے کی پوزیشن میں ہیں رہا تھا۔

سکندر شاہ فی الحال محفوظ تھا۔ اسے علاج کے لیے چھوڑنے کے بعد چوتھے دن میں نے منج روپی کو اکیلا اور اس پیٹھے دیکھا، عام طور پر میں ہی پہلے اٹھتا تھا۔ اور باہر آتا تھا تو مجھے روپی گھاس پر شہلی ملتی تھی۔ پھر ہم عادت کے مطابق بیڈلی پیتے تھے اور ادھر اور ہر کی باتیں کرتے تھے۔

میں وہ بے پاؤں اس کے پاس جا پہنچا تو وہ چوکی اور اس نے مسکرا نے کی تھا کام کوشش بھی کی لیکن میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ ”کیا بات ہے روپی؟“ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

گے۔ اگر آپ نے پوری بات نہ کی یا کاٹ چھات کے ساتھ بتا دی تو نقصان میرا یا آپ کا نہیں، میریض کا ہو گا۔ رازداری ہر ڈاکٹر کی اخلاقی ذاتے داری ہوتی ہے۔ وہ میری بھی ہے۔ اعتماد نہیں تو چھوڑ دیں۔ اتنے عرصے سے بعد ملاقات اچھی رہی۔ چائے پیں اور جائیں۔ اپنے میریض کو کہیں اور لے جائیں۔

ظاہر ہے اس کے بعد ہم نے سب بتایا۔ اس کا مجھے پہنچیں پہلا کہ ڈاکٹر صرف ہماری سن نہیں رہا ہے، ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ بعد کی کسی غلط فہمی سے پہنچے کے لیے یہ بھی ضروری تھا۔ اخراجات کا سرے سے مسئلہ نہ تھا۔ ہم رات تک وہاں لوئے۔ خوف اور تشویش سے دونوں لڑکیوں کا برا حال تھا۔ ہم نے انہیں بھی نہیں بتایا کہ سکندر شاہ کو کہاں چھوڑ کے آئے ہیں۔ ”لیکن وہ پاگل خانہ نہیں ہے۔ لا ہور کا بہترین پرائیویٹ اپستال ہے۔“

”ہم ان سے مل سکتے ہیں نہ؟“

”جب تک انتہائی ضروری نہ ہو۔ کچھ دن میں وہ ٹھیک ہو کے خود ہی آ جائیں گے۔“

”کتنے دن میں؟“ روپی نے پوچھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”یہ کون بتا سکتا ہے۔ ظاہر ہے میریانہیں کہ دو دن میں ٹھیک ہو جائے۔ دو چار ہفتے... دو چار مہینے... یادو چار سال۔“

”کوئی پوچھے گا تو کیا بتائیں گے؟“ ریشم بولی۔

میں نے کہا۔ ”وہ ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔

میں نے نفی میں سکھا وہ غیر محفوظ تھے۔ بس اور آپ دونوں سے کوئی پوچھے تو نہیں کہ انور کو پہاڑوں کا مجھے۔“

اگلے دن ہم نے تمام انتظامی اختیارات کا جائزہ لیا۔ تمام مالی امور اور فصلوں میں سکندر شاہ نے پا اور آف انارنی کے ذریعے روپی کو مختار کل بتا دیا تھا اور جب تک وہ خود زندہ تھا، یہ مختار نامہ نہیں مکمل قانونی تحفظ فراہم کرتا تھا۔ کہنی کے پورڈ آف ڈائریکٹرز میں تین افراد تھے۔ میرے اور انور کے شیئرز چیس فیصد تھے جنماچہ روپی پچاس فیصد سے نیز میں یا ایم ڈی ہوتی تھی۔ ٹپنی کا قانونی مشیر ایک بیرسٹ نفاجنو جوان اور ذہین تھا۔ اس کی فرم سالانہ معاهدے کی بنیاد پر تمام امور سنجاتی تھی۔ اگلے تین دن میں ہم نے سارے اکاؤنٹس کو دیکھا اور کہنی کے اٹائے دیکھے۔

انور نے چند دن قبل ہی تمام عملے کو تین ماہ کے لیے تنخواہ دے کر فارغ کر دیا تھا کیونکہ ٹپنی کافی الحال مزید کسی نئے پروجیکٹ میں ہاتھ ڈالنے کا ارادہ نہ تھا۔ ان کو بتا دیا گیا

اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ کہ اگر اس کا شوہر شادی کے بعد کسی حادثے میں مر گئتا تو وہ کیا کرے گی۔ یہ ناممکن نہیں۔ حادثات میں لڑکیاں رخصت سے قبل یا شبد عروی ہی میں بیوہ ہو گئیں۔ میں نے بھی یہ نہیں سوچا تھا لیکن اب یہ خیال آتا ہے کہ یہ اعمال کی ہزاری۔“

”کیسی باتیں کرتی ہو، تمہارے اعمال کی سزا خدا نے مرا دو کیوں دی؟ اور کون سے اعمال...؟“

”یہی... میں نے ماں باپ کا دل دکھایا۔ ان کی رسائی ہوئی میری وجہ سے۔“

اے سلسلی دینے کے لیے میں نے کہا۔ ”اگر میری ماں تو انہیں یہ حق حاصل نہیں تھا کہ زبردستی تمہاری شادی کریں۔ بالآخر مرد اور عورت اپنی مرنسی یہ شادی کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ بلاوجہ کا احساس جنم ہے تم ہیں۔“

”درactual، ایک بات اور بھی ہے۔ مجھے اس وقت تو کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ حادثے کے بعد میری آنکھ اپنال میں کھلی۔ کئی دن بے ہوش پڑی رہی تھی۔ اس وقت تک مراد کی تدفین ہو چکی تھی۔ ایک رات میں نے نواب میں دیکھا چیزے میں مراد کے ساتھ تھی اور ہم گاڑی میں تھے اور عین اس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں حادثہ ہیں آیا تھا اور میں نے دیکھا کہ کسی نے اوپر سے بھاری پتھر لٹھا کیا۔ وہ ایک لمبا چوڑا آدمی تھا جس نے ملیشیا شلوار تھیں۔ ہم رکھا تھا اور اس کی تھیں سیاہ داڑھی تھی۔ وہ پہاڑی کے اوپر کھڑا تھا جہاں سے سڑک گھوم کے کچھ نشیب کی طرف جاتی ہے۔ راولپنڈی سے جہنم کی طرف آتے ہوئے دینا۔ سے آئے اونچے نیچے پہاڑوں کا سملدھے ہے۔ تم نے دیکھا ہے یہ علاائف؟“

”میں نے اقرار میں سرہلا دیا۔“ بہت اچھی طرح۔“

”میں نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ مجھے بیت مختلف لگا۔ اس سے پہلے میں تین سے گئی تو سرگنگ دیکھی تھی۔ خیر، اس شخص نے جو پہاڑ کی آدمی بلندی پر اکیا کھڑا تھا، ایک پتھر نیچے لٹھا کیا۔ اس کو وہ اٹھاتا تو خاصا زور بلتا مگر وہ کسی چیز کے کنارے پر تھا اور اونچائی بھی مشکل سے وفت ہوئی۔

مراد نے کار موڑی اور وہ پتھر سڑک پر آگرا۔ سرک پر ٹریفک رہتی ہے مگر چند سینڈ کے لیے وہاں مراد کی گاڑی کے سوا کچھ نہ تھا اور یقیناً مراد نے اس پتھر سے گاڑی کو بچایا مگر باعیسی جانب کھٹکی تھیں۔ یہ چند سینڈ کا منظر تھا۔ میں نے چیزیں ماری اور مراد کا نام لیا۔ بس پتھر میری آنکھ حل گئی اور میں نے اس وقت تو اہمیت نہیں دی مگر بعد میں بہت سوچا کہ میں نے تو حادثے کے وقت کچھ دیکھا بھی نہیں تھا اور مجھے دو دن

”کچھ نہیں۔“ اس نے آنسو صاف کیے۔ ”سوج رہی تھی وقت کیسے گزر جانا ہے، پتا بھی نہیں چلتا۔“

”کوئی خاص بات، ہوئی ہے آج؟“

”خاص بات ہی تھی، کتنی پرانی بات ہوئی آج۔“

”وقت ایسے ہی گزرتا ہے۔“

”چار میسینے دس دن ہو گئے آج۔“ وہ بولی۔

”اوہ... یہ میرے ذہن میں نہیں تھا۔“ میں نے خفت سے کہا۔

”میری عدت کا زمانہ پورا ہو گیا۔ اب میں آزاد ہوں ساری عمر بیوہ رہنے اور کھلانے کے لیے۔“

میں نے کہا۔ ”تم بھی باہم لڑکی میں نے نہیں دیکھی روپی۔“

”وہ بولی۔“ یہ ہمت دیا نہیں، خود غرضی کی بات ہے۔

میں مراد کے بغیر زندہ رہ سکتی تھی۔“

میں نے کہا۔ ”یہ ہم سب کی مجبوری ہوتی ہے۔“

مرنے والوں کے ساتھ مر ہیں سکتے، خود کو الزام مت دو۔“

میں نے کہا۔

ایک خادم دو کپ چائے دے کر لوٹ گیا۔ وہ کپ اٹھا کے شہلنے لگی۔ ”رات بھیر باتیں میں...“

”تم ریشم کو جما سکتی تھیں یا مجھے...؟“

اس نے ٹکر گزاری سے مجھے دیکھا۔ ”تم ہی میرا سب سے بڑا سہارا تھے، اس مشکل وقت میں۔“

”انور بھی...“ میں نے، کہنے کی کوشش کی۔

”ہاں، لیکن اس کی مجبوریاں تھیں۔ میرا اور اس کا تعلق ماضی کے حوالے سے مجھے ایسا ہی تھا۔ پہلے اس نے انکار کیا پھر قبول کیا پھر میں نے انکار کیا پھر ایک زبردستی کا ڈراما نکاح کا بھی ہوا۔ ریشم کو سب معلوم ہے۔ گزن کا رشتہ ہونے کے باوجود وہ مجھے سے ڈاصل رکھتا ہے۔ اسی کی نیک نیتی اور ذہنیات پر مجھے شک نہیں۔ شاہجہی نے اسے صحیح منتخب کیا تھا اور تمہیں بھی... ورنہ کیا ہوتا۔“

”کیا ہوتا؟ دنیا چلتی رہتی ہے روپی اور چلتی رہے می... کسی کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں ڈلتا۔“

وہ کچھ دیر بعد بولی۔ ”یہ خیال تو کسی بھی لڑکی کے دماغ میں آہی نہیں سکتا۔ شاہجہی سے پہلے یا اس کے بعد...“

”کیا خیال؟“ میں نے، کچھ دیر انتظار کیا۔ ”کیا خیال؟“

گیا تھا۔“

”جان تو ہم آپھیل پر لیے پھر رہے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ اب ہم محفوظ ہیں۔“

”مرا دکو ما را گیاراستے سے ہٹانے کے لیے اور تمہیں تھنا کرنے کے لیے۔ دیکھ لو اس کی موت نے کیا تباہی پھیلانی، ماں گئی، باپ کی زندہ ہوتا نہ ہونے کے برابر ہے۔“

اندر سے انور نے کھڑکی سے منہ لکلا۔ ”کیا باتوں سے پیٹ بھر جائے گا؟ ہم کر لیں ناشتا۔“

ہم اندر چلے گئے۔ مرا دکو اس اب کی آسیب زدہ گھر کی طرح لگتا تھا۔ گھر کے چار افراد میں سے صرف رو بینہ یہاں رہ گئی تھی۔ ہم تین یعنی میں، انور اور ریشم باہر سے آئے تھے اور اس کے ساتھ رہنے پر مجبور تھے۔

حالات و واقعات کی اس طویل آزمائش میں ہر قسم کی سازش کے نقشان سے گزر کے اور الگ الگ نظر آنے والے واقعات کا عذاب جیل کے ہم سب پر یہ خوفناک حقیقت آشکار ہوئی تھی کہ ہم سب تباہی و بربادی کے پیچھے ایک ہی دشمن کا چہرہ ہے اور وہ چہرہ نادر شاہ کا تھا جواب ہم سب کے سامنے آگیا تھا۔ پڑی عجیب بات تھی جیسے میں باہر سے آنے والا نادر شاہ کی دشمنی کا خطرناک وارس اپنے ساتھ لایا تھا جس نے دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب ہماری کیفیت الگ الگ ذوبنے والے جہازوں کے مسافروں جیسی تھی جو الگ الگ سمندری پانیوں میں ذوبنے ابھرتے ہر قسم کے خطرات سے نبردازما ہوتے بالآخر ایک جزیرے پر آئئے ہو گئے تھے مگر آگے جزیرے پر بقا کی سلامتی نہ تھی۔ زیادہ تین خطرات درپیش تھے۔ ہم اب مل کر ساتھ چلنے اور ایک دوسرے کی طاقت بن کر ہی جی سکتے تھے۔

روبی کے اس اعتراض پر کہ آج اس کے لیے عدت کی رسی پابندی بھی نہ رہی، ہم خوشی کا اظہار تو نہیں کر سکتے تھے۔ ہم سب نے اس کا حوصلہ مژہ ہایا اور اسے تین دلایا کہ سب اس کے ساتھ ہیں۔ وہ بھی خود کو اکیلا محسوس نہ کرے۔

روبی نے کہا۔ ”میں ایک چکر لگا کے دیکھنا چاہتی ہوں، وہ جگہ جہاں میرا گھر تھا۔ درگاہ تھی۔“

انور نے کہا۔ ”میں بھی چودھریوں کی حوالی کے گھنڈ دیکھ لوں، کیا بچا ہے۔ سب کچھ تو چور لیٹرے لے گئے ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ ”پہلے

بعد ہوش آیا تھا پھر خواب میں یہ منظر کہاں سے آگیا؟ وہ داڑھی والا، اس کا لڑکا یا ہوا پھر... وہ موز... میری چیخ... ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اور رفت رفت مجھے یقین آئے لکا کہ نہیں ایسا ہی ہوا ہوا۔ لیکن اس ایک سینہ کے سین کے بعد چیک آؤٹ ہو گیا۔ سب کچھ میری نظر سے اور دماغ سے اوجھل ہو گیا۔ جیسے کوئی تصویرِ الہم سے نکل کر دوسری تصویروں کے نیچے چلی جائے اور پھر کسی دن اچانک نکل آئے۔ تم کیا کہتے ہو؟“

”میں چونکا۔“ بالکل! میں اتفاق کرتا ہوں تم سے، ایسا ہی ہوا ہو گا۔“

”پھر یہ مجھے یاد کیوں نہیں رہا۔ اتنے عرصے بعد کیوں یاد آیا؟“

میں نے مغدرت کی۔ ”یہ دماغ کی محتیاں کوئی ماہر نفیات نہ سمجھا سکتا ہے۔ ایک بات معلوم ہے مجھے کہ حافظہ اور انسان کی یادداشت ایک گورکھ دھندا ہے۔ کہتے ہیں کہ دماغ کے تین خانے ہیں۔ ایک میں روزمرہ کے کام کی ہر چیز رہتی ہے۔ اس کے پیچے بھی کھار کے کام کی چیز جیسے کسی کا نام یا چہرہ جو برسوں نظر نہ آئے اور زیادہ تر معلومات کا خزانہ... سب سے پیچھے بچپن کی یادیں بھی ہو سکتی ہیں اور تین حادثات بھی۔“

”ابر یہ جو بھولنے کا مرض ہوتا ہے؟“

میر نے کہا۔ ”اس کا تعلق عموماً عمر سے ہوتا ہے مگر اس مرض میں ایک تو یہ ہوتا ہے کہ آپ ابھی کی بات بھول جاتے ہیں، آج کی یا کل کی یا مگز شٹہ بخت کی۔ انتہا یہ ہوتی ہے کہ بوڑھے کھانا کھا کے بھول جاتے ہیں اور بھوک کی شکایت کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ کہ حال کی بات تو یاد رہتی ہے، پرانی باتیں یاد نہیں رہتیں۔ میرے خیال سے کچھ ایسا ہی ہوا رہ دماغ نے پہلے تم سے حقیقت چھپائی اور جب تمہاری حالت سنچل گئی تو بتا دی۔ اب مجھے ایک بات بتاؤ، وہ داڑھی والا کون تھا؟ غور کرو، اس کی صورت دماغ میں لاو۔“

روبی نے نفی میں سر ہلا کیا۔ ”صورت تو ذہن میں ہے مگر دیکھی بولی نہیں گلی۔“

”اوکے، پھر دیکھو گی تو پیچاں لو گی؟“ میرے دماغ میں رانا کی شبیہہ گھوم رہی تھی۔

اکر نے کہا۔ ”ہاں، پیچاں لوں گی۔ تم کس کے بارے میں سوچ رہے ہو؟“

”بھی کچھ نہیں لیکن روبی! مجھے لگتا ہے کہ مرا دکو قتل کیا

کے غبارے اڑا رہا تھا۔ یہ پرانی سڑک تھی جو نوئی پھوٹی تھی نہیں، بہت تجھ بھی تھی۔ عموماً اس پر سے بتل گاڑیاں اور تانگے ہی گزرتے تھے مگر بھی بھی ہم جیسے کار کے مسافر بھی اپنی حاکیت کا جھنڈا الہارتے گزرتے تھے تو غریب گاڑی بان ریڑھے والے اور سائکل سوار فور اسڑک چھوڑ کر کچھ میں اتر جاتے تھے۔ حاکم اور ملکوم کسی کے لیے اس میں کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

سڑک پر سامنے سے ایک سائکل والا نمودار ہوا۔ انور کو امید ہو گی کہ وہ کار کے لیے رامتہ چھوڑ دے گا مگر وہ میں وسط میں بڑی تیزی سے آیا۔ انور نے آخری وقت میں اسے بچانے کے لیے بریک لگا کے اسٹریک چھ گھما دیا۔ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد کیا ہوا، زمین پر چلی گئی یا آسمان پیچے آگئی۔ انور نے باعیں طرف گاڑی اور سڑک سے اتار دیا تھا۔ سائکل والا صاف نج کیا تھا مگر باعیں طرف ایک پلیا کی تھی۔ اخنوں سے بنی تمن فٹ، لمبی در ایک فٹ اوپری دیوار جس کے نیچے سے کوئی نالا گز رہتا تھا۔ ایسے نالے جا بجا تھے مگر وہ سارا سال بہت نہیں تھے۔ بھی بارش کا پانی ایک طرف گزھے یا نشیب میں تالاب کی طرح پھر جائے تو رفتہ رفتہ نیچے سے بہہ کر آگئے نکل جاتا تھا۔

گاڑی اس کے اوپر سے انھی اور ہوا میں تھوڑا سا اٹھ کے دوسری طرف الٹ گئی۔ میں نے ریشم کی چیز بھی سنی اور روپی کی بھی۔ میں نے تہ و بالا کر دیئے والی حرکت ختم ہوتے ہی دیکھا کہ گاڑی اٹھی پڑی ہے۔ میں اس کی چھت پر دوسروں کے ساتھ گرا ہوا ہوں۔

جس طرح میں نے چلا کے انور کو روپی کو یاریشم کو پکار کے ان کی خیریت پوچھی، ایسے ہی وہ بھی چلا رہے تھے۔ ہوش و حواس اکٹھنے کے بعد میں نے باہر نکلنے کا راستہ دیکھا۔ چھت کے دبنے سے سب دروازے پھنس گئے تھے۔ لیکن مجھے دروازے سے نکلنے کے لیے شیعہ توڑنے کی ضرورت ہی نہیں تھی وندہ اسکرین تصاویر کے، زبردست جھٹکے سے کہیں باہر جا پڑا تھا اور سامنے کا خلا بالکل، میرے مقابل تھدہ گاڑی سامنے سے اٹھی ہوئی تھی چنانچہ مگر، اور انور تھوڑی سی کوشش سے باہر آگئے۔

انور کے چہرے پر نہ خراشیں نہ لارنیں نہ زخم۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ میرے ہاتھ پر اور ہڈیاں سلامت ہیں اگر جھکوں کا اثر تھا تو ابھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جب میں نے روپی کو نکالا تو وہ سخت وہشت زدہ بھی اور باہر آتے ہی مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بے ہوش ہو گئی۔ ریشم

جانزہ لے کر آجائیں پھر بات کریں گے شام کو۔ ” چودھریوں کی زمین نہر کے دونوں طرف تھی۔ لوگ اسے ندی بھی کہتے تھے۔ کیونکہ یہ سارا سال پانی سے بھری رہتی تھی۔ اس میں چھوٹے بڑے برساتی نالے شامل ہوتے تھے تو اس کا پاٹ کہتے ہیں ندی جیسا ہی ہو جاتا تھا۔ جتنی تاریخ مجھے معلوم ہو سکی تھی، وہی تھی جو پیشتر زمینداروں کی تھی۔ انگریزوں سے ذیڑھ سو سال پہلے یہ زمین انور کے کسی جدا مجدد کو وفاداری کے انعام میں ملی تھی۔ ان سے وفاداری کا مفہوم اہل ہٹن کے لیے غداری تھا لیکن جہاں سب ایک ہی صفت میں لکھرے ہوں، وہاں اچھائی برائی کا معیار خود بدل جاتا ہے۔ دولت مندی سارے اخلاقی اور معاشرتی معیار بنا چکی تھی۔ نہ جانے انعام میں زمین پانے کے لیے انہوں نے کیا کہ ہو گا۔

پہلے اور دوسرے چودھری کی ایک ایک اولاد تھی۔ تیرے کے دو بیٹوں میں زمین نصف تیس ہوئی تو نہر نے مرحد بنا دی۔ ایک آباد اجداد کے پرانے طریقوں پر چلا۔ دوسرے نے دولت و شہرت کے لیے بھری مریدی کو دھندا بنا یا اور اس کی آڑ میں سارے وحدتے شروع کر دیے جو دنیا کی نظر میں غیر اخلاقی اور غیر قانونی ہوں مگر ایک اور دنیا تھی۔ سادہ لوح احتقون کی۔ وہ اکثریت میں تھے اور ہم سائیکل کے قدموں میں اپنی زندگی، عزت و وقعت اور خون پسینے کی کمائی ڈال دیتے تھے۔ انور کا باپ اپنے باپ دادا جیسا ہی رہا۔ عیاش، مغرب، سفاک، شراب و شباب کا رسایا۔ با بربپیں کوش کہ عالم دوبارہ نسبت کے فارمولے پر پھر سال یعنی گیا۔ آگے پھر اس کا ایک بیٹا اسی کا نقش ثانی تھا مگر حادثاتی طور پر اس کو ایک بہت حسین اور ذہین بیڑی مل گئی۔ صرف حسین ہوتی تو کچھ نہ ہوتا مگر ذہین ہونے کی وجہ سے اس نے مجازی خدا کو وقت غائب کیے بغیر ضائع کر دیا اور حقیقی خدا کے پاس بیچھے دیا۔ انور کی مت ماری گئی پڑھ لکھ کے۔ اس نے آباد اجداد کے گناہوں کا کفارہ یوں ادا کیا کہ ساری زمین غلام مزاروں میں بانت دی۔ مرآہ بھی بھی سوا لاکھ کا۔ وہ عرش سے فرش پر نہیں اترتا تھا۔ ایک نئی دنیا میں نئے رشتؤں کے ساتھ اپنی مرنسی کی زندگی گزارنے کے چکر میں تھا۔

کار کی پچھلی سیٹ پر ریشم کے ساتھ روپی تھی اور وہ دونوں بھی اپنے اپنے خیالات، میں ڈوبی باہر کی دنیا کو دیکھ رہی تھیں جو بظاہر بدی ہیں اُنہی پھر بھی بدلتی تھی۔ انور ڈرائیور گ کر رہا تھا اور میں اس کے ساتھ بیٹھا اپنے خیالوں

مکار آدمی

دروازے کی سختی بھی۔ عورت نے دروازہ کھولاتو اس کے شوہر کا جگری دوست ہڑا ہوا تھا۔
”وہ نہار ہے ہم۔“ عورت نے اطلاع دی۔

”کیا میں اندر آ جاؤں؟“

عورت نے ذرا سی جگہ دی۔ اس نے اندر آ کر دروازہ بند کیا اور سرگوشی میں کہا۔ ”جای نہار رہا ہے، موقع اچھا ہے، تم ایک بوسہ دو تو میں تمہیں پانچ ہزار روپے دوں گا۔“ وہ اس عورت کی فطرت سے واقع تھا۔ جانتا تھا کہ وہ دام میں آجائے گی۔

عورت لاپتھی۔ اس نے لمحہ بھر سوچا پھر راضی ہو گئی۔ سودا زبردست تھا۔ شوہر کو ہوا بھی نہ لگتی کہ دروازے پر کیا ہوا ہے۔

عورت کی طرح وہ بھی لاپتھی تھا۔ ایک بوسے سے دل نہ بھرا تو پانچ ہزار روپے دے کر اس نے اسی دام کی دوبارہ پیش کی۔

دو بوسوں کے دس ہزار سن کر عورت کے من میں لہو پھونٹنے لگے۔

اس نے فراغ دلی سے دوسرا بوسہ لیا اور عورت کو مزید پانچ ہزار روپے تھما کر دیں سے روچکر ہو گیا۔

کرارے نوٹ بلاوڈ میں اڑس کر دہ اندر گئی تو غسل خانے سے شوہرنے ہاں کل لگائی۔ ”کون تھا؟“

”بھی آیا تھا... تمہارا جگری دوست!“

”تو کیا وہ چلا گیا؟“ غسل خانے سے بے تابانے سوال آیا۔

”ہاں، چلا گیا!“

”ارے! مجھے تو بتایا ہوتا... وہ مجھے سے ادھار لیے ہوئے دس ہزار روپے لوٹا نے آیا ہو گا۔“

عورت کے حق میں یہاں یک تینی کھل گئی اور اس نے نیم مردہ آواز میں کہا۔ ”دے گیا ہے... وہ مجھے دے گیا ہے لیکن اب اس مکار آدمی سے کہہ دینا کہ ہمارے دروازے پر قدم نہ رکھے... اس کا پتا پھر کے تو فون کر کے تم کو باہر بلالے!“

لا ہور سے زاہد صادق کا تعاون

اندر سے نکالی لئی تو بے ہوش تھی مگر باہر آتے ہی ہوش میں آ کے چلانے لگی۔ ”انور! تم تھیک ہوتا؟“
”پاں، ہاں بالکل تھیک ہوں۔ تم بتاؤ کہاں چوت محسوس ہوتی ہے۔“ ”انور بولا۔“
”پتا تھا۔“ وہ ہانپ کے بولی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

اس ویران اور کم آباد سڑک پر مدد کے لیے نمودار ہونے والی پہلی سواری ایک ریڑھے کی تھی جو گائے تجھیں نوں کا چارا لے کر کہیں جا رہا تھا۔ وہ خود ہی رک گیا۔ چارا نیچے پھینک کر اس نے ای بولینس کی خدمات سنبھال لیں۔ حفظِ مراتب کی وجہ سے اس نے معزز خواتین کو ہاتھ لگانے کی ہمت بھی نہیں لی۔ جب ہم نے ان دونوں کو ریڑھے میں لٹا دیا اور خود بھی سوار ہو گئے تو انور کے حکم کے مطابق اس نے گھوڑے کو اپینہ لگائی۔ اب ہم تقریباً انور کے گاؤں پہنچ چکے تھے۔ بظاہر لوئی نقصان ہوا تھا تو صرف گاڑی کا۔ ہم میں سے کسی کو ہاتھ پر ہیر چلانے میں دشواری نہ تھی اور جسم کے کسی حصے یا بالاں پر خون کا داعغ بھی نظر نہ آتا تھا۔ ”کون تھا وہ حرامزادہ؟“ انور نے بڑھی سے کہا۔ ”کہاں گیا؟“

میں نے نئی میں سر ہلا کے پیچھے سڑک پر دیکھا۔ ”چھڑا دا بن کے نمودار ہوا اور غائب ہو گیا۔“

”ایے منہ اٹھائے سیدھا چلا آ رہا تھا جیسے ہم سائیکل پر ہوں اور وہ کار میں اور پھر بھاگ گیا وہ منت میں... سُور کا بچہ۔ یہ نہیں کہ مدد کے لیے رک جاتا۔“

”وہ ڈر گیا ہو گا کہ چودھری صاحب کحال ادھر دیں گے۔ گاڑی تو پچھا نہای ہو گا۔ تو نے پہلے بھی دیکھی تو ہو گی اس کی صورت۔“

اور نے نئی میں سر ہلا یا۔ ”اب سامنے آئے گا نہیں ورنہ...“

آہستہ سے ریشم نے کہا۔ ”انور میں مر جاؤں گی۔“

”بکومت، ابھی چلتے ہیں اسپتال، گاؤں آ گیا۔“

میں نے روپی کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے پڑی تھی اور آہستہ سے کہا۔ ”روپی۔“

وہ خاموش اور بے حس و حرکت رہی۔ میں نے پھر اس کا نام پکارا۔ انور نے آہستہ سے اس کے گالوں پر چکلی دی۔ وہ نہیں بولی۔ انور نے تشویش سے میری طرف دیکھا۔ اسی وقت ریڑھارک گیا۔ کچھ فاصلے پر چودھریوں کی جگی ہوئی کھنڈ رحویں دکھائی دے رہی تھی۔ اس میں چار

ہلاک کرنا چاہا تھا مگر گولیاں پرانی ہے کے خراب ہو چکی تھیں۔ اس کی میڈیا یکل رپورٹ میں نے نائن ڈیولٹی کی ایک نس سے خرید کر لی تھی مگر اب نہ شاہین تھی اور وہ رپورٹ بھی میرے کسی کام نہ آئی تھی۔ جب رابی کو دہنی کمراد دیا گیا جس میں ریشم بھی تو مجھے وہ بہت پرانی بات پھر یاد آئی۔ وقت بدل گیا تھا۔ اسپتال اب پرانے ڈاکٹر کے بجائے اسی کا بیٹا اور بھو چلا رہے تھے اور اس کی حالت یقیناً بہت بہتر تھی۔ میرے کہنے پر ریشم بھی چیک اپ پر راضی ہو گئی۔

دو گھنٹے بعد ریشم کو ٹکیر کر دیا گیا۔ اسے درد اور انفیشن کی احتیاطی دوا بھی دے دی گئی تھیں۔ روپی داخل رہی۔ ہم اسے چھوڑ کے کپے چاتے۔ تین چار گھنٹے بعد ریشم ہی خبر لائی کہ بڑی ڈاکٹر لی آئی ہے۔ میرے ہل میں ایک اندر یہے کا جو کانٹا چجھ گیا تھا اس کی خلشی بڑھ گئی۔ ممکن ہے ریشم اور انور بھی ایسا سوچ رہے ہوں لیکن کسی نے بھی زبان سے کسی اندر یہے کا انلہار نہیں کیا۔ ہم ویس چار بجے ڈاکٹر کا کے گزارا کرتے رہے۔ بالآخر شام چار بجے ڈاکٹر نے ہمیں اپنے کمرے میں طلب کر دیا۔

"یہ رد بینہ مراد... کس کی بیوی ہیں، آپ میں سے مرادون ہے؟"

میں نے کہا۔ "کوئی بھی نہیں۔ مراد ان کے شوہر تھے۔ ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔"

"اوہ، آپ سے کیا رشتہ ہے؟" وہ تشویش سے بولی۔

انور نے کہا۔ "میری کزن ہے۔ آپ بتا یہیں کیا بات ہے؟"

"کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ مسٹر اور! آپ کی گاڑی کو حادثہ پیش آیا تھا؟"

انور نے اقرار میں سر ہلا کیا۔ "گاڑی اٹھ گئی تھی۔"

"دیکھیے ویسے تو پولیس کیس ہے مگر آپ سے پرانے فیملی ریلیشن ہیں، اس اتفاق پر اب ارشن سے خاصی پر ایم ہو جاتی ہے..."

"ابارش... میں اور انور ایک ساتھ بولے۔

"یہ... لیکن فکر کی بات ثابت ہے۔ ہم سنجال لیں گے۔ ہم نے اسپتال کو ایک جسی بینڈل کرنے کے قابل بنایا ہے۔ خصوصاً گائیک کیس میں... میں خود اسپیشلٹ ہوں۔" اس نے ایک فارم ہمارے سامنے رکھا۔ "اس پر کون سائنس کرے گا؟"

انور نے فارم لے لیا۔ "میر... لیکن یہ کیا ہے؟"

گاڑیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ وہ سب جل کے ملے میں دب چکی تھیں۔ جہاں قلعے جیسے گیٹ پر محافظ پھرے دار کھڑے ہوتے ہیں وہاں نہ دیواریں تھیں اور نہ عمارت کے نشان، بس ملے اور جلی ہوئی لکڑیوں، دھوکیں سے سیاہ اینٹوں اور کالے درختوں کے جھنڈتھے۔ انور کا خیال غلط نہ تھا۔ لاوارث عمارت کے ملے سے چورا چکے کام کی چیز نکال کے لے جا چکے تھے۔

ابھی انور کے لیے بھی موقع نہ تھا کہ وہ اپنے آبائی گھر کے ملن پر آنسو بھا۔ سکے۔ اس کی اور میری یہ بیانی ایک ہی تھی۔ ہمیں جلد از جلد اسی ڈاکٹر کی ضرورت تھیں مگر اس گاؤں میں ابھی تک عام ارض کا علاج ایک پنساری کرتا تھا جو آئے، دال، چاول کے ساتھ ایک الماری میں کچھ عام امراض کے دلکش نہ یا چند انگریزی دوا بھی بھی رکھتا تھا۔ وہ کچھ عرصے سے پہلے شہر کے کسی ڈاکٹر کا کپاونڈ رکھتا اور نکالا گیا تھا یا خود چھوڑ آیا تھا اور اب باقاعدہ ڈاکٹری کر کے گرد نوچ سے پیسا اور شہرت دونوں کمانا چاہتا تھا لیکن یہ دونوں حضرات ہماری لیا مدد کر سکتے تھے۔

تاکہ ریڑھ کے علاوہ ہمارے پاس دو چوائیں تھیں۔ ایک تھیں دو دو، اور سبزی شہر پہنچانے کے لیے پرانی پک اپ خرید لایا تھا۔ وہ شہر گیا ہوا تھا۔ ایک اینٹوں کے بھٹے والے نے پرانا ٹرک خرید لیا تھا۔ وہ دستیاب تھا اور دس منٹ میں دھواں اڑاتا فراہما سامنے آ کھڑا ہوا۔

اس وقت وہ ختنہ ہال ٹرک وی آئی پی ایمبولینس کے طور پر استعمال ہونے کا اعزاز حاصل کر رہا تھا چنانچہ نہ صرف یہ کہ پائلٹ خود اس پر ٹکے کے ساتھ گدے بچا کے لایا تھا بلکہ اتنے کم وقت میں اس نے ٹرک کی سطح پر سے منی وغیرہ بھی جھاڑ دی تھی۔ چودھریوں کے گھرانے کی پرده داری کے لیے عوام کو قریب آنے سے بھی ڈرائیور روک رہا تھا۔ اب روپی اور ریشم دونوں ہی ہوش میں تھیں اور لیٹ کر جانا نہیں چاہتی تھیں مگر ہمارے اصرار پر لیٹ گئیں۔ بیٹھ کر سفر شاید ان کے لیے زیادہ شکل ہوتا۔ ریشم کی چوٹیں ظاہری بھی نہیں تھیں جیسے ہماری... مگر مجھے اندازہ تھا کہ کچھ دیر بعد جوڑ درد کرنے لگیں گے۔ روپی اندر ہونی تکلیف سے دو چار تھی مگر اس کا انلہار نہیں کر رہی تھی۔

اسپتال وہی تھا جہاں چودھری کی فیملی آتی تھی۔ خود ریشم اسی اسپتال میں رہ چکی۔ مجھے وہ ریات یا وہ تھی جب وہ زہر خور الی کے باعث مرتے مرتے بیٹھی تھی۔ اسے شاہینہ نے گندم کے کیڑے مارنے والی زہریلی گولیاں دے کر

”ڈر صرف اس بات سے لگتا ہے کہ تم نہ مجھے چھوڑ جاؤ، مراد کی طرح۔“

”کیسی بات کرتی ہو۔“ میں نے اس کے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ دیا جو کسی نوزائدہ چھوڑے جیسا نرم و نازک اور گرم تھا۔

ڈاکٹر ایک دم اندر آئی تو میں نے روپی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ مسکراتی۔ ”کل پرسوں تک یہ جاسکتی ہیں آپ کے ساتھ۔ ان کے کزن اور ان کی مسیز چاہتے تھے کہ وہ رات کو یہاں پھر جائیں۔ میں نے کہا کہ قطعی غیر ضروری ہے، ہم ہیں نا۔“

روپی نے اچانک کہا۔ ”یہ رک جائیں گے اپنال میں میرے پاس۔“

میں نے اپنی حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔ ”ہاں، ایک بار پہلے بھی رک چکا ہوں میں... میرے لیے کوئی پر اب لمبی نہیں۔“

ڈاکٹر نے سر ہلا�ا۔ ”جیسی مرضی آپ کی۔“ اور باہر نکل گئی۔

مراد ہاؤس سے دو گاڑیاں آئی تھیں۔ ایک انور کو اور ریشم کو واپس لے گئی۔ یہ غالباً سکون آور دوا کا اثر تھا کہ روپی ان کے جانے سے پہلے ہی سو گئی تھی۔ میرے پاس اپنے خیالوں میں بھکلنے کے سوا کرنے کو پچھنے تھا۔ مجھے روپی سے آج ہی صحیح ہونے والی لفتگو یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ سوچ کی ری تیڈ کی مدت بھی آج پوری ہو گئی۔ اور اس نے مجھے ایک نئی بات بتائی تھی۔ ایک خواب کا ذکر کیا تھا جو حقیقت محسوس ہوتا تھا۔ جیسے سے وہ واڑتھی والا بھی مجھے رات ہی لگتا تھا۔ یہ بات بعید از امکان نہ تھی کہ اسے مقصد کے حصول اور اپنی بات منوانے کے لیے روپی کے گروہ لقہ پہلے سے شک کیا جا رہا ہو۔ وہ ایکی اور کمزور لڑکی تھی، اس سے ہر بات منوائی جاسکتی تھی۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ یہاں بھی سامنے جو چھوٹے شیطان تھے ہیں پر وہ ان کی طاقت وہی بھی جس کے ہاتھوں میں اپنی زندگی تقریباً گنوایا بیٹھا تھا۔ ایک بار پھر وہ اور میں آئنے سامنے تھے مگر اس بار جال میں میرے ساتھ ریشم، انور اور روپی بھی گرفتار ہو چکے تھے۔ اصل ہدف اب میں نہیں تھا، روپی ہو گئی تھی۔ مراد سے بچھنے کا صدمہ اس نے بڑی ہمت سے برداشت کیا تھا۔ وہ بھی معمولی بات نہیں تھی لیکن آج تو اس نے میرے اور انور کے تمام اندیشوں کو غلط

”ایک نارملی۔ ہم ہر سرجری سے پہلے لیتے ہیں، روشنیں ہے۔“

میں نے کہا۔ ”آپ اخراجات کی پرواہ کریں اور بلند غیرہ کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔“

”میں دوائی کی خون۔“ ریشم نے گلوگیر لجھے میں کہا۔

”روپی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ڈاکٹر۔“

اس نے ریشم کے کندھے پر پھکی دی اور مسکراتی۔ ”یہ بالکل فکر کی بات نہیں۔“ اور پچھلے دروازے سے اندر غائب ہو گئی۔

ہم بت بنے دیواروں کو گھورتے رہے۔ جسمانی حُزند سے سب تکفیر نظر ہے تھے۔ جذباتی صدمہ صرف روپی کے مقدار میں تھا۔ نجی دوہ ایک سانچے سے جانبر ہونے کی بات کر رہی تھی۔ میرا بھی تھا۔ اس کی یاد تھی۔ اس کی نٹانی تھی۔ ایک امید تھی کہ اس سہارے پر وہ اپنی باقی زندگی حزار لے گی۔ اب اس کے پاس چینے کا کون سا بہانہ ہو گا۔ پہلے اس نے مراد کے ماں باپ کی خاطر اپنے دکھ سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ اب وہ بھی نہیں۔

”اب روپی سیا کرے گی؟“ انور بولا۔

میں چونکا۔ ”معلوم نہیں۔“

”وہ مرجائے گی۔“

میں نے پھر کہا۔ ”معلوم نہیں۔“ اور بے حسی کے ساتھ ریشم کی آنکھوں سے نکلتے خاموش آنسوؤں کو دیکھتا رہا۔

کسی کے پاس کہنے سننے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ شام ہوئی تو ڈاکٹر نے ریشم کو اجازت دی اور وہ روپی سے مل کے دس منٹ میں لوٹ آئی۔ پھر باری باری میں اور انور گئے۔ خلافِ توقع مجھے روپی زیادہ اپ سیٹ نظر نہیں آئی۔ میں نے بیڈ کے قریب کریں کریں پر بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”میں کیا کہوں؟“ میں نے کہا۔

وہ ادا سی سے مسکراتی۔ ”کچھ کہنے سے کیا ہو گا۔ میری زندگی اسکی بھی ہے۔“

”تم بہت بہادر بڑی کی ہو۔ یہ میں ایسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں۔“

وہ بولی۔ ”اکیلا آدمی بہادر نہیں ہو سکتا۔ میری ہمت تم ہو۔ تم نہ ہوتے تو میں کہ کرتی۔“

”بھی تمہاری بہادری ہے تھے تم چینے کے بہانے تلاش کر لیتی ہو۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔“

”اُسکی کی تمیٰ ڈاکٹر کی...؟“
میں نے جیرانی سے کہا۔ ”ماڑی رات کو ہی آگئی تھی
مگر ایسے میں تمہیں فرار نہیں ہونے دوں گا۔“

وہ بولی۔ ”یہاں تمہیں رات کو کیا ملا کھانے کو؟“
”بہت کچھ، تم میرے لیے کیوں فکر مند ہو؟“ میں
نے چڑھ کے کہا۔

”یہاں کیا ملا ہو گا۔ کل سے کافی بھی نہیں پی ہو گی۔“
وہ بولی۔

”حد ہے تمہاری بھی۔ میرے کافی کی نہیں اپنی صحت
کی فکر کرو۔ ہم یہاں پہنچ مٹانے نہیں آئے ہیں۔“

ایک نس ناک کر کے مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔ ”کیسی
ہیں آپ میڈم؟“ اس نے عادتاً سال کیا اور پھر جواب کا
انتصار کیے بغیر بلڈ پریشر اور نپر پریپر و نیرہ کا چارٹ کھول لیا۔
قابل میں انتزی کر کے اس نے کہا۔ ”سب نارمل ہے۔ ابھی
آپ کا ناشا آجائے گا۔“

وہ واپس جانے کے لیے پہنچ ہی تھی کہ روپی نے پوچھ
لیا۔ ”یہاں کینٹین کتنے بجے کھلتی ہے اور کافی ملتی ہے
وہاں؟“

وہ کچھ حیران ہوئی۔ ”مجی میڈم، کینٹین آٹھ بجے کھل
جاتی ہے۔“

”اچھا سے ایک کافی ہے لیے کہہ دو۔“
رس نے خاصاً گرا مانا۔ ”ویکھ جی یہ کال نیل ہے اور
فون بھی اسی لیے ہے۔ کینٹین کا نمبر ڈیل نو ہے۔ میں ابھی
روٹین چیک اپ پر ہوں۔ تو پہنچ ڈاکٹر آئیں گی۔“

دروازہ بند ہوتے ہی میں نے روپی سے کہا۔ ”یہ کیا
بداخلی ہے روپی، تمہیں خیال نہیں کہ اس نے ہے ویٹ نہیں۔
میں یہاں رکا تھا تمہارا خیال رکھنے کے لیے... اتنا تم
میرے لیے پریشان ہو۔“

”سوری۔“ وہ کچھ پشیاں ہوئی۔ ”میں نے واقعی
بے وقوفی کی، اچھا باب کافی کے لیے کہہ دو۔“

”یا میرے خدا! کیا پاگل لڑکی ہے۔“ میں نے فون
اٹھا کے کہا اور ناشتے کے ساتھ کافی کا آر ار دے دیا۔

”تم خفا ہو گئے؟“ وہ مجھے خاموش دیکھ کے بولی۔
”مجھے ایک بات پوچھنا تھی تم سے۔“

”پوچھو، اجازت کیوں لے رہی ہو؟“ میں نے کہا۔

”یہ بتاؤ، لوگ تم پر بھروسہ کیوں کرتے ہیں۔ میں
نے دیکھا انور سے پہلے چاچائی، پھر بامگی، سب سے بڑھ کر
اپامگی، اب یہاں ماماگی، سب تمہاری مانتے بھی ہیں۔ ریشم

ثابت کر دیا تھا۔ عام عورت یوں اپنی مامتا سے محروم ہو
جائے تو اندر سے ٹوٹ کے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ روپی
نے یہ دوسرا درجہ بھی مکون سے کیسے سہہ لیا تھا، مکارا تو خیال تھا
کہ اب وہ جی نہیں پائے گی۔ جینے کے لیے کوئی سہارا تو ہو۔
روپی کی بہن، شاہینہ بھی بہت غیر معمولی عورت تھی۔
صرف حسن و شباب میں نہیں، ذہانت اور جرأت میں بھی۔
لے شک بعد میں یہ ذہانت بھی منقی قوت کے ساتھ فطانت
بن گئی تھی۔ اس کی جرأت مندی ابھی تک میرے دل پر نقش
تھی۔ روپی بھی اتنے ہی مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ بس
اس کے کردار میں ابھی تک ثبت پہلو غالب تھے۔ سوتے
میں وہ زیادہ معصوم لگ رہی تھی۔

اس دی آپی پی روم میں ائینڈنٹ کے لیے ایک
اضافی بیڈ تھا جس پر میں ایک بار پہلے بھی سوکے رات گزار
چکا تھا۔ ساری رات خاموش بیٹھے روپی کو دیکھتے رہنا عملہ
ناممکن تھا۔ دس بجے سے پہلے ڈاکٹر نے آخری راڈنڈ لگایا
اور اپنے اطمینان کا انلہار کیا۔ ”یہ تو نہ سک ایسے ہی سوتی
رہیں گی۔ ہر ایک ڈنڈن کے شاک کا سب سے اچھا علاج
نیزد ہوتی ہے اور یہ تو ڈنڈل شاک تھا۔“

”میں تو اس کے حوصلے پر دنگ ہوں۔“
”حوصلہ صرف نومند پہلوانوں میں نہیں ہوتا۔ آپ
زیادہ پریشان لگ رہے ہیں مجھے تو... دس بجے کینٹین کے
بند ہونے سے پہلے کچھ کھا لیں اور سو جائیں آپ بھی۔“
اس نے جاتے جاتے کہا۔

میں نے ایسا ہدایہ کیا۔ صبح جب آنکھ کھلی تو کھڑکی سے
ہٹے پر دے کی ایک دیڑ سے روشنی کی لکیر اندر آ رہی تھی۔
شاید سورج ابھی طلوع، واتحا کیونکہ اس لکیر میں سنہرے پن
کی جھلک تھی۔ میں نے روپی کی طرف دیکھا۔ وہ جاگ رہی
تھی۔ آنکھوں کی چمک کے ساتھ اس کے لبوں پر بھی ہلکی اسی
مسکراہٹ جملائی۔ ”میں نے زبردست تمہیں روک لیا نا؟“
وہ بولی۔

”مجھے یہ زبردستی اچھی لگی۔“
”مجھے بھی... میں نے سوچا کہ ریشم کے لیے رک
سکتے ہو تو میرے لیے کیوں نہیں رک سکتے، تھینک یو۔“

”ایک طرف اتنی اپنا سیت... دوسری طرف تھینک
یو کا لکف... طبیعت کسی ہے؟“

”بہت اچھی... میرا خیال ہے گھر جلتے ہیں۔“
”ڈاکٹر اجازت دے گی تو جائیں گے اُسکی جلدی کیا
ہے؟“ میں نے کہا۔

میری بھی فون پر ان سے بات ہوئی تھی۔ ہم مردی کے ایک ہوٹل میں تھے۔ وہ رور ہے تھے.... خوشی اور فرطِ جذبات سے۔ اور اس کے بعد جہاں فون ہوتا تھا وہ صبح شام مجھ سے بات کرتے تھے اور دعا میں دیتے تھے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی کیا جذباتی کیفیت تھی اور مراد نے مجھے بتایا کہ کئی نسلوں سے ان کے خاندان میں ایک ہی بیٹا ہوتا ہے۔ جیسے وہ خود تھے۔ کچھ ایسا لگتا تھا کہ وہ خوف زدہ تھے کہ خدا نخواست ایک وسیکی کوئی بات ہو گئی تو دوبارہ کی امید ناممکن ہو گی اور پھر ان کی مرضی کے خلاف واپسی کے لیے چل پڑے تھے۔ مراد کو گھر کی یادتائے لگی تھی۔ ایسے کب تک مسافروں کی طرح پھرتے رہیں۔ وہ کہتا تھا اور بیٹے کو روک نہ سکے تو شاہزادی نے دس حفاظتی انتظامات کے ساتھ سفر کے لیے کہا تھا۔ ایک گاڑی میں ہم... دوسری ہمارے ساتھ حفاظت کے لیے۔ سیکورٹی گارڈ کے بعد تیری میں کوئی لینڈی ڈالنٹ ہو۔ ہے ناممکن خیز بات... مراد بھی ہستا تھا کہ دادا جی کو کیا ہو گیا ہے۔ کتنے پریشیکل آدمی رہے ساری عمر... اب کہہ رہے ہیں آگے پیچھے گاڑیوں میں محافظت اور ڈاٹر ساتھوں۔ جیسے صدر مملکت کی سواری میں ہوتا ہے۔ ان سے کہوں کہ خود آجائیں تو پلے کر... تو بس ہم نے کچھ نہیں کیا اور چل پڑے خود می گاڑی لے کر... ہونی کو بھلا کون ٹال سکتا ہے۔ حادثہ آخر کیوں حادثہ کہلاتا ہے۔

”اب خیال نہیں آتا کہ ان کی مان لی ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ اب تمہارا خیال ہے کہ یہ حادثہ نہیں، قتل تھا؟“
میں نے کہا۔

”میں سو فیصد یقین کے ساتھ خواب کی بات کو حقیقت کیسے کہہ سکتی ہوں۔ لقدر کو تدبیر سے بدلتا ہے کوئی؟ لیکن جو بات تم کو بتانی تھی... یہ تھی کہ مراد تو حادثے میں جانبر نہیں ہوا تھا اور میں نجی گئی تھی... لیکن...“ وہ خلا میں دیکھنے لگی۔

”لیکن کیا؟“ میں نے کچھ توقف کے بعد پوچھا۔
”وہ... تیرا بھی نہیں بچا تھا۔“ وہ دیوار کو ٹھورتے ہوئے بولی۔ ”ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا مجھے۔“

میری نظروں کے سامنے بھلی سی کوندی اور پھر ایک دم جیسے آسمان گر گیا۔ ”تیرا؟“

”ہاں، ہمارا بچہ... اس کی عمر ہی کیا تھی۔“ آنسو اس کی آنکھوں کے کناروں سے نکلتے رہے۔

میرے گرد ایک ڈراؤنی خاموشی سی پھیل گئی۔

تو سب سے پہلے ۰۰۰ اب میں بھی۔“

”شاید اس لیے کہ میں دھوکا نہیں دیتا اور غلط بات نہیں کرتا۔“ وہ مجھے دیکھتی رہی۔ ”میں کچھ بتانا چاہتی تھی تمہیں۔“ اس کے لئے میں چونکا...“ کوئی خاص بات ہے؟“

اس نے اقرار میں سر ہلا�ا۔ ”تم ناراض تو نہیں ہو جاؤ گے مجھ سے جس یہ بات معلوم ہو گی۔ ایک جھوٹ بولا تھا میں نے۔“

میرے کابن کھڑے ہو گئے۔ ”روبی! پہلیاں نہ بھجواؤ مجھے پریشان ہو رہی ہے۔“

وہ پچھا دیر ہونٹ کاٹتی رہی۔ ”میرے جھوٹ کا کسی کو بھی علم نہیں ابھی تک۔ میں اس کو مزید نہیں بھاگتی اور کسی کو بتانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ مراد پھٹ جائے گا۔“

اب میں اتنی پریشان ہو گیا۔ ”اگر اتنی سیریس کوئی بات ہے تو پلیز جسمی بھی مت بتاؤ۔“

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ ”بات اسکی ہے کہ چھپی نہیں رہ سکتی۔ سوچتی تھی کہ کیسے بتاؤں میں ۰۰۰ اب ایک موقع من کیا ہے۔ گھر میں انور ہے، ریشم ہے اور تم ہو۔ باقی دو کے ساتھ پہلے بداعتمادی کا رشتہ رہا۔ وہ بات تو خیر ختم ہو گئی اور کسی کے دل میں، کچھ نہیں۔ مگر ایک تم تھے جو سب کے لیے قابلِ اعتماد تھے اور تم نے میری مدوبھی کی تھی۔ رازداری کے ساتھ۔“

میں نے نہ لگ آکے کہا۔ ”اتنی تمہید کافی ہے۔“

”کہنا مجھے یہ تھا... کہ تم ۰۰۰ میرا مطلب ہے تم سب جو کچھ رہے ہو... وہ حادثہ نہیں ہوا۔“ اس نے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کی واجبی سے کوشش کی۔ ”یعنی گاڑی کو حادثہ پیش ہی نہیں آیا۔ وہ ہم سب کی نظر کا دھوکا تھا یا عقل کا۔“

اس نے سر گھما کے مجھے دیکھا۔ ”مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔“

”اچھا! اپنال والوں نے بھی تمہیں ایسے ہی داخل کر لیا۔ ہم تو خیر تھے پاگل جو...“

”اوہ، تم سمجھتے گیوں نہیں آخر... میں دو مہینے سے زیادہ مراد کے ساتھ رہی اور پہنچنے میں ہم کہاں کہاں گئے۔“

جب واپسی کا وپتھ تھے، سکندر شاہ جی منع کر دیتے تھے۔

جب مراد نے ان کو اطلاع دی کہ وہ دادا بننے والے ہیں تو

ساتھ مال لئی جیسے یہاں ملا لیا، ساری بات بتاؤ کی تو اس نے
میرے احساسِ ذائقے داری اور بُری ہمت کو سراہا۔ ”
”اس احمقانہ حرکت میں تمہاری جان بھی جا سکتی
تھی۔“ میں نے کہا۔

اس نے اقرار میں سر ہلاہا۔ ”ورنہ کوئی ہڈی نوٹی اور
میں پلستر لگائے پڑی رہتی یا معدود رہ جاتی۔ اللہ نے ہی
محفوظ رکھا مجھے ورنہ میں تو خود کسی ہمی سوچ پھکی تھی۔“
میں نے ایک گہری سانس لی۔ ”اگر تم بھتی ہو کہ میں
تمہاری بہادری اور فرضِ شناسی پر تمہیں تمغہ فرضِ شناسی و
ہمت دے دوں گا تو غلط نہیں ہے تمہاری۔“ یہ پاکل پن تھا
خواہ اس کا مقصد تیک تھا۔ کیا ملا آنے سمجھیں... کیا تم نے انہیں
بچالیا؟“

”میں نے کوشش کی۔ باقی اللہ کی مرضی کا مجھے کیے علم
ہو سکتا تھا۔“ وہ خفگی سے بولی۔

”اوے کے، اب یہ بھی بتاؤ کہ مجھے رازداری کے لیے
 منتخب کرنے کا مقصد؟ ریشم کو بتانا زیادہ آسان نہ ہوتا؟“
”وہ خالیِ خانِ نظر وہ سے ڈھنے دیھتی رہی۔“ یہ بھی ہو
سکتا تھا کہ میں کسی کو نہ بتائی۔ یہیں بھی نہیں، مگر میرے
دل پر ایک بوجھ تھا، ضمیر پر تو نہیں۔ میں نے اپنی مرضی سے
کچھ نہیں کیا تھا۔ کسی کا برائیں چاہ تھا۔ اکیلے ہی سب جھیلا
تھا، کیا میں نے خلطی کی تم پر بھروسہ کر کے؟ میرا دل ہلاکا ہو
گیا۔ مجھے پتا ہے تم اس راز کی حفاظت کر سکتے ہو۔ پتا چل
جئے دوسروں کو تب بھی کوئی قیامت تو نہیں آنے والی مگر
میں نہیں چاہتی۔ اسی لیے میں۔ پوچھا تھا کہ سب تم پر
کیوں اعتماد کر لیتے ہیں؟“

میں نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ”اچھا
کیا، اگر اس طرح تمہارا دل ہلاکا ہو گیا تو فکر مت کرو،
تمہارے راز کی حفاظت کر سکتا ہوں میں۔ اب تمہارے
یہاں لینے رہنے کا جواز نہیں بنتا۔“ میں نے کہا۔

”نہیں، اتنی جلدی کی ضرورت نہیں۔ حقیقت میں
نے صرف تمہیں بتائی ہے۔ ڈاکٹر کی جازت ہوئی چاہیے۔“
مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ انور نے صحیح آٹھ بجے فون
کر کے خیریت معلوم کر لی تھی۔ دس بجے وہ ریشم کے ساتھ
پہنچا۔ روپی کو مزید ایک دن رات اپٹال میں گزارنے
تھے۔ اب میری جگہ ریشم نے ڈیوٹی لے لی تو میں انور کے
ساتھ چلا گیا۔ قصور میرا نہیں تھا مگر میں احساسِ جرم کا شکار
ہو رہا تھا کہ میں انور سے اور ریشم سے کچھ چھپا رہا ہوں۔
روپی نے جو کام نیک نمی تھے شروع کیا تھا اس کو بُلا کسی

سنان سیاہ پتھر لیے پہاڑوں کی رات کے نانے میں
سکیاں گوئیں تھے ایس کہ میں جو تھا اور نہیں ہوں... تو میں
کب تھا اور کون تھا؟ میں عندیبِ گلشن نا آفریدہ ہوں...
واہ پچھا غالب... کہاں کی تشبیہِ نکال لائے... جو چمن وجود
میں ہی نہیں آیا، میں اس کی بُبل ہوں۔ ایک خیالی دنیا کی
تخلیق ہوتی تو کوئی اسے آبا کرنے والا بھی وجود میں آتا۔
وال کلاک نے دس گھنٹے بجائے تو میں چونکا۔

”کیوں بولا تھا یہ جھوٹ تم نے؟“

”مراد کے لیے... ماں باپ اس کے لیے سب کچھ
تھے۔ وہ کہتا تھا کہ میری خوشی کے لیے انہوں نے کیا نہیں
کیا۔ سب ماں باپ کرتے ہیں، وہ حد سے زیادہ جذباتی
تھا۔ بہت کچھ کرنا پاہتا تھا ان کے لیے۔ کچھ بھی نہ کر سکا اور
تم نے دیکھا، میں نے کس طرح اپنے دکھ پر صبر کی بھاری
سل رکھدی۔ ان کے سامنے نہیں روئی۔ ان کو سنجا لاء، دلاسا
دیا۔ سوچواں وقت، میں ان کو دوسری بد خبری دے دیتی کہ
ان کا نقصان اس سے کہیں زیادہ ہوا ہے جتنا وہ سمجھ رہے
ہیں، ان کے سامنے، دور کے مستقبل کا سپتا بھی نہیں ہے...
نہ پیٹا ہے نہ پوتا...، وہ اکیلے ہیں، بالکل اکیلے... تو یہ وہرا
صد مہ کیسے برداشت کرتے وہ...؟“

”چنانچہ تم نے سب چھپائے رکھا؟“

”ہاں، جب، وہ اپٹال آئے تھے مراد کی لاش لینے تو
ہوش میں آتے ہی نہیں نے ڈاکٹر سے بات کر لی تھی۔ ان کو
قاتل کر لیا تھا کہ وہ آدھا بیج بتائیں۔ آدھا بھی چھپا لیں۔
پھر چھپا تو کچھ نہیں رہے گا لیکن تب تک ایک زخم مندل ہو
چکا ہو گا۔ سب میں اکیلی اس جھوٹ کا سارا اعذاب جھیلتی
رہی۔ اب تو خیر کوئی بھی نہیں، نہ اس کی ماں، اور باپ کا بھی
ہوتا ہوتا برابر...“

”اور اگر ایسا نہ ہوتا؟“

”ان کے سامنے تو میں اپنا جھوٹ تسلیم نہیں کر سکتی تھی
مگر یہ دن رات کی پریشانی تھی کہ انہیں بتاؤ تو کیسے اور اس
کے بعد کیا ہو گا؟ اول تو وہ مانیں گے نہیں کہ بہورانی اتنا بڑا
جھوٹ بول کر انہیں بے وقوف بنا سکتی ہے۔ اور ماننے کے
بعد ان کا روئیہ کیا ہو گا تو میں نے انہیں یہ دوسرا شاک دینے کا
ایسے ہی سوچا تھا کوئی حادثہ ہو جائے کہ میں جھوٹی نہ بنوں،
آخری بات یہ ہوتی... کہ میں حادثہ کر لیں۔“

”وہ کیسے؟“ میں بے یقینی سے اسے دیکھا رہا۔

”بس کچھ بھی ہو جاتا، میں دوسری منزل کی کھڑکی
سے یا سیزھیوں سے لر جاتی اور پھر ڈاکٹر کو اسی طرح اپنے

جو اوسی

کریں؟ وہ کھڑے کھڑے تو بکنے سے رہا اور قبضہ کرنے والے آج دھمکی دے رہے ہیں، ہماری عدم موجودگی میں اسے چھوڑیں گے؟”
میں نے کہا۔ ”پھر تو نادر شاہ سے سمجھوتا کیے پنا چارہ نہیں۔“

”اس پر ہم بات کریں۔ گے روپی کے سامنے۔“ انور نے گاڑی حوصلی کے کھنڈر کے مقابل روک دی۔ ”ابھی جو میں نے کام روک دیا ہے اور سکندر شاہ کے پرانے کارکنوں کی بھی چھٹی کر دی ہے اس کا ایک ہی مقصد تھا۔ ہم صورت دیکھ کے اندازہ نہیں کر سکتے کہ کون نمک حرام ہے اور نادر شاہ کا زر خرید... اور کون اب بھی وفادار ہے۔ صرف پہنچ کے نہیں گھر کے ملازم بھی بھروسے کے قابل نہیں۔ ابھی ضروری ہے کہ سب کی چھٹی کر دی جائے۔ نادر شاہ سمجھے کہ ہم بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ کاروبار سمیث دیا ہے تو زمین بھی بیچ دیں گے۔ میں تو اپنی زمین تقسیم کر چکا۔ سکندر شاہ ذہنی اور جسمانی طور پر ناکارہ ہو چکا۔ وہ کسی جھڑے میں نہیں پڑے گا۔ میں ریشم کے ساتھ نفل جاؤں گا تو روپی یا سمجھوتا کر لے گی یا وہ بھی چلی جائے گی یہاں سے۔“

”رہ گیا میں تو کسی شمار قطار میں نہیں۔“ میں نے کہا۔

”اس کا بھی تعین ہو گا... روپی نے کہا کہ مجھے یہاں نہیں رہنا، تو میرا تیرا کیا۔ یہ اور اس نے کہا کہ مجھے رہنا ہے یہاں تو میں اس کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔ وہ سمجھوتا کرتی ہے تو کر لے۔ نہیں کرتی تو میں اس کے ساتھ ہوں اور ریشم میرے ساتھ۔“

”اور میں سب کے ساتھ... لیکن انور! مقابلہ طاقت سے ہوتا ہے۔“

انور کی اور میری سچالگ نہیں تھی لیکن مقابلے کی کیا صورت ہو گی۔ اس کا پلان کی ذہن میں واضح نہیں تھا۔ روپی اور انور کا سارا خاندان ختم ہو چکا تھا۔ ان کے لیے مصالحت تھی بقا کی ضمانت تھی۔ میرے ہونے نہ ہونے سے کسی کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں اپنی زندگی کے تحفظ کے لیے ایک بار پھر فرار کا راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ انور کی بات اصولی طور پر ٹھیک تھی اور میں اسے غلط نہیں کہہ سکتا تھا لیکن عملی طور پر وہ سب کیسے ہو گا جو وہ چاہتا تھا یا میں... اس کا میرے پاس جواب نہ تھا۔ طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہی ممکن تھا مگر نادر شاہ کی طاقت کا مقابلہ ہم کیسے کر سکتے تھے۔ یہ مسئلہ جذبات کا نہیں عقل سے کام لینے کا تھا۔

مرا دنگر سے ملا صاف کرنے والی مشینزی منگوائی گئی

ضرورت کے اپے ختم کیا تھا... کیا تھا اگر صرف مجھے بتانے کے بجائے وہ سب کو بتا دیتی۔ ریشم اس کی رازداری کیلی ہو سکتی تھی اور انور کے ساتھ ماضی کا ناخوشگوار تعلق بھی پرانی بات ہو کئی تھی۔ نیز، میں روپی کو سمجھادوں گا کہ جو اعتراف میرے سامنے کیا ہے سب نے سامنے کر لے، اس میں کوئی خرابی نہیں۔ خرابی اس میں ہے کہ ہم چار جو حالات کے منجد حار میں بنتے بھاتے ایک گھر کی چھت کے نیچے خاندان بن گئے ہیں، دوسوں میں تقسیم نہ ہوں۔

انور نے کہا۔ ”کس سوچ میں ہو ملک؟“
میں نے کہا۔ ”پچھے نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔“

”وہ کیا۔ یہ گلی۔ رات بھروسی رہی۔ یہ جو حادثہ کل پیش آیا تھا، خیال میں کیا تھا؟ اتفاق یا سازش؟“
”پہلے تو اس سازش ہے مگر جان اس کی جاتی۔ اس کا امکان زیادہ تھا۔ گاڑی اسے اڑا کے رکھ دتی پھر کل رات، وہ حاضر ہو گیا۔ ہاتھ جوڑ کے معافی مانگنے لگا۔ اسے ڈر ہو گا کہ تلاش کے نتیجے میں پکڑا جائے گا... پھر میں کیا کہتا اسے... ہاں ولی تجھے سے ملنے بھی آیا تھا۔“

”پہنچیں، پچھے بتائے بغیر چلا گیا۔ ابھی تو ہم وہ کام پہلے کریں گے جو کل نہیں ہوا تھا۔ سوچ رہا ہوں کہ سارا اہمیا صاف کر دوں پہلے۔ جو خاندانی نشانیاں بیچ گئی ہیں، ان کو سمیث لوں اور بعد میں پھر کھڑی کر دوں وہ خاندانی حوصلی۔ بس ایک جذبائی خواہش ہے ورنہ دنیا میں کیا رہتا ہے۔ مجھے سے زیادہ یہ ریشم کی خواہش ہے۔ اور ایک بات جو روپی نے کی تھی ریشم سے... وہ ریشم نے مجھے بتائی۔ اس نے کہا کہ اگر اس زمین پر جواب روپی کی ملکیت ہے مراد نگر جیسا کوئی پروجیکٹ کھڑا کرو یا جائے تو...“

میں نے کہا۔ ”دونوں باتیں ٹھیک بلکہ سب ٹھیک... تجھے بلا تاخیر ریشم سے شادی کر لئی چاہیے۔ حوصلی بھی بن جانی چاہیے اور سراونگر جیسا پروجیکٹ بہترین آئندہ یا ہے لیکن ابھی پہلے درپیش ہے نادر شاہ کا چیلنج... ہم نے تو سب کاروبار سمیث دیا ہے۔ سب کی چھٹی کر دی ہے، ہمارے سامنے مستقبل کا کوئی پلان نہیں۔ نہ ہم نے مقابلہ کرنے کا طے کیا ہے پھر ہم کیا کریں گے بھاگ جائیں گے؟ اور یہاں رہیں گے تو کیسے؟“

”بھاگ کے کہاں جائے ہیں ہم اور کیا اس سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہاں جو کچھ ہے ہمارا اس کا کیا

دروازے، سنگورے، برجیاں، کاریڈور جو ہولیوں میں راہداری اور محلوں میں غلام گردش کھلاتے تھے۔ گزشتہ صدی کی یہ ہولی اگر تباہ نہ کی جاتی تو شاید مزید سو سال بعد بھی ایک قابل فخر تاریخی رہا۔ کہا رہتی۔

اس کی تعمیر میں تیراہم پہلو خفیہ راست اور تھانے تھے۔ ایک تھانے خود میں نے ایری میں دیکھا تھا اور انور نے تو وہاں زنجیر کے ساتھ سال سے زیادہ وقت گزارا تھا۔ مگر ان زمین دوز کروں۔ کے علاوہ بھی چند خفیہ خانے تھے۔ کچھ لوگ دیواروں میں فولادی تجویریاں نصب کرتے تھے تو کچھ انہیں فرش کے نیچے رکھتے تھے۔ چودھری صاحب صاحب ٹروٹ تھے۔ انہوں نے بھی اپنے بیٹہ روم میں سہری کے نیچے یہ انتظام رکھا تھا۔ آرڈر پر بنوائی گئی قبر آدم فولادی تجویری تک چونچتے۔ کے لیے سہری کے نیچے کا فولادی دروازہ مخصوص چاہیں۔ کھول کے اوپر اٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے بعد اندر اتر کے مخصوص کوڈ کے ذریعے تجویری کا دروازہ کھلتا تھا۔ یہ کوڈ ہندسوں یا حروف پر مشتمل ہوتا یا دونوں کا مجموعہ۔

انور نے مجھے بتایا کہ زر و جواہر، اینٹوں کی محل میں ڈھلا ہوا سوتا، ہر اینٹ پانچ یادس ڈول کی اور جانکار کے تمام کاغذات اسی میں رہتے تھے۔ اور اس تجویری تک صرف سربراہ خاندان کی رسائی ہوتی تھی۔ اب تک چار نسلوں میں ہر بڑے چودھری نے مرنے سے پہلے یا بہت پہلے ہی سربراہی کے اگلے امیدوار تجویری کے راز سے آگاہ کر دیا تھا۔

”اب تک کسی کی اچانک بوت نہیں ہوئی کہ وہ اپنا دستیت نامہ مرتب کیے بغیر اور تجویری تک رسائی کا طریقہ بتائے بغیر دنپا سے چلا کیا ہے؟“ اور نے کہا۔ ”سو سال کی ہسٹری زیادہ نہیں ہوتی۔ حادثاتی بوت کی ہوائی جہاز کے کریش یا کار کے ایکیڈنٹ میں نہیں ہو سکتی تھی لیکن ہمارے سب آبا و اجداد کے قتل ہونے کے امکانات ہیشہ روشن رہتے تھے۔“

ایک شیمن کے فولادی بازو نے پختہ فرش کو چند منٹ میں او ہیٹر کر کر کھو دیا تھا۔ ملباءہ نے۔ کے بعد کرین نے فولادی تجویری کو یوں کھینچ نکالا جیسے بھی سے۔ علیٰ ڈوری یا نی کے اندر سے چھلی کو نکال لیتی ہے۔ چھفت۔ کے قریب اوپر تین فٹ چوڑی اور گھری تجویری کو گھومنے والے بازو نے انور سے کچھ فاسطے پر ہموار زمین پر رکھ دیا تو مجس شا لقین کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ محلوں کے اسرار تھے جو ان پر بھی افشا

تھی۔ وہ سارا دن انور نے اپنی نگرانی میں کام کرایا۔ اس کے باپ دادا کے زمانے کے مزارع اور ملازم کم نہ تھے۔ پہلے وہ حکم کے غلام تھے اور چودھریوں کے ہر جائز تھا۔ حکم کے سامنے سر جھکاتے آئے تھے۔ ان کے ہر ظلم کو اپنا نوشہ تقدیر کر جھے۔ قبول کرتے تھے۔ اب تقدیر نے ان کی نسلوں کی تاریخ دبدل دیا تھا۔ انور نے انہیں بھی زمین کا مالک بنادیا تھا۔ اس احسان نے انہیں پہلے سے زیادہ مطبع و فرشتہ ہو گیا تھا۔ پہلے چودھری ان کی جان و آباد کے مالک تھے۔ وہ طاقت سے سب کچھ لے سکتے تھے۔ اب وہی لوگ انور کے لیے خود جان دے سکتے تھے۔ خوف کی وجہ احترام آگیا تھا۔ یہ لوگ سارا دن لمبے کے نیچے سے نکلنے والی چیزوں کو انور کی ہدایت کے مطابق ایک طرف رکھتے گئے۔

انور کا جذبائی صد مہ محسوس کرنا فطری بات تھی۔ میں نے اس کی پوری بد کی۔ شام تک ہم نے تباہ شدہ اسباب میں سے کچھ چیزوں کا اختیار کر لیا تھا۔ ان کو انور اپنے والدین کی نشانی۔ کے طور پر محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بھی ہولی پھر تعمیر ہو گی تو ان سب چیزوں کو یادگار بننا کے آنے والی نسلوں کے لیے رکھنا چاہیے۔ یہ محس ایک جذبائی تعلیم تھا۔ بہب انسان خود نہیں رہتا تو پھر چیزوں کی کیا حیثیت ہے۔

رات ہوئے۔ گلی تھی جب انور کو خیال آیا کہ ان تمام خاندانی نوادرات و جو آتش زنی سے نجی گئے تھے، ہولی کے دوبارہ تعمیر ہونے تک رکھا کہاں جائے گا۔ لکڑی یا کپڑے کی کوئی چیز سلامت نہیں رہی تھی چنانچہ تصویریں مع فریم کے غائب تھیں۔ اسباب آرائش اینٹوں کے انبار میں دب کے بر باد ہو گیا تھا۔ اوپر کی چیزیں چوراچکے لے گئے تھے۔ نیچے دبی ہوئی دھنات کی تمام اشیا نیز تھی میز تھی ہو کے ناقابل استعمال ہو گئی تھیں لیکن انور جانتا تھا کہ کام کی چیز کہاں ملے گی۔ اس نے پہلے چودھری صاحب کے کمرے کا ملبہ ہٹوایا جہاں انہوں نے زندگی کے آخری ایام بسر کیے تھے تو وہ کسی اسپتال کا انتہائی نگہداشت کا کمرہ ہو گیا تھا۔ یہی کمرا نصف صدی یا اس سے بھی پہلے ان کا مجلہ عروضی بنا ہو گا۔

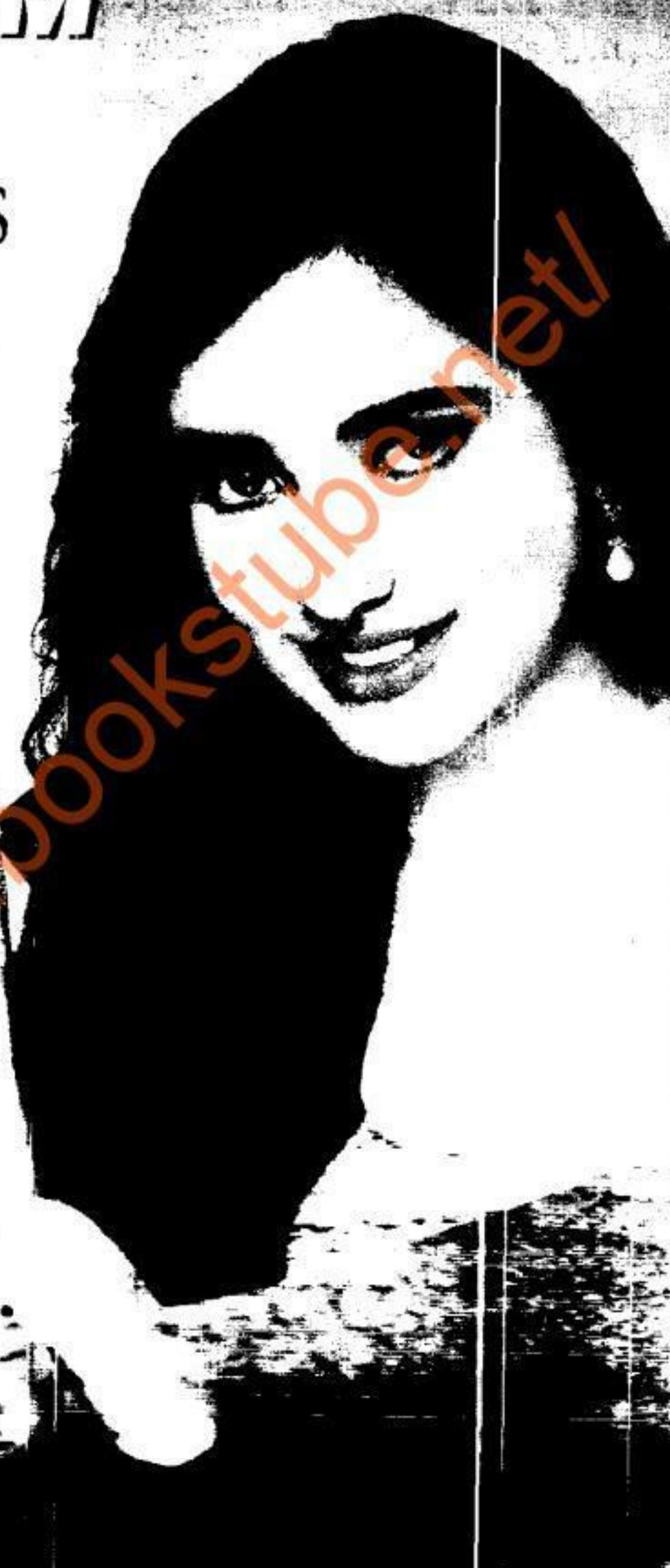
پرانے وقتوں میں ہولیوں کی تعمیر کے انداز میں ظاہری حسن اور شان و شوکت کے بعد مضبوطی کی اہمیت تھی۔ سب میں محلوں کا مشرقی طرز تعمیر ایک سا تھا۔ محرابی جاسوس ڈانجست 182 فروری 2015۔

MEDICAM

Bleach Cream

Whiteness
in 14 days

*No Side Effects



نہیں ہوئے تھے۔

میں نے انور سے پوچھا۔ ”تو کھول لے گا اس تجھوڑی کو؟“

”کھول لیتا، اگر چاہیاں ساتھ رکھتا۔ وہ اماں کے پاس رکھوادی تھیں میں نے۔ اب ان کے کمرے کے ملے میں انہیں کیسے تلاش کروں، کوڈ کا تو پتا ہے۔“

”پھر کیا چاہیاں بنیں گی؟“ میں نے دلچسپی سے اس پُرسار افولا دی کمرے کو دیکھا۔

”مشکل ہے۔ اسے کامنایی پڑے گا۔ بھی ویکھو کچھ لوگ خاک چجان رہے ہیں مگر اس اندھیرے میں تو مشکل ہے۔“

ای وقت ایک دیہاتی اہنی دھوئی سنجاتا دوڑا۔

”لوگی چودھری صاحب! دیکھ لو یہی چاہیاں ہیں۔“ انور نے گرد آلو چاہیاں دیکھ کے سر ہلا یا۔ شاباش، اور جب سے کچھ نوٹ، نکال کر اسے تھاڈیے۔

”یہ سوچا ہے کہ جو سامان تو نے نکالا ہے رکھا کہاں جائے گا؟“ میں نے پوچھا۔

”ایک صورت، تو یہ ہے کہ مراد ہاؤس شفت کر دیں کل... دوسری آسان صورت یہ ہو سکتی تھی کہ یہاں کسی گھر میں رکھ جاتے گریہاں کس کے گھر میں ہو گی جگد... سب کے چھوٹے چھوٹے گھر ہیں اور بڑے ہیں جب بھی خالی نہیں ہیں۔“

”ایک گھر خالی ہے۔“ میں نے کہا۔

”کون سا گھر؟“ وہ کچھ حیران ہوا۔

”ریشم کا گھر۔“ میں نے کہا۔ ”تیری سرال۔“ وہ مسکرا دیا۔ ”اقری یار، خوب یاد دلا یا۔ ووکرے ہیں وہاں آگے پیچھے۔ پیچھے تو ایک ہی چاہیے۔“

اب اس کام کا آخری مرحلہ شروع ہوا۔ انور نے ایک سابق فوجی کی نگرانی میں تین افراد کو مامور کیا جو سارا سامان اٹھا کے لے جائیں صرف تجھوڑی شفت نہیں ہو سکتی تھی۔ انور نے چابی رہا کے تجھوڑی کھوئی۔ چاہیاں تلاش کرنے والا اب لائیں، اٹھائے گھڑا تھا۔ اس نے انعام پانے کے بعد اہنی چادر سے تجھوڑی کی گرد بھی صاف کر دی تھی۔ میں نے بہتر سمجھا کہ لائیں اس کے ہاتھ سے لے کر اسے رخصت کر دوں۔ تجھوڑی سے برآمد ہونے والا خاندانی خزانہ رازداری کا تقاضا رہتا تھا۔

جب انور نے زور لگا کے بھاری دروازہ کھولا تو میں نے لائیں کی تھیں روشنی اندر پہنچائی۔ اس میں کوئی شک نہیں

کہ وہ خزانہ تھا جس کی مالیت کا وہاں گھڑے گھڑے اندازہ کرتا نا ممکن تھا۔ انور نے وہ بوریاں طلب کیں۔ ایک میں اس نے تمام فائلوں اور دستاویزیں کو ڈالا۔ دوسرا میں پہلے نوٹ ڈالے گئے۔ وہ سب بڑے نوٹ تھے۔ جن سے سواد و محن گندم والی ایک تھائی سے زیادہ بوری بھر گئی۔ اس کے اوپر انور نے یوں سوئے، کی انہوں کو صفحہ کے ڈالا جیسے کنکر پتھرے یا ایٹھیں آج بھی دنیا ہصر میں خالص سونے کی سرکاری گارنٹی کے ساتھ فروخت ہے تھیں اور عموماً ننانوے اعشار یہ ننانوے فیصد خالص سونے کی مہر رکھتی ہیں۔ ہر ملک کے خزانے کی اپنی مہر ہوتی ہے۔

انور نے سب سے اوپر طلائی زیورات ڈالے جو پرانی خاندانی بہوؤں کو شادی میں بہتھائے گئے ہوں گے اور خاص خاص مواقع پر پہنچے جاتے ہوں گے۔ اندھیرے میں گھینوں کی چمک سے اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کون سے قیمتی پتھر ہیں۔ میری عقل ماؤف تھی۔ میرے ذہن میں تاریخ کے نادیدہ اور ارق آرہے تھے۔ نہ جانے کس نے کتنے ار، نوں سے یہ خزانہ جمع کیا ہو گا۔ اس میں اضافے پر غرور کیا ہو گا۔ جائز اور ناجائز ذرائع کا اب کون گواہ اور کون راوی۔ کون مدی اور کون منصف... رام رام جپنا پر ایامال اپنا... آدمی دنیا بیٹھ کرنے کے بعد نکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ تو اس خزانے پر غرور کرنے والے بھی سئی کے پیچے ہڈیوں کا پتھر بنے پڑے تھے۔ کیا عالی نسب اور کیا کمی کمیں... مالک، و آقا... قاتل و مقتول... خالم و مظلوم... تیری سرکار میں پہنچ تو بھی ایک ہوئے۔

ہم پرانے گاؤں کے شیخ ساتا، یک راستوں پر سے گزرے۔ ہمارے آکے ایک چھوٹی لائیں اور لائیں لیے چل رہا تھا۔ ہمارے پیچھے تین خاک ٹین لاکھوں یا شاید کروزوں کی مالیت کا خزانہ اور خاندانی نوار اور اس ڈھونکے لارہے تھے۔ وہ منٹ بعد میں اس مختصر سے تاریک احاطے میں داخل ہوا جہاں کوئی پیدلی نہیں آئی تھی۔ سوائے اس کے کہ اس دیرانے میں اب صرف، یادوں کا بسیرا تھا۔ پرانی یادوں کی ایک فلمی آنکھوں کے سامنے لہرا گئی۔

انور نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”چل ورنہ ساری رات گھڑا سوچتا رہے گا۔“

کمرے کی کنڈی میں تالا لگا کے چالی انور کے حوالے کر دی گئی۔ اس مختصر وقت میں جو اتنا مختصر بھی نہیں تھا، اس گھر میں گزرے وقت کا ایک ایک لمحہ فلم کے فریم کی طرح میری نظر وہ کے سامنے تھے گز رہا جا رہا تھا۔ وہ وقت

جوادی

اس نے مجھ سے کہا کہ شاہ جی کا چیک اپ جاری ہے اور بس... ان کواید جست ہونے میں دو چار دن سخت گز ریں گے۔ پھر وہ اس اسپتال یا قید خانے کے ماحول کو قبول کر لیں گے۔ وہ داش روم چلا گیا اور وہ وسرے اسپتال سے خیریت معلوم کرنے کی فتنے داری مجھے سونپ گیا۔

میں نے اسپتال سے روپی کے کمرے کا نمبر مانگا تو گھنٹی بجتے ہی ریشم کی آواز سنائی دی۔ ”کون؟“
میں نے کہا۔ ”وہ نہیں جس کی آواز سننے کا تمہیں انتظار تھا۔“

”بھائی، آپ بھی ناں بیمارا دن غائب رہے، کہاں تھے؟“

”خزانہ سمیٹ رہے تھے۔“ میں نے کہا۔ ”سوٹا، چاندی، ہپرے، جواہرات، ب اٹھالائے۔“

وہ بھی۔ ”کہاں مل گیا خزانہ... پہا کس نے بتایا؟“
میں نے کہا۔ ”تمہاری سرال میں فن تھا۔ یعنی اس حولی میں جہاں اب تمہاری حکمرانی نہیں ہو گی چودھر اُن۔“

”مجھے نہیں شوق چودھر اُن بننے کا۔“

”شوق تو خیر سے بہت ہے مگر اب صبر کے دن تھوڑے ہیں۔ بعد میں انوکھیاں سرال اور جتنا کباڑ تھا وہ دہاں جمع کر دیا۔“

”کیسی بات تکرر ہے ہیں آپ، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی۔“

”اچھا تو انور سے سمجھتا کی اور کی بات کہاں سمجھ میں آئے گی تمہارے، یہ بتاؤ تمہاری کیلی کیسی ہے؟“

”بہت اچھی، لوخو بات کرلو۔“

وہ سرے لئے ردنی کی آواز نے ریشم کی جگہ لے لی۔
”آج کا دن اور رات مجھے زبردستی لیندا پر رہا ہے ذاکر کے حکم پر ایکن اسے میں نے بتاویا ہے کہ کل میں بھاگ جاؤں گی، جیسے میرے سر محترم بھاگے گے تھے۔“

”روپی، آج رات بھی ریشم ہی ہو گی تمہارے پاس... اسے سب بتا دو۔“

وہ سیریس ہو گئی۔ ”کیا بتا دوں؟“

”وہی جو بخشے بتایا تھا۔ انور کو میں بتا دوں گا۔ مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگا کہ تم نے یہ بات صرف مجھے بتائی ہے۔“

”تم کو بتا کے بخوبی اچھا لگا تھا۔ اس میں بر امانے والی کی بات تھی؟“

”میرے لیے ہے۔“ میں نے کہا اور ریسور کے

جب ریشم نے بجھے پانی میں بہتے دیکھا تھا اور لوگوں کی مدد سے نکال کے گھر لے آئی تھی۔ وہ وقت جب وہ میرے ساتھ نصف شب کے بعد پل کے نیچے گئی تھی اور میں نے پانی میں ڈوبے باکس کو غرب طمار کے نکالا تھا۔ لتنی جرأت مندرجہ تھی۔

نہ اس نے پروپا کی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے اور جب لوگوں

نے کہا تھا تو اس نے واپسی پر دلائیں کی تھی، نہ مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے نوف زدہ تھی۔

انور نے مجھے گاڑی کا دروازہ کھول کے اندر دھکیلا۔

”وہاں آ جانا غصی کے میوزیم سے... کیا پتا تھا کہ یہاں بجھے یادوں کے بھوت چھٹ جائیں گے۔“ میں بینچہ گیا تو انور نے ڈرائیور سنجھا۔ ”کیا پھر نورین کا دورہ پڑا ہے۔“

”اب یا رکھ جو زخمی مندل نہیں ہوتے۔ میری بڑی خواہش تھی کہ ایک بار پتا چل جائے، وہ زندہ ہے یا نہیں اور پہا نہیں قدرت نے میرے ساتھ ایسا سمجھنے مذاق کیوں کیا تھا۔ وہ فاطمہ بن کے سامنے آئی اور نبھی پہا نہیں چلا کہ اس کی اصلیت کیا تھی۔ وہ کہاں چلی گئی اور اب زندہ ہے یا نہیں۔“

”میر تو صرف ایک بات جانتا ہوں لہ وہ زندہ ہوتی اور اسے بھی تیراخیاں ہوتا تو وہ بھی نہ کبھی آ جاتی یا اس کے پیغام ملتا۔ اسے تو معلوم تھا کہ تو کہاں ہے، اور تو کہیں گیا بھی نہیں تھا مگر وہ نہیں آئی۔“

”اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ وہ مجھے بھول گئی؟“

”راست، میرا بھی یہی خیال ہے کہ بھولنا تو ناممکن تھا۔ اتنا وقت ملا اسے، وہ آ جاتی اگر زندہ ہوتی لیکن وہ زندہ نہیں ہو سکتی۔ ایسے سمجھنے حادثے میں تیرا صحیح سلامت فیج جاتا، ایک مجرہ تھا۔ اس کی قسم اتنی اچھی نہیں تھی تو ایک فیصد چائی پر زندہ ہے۔ ننانوے فیصد چانس موت کے تھے۔“ اس نے گاڑی کو گیٹ سے اندر موڑ لیا۔

ایک گارڈ نے ذکر میں سے من بند بوری اٹھا کے اندر پہنچا دی۔ وہ کمزور سا آدمی تھا اور اس کے وزن سے لگنے گز کی طرح چل رہا تھا۔ اسے پہا چلتا کہ بوری میں کاٹھ کیا ہے، کروڑوں کی دولت ہے تو پہا نہیں اس کی کیا حالت ہوتی۔ اور نے بے پرواٹی سے بوری کو ایک گوشے میں رکھوادیا اور فون کرنے بینچہ گیا۔ اس نے شیخوپورہ کے ذاکر محسن سے، بات کی۔ میں یک طرفہ گفتگوں کے اندازہ کرتا رہا کہ پہلے دن کی رپورٹ میں الکی کوئی بات نہیں۔ وہ اپنا کام جانتے تھے اور ہمیں صرف سلی دے سکتے تھے کہ ان پر بھروسہ کے مطمئن رہیں۔ دس منٹ بعد ریسور کے جاسوسی ڈانجست 185 فروری 2015ء

مگر سیکورٹی کے انچارج نے کہا کہ وہ معلوم کر کے بتائے گا۔ وہ کچھ دیر بعد اندر آیا اور طلاع دی کہ میرے اس ملاقاتی نے نام بتانے سے انکار کر دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ ملک صاحب مجھے نہیں جانتے۔ وہ کل صحیح آنے کا کہہ گیا ہے۔ میں حیران ہوتا رہا کہ میرا ایسا کون سا پُرسار ملاقاتی آئیا جو اپنا نام بھی نہیں بتاتا۔ زندگی میں دوست کہلانے والے عام طور پر اسکوں کالج کے سامنے ہوتے ہیں مگر ایسا ساتھ تو مجھے کسی کا بھی نہیں بتا تھا۔ جو ملے وہ دشمن ہی بنے یا وہی روز کے نئے بچھڑنے والے۔

خواہش اور ضرورت کے وجود اور اُن شب میں نیند مجھ سے روٹھی رہی اور میں روٹھی بدلتا رہا۔ روپی گھر میں ہوتی تو شاید میں اس سے بھی بھی کوئی خواب آور گولی مانگتا۔ ایسی بہت سی راتیں سپر جب میں نے مصنوعی سہاروں سے سونے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ شاید ایسے ہی لوگ سکون بخش یا خواب آور گولیوں کے عادی بن جاتے ہیں اور پھر ان پر رٹک کرتے ہیں جو وقت پر یا جب چاہتے ہیں سو جاتے ہیں اور تازہ وہ ہو کے اٹھتے ہیں۔ ایک بار پھر مجھے خیال آیا کہ وہ کون ہو سکتا ہے جو ملنے آیا تو مقصود ملاقات بھی نہیں بتایا، نام بھی نہیں، اپنا پتہ بھی نہیں اور فون نمبر بھی نہیں۔

یہ مسئلہ صحیح حل ہوا جب مجھے ایک ملازم نے آہستہ سے دٹک دے کر جگایا اور اطلاع دی کہ کوئی مجھ سے ملنے آیا ہے۔

میں نے گھری دیکھی ہی نہیں۔ باہر صحیح کا اجالا تھا۔ ”اچھا، اسے بخواہ۔ میں آتا ہوں گر اندر لانے سے پہلے دیکھ لیں۔ اس کے پاس کوئی ایک چیز نہ ہو، اسلحوں غیرہ۔“

”وہ تو جناب گارڈ چیل کر لیں گے۔“ ملازم نے کہا۔

”میں آتا ہوں تیار ہو کے۔ اس کے بعد چائے پہنچا دینا۔“ میں نے واش روم کی طرف راتے ہوئے کہا۔

ڈرائیکٹ روم میں داخل ہوئے تک مجھے جس سفر ضرور تھا لیکن خوف کوئی نہیں تھا۔ دشمن اس کا طرح بتا کے نہیں آتے اور چکر نہیں لگاتے۔ شاید کوئی ضرورت مند ہو گا۔ اتنا عرصہ میں چودھریوں کی فیملی کے راتھر اور اب سکندر شاہ کی فیملی کے ساتھ ہوں تو میں کسی کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔

اس کے بعد ڈرائیکٹ روم میں قدم رکھتے ہی جیسے بجلی سی کونڈی اور زلزلہ سا آیا جس نے ساری دنیا کو تباہ کر دیا۔ خود مجھے اپنا وجود یوں خلاں گی محسوس ہوا جیسے کسی بگولے

دیا۔ اسی وقت انور کپڑے بدل کے نمودار ہوا۔ میں نے رکی طور پر اسے مطاع کیا کہ دوسری طرف بھی سب مٹک ہے اور خود بھی نہادھوئے تازہ دم ہونے اور لباس بدلنے چلا گیا۔ مجھے اب سخت بھوک لگ رہی تھی۔

وہ رات بہت سنان تھی۔ مراد ہاؤس میں میرے ساتھ انور تھا اور ہم دونوں اس گھر کے مالک تو کیا باسی بھی نہیں تھے۔ خوست کی ایسی آندھی چلی تھی کہ سارے چمن اجز گئے تھے اور انسان یوں بکھر گئے تھے جیسے خزان رسیدہ پتے جس کے نام پر اس راحت و آسائش کے مسکن کا نام رکھا گیا تھا، وہی سب سے پہلے رخصت ہوا تھا۔ اس کی نشانی رہ جاتی تو امید کی کوچل پوڈے سے بھر بھی بن جاتی گھر وسترا جل نے اسے بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس عالم نے مراد ہاؤس کی مالکن کے لیے دنیا میں قیام کو سزا بنا دیا تھا۔ وہ چلی کئی تو مراد ہاؤس کو اپنی کامیابی اور غرور کی علامت بنا کے کھڑا کرنے والا ہی اپنے حواس میں نہ رہا کہ فخر غرور اور کامیابی جیسے الفاظ کا مطلب، بھی سمجھے... گھر کی بہوجوں میں ہاتھ اور مالک تھی، زندگی رہنے کے سہاروں کی جسجوں میں پاؤں مار رہی تھی۔ مراد ہاؤس میں کسی کی مراد برنا آئی تھی۔

انور کے لیے، اس خیال سے ازیادہ آج کے دن کا تجربہ جذباتی بھر ان بنا ہوا تھا۔ وہ ایک دم جیسے بوڑھا ہو گیا تھا جو اپنے ماپی میں یوں بھٹکتے رہتے ہیں جیسے دیران کھنڈروں میں بدوں میں... وہ چاہتا تھا کہ ابھی وہ بوری کھوئے جس میں اس کے آباؤ اجداد کی ایک صدی کے تمام تاریخی اہمیت کے حامل سو نیڑتھے۔ وہ اکیلا رہ گیا تھا تو اسے بچھڑ جانے والے یاد آرہے تھے۔

کچھ دیر انور کی باتیں بے وہیانی سے سننے کے بعد میں نیند کا بہانہ کر کے اٹھ گیا لیکن اپنے کمرے میں جا کر لیٹنے سے پہلے ہی مجھے خادم نے ایک پیغام دیا۔ ”سرجنی! کوئی آپ سے ملنے آیا تھا۔“

میں رک گیا۔ ”کوئی نام بھی ہو گا کچھ...“

”اس نے کہا کہ وہ کل بھی آیا تھا، میں نے کہا کہ میں کیا بتاؤں سرکار کب۔ اپس آئیں گے، پہا ہوتا تو بخالیتی۔“

”تم نے دیکھا اسے، بات کی اس سے، نہ نام پوچھا اور نہ کام۔“ میں نے بڑھی سے کہا۔

وہ بوکھلا گئی۔ ”سرجنی، گیٹ والے نے بتایا مجھے تو...“

میں غصے میں گیٹ تک واک کر گیا۔ لیکن وہاں ناٹ شفت کی ڈیوٹی والے کھڑے تھے۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا



کہانی میں ایسا ہو جاتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں وہی ہوں۔ نہ فلمی دنیا کا سلمان احمد نہ ولی اور سلمان احمد... جس کے تم نے کپڑے بھی اتار لیے تھے اور جیب میں سے دس لاکھ نکال کر لے گئے تھے۔ وہ صہر میں ایک ویران آسیب زدہ جو یا تھی۔

”مگر میں کیسے مان لوں تم مرے نہیں تھے؟“
وہ کچھ دیر بخوبی دیکھتا رہا۔ ”نورین کو بلا لو... پھاڑ جائے گا۔“

اس نے جیسے جیب میں سے دستی بم نکال کے میرے سامنے پھیک دیا تھا۔ میں پہلے جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ بڑی مشکل سے میں نے ایک لفظ بولا۔ ”نورین۔“

”ہاں، اسے۔ لے جو گئے تھے تم چور، اچھے، ڈاکو، بے ضمیر آدمی، ایک لاش۔ کپڑے اتارنا، اس کے دس لاکھ اپنی جیب میں ڈالنا اور اس کی ہونے والی بیوی کو بھاٹ لے جانا... کوئی شیطان ہی یہ کر سکتا تھا۔“ وہ چلانے لگا۔

”شُ شُ آپ، تم کو فراڈ ہو، سلمان احمد نہیں۔ چلانے کی ضرورت نہیں۔“

”تم نورین کو کیوں نہیں بلا تے آخر۔“ وہ چلا تارہ۔

”اس سے پہلے میں پولیس کو بلاتا ہوں۔ وہ سب معلوم کر لیں گے۔“

اس نے میری بارث ختم ہونے سے پہلے کہا۔ ”ہاں،

محظی پتا تھا کہ تم یہیِ ممکنی دو گے، بلا و پولیس کو۔“

نے کاغذ کے ایک پر زے کوفضا میں اٹھایا ہو۔ کہنے کو وقت کا وہ حصہ بہت مختصر تھا پند سینڈ تھے جو پھیل گراتے ہی طویل ہو گئے جتنے پھانسی کے کنوں میں لگے ہوئے شخص کی جانبی کے لمحات۔

پھر اس نے کھڑے ہو کے کہا۔ ”ایسے کیا دیکھ رہے ہو مجھے؟“ تو اس کے لجھ میں فاتحانہ مخفی تھا۔

”تم... یہ تم ہو؟“ میں نے بڑی مشکل سے کہا۔ ”تم... تم سلمان احمد ہو؟“

”ہاں، اسی۔ لیے تو اپنا نام نہیں بتایا تھا میں نے۔“ وہ میری آنکھوں میں تکھیں ڈالے میری حالت پر مسکراتا رہا۔

”میں، تم مر گئے تھے۔ تم کو مرے ہوئے زمانہ ہو گیا۔“

وہ ہنسا۔ ”مردے زندہ ہونے کا کوئی واقعہ پہلے نہیں سناتم نے؟“

”مردے کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟“ اس نے اتحہ پھیلا کے کہا۔ ”دیکھ لٹھ میں ہوں تمہارے سامنے۔“ وہ بیٹھ گیا۔

میں نے بھروس کیا کہ میرے سارے جسم پر جو نیٹیاں سی رینگ رہی ہیں اور تمہنڈا اپسینا پھوٹ رہا ہے۔ میں بیٹھ گیا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا۔ تم سلمان احمد نہیں ہو سکتے۔ میں نے خود دیکھا تھا تم مر گئے تھے۔“

وہ مسکرا پا۔ ”اور یہ دیکھنے کے بعد کیا کہا تھا تم نے؟ یہ بھی یاد تو ہو گا؟“

”تم کوئی دھوکے باز ہو۔ مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو۔“ میں نے اپا۔

”کوئی بلیک میل کیوں ہوتا ہے آخر؟“ اس نے کہا۔ ”فرض کرو میں اسی لیے آیا ہوں، تو بلیک میل کرنے کے لیے میرے پاس کیا ہے؟ میں یہ الزام تو عائد نہیں کر سکتا کہ تم نے مجھے بلیک کیا تھا۔ کیونکہ میں تو زندہ ہوں۔“ اس نے قہقہہ لگایا جو بالکل فرمی اسٹائل و لین کا قہقہہ تھا۔

اسی وقت ملازم چائے لے کر داخل ہوا۔ اس نے میری حالت، دیکھی اور مہماں کے قہقہہ پر غور کیا مگر خاموشی سے چائے رکھ کے چلا گیا۔

”تمہاری صورت بالکل سلمان احمد جیسی ہے۔ میں مانتا ہوں۔ آواز میں نے بھی سنی نہیں بھی۔ پر ہو سکتا ہے کہ تم...“

”کہ میں اس کا جرواں بھائی ہوں یا ہم مشکل... فلمی“

اس نے چیخ کے کہا۔ ”جمحوٹ آدمی بختی وہ مرگئی اور تو یہ جھوٹ بولنے کے لیے زندہ رہا... مجھے بتا دے نورین کہاں ہے ورنہ میں تجھے جان سے مار دوں گا۔ تیراخون پی جاؤں گا۔“ اس نے ایک زم بمحض پر جست لگائی۔ میں خود کو بچانے کے لیے ایک طرف ہوا۔

میری کہنی میں شدید درد انھا اور چوت میرے سر میں بھی لگی۔ میں نے آنکھیں کاول کے دیکھا تو مجھے چھٹ اور نظر آئی۔ بینڈ میرے بائیں جانب تھا اور میں فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ حقیقت کی دنیا میں واپس آنے میں مجھے دیر نہیں لگی۔ میں انھ کے بینڈ پر بینڈ کیا۔ ٹھیک ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ دیوار کی گھڑی اور میری کلائی کی گھڑی میں نوبختے والے تھے میں کچھ دیر اپنے خواب کو یاد کرتا رہا۔ خواب اور خیال کی دنیا اسی طرح ایک ساتھ تھے جیسے دن اور رات۔ سونے سے پہلے کے خیالات ہی نے خواب کا روپ دھار لیا تھا۔ کبھی خواہش اس طرح خواب میں داخل جاتی ہے جیسے فلم... تو کبھی خوف اور اندر یہ سوتے میں حقیقت بن کے ڈراستے ہیں۔

فضل کے بعد مجھے ناشا اکیلے ہی کرنا پڑا کیونکہ انور بہت پہلے جاگ کے اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ وہ اپنے خاندانی دستاویزات اور نوادرات الگ کرنے کے بعد دولت کا حساب کر رہا تھا۔ ”یار! میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔

”ہاں، میرا بھی یہاں خیال ہے۔“ میں نے کہا۔ ”پھر ایسا ہی میرے ساتھ ہو گا تو کیا نہ تم ایسا کریں کہ جہاں سکندر شاہ صاحب قیام فرمائیں۔ ہیں اپنے لیے بھی جگدے لیں۔ بہتر ہو گا کہ میں سوٹ مل جائے۔“

”شاہ می خیریت سے بیدا، اور ابھی نہ ڈاکٹر کے پاس ہے کچھ بتانے کے لیے... نہ سُبل قریب میں ہو گا۔ روپی نے خوفون کیا تھا وہ پھر تک اسے پلیز کر دیا جائے گا۔ تجھے کیا ہوا؟ نیند نہیں آئی رات کو؟“

”یہی تو خرابی ہوئی۔“ میں نے کہا اور جو خواب میں ہوا تھا بتاب دیا۔ وہ ہستارا۔

”یہ توٹ تو گن لیے۔ میں نے۔ ہے تقریباً چالیس لاکھی رقم... کچھ کم... مگر ترازوں میں ملا سونا تو لئے کے لیے... تجویزی تواب بے کار ہے۔ دوبارہ بھی بیس سب بھی کون استعمال کرے گا۔ لوہا ہے جس کا دل چاہے انھا کے لے جائے۔ سوچ رہا ہوں یہ زیورت اور سونا سب پینک لے جاؤں اور اپنے لاکر میں رکھوادوں۔ ہوتا رہے گا بعد

”تم جانتے نہیں مجھے، میں خود معلوم کر سکتا ہوں تم سے۔ میں تمہاری کھال چھٹ کے گوشت گتوں کو ڈال سکتا ہوں۔ تم ازدرو آگئے ہو، نام نہ بتا کے بھی... مگر اس کے بعد کہاں گئے قیامت تک اس کا سارا غنیمہ ملے گا۔“

”ہاں، مجھے معلوم ہے اور اسی لیے میں پکا بندوبست کر کے آیا تھا۔ میں بتا کے آیا تھا کہ کہاں جا رہا ہوں اور میرے ساتھ کیا ہو سکتا ہے؟ اگر میں واپس نہ گیا تو اس سے کہیں برا ہو کا ملک سليم اختر... جو تم میرے ساتھ کر دے گے ملک سليم اختر عرف خاور، عرف فرید الدین۔“

”اس کے اعتماد نے مجھے محتاط ہونے پر مجبور کر دیا۔“

”اوکے، ہم پوت کرتے ہیں۔“

”اس نے کہا۔“ باقی باتیں بعد میں، پہلے مجھے نورین سے ملتا ہے، اسے بلا وہ۔“

”وہ ابھی نہیں آسکتی۔“

”کیوں نہیں آسکتی، اسے جا کے بتاؤ کہ سلمان احمد آیا ہے۔“ وہ جیلا یا۔

”پاگل کے پتچے، وہ ہوتی گھر میں تو تمہاری آواز پر دیے ہی آ جاتی، مگر وہ ابھی کہنی ہوئی ہے کہیں، مجھے بتاؤ تم یہاں تک کیسے پہنچے؟“

”تمہارے دشمنوں نے تمہارا پتا دیا۔“ وہ بولا۔ ”اور جسے تلاش ہواتے خدا بھی مل جاتا ہے۔“

”ٹھیک ہے، اب بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟“ میں نے

کہا۔

”وہ بولا۔“ اپنا حق، مجھے نورین دو، اور میرے دس لاکھ۔“

”دس لاکھ کے میں بیس دے سکتا ہوں مگر نورین کی بات مت کرو۔“

”کیوں نہ کروں نورین کی بات، اس کے بغیر میری زندگی کوئی زندگی نہیں۔“

”میں نے کہا۔“ اگر وہ زندہ ہوتی تو میں ضرور تمہارے حوالے کر دیتا۔“

”وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔“ کیا؟ نورین زندہ نہیں ہے۔ جھوٹ بولتے ہو تم... بکواس کرتے ہو۔“

”دیکھو آرام سے نیخو... میں بتاتا ہوں۔“

”نہیں سنتا ذمہ کچھ بھی۔“

”میں نے امدادی بات جاری رکھی۔“ ”وہ میرے ساتھ گاڑی میں تھی جب ایک حادثہ پیش آیا۔ پل پر سے گاڑی رینگ توڑ کے نیچے ندی میں گر گئی تھی۔“

جواری

کافتا ہے اور کبھی سو جرم کرتا ہے سب کے سامنے اور سزا پھر بھی نہیں ہوتی۔ سب نصیب کی بات ہے سائیں۔“

”تم چیزے لوگوں نے اس کو نصیب کا نام دے دیا ہے۔ ورنہ نصیب بنا نے والا تو اتنا بے نصاف نہیں ہے۔“ وہ ہنسنے لگا۔ ”لو سائیں، بندہ کیا خود اپنا نصیب لکھتا ہے؟ نصیب تودہ لے کر آتا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”چھوڑ دیہ بیٹ، مجھے کیا کام تھا کہ تم بار بار چکر لگاتے رہے؟“

”آپ رمضان کو جانتے ہو؟“

پہلے میں نے انکار میں ہر ہلا دیا تھا پھر مجھے یاد آگیا۔ ”ہاں، وہ بھی تھا ایک ایسا ہی شخص، جیل آتا جاتا رہتا تھا چھوٹے موٹے جرام میں۔“

”سائیں جیل سب کے لیے جیس ہے، چھوٹا جرم کرو دیا بڑا... وہ ٹھیک ہیں نا جو بڑا جرم کر کے جاتے ہیں اور بھی ان کی بڑی آدمیتی ہوتی ہے۔“

”چلو اگلی بار بڑا جرم کر کے چلے جانا، رمضان کی کیا بات تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”میری رہائی کے آرڈر آگئے، تھے جب وہ مر گیا۔ مار دیا گیا، اس کو اندر چوٹ گئی تھی۔ پیٹ کے اندر، اسپتال بھی دیر سے بھیجا گیا ورنہ وہ فتح جاتا۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔“

اس نے لاٹی میں کسی وارڈن و تھپٹر، روپا تھاوہ اس کورات بھر مارتے رہے تھے۔ اس کے منہ سے بھی خون آتا تھا۔

میں بھی اسپتال میں تھا۔ یہاں کوئی نہیں تھی۔ جیل کے ڈاکٹر نے لکھ دیا تھا۔ میں اور اس کا چھوٹا بھائی ایک کلاس میں پڑھتے تھے۔ سب نصیب کی بات ہے سائیں، وہ بڑا افسر بن گیا پڑھ لکھ کے۔ میرا باپ نہ کرنا تھا اسی میں سب ختم ہو گیا۔ وہ ایک بار جیل کے وزیر کے ساتھ دورے پر آیا تو

میرے کو پیچانا، اس کی مہربانی سے ڈاکٹر ہم کو اسپتال بیچ دیتا تھا وہ بھتی جھیٹیں... اور بھر اچھا عہاں ملتا تھا اور سونے کو

چار پائی۔ تو رمضان نے مجھے بولا کہ وہل ابھی مجھے نہیں لگت کہ میں زندہ بچوں گا۔ تو میرا ایک کام کر... جب تو اور

سے چھوٹے تو ملتاں کی طرف آبک گاؤں ہے مراداں والی... اور چودھری اصغر حولی ہے۔ وہ ہے اور اس

کے دو بیٹے ہیں چودھری اکبر در چودھری انور... انور کا یار ہے ملک سلیم اختر۔ اس کو ملنے، میں نے کہا کہ دور ہے لیکن

میں جاؤں گا اگر بہت ضروری ہے... ایک بھتی بعد وہ مر گیا۔ پھر 23 مارچ کو سب قیدیوں کی سزا میں ایک ایک

سمینے کم ہوا تو میری رہائی ہو گئی۔ در دن لگ گئے مجھے یہاں

میں مالیت کا حساب۔“

”جو لوگ اس درج خزانوں کے مالک بننے پہنچ رہتے ہیں۔ اسی دولت سے خود کو کتنا طاقتور محسوس کرتے ہیں اور پر سکون اور پُر اعتماد رہتے ہیں۔ حالانکہ مصرف کوئی نہیں رکھتے مگر دولت میں انساف کرتے جاتے ہیں۔“ میں نے کہا۔

انور بولا۔ ”میں تو نفیتی مرضیں ہی کہوں گا نہیں۔“ ”نہیں یا ر، ایسی ہی روحتی طاقت ہے اور علم کی طاقت ہے۔ میں تو نہیں جا سکتا تیرے ساتھ۔ مجھے اپنے ملاقاتی کا انتظار ہے۔“

انور ہنسا۔ ”ایک بار خواب میں ڈرانے آگیا۔ اب دن میں کون آتا ہے، ڈرمت پنجے۔“

وہ انور کے جاتے ہی آگیا۔ مجھے گیٹ سے سیکورٹی گارڈ نے مطلع کیا تو میں نے کہا۔ ”اصھی طرح تلاشی لو اس کی پھر آنے دو۔“

اس وقت میرے ایک ہاتھ میں فون کا رسیور تھا جس پر میں روپی سے بات کر رہا تھا۔ اس کا فون ایک منت پہلے آیا تھا۔ انتر کام کا رسیور کھکے میں نے روپی سے کہا۔ ”میرا کوئی ملاقاتی آئیا ہے۔“

”بہانے کر رہے ہو تم... میں نے کہا تھا کہ ہمیں لینے آجائے۔“

”لا ہول ولا قوہ، میں ملاقاتی کو روک کے رکھوں گا تم آکے دیکھ لیتا... اور تمہیں ڈرائیور لاسکتا ہے تو مند کیا ہے؟“ میں نے رسیور کھا اور باہر نکل کے دیکھا تو وہ پہیل اور اور اور دیکھتا آرہا تھا۔ چالیس سال سے اوپر کا کمزور رسیور غریب صورت آدمی جس نے معمولی شلوار قیص پہن رکھی تھی۔ بہت غور کرنے کے باوجود بھی میں اس کوشاخت کے کسی فریم میں فٹ نہ رہ سکا۔

میں نے اسے باہر پڑھی کری پر بٹھالیا اور پوچھا۔ ”تم دوبار پہلے ملنے آچکے تھے کون ہو تم؟ کوئی کام ہے مجھے سے؟“

اس نے کہا۔ ”آپ مجھے نہیں جانتے سر، میرا نام ہے وہل... میرا پور خاص کا رہنے والا ہوں۔ ابھی دو بھتی پہلے سکھر جیل سے رہا ہوا ہوں۔“

سکھر جیل کے نام پر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ مگر میں نے چھرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ”کس جرم کی سزا کاٹ رہے تھے تم وہل۔“

”بھی کبھی جرم بھی نہیں کرتا کوئی بندہ سائیں مگر سزا جاسوسی ڈانجست 189 فروری 2015ء

پر خاصی صاف تحریر تھی اور آخر میں داغ جیسا انگوٹھے کا
نشان تھا۔ رمضان نے لکھوا یا نہ۔
”ملک سلیم صاحب۔“

میرا نام رمضان ہے۔ آپ کو یاد ہو گا آپ ایک بار
میرے گاؤں آئے۔ تھے اور میرے ماماجی سے ملے تھے۔
اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی فاطمہ... آپ نے اس کو درگاہ پر
دیکھا تھا۔ اس پر جن آتے۔ تھے۔ آپ نے اس کو نورین سمجھا
تھا لیکن مامانے پہلے ازارت کیا۔ بعد میں اس کے دل میں لاجع
آیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ملک صاحب اس کے دس
ہزار دیس گے؟ میں نے کہا کہ دیکھ لے ماں، چودھریوں کا
معاملہ ہے ایسا نہ ہو ہماری اشیں کسی درخت سے لکھی نظر
آئیں۔ وہ ڈر گیا۔ اس نے آپ کو ایک کہانی سنادی جو
جھوٹ تھی پھر اس نے معلوم کیا کہ نورین کے ساتھ آپ کا کیا
تعلق تھا۔ ادھر ایک اندر کے بندے نے بتایا کہ وہ آپ کی
گھر والی تھی۔ آپ کی ناڑی میل پر سے نہر میں گردی تھی۔
آپ نہر میں بستے جا رہے تھے کہ غلام محمد کی بیٹی ریشم نے
دیکھ لیا۔ وہ ادھر دوڑ کیوں کے ساتھ کپڑے دھونے کی تھی۔
ادھر ایک جگہ گھنے درخت، ہیں اور جھاڑیاں ہیں جہاں گاؤں
کی عورتیں منگل کے منگل جانا ہیں۔ اس دن گاؤں کے
لڑکے اور مرد ادھر نہیں جاتے۔ ریشم کو دیر ہو گئی تھی اس نے
آپ کو بہتا دیکھا اور پکڑ لیا۔ پنی سے نکالا اور گھر لے گئی۔
اس کے بعد کہا ہوا، یہ میں نہیں لکھتا۔ آپ چودھریوں کے
گھر میں رہے تھے اس نے پہلے ہی سب کو پتا چل گیا تھا کہ
آپ اپنی گھر والی نورین کو تلاٹ کرتے ہو۔

”جیسے آپ وریشم نے زیارات تھا ایسے ہی میرے ماماجی
نے نورین کو ڈوبتا بہتا دیکھا تو پانی میں اتر کے کنارے پر
لے آیا اور کندھے پر ڈال کے لھر لے گیا۔ نورین زندہ تھی
اور ہم نے مل کر اس کے بیٹے سے پانی نکالا۔ اس کو گرم رکھا
اور ہاتھ بھر ملتے رہے۔ وہ اپنی ہم کردا ہے۔ اس کو زندہ رہتا
تھا مولاکی مرضی سے... مگر اس کو کچھ یاد نہیں تھا۔ وہ دون بعد
ہم نے اس سے بہت پوچھا لیکن اسے اپنا نام بھی یاد نہیں
تھا۔ لڑکی بہت خوب صورت تھی۔ میں نے مامے کہا کہ
میرے ساتھ بیاہ دے لیکن اکرنا نے کہا کہ اپنی شکل دیکھ،
کرتا کرتا کچھ نہیں... اسے کہاں رکھے گا اور کیسے چھپائے
گا۔ کیا جواب دے گا کہ کہاں نہ لایا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ
کون ہے تو ماماجی نے اس کو پہنچا سائیں کے پاس پہنچا دیا۔
اس نے بولا کہ ایک جن نہ لڑکی کے دماغ پر قبضہ کر لیا ہے۔
جب تک وہ نہیں نکلے گا۔ اسے کچھ یاد نہیں آئے گا۔ مجھے بھی

آتے۔“ میں سپنس میں وہل پر نظریں جائے بیٹھا تھا۔

”کیوں ملنے کے لیے کہا تھا رمضان نے؟“

”ایک دن اس نے بولا سائیں کے کاغذ قلم لا۔ جو میں
بولوں لکھ، پھر مجھے سنا کر کیا لکھا ہے تو نہ۔ وہ ان پڑھ تھا
اور میں نے سائیں خیر سے وسویں کا امتحان دیا تھا پر نسل ہو
لکھنے کے بعد میں نے اس کو سنا یا تو اس نے بولا کہ ٹھیک
ہے۔ میں نے، اس کے انگوٹھے پر پین کا سیامی لگایا تو اس
نے کاغذ پر انگوٹھا لگا دیا۔ جو میں نے لکھا تھا اس کے پنجے۔
بولا کہ ابھی وہ سے سکی میں نے اقرار کر لیا۔ آگے جو مرضی
مولکی معافی دیوے نہ دیوے... اگلے روز وہ مر گیا۔“
خاموشی کا ایک اور وقفہ آیا، پھر میں نے پوچھا۔ ”کیا
تھا اس کے بیان میں... میرے لیے؟“

وہل نے پرانے سویٹر کے ٹھلے میں ہاتھ ڈال کے
قیص کی جیب سے ایک پرانا میل الگافہ برآمد کیا اور میری
طرف بڑھا دیا۔ ”اللہ کا شکر ہے میرا ذائقے داری پورا ہوا۔“
اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کے آسان کی طرف دیکھا اور کھڑا
ہو گیا۔ ”ابھی میں جاتا ہوں۔“

”میں نے کہا۔“ ایسے نہیں۔ تم نے اتنی دور سے آئے
کی تکلیف کی...“

”یہ کیا تکلیف ہے سائیں، ابھی تو زندگی ایسے ہی
گزری ہے۔ بھی اندر بھی باہر... مار کھاتے اور وحکے
کھاتے۔ اپنے بھی کسی دن ایسے ہی خلاص ہو جائے گا جیسے
رمضان ہوا۔“

”ویکھو، تم جب چاہو یہاں آسکتے ہو، کوئی کام ہے تو
بتاؤ؟“

اس نے نغمی میں سر ہلا کیا۔ ”آپ کا بڑا مہربانی۔“
میں نے نیب میں ہاتھ ڈالا اور پرس میں جتنے نوٹ
تھے سب نکال لیے۔ ”یہ رکھ لو۔“ وہ انہما اپنے سات ہزار
روپے تھے۔

”نہیں سائیں، اس سے زندگی تو نہیں گزرے گی
لیکن میرے کو خیل آئے گا کہ میں نے ایک اچھا کام کیا تو
اس کی بھی قیمت لے لی۔ آپ میرے کو خوش ہونے دو
سائیں... ہم بڑا خراب آدمی ہے۔ بہت گنہگار ہے۔“ وہ
پلانا اور دروازے کی طرف چلنے لگا۔

میں نے اسے گیٹ سے نکل کر نظر سے او جمل ہوتا
دیکھا اور لفافے کا کھول لیا۔ اندر فل اسکیپ سائز کے صفحے

جواری

طرح... وہ صندوق کب کھلے؟، نبیر پتا۔ سال دو سال... دس سال یا ساری عمر نہ کھلے۔ اور کافی کھل جائے۔ صحیح تھے تو سب یاد آجائے۔

”وہ فاطمہ بن گئی تھی اور ہم اُدھر آرام سے رہ سکتے تھے مگر ماں کے ول میں بھی لاج تھا اور مجھے بھی اسی محنت کرنے کی عادت نہیں تھی۔ پھر ایک بندہ فاطمہ کے پیچھے لگ گیا۔ اس کی دواویں کی دکان بھی باہر اور اندر اس کا باپ خون نیست کرنے کا کام کرتا تھا۔ ایک رات وہ دو بدمعاش دوستوں کے ساتھ فاطمہ کو اٹھانے آئی۔ میں نے اس کے سر پر پتھر مارا، میر بھر کا۔ اور کچھ نہیں ملا تھا مجھے... اس کا سر پھٹ گیا اور خون بھل بھل بینے لگا۔ اس کے دوسرا تصویں نے اسے سنجا لانا اور ہم سب کچھ چھوڑ کے بھاگے۔ پیچھے سے دیوار کو دیکھنے۔ اُدھر سے سڑک لز رتی تھی اور پھر ریلوے کا احاطہ تھا۔ وہاں ٹرینوں کو دھوتے تھے۔ اُدھر سے ہم اسٹیشن پہنچے اور گاڑی میں بینو گئے، نگٹ ایسے بغیر... پتا نہیں کون ہی گاڑی تھی۔ تین دفعہ پکڑے گئے وہ اتارے گئے۔ پھر کسی گاڑی میں بینو گئے جاتے تھے۔ اس طرح لاہور پہنچ گئے۔

”ابھی بات تو بہت لمبی ہے۔ ہم ایک ہفتے داتا دربار کے احاطے میں ڈرے رہے۔ کھانا مل جاتا تھا۔ ہر روز سیکڑوں ہزاروں لوگ آتے جاتے۔ کمیتھے تھے۔ فقیر بہت تھے مگر فاطمہ فقیر نہیں لگتی تھی۔ اس پر بے کی نظر پڑتی تھی پھر ایک شخص آیا۔ اس نے فاطمہ کے بارے میں بات کی کہ وہ اس کو فلموں میں چانس دلو سکتا ہے، کیونکہ وہ بہت خوب صورت ہے۔ اس کے تعلقات، فلم بنانے والوں سے ہیں۔ مامانے بڑی ہوشیاری دکھائی۔ وہ اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتا تھا۔ اس نے کہا کہ فاطمہ اس کی بیٹی ہے اس کی طرف سے بات وہ خود کرے گا۔ وہ آدمی اگلے دن آنے کا کہہ کیا۔ ماما کو کچھ معلومات تھیں۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تو تصدیق ہو گئی کہ فلموں میں فاطمہ لاکھیں کمائے گی۔ وہ شخص اگلے دن آیا اور اس نے ماما کو پہچاں ہزار روپے دیے اور کہا کہ وہ رات کے وقت پھر آئے گا اور ہم سب کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ فاطمہ کا معاہدہ ایک لامھروپے کا ہو گا دوسرا فلم میں دو لاکھ ہو گا اور تیسرا میلین لاکھ۔

”واتا صاحب کے لئے نکریں قیم کے لیے دیک پکا کے فروخت کرنے والا ایک شخص بھی فاطمہ سے شاوی کرنا چاہتا تھا حالانکہ اس کی بیوی تھی۔ اس نے بھایا کہ یہ کوئی دھوکے پاؤز ہے۔ تین لاکھ میں پوری فلم بتتی ہے۔ پچاس ہزار بھی وہ نہیں دے گا۔ آج تک کسی وہی فلم کا اتنا معاوضہ نہیں

معلوم تھا اور ماما جی کو بھی کہ اُدھر جن اتارنے کے نام پر کیا ہوتا ہے۔ لیکن لڑکی کو واپس لانا مشکل تھا۔ اُدھر آپ نے بھی اسے دیکھا۔ مامانے اس کا نام فاطمہ بتایا تھا۔ اس نے بھی آپ کو سیکھی بولا۔ ابھی اللہ معاف کر۔۔۔ میرا نام پورا ہو گیا ہے تو جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ... میں نے اور ماما جی نے مل کے کئی لڑکیاں اُدھر پہنچا گیں... آٹھ سال سے بارہ تیرہ سال کی سات اور اس سے چھوٹی بارہ... تین چار سال کی... بڑی عمر کی لڑکیاں اسی نام پر ہوتی تھیں۔ آسانی سے قابو نہیں آتی تھی۔ اس کے تھیں بھی سات تو بھی آٹھ ہزار ملنے تھے۔ دس بھی ملے تھے، ایک بارہ... رنگ روپ اور جوانی کا حساب تھا۔ بڑی عمر کی لڑکی پر خرچ کم ہوتا تھا اور قیمت زیادہ ملتی تھی۔ چھوٹی عمر کی لڑکی کے چار پانچ مل جاتے تھے۔ پھر چار سال کے لڑکوں کے دو دو ہزار ملنے لگے تو ہم نے بہت پہنچا گئے۔ جنیل میں ایک بندے نے مجھے بتایا کہ لڑکے دہنی جاتے ہیں۔ اُدھر اونٹ کی ریس ہوتی ہے تو یہ تین چار سال والے بچے اونٹ کے ساتھ باندھتے ہیں۔ اونٹ دوڑتا ہے تو ڈھوں بجاتے ہیں۔ بچے ڈر کے چلاتے ہیں، روٹتے ہیں۔ تو اونٹ پریشان ہو۔ کے تیز دوڑتا ہے۔ بچے اور چلاتے ہیں۔ سنہ بہ دہشت سے مر جی جاتے ہیں۔

”خیر جناب ماء۔ اُدھر و رگاہ سے فاطمہ کو نکال لایا۔ اس کا اپنا ایمان خراب ہو رہا تھا۔ اس کو پتا تھا کہ اتنی خوب صورت لڑکی بہت قیمتی ہے۔ مجھے سے کہتا تھا کہ فلموں میں جائے گی تو لاکھوں کمائے گی۔ بس اس کا دماغ ٹھیک ہو جائے۔ ماما کو بھی پتا تھا کہ درگاہ سے لڑکی غائب ہو گی تو اس کی خیر نہیں۔ دس ہزاروہ پہلے ہی لے چکا تھا۔ ہم اسی رات گاؤں سے بھاگ گئے، کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔ سید ہے پہلے کراچی گئے اور اُدھر بہت بڑا سرکاری اسپتال ہے، جتاج اسپتال... اس میں دماغ کا علاج بھی ہوتا ہے۔ ایک بہت نیک اور مہربان ڈاکٹر مل گیا۔ اس نے بولا کہ ٹھیک ہو جائے گی لیکن نامم پر ڈاکٹر مل گیا۔ ماما نے پوچھا کتنے دن؟ اس نے کہا کہ ہفت یا میئنے بھی لگ بکتے ہیں۔ اس نے اسپتال کے اندر رہنے کی جگہ دلوادی۔ ”خر میں ایک کمرے والے کوارٹ تھے ماما کو ایک دلوادی میں صنائی پر لگا دیا۔ مجھے اپنے ساتھ جمپہ اسی بنالیا۔ تین ہفتے میں فرق پڑ گیا تھا۔ وہ بات صحیح تھی اور ٹھیک جواب دیتی تھی۔ اس کو اُدھر بات یاد رہتی تھی۔ لیکن پرانی کوئی بات یاد نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے بولا کہ ایسا ہوتا ہے۔ اب یہ جو دیکھے گی، نے گی پڑھے کی سب یا اور ہے گا۔ لیکن اس سے پہلے کا کچھ پہنچیں۔ اس کے دماغ میں ہے مگر بند صندوق کی جاسوسی ڈائجسٹ 191 فروری 2015

کریں۔ اسے اندازہ تھا کہ لاہور میں وہ کہاں نظر آسکتی ہے اور کون لوگ اس کے بارے میں بتاسکتے ہیں۔

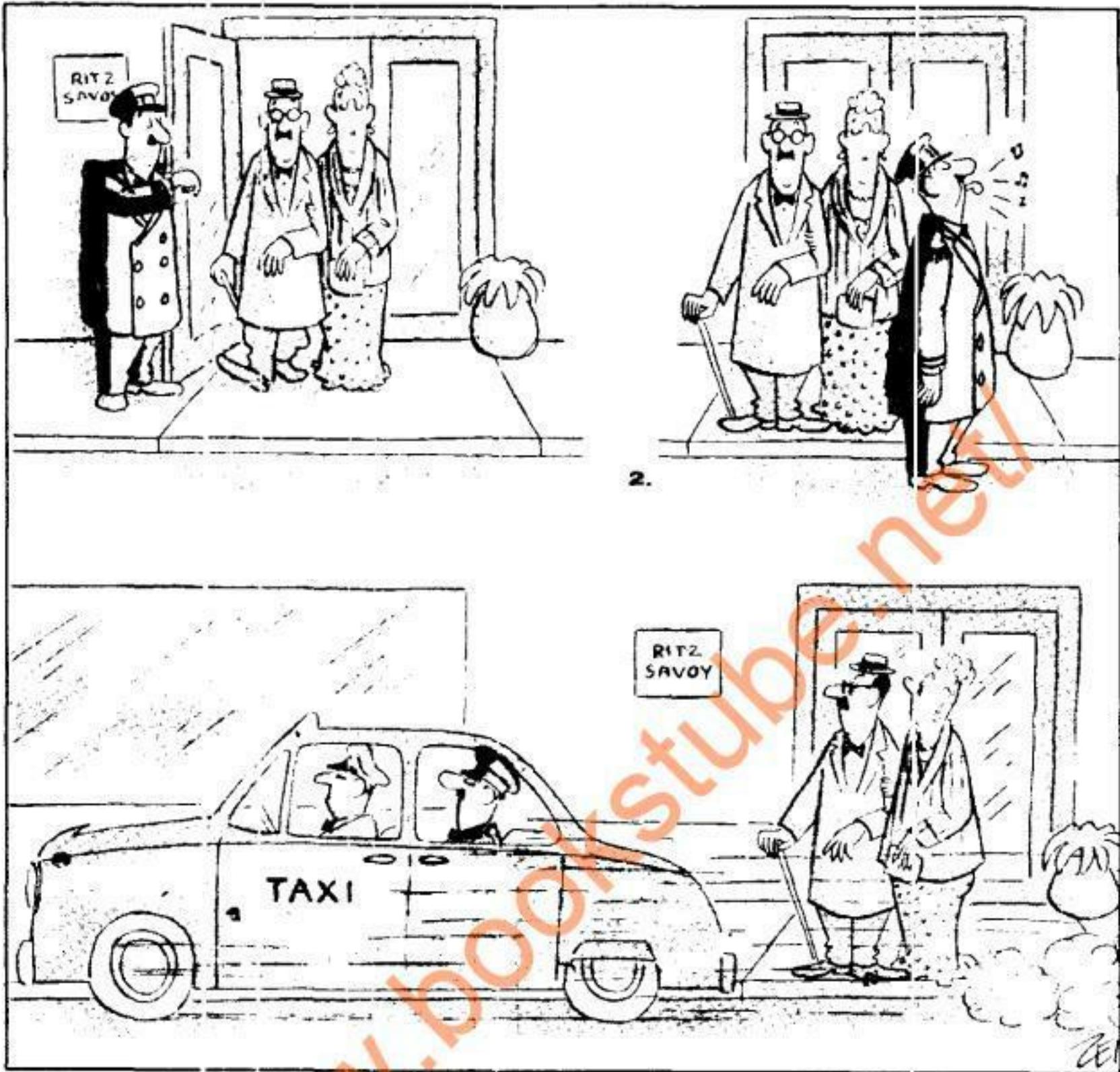
"مگر ہماری رہائی نہیں ہوئی۔ دوسرے تھانے دار نے معلوم کر لیا تھا کہ ہم کو ان ہیں۔ وہ ہمیں اپنے کام سے لگانا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کیا تو اس نے پرچا کائٹ کی دھمکی دی۔ ہم نے مجبوراً اس کے لیے الگ الگ کام کیا۔ ماما کو اچھرہ کا علاقہ ملا جہاں۔ وہ بھت اجع کرتا تھا۔ مجھے لکھی کا... وہاں دو میینے بعد میں نے فاطمہ کی تصویر دیکھی۔ ایک بلڈ گنگ پر بہت بڑا بوئر تھا۔ بہت سے اداکاروں کے ساتھ فاطمہ کا چھرہ بھی تھا۔ قلم کا نام "فنا" "شیر پنجاب دا گجر" میں اوپر گیا تو کوئی نہیں تھا۔ ایک بندے نے بتایا کہ رات کو آتے ہیں سب... کیا کام ہے؟ میں نے کہا کہ فلم میں کام کرنے کا شوق ہے۔ پھر میں راست کو وہ کھڑا رہا۔ میں دن بعد میں نے فاطمہ کو دیکھا۔ وہ گاڑی سے اتری اور اوپر چلی گئی۔ اس کے ساتھ لٹھنے کی شلوار قیصر، کالی واںکٹ اور موچھوں والا بھاری شخص تھا جس کے لیے ذرا سیور نے دروازہ کھولا تھا۔ میں مجھے گیا کہ فاطمہ اسی نکے ساتھ ہے۔ میں اس سے فاطمہ کو لے نہیں سکتا تھا۔ میں نے گاڑی کا نمبر لکھ لیا۔ لاہور میں رہ کے میں سیاہ ہو گیا تھا مگر، ماما کو پکنے نہیں بتایا۔

"میں اوپر جاتا تو بہت، مار پڑتی۔ وہ لوگ میری ہڈیاں توڑ دیتے۔ میں سوچتا رہا کہ کس طرح فاطمہ سے ملوں پیاس سے پیغام پہنچاؤں۔ نہیں اندازہ تھا کہ میرا پیغام یا میری ٹھکان دیکھ کے وہ خوش نہیں ہوئی۔ اسے لاہور لا کے اس دلدل میں گرانے والے ہم ہی تو تھے۔ شاید وہ مجھے پڑواتی یا جھوٹے الزام میں بند کرائی۔ میں گاڑی کا چھا کرنے کا سوچتا تھا تو بے قوفی لکھ تھا۔ وہاں رکشا تھے۔ وہ اتنی بڑی گاڑی کا کیسے چھا کرتے۔ پھر کیوں کردوں؟ دن میں کسی وقت آکے اس جگہ کافون نمبر لوں اور چچھوں کہ یہ گاڑی کس کی ہے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ یخے اتری اور اس عیاش صورت رہیں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کے چلی گئی۔ اب میں نے اس کا چھرہ دیکھا اس کے کپڑے پر بہت سی تھے اور میک اپ میں وہ بالکل پری لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ اکثر چلنے والا بالکل بھوت لگتا تھا۔

"اس سے پہلے کہ میں وہاں سے ہتا، ایک حادثہ ہو گیا۔ ایک گاڑی نے کسی سائیکل والے کو مارا اور رکے بغیر وہاں سے فرار ہو گیا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ سائیکل والے کو پچھے لوگ اسپتال لے گئے کیونکہ وہ خاصاً خنی تھا۔ میں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ گاڑی والا تو

ملا۔ اس نے ماما کو لائچ دیا کہ فاطمہ کی اس سے شادی کر دے تو وہ ماں کو بھی پچھلی طرف کے بازار میں دیگر لگوادے گا۔ جو لوگ دیگر چڑھاتے ہیں اسی بازار دیگر لیتے ہیں اور اس کام میں بڑا فائدہ ہے۔ ماما نے کہا کہ میں تو پچاس ہزار لے چکا ہوں تو اس نے کہا کہ وہ واپس کر دینا۔ مگر ماما نے بھی اور ہمیں سوچا تھا۔ ہم رات کو وہاں سے نکل کے غائب ہو جائیں... وہ بے دوف ہمیں کہاں تلاش کرے گا۔ اس نے تو پچاس ہزار دیے اور رسید بھی نہیں لی۔ لاہور اتنا بڑا ٹھہر ہے ہم را لوپنڈی بھی جو سکتے ہیں۔ لیکن بے دوف خود ماما نقا۔ جیسے ہی ہم نکلے ایک شخص اندر ہیرے میں سے نکل کے آگئا۔ اس نے کہا کہ ہمیں لے جانے آیا ہے۔ فاطمہ کا انگریز نہ ہو گا۔ ماما کا خیال تھا کہ ہم نے نکلنے میں دیر کر دی لیکن ایسا نہیں تھا۔ رسید دینے والا ہوشیار تھا، اسے ڈر تھا کہ یہ لاوارٹ لوگ پچاس ہزار لے کر بھاگ نہ جائیں۔ پچاس ہزار تو ہمیں روکنے کے تھے۔ پکڑنے کے لیے اس نے بندے بے باہر کھڑے کر دیے تھے۔

"ہم ایک گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی پہاڑیں کہاں کہاں سے گزریں۔ ایک جگہ اس نے کہا کہ گاڑی خراب ہو گئی۔ وہاں ایک سے بڑھ کر ایک کوئی تھی۔ اچانک نہیں سے ایک اور بندہ آیا۔ اس نے ماما کو ٹھیک کے باہر ڈالا جو ہمیں لے کر جا رہا تھا، اس نے مجھے ٹھیک لیا۔ ایک نے ماما کے سر پر کوئی چیز ماری۔ دوسرے نے میرے سر پر ۰۰۰ فاطمہ کے چھنخ کی آواز میں نے سنی تھی۔ ہم وہاں سڑک پر پڑے رہ گئے اور وہ فاطمہ کو لے کر چلے گئے۔ معلوم نہیں کہاں۔ ماءے کی اپنی بیٹی ہوتی تو وہ شور کرتا۔ پولیس کے پاس جاتا مگر اب ڈر تھا کہ خود نہ پکڑا جائے لیکن نقصان بہت ہوا تھا۔ وہ جاتے وقت رقم بھی چھین کر لے گئے تھے۔ ماما شکایت درج کرائے تھا نے چلا گیا۔ وہاں اتنا ہوا۔ ہماری کسی نے نہیں سئی۔ ہمیں ہی تھا نے میں بند کر دیا۔ ہم اپنا نام پکڑ کچھ بھی صحیح نہیں بتا سکے تھے۔ ہم آوارہ گرد مغلکوں ہو گئے۔ تھانوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا تھا بلکہ بھگتا تھا۔ کوئی ہمارا ہوتا تو پیسے دیتا اور چھڑا کے لے جاتا۔ روز چھتر دل ہوتی تھی۔ پھر ایک تھانے دار نے کہا کہ سچ بتاؤ کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ میں نے بتا دیا۔ اس نے پوچھا کہ فاطمہ کی تصویر ہے کوئی۔ ہمارے پاس نہیں تھی۔ اس نے کہا کہ لڑکی تو گئی۔ وہ نہ فلموں میں آئے گی نہ کوئی پر نظر آئے گی ابھی... وہ کوئی نہیں میں اور بڑے بڑے ہو ٹلوں میں چلے گی۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم اس کے ساتھ فاطمہ کو تلاش جاسو سی ڈانجست ۱۹۲ فروری ۲۰۱۵



~~ڈیوٹی نام ختم... بیکسی میں نے تمہارے لیے نہیں پہنچ لیے رکھی!~~

صورت دیکھی، آگ بولا ہوئی .. مجھے الیاں دینے لئے۔ میں نے ہاتھ جوڑے اور منت سماجت کی کہ خدا کے لیے میری بات سن لو۔ ورنہ وہ مجھے نوکرول سے باہر نکلوا دیتی اور میری ایک نہ سنتی۔ وہ مجھ سے اور ماں جی سے بہت سخت ناراض تھتی۔ میں نے کہا کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں، یہ سب لاپچی ماما کی وجہ سے ہو اور نہ میر تو اس کی منت سماجت کر رہا تھا کہ تم سے میری شادی کرو۔۔۔ میری بات کافاً کمہ کچھ نہیں ہوا۔ وہ روٹی رہی کہ ہم نے اس کو پیچ دیا ہے اور یہ

بھاگ میا اگر یہ زخمی مر گیا تو پوپیس اسے کیسے پکڑے گی۔
اس شخص نے بتایا کہ گازی کا نمبر دیکھ لیا گیا تھا اور نمبر کی مدد
سے اس کا نام پہاڑ بیانے گا۔ میں نے طریقہ سمجھ لیا اور
ویاں جا پہنچا جہاں فاطمہ اس عیاش دولت مند کے ساتھ رہتی
تھی۔ کوئی کا دروازہ بزر ہتا۔ اندر ایک ستری کی چوکی تھی۔
میں نے اس سے پوچھا تو تصدیق ہو گئی کہ فاطمہ اندر رہی
تھی۔ دروازے پر اس کوئی کے مالک کا نام شیخ گزار لکھا
ہوا تھا۔

بڑے طاقتو ر اور بد معاشر لوگ ۔ ہیں ۔ ان کے چنگل سے چھینکا رانا ممکن ہے ۔ تم جاؤ اور اپنے اک ما ما کو بھی کہہ دینا کہ مجھے اس کی شکل بھی دکھانی دی تو مجھ سے، برائوئی نہ ہو گا ۔

ہمت کر کے میرا نے چوکیدار سے کہا کہ نیکم صاحبہ کو
یہ کہہ دے کہ اس کے ٹاؤں مراداں والی سے کوئی ملنے آیا
ہے۔ بہت دیر بعد چوکیدار نے اندر سے آنے والے کسی
مطلوبہ کے ذریعے پیغام پہنچایا کیونکہ وہ خود گیٹ نہیں چھوڑ
سکتا تھا۔ فاطمہ نے مجھے بلوالیا مگر جیسے ہی اس نے میری

آخر کو ایک بڑی ریشم نے پالیا تھا اور اب وہ مراداں والی کے چودھری انور کی دو طیبیں رہتا ہے۔ اسے کچھ یاد نہیں آیا۔ نہ حادثے کے بارے میں اور نہ تمہارا نام... ہوش میں آنے کے بعد کی ساری باتیں اسے یاد نہیں۔ میں نے پوچھا کہ تمہیں کیا بیماری ہے۔ وہ بولی کہ بیماری کوئی نہیں... جو زندگی میں گزار رہی ہوا وہی سب سے بڑی بیماری ہے... یہاں میں کسی سے ملنے آئی تھی۔ جو شخصی والا یونچ کھڑا ہے وہی مجھے واپس آجائے گا۔ آج وہ شخص نہیں آیا جس سے مجھے ملتا تھا تو میں نے تمہیں بلا لیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا تم اسی کوئی میں رہتی ہیں۔ جہاں میں پہلی بار تم سے ملنے آیا تھا تو وہ رومنے کے تربیب ہو گئی۔ اس نے کہا کہ اب وہ ہر روز کوئی بدلتی ہے لیکن اس وزیر سے ساتھ آجائی تو اچھا ہوتا۔ میں نے کہا کہ اب چلو میرے ساتھ تو اس نے انکار میں سر ہلا دیا کہ اب ناممکن ہے، اور اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

اسی وقت ایک دبلا پتا اُجھا شخص اندر آگیا اور مجھے گھورنے لگا۔ پھر بولا۔ "حسن، بانو یہ کون ہے؟"

"فاطمہ نے کہا کہ بھلی شمیک کرنے والا ہے۔ اس شخص نے چکلی بجا کے کہا کہ جل، پھٹ اگر کام ختم ہو گیا ہے۔ میں یونچ اتر آیا بس وہ فطرہ سے آخری ملاقات ہمی۔ پھر دو مینے تک میں وہاں جائے کے کھڑا ہوتا رہا مگر وہ نظر نہیں آئی۔ ایک دن میں نے اوپر سے اتنے والے لڑکے سے جو یونچ سے چائے لے جاتا تھا، تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کر یہ قلم بن گئی؟ وہ نہ پڑا اور بولا کہ ایسے تو بہت بورڈ لکتے ہیں اور اتر جاتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا یہ حسن بانو اب یہاں کیوں نہیں آتی؟ وہ میری صورت دیکھتا رہا اور بولا کہ تو کیوں پوچھ رہا ہے؟ محبت کرتا ہے اس سے؟ میں نے اقرار میں سر ہلا دیا تو وہ نہ پڑا اور بولا پاگل کے نتھے... ایسی بہت آتی ہیں یہاں خوار ہونے اور تو جس کی بات کر رہا ہے... اس کا تو شاید قتل ہو گیا تھا مگر مجھے پہنچا نہیں۔ میں نے کہا کہ کون بتا سکتا ہے تو اس نے کہا کہ رات کو جانی چوکیدار ہوتا ہے، اس کو معصوم ہونا۔ میں رات کے وقت گیا تو بڑی رونق ہتھی۔ عورتیں، مرداب نہ رہے تھے اور باعنی کر رہے تھے۔ کچھ ثراپ بپار رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے جانی کو ہلڑا۔ جانی نے کہا کہ کون حسن بانو... میں نے اسے باہر لے جا کے پوسٹر کھایا تو وہ منے لگا۔ اونچے پاگل خانے یہ تو کئی ہی بنی سے لگا ہوا ہے۔ یہ لڑکی پہلے آتی تھی۔ نام اس کا شایم جان تھا۔ شایم محلے میں تھی۔ اور کسی نے قتل کر دیا تھا۔ میں نے بھی سنائے۔

کی زندگی اسے راس آگئی تھی۔ مجھے پہنچیں کہ فاطمہ کی وہ فلم بنی یاد نہیں لیکن میری طرح مانے بھی لکھی چوک پر ڈسٹری بیوڑ کے آفس میں فاطمہ کی تصویر دیکھی اور سوچے مجھے بغیر اوپر چلا گیا۔ اس نے سورج چایا کہ فاطمہ میری بنتی ہے اور ایک دھوکے بازا سے فلم میں کام دلانے کے بھانے لے گیا اور جو پچھاں ہزار کا معاوضہ دیا تھا وہ بھی چھین لیا۔ اس نے پولیس میں جانے کی دھمکی دی تو پولیس وہیں آگئی اور اسے تھانے میں بند کر دیا۔ مجھے پہاڑی نہیں چلا۔ ماما مجھے پھر نہیں ملا۔ میرا خیال ہے پولیس نے اسے مار کے کہیں گاڑ دیا ہو گا۔ اس جیسے اداوارٹ کو لا ہو رہیں کون پوچھتا ہے۔

"میں ہر روز اس عمارت کے سامنے جا کر کھڑا ہوتا تھا جہاں فلم بناتے، والوں کے دفتر تھے۔ سامنے پوری عمارت پر بورڈ لگے ہوئے تھے۔ لوگوں کا آنا جانا ہر وقت لگا ہوا تھا۔ میں صرف فاطمہ کی ایک جملہ دیکھنے وہاں جاتا تھا۔ پہلے وہ تیسرے چونچے روز پھر بفتہ دو بفتہ بعد نظر ضرور آتی۔ ایک بار مہینا گزر گیا۔ میں ماہیوں ہو چلا تھا کہ وہ نظر آگئی۔ دور سے وہ مجھے دیکھ دی۔ کچھ دیر بعد ایک جانے والا لڑکا آیا اور اس نے کہا کہ تم حسن بانو نے بلایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کون حسن بانو؟ تو اس نے بورڈ پر فاطمہ کی تصویر کی طرف اشارہ کر دیا جو اب پرانی ہو کے خراب ہو رہی تھی اور اس کا ایک کوتا پھٹ گیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ وہ کار میں نہیں ہیکی میں آئی تھی۔ میں اوپر چلا گیا۔ وہاں وہ ایک کرے میں ایکلی لیٹی ہوئی تھی۔ اسے قریب سے دیکھ کے میں پریشان ہو گیا۔ وہ بہت کمزور اور بیمار نظر آتی تھی۔ اس کا رنگ پیلا تھا اور انگھوں کے گرد حلقت تھے۔ میں نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے، کیا تم بیمار ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں نے کنی بارتم کو دیا۔ تم کیوں کھڑے ہو جاتے ہو یہاں آکے... میں نے کہا کہ میں تو اسے دیکھنے ہر روز آتا ہوں۔ وہ بولی کہ اب سرت آتا... کیونکہ میں جاری ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کہاں جاری ہو؟ تو اس نے کہا کہ یہ تمہیں نہیں بتا سکتی۔ لیکن مجھے یہ نہیں آگیا ہے کہ تم واقعی مجھے چاہتے تھے۔ میری زندگی تمہارے مامانے تباہ کی۔ اس کی سزا اسے مل گئی۔ وہ جھونٹا۔ غیرت آدمی باب پ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کے ساتھ میرا کیا رشتہ تھا۔ تب میں نے اسے سب سچی بخیزنا دیا کہ مامانے اسے نہر میں سے نکالتا تھا۔ میں نے اسے تمہارے بارے میں بھی بتایا کہ ملک سلیم اختر تمہارا شوہر تھا۔ تم دونوں گاڑی میں کہیں جا رہے تھے اور مل پر گاڑی بے قابو ہوئی تو یونچ نہر میں گری... ملک سلیم

جواری

میں نے کہا۔ ”اس پر حضرت علیؓ کا قول پھر یاد آتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو اپنے ارازوں کی لکھتے سے پہچانا۔“

”روبی کو دیکھ، اس نے بھی سب کچھ پا کے گنوایا۔ آج اس کے پاس بھی صرف پچھتاوے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”انور! میں نہیں چاہتا کہ ان کے سامنے اس موضوع پر بات ہو بلکہ آئندہ یہ بات کسی سے بھی نہیں کرنا چاہتا۔ یوں جیسے یہ خط مجھے ملا ہی نہیں۔“ میں انھوں کے ایک سائز نیبل تک گیا جہاں آ رائشی نمیریٹ کیس اور لائٹر رکھے ہوئے تھے۔ خود سکندر شاہ سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن ڈرائیکٹ روم میں آ کر بیٹھنے والے مہماں کے لیے سگریٹ ضرور رکھتا تھا۔ لائٹر پہنی ہی کوشش میں جل گیا۔ میں نے خط کا ایک کوتانخے سے شعلے پر رکھا۔ کاغذ نے آگ پکڑ لی۔ چند سینٹ میں ایک ناکام نامراوز ندی کی ہانی جل کے راکھ ہو گئی۔ میں نے اس کو ایش نہیں میل دیا تو مجھے یوں لگا جیسے میں نے ایک قبر کے آثار مٹا دیے۔ آدمی ایسا ہی خود غرض ہے۔ مر نے والوں کے ساتھ مرتا نہیں یہ تو ممکن نہ تھا کہ میں نورین کے نام کو اور اس کی یادوں کو بھی دل سے نکال سکوں اور اس کی ضرورت بھی نہ ہی۔ ہاں جیسے کے لیے نیت اور جذبے کی پوری توانائی غردنی ہی۔

معمول کے مطابق انور نے سُندر شاہ کی خیر و عافیت دریافت کی۔ رفتہ رفتہ یہ بھی ایک غیر بذاتی عمل بن رہا تھا۔ اخلاقی غرورست یا رسمی کا رہا ایسی۔ میرا خیال تھا کہ روپی اور ریشم کی آمد دوپہر کے بعد ہو گی۔ انور نے اپنے بینک منجر کو طلب کیا تھا۔ وہ پہلے آپنچا۔ نذر قمِ اس نے اپنی تحویل میں لے کر رسید بھی دے دی۔ وستاویز اس اور سونا چاندی اور زیورات کو بینک لا کر میں رکھنے کے لیے بڑے لاگر درکار تھے۔ انور کے موجودہ لاکر میں اتنی جگہ نہ تھی۔ وہ اپنے سیکیورٹی گارڈ ساتھ لایا تھا۔ انور ان کے ساتھ چلا گیا۔ اس کی گاڑی نکلی اور اسپتال سے روپی کو بلانے والی گاڑی داخل ہوئی۔ میں اس کام کی گمراہی کے۔ اپنے نکل گیا جو کمزور رات اور سورا چھوڑنا پڑا تھا۔

اب ڈپر تریم ملبا اٹھا کے۔ ورنے جارہے تھے۔ شام تک حوالی کا نام و نشان تک مت گیا۔ اس کی جگہ ایک ہموار قطعہ زمین نسودار ہو گیا۔ ایک صدی کی تاریخ کا کوئی نشان رہا تو وہ احاطہ جس میں ہر قبر ایک کہانی کہتی ہی۔ میں نے چودھری صاحب کی اور انور کا ماں کی قبروں کو دیکھا۔ پھر اکبر کی اور شاہینہ کی قبر دیکھی تو۔ دوں کے بارگراں سے

”میرا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ میں شاہی محلے چلا گیا اور نیلم جان کو پوچھتا رہا۔ اوہ را یک نہیں چار نیلم جان لمیں۔ میں نے کہا کہ وہ جو قتل ہو گئی تھی۔ اس پر ایک شخص نے مجھے کہا کہ وہ جو پہلے حسن با اونچی؟ وہ تو زندہ ہے۔ وہ ایک ہوں میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ مجھے سے کہا کہ یہاں انتظار کر...“ میں دیکھتا ہوں وہ کوئی پر ہے یا نہیں۔ میں بیٹھا تھا کہ پولیس آئی اور مجھے لے گئی۔ انہوں نے کئی جرم بنادیے میرے اور میں جیل پہنچ گیا۔ تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کہ اب نہ فاطمہ دبیا میں ہے نہ نورین... ہو سکتے تو مجھے معاف کر دینا۔

نشان انگوٹھا۔ (رمضان)“

اس خط کو میں نے ایک بار پڑھا۔ پھر دوسرا بار... تیسری بار... نہ مجھے گرد پیش کا احساس رہا اور نہ وقت کے گزرنے کا۔ خط کے مضبوں کا ہر لفظ مجھے از بر ہو چکا تھا۔ جب انور میرے سامنے آئے۔ مجھے گیا اور اس نے میری صورت دیکھی تو کوئی سوال کیے اغیر خط میر رہا تھا سے لے لیا۔ پھر بہت دیر بعد اس نے خط مجھے واپس کر دیا۔ جواب کاغذ کے ایک پر زے سے زیادہ اتم نہیں رہا تھا۔ جیسے پھانسی ہو جانے کے بعد بلیک وارنٹ۔ پھر اس نے کہا۔ ”آئی ایم سوری یا پار۔“ اور رہا تھوڑا کچھے اندر لے گیا۔ میری ذہنی کیفیت پچھے عجیب سی ہو رہی تھی۔ غم کا احساس تھا تو بس اتنا کہ علاش کا سفر تمام ہوا۔ آرزو کے ساتھ امید کی آخری کرن بھی بجھے گئی۔ میں خاموش بیٹھا دیوار کو دیکھتا رہا۔

پھر انور نے کہا۔ ”کون لا یا یہ خط؟“

میں نے کہا۔ ”وہی جس نے لکھا تھا۔“

”یہ تو نہیں کہوں گا میں کہ اچھا ہوا۔ بے یقین ختم ہو گئی۔ ورنہ ایک خلش تمام عمر تھے احساسِ جرم میں جلتا رہتی۔“

میں نے کہا۔ ”کتنا اچھا ہوتا، اس خط کے بجائے مجھے نورین کی لاش مل جائی۔ اسی دن یا اگلے دن میں خود اس کی قبر پر منی ڈالتا۔ حادثے میں اس کے مرنے کا دکھ یہ نہ ہوتا جو اس انجام تک پہنچنے کی رو داد جان کر ہوا۔ خود مرنے سے پہلے اس نے اپنے نوابوں کو مرتا دیکھا۔ ایک بار نہیں دوبار۔“

”زندگی اسی کا نام ہے دوست۔ یہاں ہم سب اتنے خوش قسمت کب ہوتے ہیں کہ مایوسی اور ناکامی سے محفوظ زندگی ملیں۔ جو چاہیں پالیں اور سب کچھ ہماری خواہش یا ضرورت کے مطابق ہوتا جائے۔“

کہا تھا کہ کسی سے آنھ نہیں کہوں گا۔ یہ ایک پوری زندگی کا خواب ہے جو میں نے نورین کے ساتھ مل کر دیکھا تھا۔“
”نورین؟ تم پر پھر اس کی یاد کا دورہ پڑا ہے؟“
”نہیں، میرے دماغ کی خرابی دور ہو گئی ہے۔ اب مجھ پر کوئی دورہ نہیں پڑتا گا۔ یہ ایک خطرہ تھا جس نے میرے پاگل پن کا علاج کر دیا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میرا پاگل ایک جنون بن جاتا لیکن جیسے تم نے اپنے غم کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ دوسروں کے لیے جینے کی مجبوری کو قبول کیا، ایسے ہی میں نے کیا۔“ پھر میں نے وہ سب بتا دیا جو اس خط میں تھا۔

وہ خاموشی سے غتی رہی اور میری صورت و بحثی رہی۔ نورین کی یادوں کا سلسلہ بہت طویل تھا۔ میں ہر لمحے کی یاد کو دھرا تا تو یہ دن تمام ہو جاتا باقی تھم نہ ہوتی۔ میں نے صرف اس سے ملاقات کی رات کا ذکر کیا اور پھر اس پر خوست گھری کا جب ایک لمحے نے ایک عمر کی رفاقت کے عہد و پیمان کو ختم کر دیا۔ ایک مرحلے پر مجھے احساس ہوا کہ جذبات کی رو میں پہہ کر میں آزار کی لذت کا شکار ہو رہا ہوں۔ پھر میں نے غم کے سیاہ احساس کو غالب آنے سے روک دیا۔ جو ہوتا تھا، ہو پکا تھا۔ اب اس پر ساری عمر آنسو بہانے سے اور ہر لمحے کی یاد کو ہرانے سے نورین واپس نہیں آسکتی تھی۔ حوصلے اور عبر لئے ساتھ اپنے اور دوسروں کے لیے زندگی بس رکرنے کا یہ سبق میں نے روپی سے ہی سیکھا تھا۔

”بہت تھوڑا ساتھ تھا تمہارا اور نورین کا۔“ وہ میرے خاموش ہو جانے کے بعد یہاں۔

”ماں، جیسے تمہارا اور میرا کا ساتھ۔“
”لیکن ہماری سرراہ ہونے والی ملاقات نہیں تھی۔“
میں نے کہا۔ ”اس سے کیا فرق پڑتا ہے میڈم! محبت تو ایک نظر کا کھیل ہوتی ہے۔ دل ایک دھرم کن کی گواہی سے ہو جاتی ہے اور دو گواہوں کے رہنمے عمر بھر کی رفاقت کا اقرار کرنے کے بعد بھی نہیں ہوتی۔“ میں نے نھلی سے کہا۔ ”تم کیا کہنا چاہتی ہو کہ اس رات والی کوئی لڑکی ہوتی تو میں اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا؟“

”میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ تم نے بتایا کہ وہ کسی اور کی محبت میں پاگل تھی۔“

”یہ تھیک ہے۔ شاید وہ اسے لینے آجاتا تو وہ ایک رات کا ساتھ ہوتا۔ لیکن ہم ایک دوسرے کا سہارا بنتے تو آہستہ آہستہ میں نے اس کی محبت جست لی تھی۔ میں مانتا

میرا اول بوجمل ہو گیا۔ اس وقت جب میں ایک اجنبی کی حیثیت سے یہاں وار دھرا تھا اور اس وقت... جب یہاں میں اکیلا کھڑا تھا، دکھ دیسیے والی یادوں کا سائیکل سیا نہیں کرتا جنگل تھا۔ زندگی کے بھجے صحیح کر آگے لیے جا رہی تھی۔

شام کو بھجے روپی سے اکیلے میں ملنے کا موقع ملا۔ ”تم پھر اسپتال آئے تھے میں سے بات کی۔“ اس نے بھجے لاڈنگ میں بیٹھا دیکھا تو میرے سامنے آکے بیٹھ گئی۔

نورین پر کی یادوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ”اس کی ضرورت نہیں تھی۔“

اس نے میرے مود کی خرابی کو میری ناراضی سمجھ لیا۔ ”میں نے ہمیں سب بتا دیا تھا کہ میں نے جھوٹ کیوں بولا تھا۔“

”مجھے تمہارے جھوٹ بخ سے کیا؟“

”پھر ناراض کیوں ہو؟ منہ کیوں پھولा ہوا ہے؟“

”لا حول ولا قوّة، میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔“

”میں نے کسی کو اپنے جھوٹ کے بارے میں نہیں بتایا۔“ میں چڑ کر انھوں نے ”بہت اچھا کیا، مجھے بھی بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”اتھے بے رحم مت بنو۔“ مجھے اس کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز سنائی ہی تو میں رک گیا۔ ”یہاں تو مجھے سے ہمدردی کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ سب کی اپنی اپنی زندگی ہے۔“

میں پھر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ قحام لیا۔ ”ویکھو روپی! سکھی کون ہے یہاں؟ اگر میں نظر آتا ہوں تو میری اپنی مجبوری ہے۔ یہ ویکھو...“ میں نے کونے میں سے ایش ٹرے اٹھا کے اسے جلسے ہوئے کاغذ کی راکھ دکھائی۔

”کیا ہے یہ؟“ وہ حیرانی سے بولی۔

”میری وہ زندگی جو میں گزارنا چاہتا تھا۔ کل انور سارا دن اپنی زندگی کی راکھ سیستان رہا۔ اس نے بہت کچھ جل کر خاک ہو جانے والی حوصلے کے بلے سے نکال لیا۔ جو آب وہ پینک میں جمع کرائے گیا ہے۔ لاکھوں نقد، لاکھوں کا سوٹا چاندی اور زیورات... اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ...“ مگر میرے پاس بس پڑے۔

”مجھے بتاؤ گے ہیں، یہ کیا ہے؟“ اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ کر نہیں سے کہا۔

”ہاں، ضرور بتاؤں گا۔ حالانکہ انور سے خود میں نے

”اس کی اصل فرشنیش کا سبب آپ ہیں چودھری صاحب۔“ میں نے کہا۔

”میں؟ میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے یا ریٹن؟“
”آپ نے اس کی محبت کرفت۔ ل بنا رکھا ہے۔ کھلی رہا ہے تو اس کے جذبات سے۔ جب، دل چاہتا ہے اسے چھوڑ کے چل پڑتا ہے کسی اور کی خراف۔ ناکامی ملتی ہے تو پھر اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ کب سے چل رہا ہے یا کھلی... اور آخر کب تک تیرے فیصلے کے انتظار میں بیٹھی رہے گی وہ۔“

انور نے خفت سے کہا۔ ”وہ تو بس، میں حالات کے دباؤ سے مجبور تھا۔“

”بکواس فرماتے ہیں آپ،“ وہ انکار نہ کرتی تو ریشم و چھوڑ دیا تھا تو نے۔“ میں نے خفی سے کہا۔

”وہ خود چلی گئی تھی تیرے ساتھ۔“
”اور کیا کرتی؟ یہاں ذات ہر داشت کرتی رہتی اور بیٹھی رہتی۔“

انور نے کہا۔ ”وہ غلطی تھی میری، میں مانتا ہوں اور جب میں اسے تلاش کر کے اور سنائے، واپس لایا تو میں نے اس کی تلافی بھی کر دی تھی۔ اس لئے بھی معاف کر دیا تھا مجھے۔ ماں جی کو بھی راضی کر لیا تھا میں نے۔“

”انور زندگی اپنے ہی چلتی ہے۔ آگے نہ جانے کیا ہو جائے۔ یہ دکھرو بیٹھی ہے تیرے سامنے۔ آج پھر اسی لیے۔ کون جانتا ہے کل کیا ہونے والا ہے۔ وہ چب بیٹھی ہے۔ انتظار جعلی رہی ہے۔ بہ شرم بن کے سوال نہیں کر سکتی کہ یہ مجھے کس سپنس میں باندھ دیا ہے۔“

”اوکے، اوکے... آج شام نکاح پڑھوالوں قاضی کو بیلا کے؟“ انور بولا۔

”آج نہ سکی، کل پربوں تک ہم کسی تقریب کا اہتمام بھی کر سکتے ہیں۔“ روپی نے کہا۔

اس شام بہت عرصے بعد ہماری زندگی میں خوشی کسی اجنبی مہمان کی طرح آئی۔ روپی نے یہ خبر ریشم کم پہنچا دی تھی۔ میرے کہنے سے وہ بھی تیار ہوئی اور خود روپی نے سوگ کی چادر اتاری۔ ہم پہلے مراداں والی گئے۔ انور بہت خوش تھا۔ اس نے ریشم کو بتایا کہ ناولی کے بعد وہ پرانی حوصلی کی جگہ نئی حوصلی بنانے کا سوچ رہا تھا لیکن اب اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ وہ جدید طرز کی کوشی بنائے گا اور اس کا نام ریشم محل رکھے گا۔ لیکن ہم اس کچھ کمروں والے گھر میں پہنچے جہاں انور نے اپنے نوادرات کو رکھا تھا تو ریشم

ہوں کہ میرے لیے یہ پہلی نظر کی محبت تھی لیکن وہ سلمان سے بدظن اور مایوس ہو کے نیری طرف بڑھی تھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے خلوص اور اعتماد نے اسے متاثر کیا تھا۔ اس نے سلمان میں اور مجھ میں فرق کو محسوس کیا تھا۔“

”اور تمہیں متاثر کرنے والی کیا چیز تھی؟ بس اس کا حسن۔“

میں نے خود کولا جواب محسوس کیا۔ ”شاید... لیکن پھر مجھے اس کے اندر کی خوب صورتی نے مسحور کر لیا۔ صورت کے حسن پر سیرت کے حسن کا احساس غالب آگیا۔ لیکن کیا فائدہ۔ ہم ایک ہوئے تو پچھڑ گئے۔“

”زندگی اپنے ہو کھل کر لیتے ہیں مگر جینا تو پڑتا ہے۔“
وہ بولی۔ ”مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مرتا۔“

”ہاں، کیونکہ زندگی کوئی فلم نہیں ہے کہ میں مجنوں بن کے لیلی لیلی پکارتا پھر دیا فرہاد کی طرح جان دے دوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے مقابلے میں نورین بہت بدنصیب تھی۔ اسے سارے سہارے عارضی لیے۔ ماں باپ کا، سلمان کا، میرا، اور اس کے بعد... اسے کہیں بھی جائے اماں نہ تھی۔ میں کتنا خوش قسم تھا کہ مجھے سب بچانے والے بے غرض ہے۔ ایک ڈاکو گاما رسم سے چودھری انور تک اور اپ سکندر رشاہ تک۔“

انور سے پھر کے قریب لوٹا تو اس نے ریشم کو پوچھا۔

”شاید وہ سورجی ہوگی۔“ میں نے کہا۔
”کیا رات بھر تیارداری میں جاگتی رہی تھی؟“
روپی نے کہا۔ ”نہیں، اس کی ضرورت کہاں تھی مگر یہ وہی کراہی جس میں وہ رہی تھی۔ اس نے کہا کہ تمہاری بہن نے مجھے مارنے میں کوئی کرنہ نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے شاہینہ کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ وہ ہوں پرست اور سفاک عورت تھی۔ یہ بات مجھے بڑی لگی۔ وہ بھر حال میری بہن تھی۔ میں نے کہا کہ کیا مجھے بھی تم ایسا ہی بھتی ہو؟ اس نے فوراً معافی مانگ لی کہ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ یہ آج صحیح کی بات ہے۔“

”ابھی دور کر دیتے ہیں یہ رنجش۔“ انور بولا۔

میں نے کہا۔ ”انور صاحب! میں نہیں سمجھتا کہ اس بات پر کوئی رنجش برقرارہ سکتی ہے۔“

”بالکل نہیں، وہ تو ایک وقت بات تھی۔ میں نے بھی معافی مانگ لی کہ کیا کروں... بہن تھی، اس کی زندگی بھی بے سکونی کا ہیکار رہا، اور اس کی موت بھی ایسی نہیں تھی کہ میں بھلا سکوں۔ ریشم نے بھی معافی مانگ لی تھی۔“

ڈالنے کا شغل بھی کیا۔ نیراثی اور بھانڈ بھی رونق لگانے آئے اور خوش ہو کے گئے۔

دہن رخصت ہو کے مراد ہاؤس ہی آئی اور اس کو لانے والی خاتون خانہ کی سری ذمے داری خود روپی نے نبھائی۔ اس سے اگلا دن دلیسے کی دعوتِ عام کا رہا۔ مگر دونواج کے دیہات سے مردوزن نے دوپھر سے آتا شروع کیا اور خاندان کے خاندان کھانی کے بدھائی دیتے اور جاتے رہے۔ رواج کے مطابق لوگ کچھ نہ کچھ دیتے تھے اور ایک شخص اس کا رجسٹر میں اندر اج کرتا تھا۔ یہ معاشی ذمے داری میں اجتماعی شرکت کا تصور اب گاؤں دیہات تک محدود ہو گیا ہے۔ میرا بھی ٹھکن سے براحال تھا اور مجھے کھڑے رہنا محال ہو رہا تھا۔ پھر بھی میں آنے جانے والوں پر نظر رکھے ہوئے تھا اور انور بھی چوکس تھا۔ انی مہماںوں میں نہ جانے کتنے مرید بھی ہوں گے۔ ان کی طرف سے خطرہ کوئی نہیں تھا مگر وہ منتظم جو درگاہ کے نام پر جرام کا اذاؤ چلاتے تھے، اس اجتماع میں انتشار پھیلانے آسکتے تھے۔

میں اس لیے مطمئن تھا کہ نادر شاہ نے مجھے اور انور کو جو مہلت دی تھی، وہ ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے انکار پا اقرار سے پہلے اس کا کوئی قدم اٹھانا مشکل تھا۔ مگر ہم ممکن تھیں تھا۔ اس مہلت کے تمام ہوئے میں ایک ہفتہ ہی رہ گیا تھا لیکن ہم نے ابھی تک کچھ بھی طلب نہیں کیا تھا۔ دعوتِ عام عموماً عصر تک تمام ہو جاتی تھی بھر کوئی بھولا بھنکا آجائے تو اسے نہ شادیا جاتا تھا۔ سامان کیتے والوں نے اساب اٹھانا شروع کر دیا تھا اور میں دم لینے کے لیے ایک کرسی پر بیٹھا تھا کہ تالگوں کیوں کا ایک اور قابلہ نمودار ہوا۔ دوسرا قافلہ دوسری سمت سے آیا۔ مجھے کچھ جرانی ہوئی کہ اتنی کثیر تعداد میں کس بستی کے لوگ ہیں۔ کبھرہ بارہ بجے سے ظہر تک اکثریت فارغ ہو کے جا چکی تھی۔

پھر ایک دم اس بھوم کی ایب ساتھ آمد و ارض ہو گئی۔ ان سب نے کیوں تالگوں پر تکوئے پر چم لگا رکھے تھے اور وہ سب نعرے لگاتے نمودار ہوئے تھے۔ یہ سب پور سائیں کے عقیدت مند اور مرید تھے۔ میں اور انور چوکس ہو گئے کیونکہ کسی کے عزم کا پہانہ نہ تھا۔ ہمارے پاس الٹھ تھا۔ کچھ پرانے محافظ تھے اور کچھ سکندر شاہ کے سیکیورٹی گارڈ... ہم نے سب کو الٹ کر دیا۔ دیرتے آنے والے ڈیڑھ دو سو مہماںوں کو بھی عام طریقے سے کھم نادیا گیا۔ میں نے کچھ خاص بندوں کو پہچانے کی تاکام کوشش کی۔

آبدیدہ ہو گئی۔ یہ ایک فطری تعلیم تھا۔ پرانی یادوں نے اس پر بھی یلغار کی تھی۔

اس نے اچانک کہا۔ ”انور! میری ایک بات مانو گے؟ ہم اپنا گمراہ بنا سکیں گے۔ تم اپنی خاندانی حوالی ضرور بناؤ۔“

انور نہایت فلمی انداز میں ریشم کا ہاتھ تھام کے گھسنو کے مل جک گیا۔ ”جو آپ کا حکم ملکہ عالیہ۔“

اگرچہ مالات سو فیصد سازگار نہ تھے اور مصائب و حادثات کے ماتھ خطرات کے آسیب زدہ سائے ہم سب کی زندگی پر منڈلار ہے تھے لیکن اس خوشگوار فیصلے نے ہم سب کے دلوں کو سرگرمی کے احساس سے بھر دیا تھا۔ ہم ملٹان گئے اور ایک بہت اچھے ماحول میں کھانا کھایا پھر وہ گھر دیکھا جو آپ ریشم کی ملکیت تھا لیکن بند پڑا تھا۔ ایک مختصر وقت کے لیے تقدیر تھیں اس راستے پر لے آئی تھی جہاں ہمارے لیے پناہ تھی تو ایک لاوارٹ بوڑھی عورت کو زندگی کے آخری ایام میں سہارے کی ضرورت تھی۔ وقت پورا ہوتے ہی دنیا سے رخصت ہوئی مگر ریشم کو خدمت کے صلے میں صاحب جانکدا کر گئی۔ تقدیر کا نظر نہ آنے والا ہاتھ زندگی کی بسط پر انسان کو مہربے کی طرح آگے بڑھا اور یتھے ہٹا تاہے، اور جب چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔

ایک شادی بھی جو بہت پہلے بھی ہو سکتی تھی اور زیادہ دھوم دھام سے ہو سکتی تھی، بالآخر ہو رہی تھی۔

انور نے ریشم کے کہنے پر شادی کی تقریب اس جگہ منعقد کی جہاں پہلے چودھریوں کی حوالی تھی۔ وہ جگہ اب ایک میدان رہ گئی تھی۔ آس پاس سے رہا سہا لمبا بھی ہٹا دیا گیا اور وہاں شامیانے کھڑے ہو گئے۔ نہ جانے کیسے اور کہاں سے باور پہا صع دیگ آگئے۔ میں اور انور ادھر ادھر فون کرتے رہے یا گاڑی لے کر پھرتے رہے۔ میں اندازہ کر سکتا تھا کہ دو خاندانوں کی تباہی کے پس منظر میں یہ دھوم دھام کرنے لوگوں و بے جا گئی ہو گی اور صدیوں کے ذات پات کے نظام کا تھسب رکھنے والوں نے ریشم اور انور کے جوڑ کو کس نظر سے دیکھا ہو گا مگر دنیا تو ایسے ہی بدلتی ہے۔

نکاح کی تقریب کے لیے دعوت مائے دینے کا نہ وقت تھا اور نہ رواج... علاقے کے وہ تائی جو پرانے خاندانی خادم تھے خود ہی گردوانہ کے دیہات میں کہہ آئے۔ نکاح کی تقریب میں گردوانہ کے معززین آگئے جن میں وہی نمبردار، پتواری، قنانے دار اور ہمذ ماں سر کی قبل کے لوگ تھے۔ گاؤں کے جگہ مردوزن نے گانا بجا تا اور بھنگڑے

جواری

دیر بعد وہ بھی باہر آگئی جہاں میں شدت سے چائے کافی کی طلب میں بیٹھا تھا۔ اس نے گھر کے اندر سے تمام نوکروں کی چھٹی کر دی تھی۔ اب صرف ایک میاں بیوی رہ گئے تھے۔ جہاں پر انہا خانہ میں سال کے لگ بھگ تھا۔ اس کی بیوی گھر کے اندر صفائی اور کچن کے دلبر امور کو سنبھالتی تھی۔ وہ بھی پچاس سے اوپر کی تھی۔ انہی کا یک نکاپیٹا جو پڑھ لکھ نہ سکا تھا باہر کے کام کرنے کے لیے رکھ لیا گیا تھا اور مالی کی مدد بھی کرتا تھا، اس قیمتی کو رہنے کی جگہ ملی ہوئی تھی اور گزر اوقات اچھی ہو رہی تھی۔ گھر کے اندر والے طاز میں کو رکھنا نکالنا خواتین کے دائرہ اختیار میں آتا تھا۔ جبکہ یہ کام سکندر شاہ کی بیوی نے کیا اور بربادی کر رہی تھی۔ اصل خطرہ مجھے پاہر والے اسٹاف سے تھا جن میں ذرا نیور تھے اور گارڈ۔ آفس کے لوگ فارٹ کر دیئے گئے تھے مگر ابھی تک ہم نے انہیں نہیں بتایا تھا۔ نئے بارے میں نادر شاہ بتاچکا تھا کہ سب اس کے زر خرید ہیں۔

ربوبی کے پیچھے خادمہ ناشتے کی نرے کے ساتھ نمودار ہوئی اور درمیان میں رکھ کے چلی گئی۔ ”دولہا دہن سور ہے میں ابھی تک؟“ میر نے پوچھا۔

”ربوبی میں تو تمہیں دیکھ رہی تھی کس طرح باہر جہاں سے وہاں اسکے دوڑر ہے تھے۔“

”ربوبی! میں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اسی ولی کوئی بات نہیں ہوئی حالانکہ خطرہ تھا۔ ہر وقت تھا اور ہر جگہ تھا مگر کم سے کم ایک اچھائی ضرور تھی ہمارے دشمنوں میں، انہوں نے جو مہلت دی تھی، اس کا لاحاظہ رکھا۔ لیکن...“

”لیکن کیا، ناشتا جاری رکھو۔“ ربوبی نے نظر انھا کے مجھے دیکھا۔

”کل انہوں نے یاد دلا دیا کہ مہلت تمام ہو رہی ہے۔“ میں نے کہا۔

”وہ چوکس ہو گئی۔“ کوئی بات نہیں۔ اس کے ساتھ ڈیز ہو دوسرا ہی تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان میں کتنے مسلح تھے۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ یہے کے مہمان بن کر آئے تھے اور ان کو چھیڑا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ تو چاہتے ہوں گے کہ کوئی بہانہ ملے مگر نے خود پر جہر کے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور وہ کھانا کھا کے لوٹ گئے۔“

اس وقت باہر اپ جیپ آکے رکی اور میں نے راتا کو اپنی طرف آتا دیکھا۔ بے اختیار میرا ہاتھ اپنے روپ اور پر جم گیا مگر وہ بے خوف خطر پہلے مبارک باد دینے کے لیے اندر سے گلے ملا پھر مجھ سے۔ اسے کسی قسم کی بھجک تھی اور نہ خوف تھا۔ نہ شکوہ تھا اور نہ شکایت۔ لیکن اس کا بے خوفی سے آنا اپنے اندر بہت سے معانی رکھتا تھا کہ دیکھوتا نے مجھے قید میں رکھا اور مجھے جان سے مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن تم مجھے سے کچھ نہ علوم کر سکے۔ آج میں پھر تمہارے سامنے ہوں۔ ہمت ہے تو مجھے پھر پکڑو۔ وہ ایک چیخ اور ایک ہمکی بن کے آیا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ بھیجا گیا تھا۔ یاد دہانی کے طور پر کہ دلت کے اس چیخ کو بھول مت جانا جو تمہارے سامنے ہے۔

قطیعی بے نیاز کی اور اجنبيت کے ساتھ راتا نے کھانا کھایا اور حسب روایت، شادی کی مد میں تحفے کے طور پر ایک لفاف بھی انور کو دیا جسے نور نے فوراً کھوں لیا۔ اس میں ایک لاکھ روپے کا چیک تھا جو ناقابل یقین حد تک زیادہ رقم تھی۔ عام لوگ دس بیس سے پانچ سو ہزار کی آخری حد میں تھے۔ لیکن یہ استطاعت اور دل کی خوشی کا معاملہ تھا۔ ابھی تک صرف پتواری ہی واحد روپی آئی تھی تھا جو دس ہزار دے گیا تھا پھر بھی انور نہ انکار کر سکا تھا اور نہ سوال... یہ کوئی موقع نہ تھا کہ ہم اس سے دشمنی کے رشتے سے کوئی سوال کرتے یا اس کی موجودگی پر اعتراض۔ یہ دوست دشمن سب کے لیے دعوتِ عام تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے انور کو گلے لگایا اور جیپ میں بیٹھ کے جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا۔ اس کے ساتھ آنے والے بھی اسی طرح نظرے لگاتے اور تاگوں پر بزر پر چم لہراتے رخصت ہو گئے۔ جو پیغام وہ لائے تھے بنا بوئے ہم تک پہنچ گیا۔ میں اور انور اپنے اپنے روپ اور پر ہاتھ رکھنے بے بسی تھے کھڑے یہ تماشاد کیختے رہے اور خود تماشانے رہے۔

شادی ختم ہو گئی تھی۔ آنے والے ایک بیٹھ کی مہلت شروع ہو گئی تھی جس میں اس سے کہیں زیادہ اہم فیصلے کرنا ضروری تھا۔ تھکن سے، میرا بھی ایسا براحال تھا کہ میں بستر پر گرا اور سو گیا۔ پھر جب آنکھ حلی تو اگلے دن کی دوپہر کا سورج سر پر تھا۔ ربوبی کی حالت بدتر ہو گئی مگر وہ مجھے سے پہلے اٹھ گئی تھی اور وہ تمام معاملات سنبھال رہی تھی جو نی دہن لانے والی ساس کی ذمے داری ہوتے ہیں۔ میں نے گرم پانی سے عسل کیا اور کچن میں چائے بنانے گیا تو وہ وہاں موجود تھی اور دو لہا دہن کے لیے ناشتا لے جا رہی تھی۔ کچھ

”دونوں پر بارہ بجے ہوئے ہیں۔ اگر تم لٹنہیں رہے تھے تو پھر کسی نکلین معاٹے پر بات کر رہے تھے اور معاملہ تو ایک ہی ہے۔“ انور بولا۔

”ہم آج کوئی سیر نہیں، بات نہیں کریں گے، تمہاری نئی زندگی کا پہلا دن ہے۔“ میں نے کہا۔

”اب تو ہر دن ایسا ہی ہو گا جیسا کل کا دن تھا یا آج کا دن ہے۔“ انور بولا۔

”اب میں بھی ہر ذمہ داری میں برابر کی شریک ہوں... انور کے ساتھ...“، یشم نے کہا۔

”کل رانا اپنے حواریوں کے ساتھ آیا تھا۔ یہ یاد دلانے کہ ان کی طرف سے دی جانے والی مہلت کے پانچ دن رہ گئے ہیں۔ میں نے سب دیکھا تھا۔“ انور ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ”لہی بات کر رہے تھے تم، مجھے معلوم ہے۔ پھر مجھ سے کیوں توقع رکھتے؟ کہ میں تمام فکروں سے بے نیاز سوتا رہوں... ہم اپنے ہنسیون میں مصروف رہیں۔“

”میں نے روپی کو بتایا تھا کہ رانا کے آنے کا مقصد کیا تھا۔“ میں نے تھیار ڈال دیا۔ ”اور میں نے کہہ دیا تھا کہ جو دھن چاہتے ہیں، نہیں ہو سکتا۔“ روپی نے کہا۔

عام حالات میں شادی کے اگلے دن دو لمحہ دہن زندگی کے خطرات اور نکلین سائل ڈسکس نہیں کرتے، وہ خوابیوں کی باتیں کرتے ہیں اور آنے والے اچھے وقت اور مستقبل کی امیدوں کی باتیں کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کی اور پھر ان کے بچوں کی باتیں کرتے ہیں مگر یہاں ہم سب کا مستقبل ایک پڑھتر بے یقینی سے، دوچار تھا۔ ایک ناپسندیدہ فیصلے کو قبول کرنے کی مہلت ختم ہو رہی تھی۔ اسے مزید ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔

تابی کی تمن الگ اگ داستانوں کی کڑیاں پر اسرار طور پر آپس میں مل گئی تھیں۔ ایک کہانی میری تھی جو بہت پہلے میرے بھائی کے قتل سے شروع ہوئی تھی۔ اس کے قاتل نے مجھے بھی تختہ دار پر اڑا کر دیا تھا۔ میں فرار ہو کے چودھریوں کی حوالی میں پناہ لینے اور ملک سلیمان بن جانے کے بعد خود کو محفوظ سمجھنے لگا تھا کہ اس حوالی کو بھی آگ نے لگلیا۔ تیرا روپی کا تھا جو ویسے تو خاندانی دھنی کی بھینٹ چڑھی تھی مگر اس کے بعد بہراز فاش ہوا تھا کہ تباہی کی ساری داستانوں کے چھپے ویزا نادر شاہ کا ہاتھ تھا۔ میں نے بتایا کہ کیسے اس نے مجھے اور اور کو انھوں یا تھا اور صاف بتاویا تھا کہ ہم اس کے کاروبار کی راہ میں مزاجم نہ ہوں۔ درگاہ پر اس کے تمام غیر قانونی دھنے پڑتے تھے

روپی نے سر ہلایا۔ ”دیکھا تھا میں نے، ان کے نعرے سنئے میں خواتین کے ٹینٹ سے باہر آئی تھی، وہ سب مرید تھے۔“

”ہاں تم نے کسی کو پہچانا؟“ ”ہاں، لئی چہرے جانے پہچانے تھے۔ وہ محافظ تھے اور بہت سے غلط کام کرتے تھے۔“

”وہ لوگ چاہتے ہیں کہ درگاہ کی آڑ میں جرام کے سارے دھنے دے جاری رہیں۔“

”یہی تو مسئلہ ہے۔ وہ اسی جگہ دھی کا رو بار جاری رکھنے کے لیے درگاہ پھر کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں، پر۔“

”وہ بولی۔“ تو میں تمہیں اختیار دیتی ہوں اور انور کو... کہہ دو کہ ہمیں اور دکان ڈالیں۔“

”کاش ہے اتنا آسان ہوتا روپی اور ہم فیصلہ کر سکتے۔“

”وہ کچھ جیران ہوئی۔“ پھر کون کرے گا فیصلہ؟“ ”تم، تم ورث ہو، مالک ہواں جلکدی۔“ میں نے کہا۔

”وہ بولی۔“ تو میں تمہیں اختیار دیتی ہوں اور انور کو... کہہ دو کہ ہمیں اور دکان ڈالیں۔“

”پھر دھن بات، تمہارے اختیار سے کچھ نہیں ہوتا۔“

”میں قانونی اختیار بھی دے دوں گی، مختار نامہ... میری طرف سے ساف انکار کر دو۔“ وہ بولی۔

”میں نے کہا۔“ یہ غیر قانونی کاروبار کرنے والے قانون کی زبان نہیں سمجھتے روپی... انہوں نے دھمکی دی ہے۔“

”کیا دھمکی دی ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی میری جگہ پر نشیات اور بد معاشری کے سارے دھنے کرے اور میں کسی کو روک بھی نہ سکوں آخر قانون کس لیے ہے، پولیس کس لیے ہے؟“

”میں نے بے بھی سے سر ہلایا۔“ ایسے تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ دیکھو یشم اور انور آرہے ہیں، کل بات کریں گے سب کے سامنے صورت حال کتنی نکلیں ہے۔“

”وہ دونوں اسکراتے آئے اور ہمارے ساتھ ہی کریاں ڈال کے، بیٹھے گئے۔“ کیا گپ شپ چل رہی ہے؟“ انور بولا۔

”امریکا اور پاکستان کے تجارتی اور فوجی تعاون کے مستقبل پر بحث کر رہے تھے۔“ میں نے کہا۔

انور ہنسنے لگا۔ ”میں بتانا چاہتے تو مت بتاؤ مگر مجھے معلوم ہو گیا تمہاری صورتیں دیکھ کر۔“ ”کیا ہوا ہے، ہماری صورتوں کو؟“ روپی بولی۔

انسان اور دیوتا 450/-

بیتی ساریں کے علم و برستک صدیوں پرانی داستان
جس نے امپراتور اور اعلیٰ اختیار کرنے پر بھروسہ کیا

پاستان سے دیارِ حرم تک 300/-

بیتی ساریں مختصر میں تھا بے ایک بھروسہ غیر ممتاز حجاز

آخری چنان 450/-

پیغمبر اسلام خوارزی کی داستان شجاعت جو
کامار بور کے سی رواں کے لئے ایک چنان ہے۔ بتہ ہوا

سو ماں بعد 225/-

کامبگر جی کی مہاتمیت، اچھوتوں اور سلدوں کے
خلاف ساری مقصود کی مدد بیٹی تصور

سفید جزیرہ 325/-

بیوی کامل کے کسی ہا معلوم جزیرے کی داستان

شہین 475/-

انہاس میں مسلمانوں کے قیوبِ فراز کی کہانی

معظم علی 475/-

شیر میسور (نیچے سلطان شہید) کی داستان شجاعت،
جس نے محمد بن قاسم کی تحریر بمحبوب نوی کے

خاک اور خون 550/-

تھیم بر سیر کے پس مختصر میں داستان خون پکان

کلیسا اور آگ 450/-

فرائی خندش میدان اسلام پر سالاں اس خداوند، تھوڑے
غرض طاہر، انہاس میں مسلمانوں کی لحست کی داستان

قافلہ حجاز 599/-

راویں کے صافروں کی ایک بے مثال داستان

محمد بن قاسم 425/-

علماء اسلام کے 17 سالہ بیرد کی تاریخ داستان، جس

پورس کے ہاتھی 300/-

1965ء کی جنگ کے پس مختصر میں بخوبی اور برسوں

اویس بن تاشفین 500/-

انہاس کے مسلمانوں کی آزادی کی تاریخ دھماکہ

اویال حضرت علی المرضی 165/-

اویال آئمہ کرام 165/-

حكایات گستان سعدی 195/-

اویال شیخ سعدی 140/-

حكایات رومی 180/-

اویال حجۃ حقائق 170/-

حكایات بوستان سعدی 199/-

برے لوگوں کے روشن واقعات 165/-

اور تکوارٹوٹ گنی 550/-

شیر میسور (نیچے سلطان شہید) کی داستان شجاعت،
جس نے محمد بن قاسم کی تحریر بمحبوب نوی کےجاوہ جمال اور احمد شاہ ابد الہی کے غزم و استھان کی
یاددازہ کردی

گمشدہ قافلے 500/-

اگر بڑی اسلام و شہنشاہی، بیتی میدی و مکانی و مکانوں

کی صوصوں پیچوں اور مظلوم غور توں کو خون میں نہلانے

کی لڑو خیز جمی داستان 300/-

چھ بیتل کے بعد راجہ واہرنے را جوں مہماں جوں کی مدد
سے دوسرا حصہوں کے علاوہ 50 بڑا رسوار اور پیادوں

کی قیوفیں بیتل، فاقہ شہنشاہی معرفت الادانا داستان

پر دیسی درخت 450/-

اسلام و شہنشاہی پیش مسئلہ مددوں کے گھوڑی کہانی
جنہوں نے ساروں کو انصاف پہنچانے کیلئے تمام اخلاقی

حدود کو پاپا کر کے سے بھی گزیرہ کیا

لویوف بن تاشفین 500/-

انہاس کے مسلمانوں کی آزادی کی تاریخ دھماکہ

اویال حضرت علی المرضی 165/-

اویال آئمہ کرام 165/-

حكایات گستان سعدی 195/-

اویال شیخ سعدی 140/-

حكایات رومی 180/-

اویال حجۃ حقائق 170/-

حكایات بوستان سعدی 199/-

برے لوگوں کے روشن واقعات 165/-

آخری معزکہ 550/-

جب سوہنات کے بڑے بست کوائز نے بی بھائی آناؤندہ
راجہ اور پچاری سلطان کے قدموں میں مر پڑے وہ کہاںاُس کے دُوزن کے پر اس بوجھی کیلئے تاریخیں۔ سلطان کا
چھوٹے سے تھا اپنا عاصی میں "سیکر جازی کی تیکہ بھجوڑی

جسکی دشمن کیلئے پھاتا ہوا دیا تھا۔ تلوش

اندھیری رات کے مسافر 475/-

انہاس میں مسلمانوں کی خوبی ساخت غربہ اعلیٰ تھی
کے لفڑی مناظر، بوریوں، بوریوں، بوریوں کی ذلت

ورسمی کی لمبائی داستان 300/-

ثقافت کی تلاش 300/-

تم نہہ رثافت کا پرچار کنے والوں پر ایک تحریک،
جنہوں نے ملک کی اخلاقیہ رہ مصلحت دیندیں اور ملبوس

کی تھا پھر وہیں کی پھنا پھمن کے ساتھ پہاڑ کیا

قیصر و کسری 625/-

غیرہ اسلام سے قبل عرب دعم کے تاریخی سیاہی،
اخلاقی تہذیبی اور نہایت زندگی اور ارزشان

اسلام کے ابتدائی نقوش کی داستان

سبق آموزگار سلسلہ

دورگی طباعت اور تصویری کتابوں سے مزین

- اویال حضرت علی المرضی 165/-
- اویال آئمہ کرام 165/-
- حکایات گستان سعدی 195/-
- اویال شیخ سعدی 140/-
- حکایات رومی 180/-
- اویال حجۃ حقائق 170/-
- حکایات بوستان سعدی 199/-
- برے لوگوں کے روشن واقعات 165/-
- دلچسپ و تیرت انگلیز باش 150/-
- ایمان افرو و سبق آموز 180/-
- دلچسپ و عجیب حقائق چہ واقعات 170/-
- حکایات بوستان سعدی 199/-
- دلچسپ و تیرت انگلیز باش 150/-



اُرڈ لفٹ

(جامع ترین)

ملفوظ حرفی کے تلفظ کے لئے اس کے ساتھ دو زبانیں کا پہنچانہ

جہانگیر ریک ڈپو

021-32765086 042-35757086 022-2780128
 051-5539609 042-37220879

”تو اس کی تفصیل بھجہ بتا۔“
”ہم کسی سیکیورٹی پمنی کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں جن کے پاس جدید ترین ایکو پنٹ ہو، وہ اندر باہر سے سارا پرانا سسٹم ہٹا کے ایک فول پوف نظام نصف کر دیں۔“

”اور یہ فول پروف نلام کیا ہوتا ہے؟ کلوز سرکٹ کیسے، انفراریڈ لائٹ کا حصہ، خود کار اسلیے سے کیس پونیں کھنے ڈیوٹی دینے والے گارڈ... بلٹ پروف کاریں۔ مائی فٹ... اسی زندگی گزاریں گے ہم؟ ہر وقت ہر جگہ آرمڑ گاڑیوں میں جائیں گے۔ ریشورنٹ، بازار، تفریحی مقامات، تقریبیات، یہ ہو گی ہماری زندگی؟ اور اس کے بعد کون سی ضمانت ہو گی کہ جو درگاہ کا انجام ہوا یا چودھریوں کی حوصلی کا وہی مراد ہاؤس کا نہیں ہو گا؟ وہ زیرِ زمین سرگن کے ذریعے نہ سب کو پلک جھپکتے میں ختم نہیں کر دیں گے؟“

”بے شک خطرہ رہے گا...؟“

میں نے انور کی بات کاٹ دی۔ ”انور صاحب! میں نے ذکر کیا تھا کہ ایک جگہ میر نے کچھ لوگوں کو زمین سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ کوئی زیرِ زمین راست تھا اور بوریاں انھائے لوگ ایک چھوٹے سے نگل یا کھنے باغ میں جا رہے تھے۔ کون تھے ہو لوگ؟“

”ہم جا کے دیکھے رکھتے ہیں۔“

”میں نے بہت سوچا۔ نادر شاہ کسی میں الاقوامی اسمگلروں کے گروہ سے وابستہ ہے۔ ان کا نیٹ ورک ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ سب سے بڑی ہے ڈرگ مافیا، سب جانتے ہیں ان کے مرکز کہاں سے کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے روٹ کیا ہیں اور وہ کتنے طاقت ور ہیں۔ ان کا ایک مرکز ہے ہمارا ہمسایہ ملک، افغانستان جس کے ساتھ ہماری ڈھائی ہزار کلومیٹر کی مشترک سرحد ہے۔ ڈیورنڈ لائن... یہ نہ ادھروا لے مانتے ہیں اور نہ ان کے ادھر والے ساتھی... وہ نظر بھی نہیں آتی اور ہر طرح سے ایک اوپن بارڈ رہے۔“

”میں سمجھتا ہوں نادر شاہ بھی یہ راست اختیار کرتا ہو گا۔“ انور بولا۔

”لیکن اب ایک نیا عنصر شامل ہو گیا ہے اس کراس بارڈ اسمگلنگ میں... اور وہ ہے اسلیے کی اسمگلنگ... روس کے خلاف امریکا نے میزائل، راکٹ سب مجاہدوں میں بانٹے... دوپر پاورز کی جگہ میں استعمال ہونے والا

اور وہ اپنے اس اڈے کو بند کر کے کہیں اور خلی نہیں کر سکتا۔ ہم اس کے کاروبار کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے تو وہ کسی سے کچھ نہیں۔ کہے گا بلکہ اتنا ہمیں خاموشی کی کچھ قیمت ادا کرتا رہے گا۔

دونوں اڑکیوں کے چہرے پر خفیٰ آہنی۔ ”یہ سب تم نے ہم سے کیا چھپا یا اب تک؟“ ریشم نے کہا۔

انور مسکرا یا۔ ”اسی دن بتا دیتے تو تم کون سی توپ چلاتیں؟“

”تو پہ تم نے کون سے چلائی؟“ روبلی بولی۔ ”تم مہلت لے کر آگئے؟“

”چھر کیا کرتے؟“ ”انکار کرتے تو کیا وہ گولی مار دیتا؟“ میں نے کہا۔ ”انکار سے قبول کب تھا اور اس نے انکار کی پرواہی نہیں کی۔ صاف بتا دیا کہ یہ مہلت بھی حالات کی وجہ سے دی گئی ہے۔ کونکہ فیصلہ روبلی کو کرنا ہے۔“

”تمہیں تھک کیوں تھا میرے فیصلے کے بارے میں؟“ روبلی خدا کے بولی۔

”تھک کوئی نہیں تھا۔ خود انور نے کہہ دیا تھا کہ ہمارا انکار بھی اقرار میں نہیں بدلتے گا۔“ میں نے کہا۔

”ہاں، اتنے گھنے گزرے بھی نہیں ہیں ہم۔“ روبلی بولی۔

”قانون کی طاقت بھی ہے ہمارے ساتھ۔“ ریشم نے اس کی آواز میں آواز ملائی۔

”لیڈیز! جذب باتی نہ ہوں۔ لا قانونیت کا مقابلہ قانون سے کرنے کی بات محض خواب پرستی ہے۔ قانون تو پہلے ہی ان کی مٹھی میں ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس میں کتنی حقیقت تھی۔ نادر شاہ نے بتا دیا تھا کہ ہم پہلے ہی محصور ہیں۔ ہمارے آس پاس اندر باہر سب انہی کے لوگ ہیں۔ ہمارے تینوں داروں کے وفادار ہیں۔ تعمیراتی کام تو ہم نے فی الحال بند کر دیا۔ گھر کے اندر سے ان سب کو نکال دیا جب پر نمک حرام ہونے کا شہر تھا لیکن یہ جو ہمارے گرو سیکیورٹی کا حصہ بنائے کھڑے ہیں، ابھی ان کو ہم نے نہیں چھیڑا۔ اور جو پوچھوتا میرے ذہن میں ایسا کوئی پلان نہیں آتا جو ہمیں نفوذ رکھے۔ اگر ہم انکار پر قائم رہیں۔“ میں نے کہا۔

انور نے نغمی میں سر ہلا یا۔ ”آخر ہم ایک فول پروف سیکیورٹی کا نظام کیوں قائم نہیں کر سکتے؟“

جواری

ساتھ۔ وہاں تمہارے ہاتھ میں کبی پروجیکٹ نہیں تھا چنانچہ تم نے اسٹاف کو فارغ کر دیا۔“

”اور اب وہاں بیٹھے کے، مفت کی روٹیاں توڑوں گا؟“ انور بولا۔

”ذر اتوقف فرمائیے۔ آپ روپینہ کے کہنے سے اس کی زمین پر ایک ہاؤسنگ پروجیکٹ کا اعلان کروئیتے ہیں۔ مراد انگر جیسا۔ اس پر کسی کو کیا اعزاز ہو سکتا ہے۔ جتنی جگہ درگاہ کی تعمیر نو کے لیے درکار ہے، وہ دے دی گئی۔ اب وہاں کچھ بھی ہو۔ باقی زمین اس سے میں زیادہ ہے جتنی پر مراد انگر آباد ہے۔ محل وقوع کے اعتبار سے وہ بہتر جگہ ہے۔ شاہراہ کے قریب ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی ملائکہ پاہر کے سند یافتہ ماہر تعمیرات جناب چودھری انور بقلم خود کریں گے۔ یہ کاروباری طور پر بہت کامیاب جائے گا۔“

”میں اس سے اختلاف نہیں کرتا۔ مگر غالباً ہم بات کسی اور مسئلے پر کر رہے ہیں۔“ انور نے طنز پر کہا۔

”میں آتا ہوں ادھر، اب، آپ تو لگ گئے تا اپنے کام میں۔ آئندہ دو چار ماہ میں، وہی روپی اپنی زمین پر ایک نئی رہائش گاہ بنوائی ہے اور تم بھی، یشم کے ساتھ وہاں منتقل ہو جاتے ہو۔ یہاں مراد ہاؤس بھی رہے۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے کم سے کم افراد ہوں۔ باتی کی چھٹی۔ جب کمین کوئی نہیں تو مکان کی حفاظت چے مخفی دار... بھی دل چاہے تو میاں بھی چہر لگا لو۔ روپی کے دونوں گھر لیکن رہائش وہیں اپنی آبائی زمین پر۔ نئے گھربیں۔ وہاں نئے پروجیکٹ کے لیے نیا اسٹاف اپنی مرضی کا، جن سے اندیشہ تھا کہ نادر شاہ کے نمک خوار بن چکے ہیں ان کی خود بخود چھٹی۔ نمک کی کوئی بات نہیں، نئے مالک یا پروجیکٹ نئے لوگ، فرض کرو اس کا نام ہو گا مراد انگر نو۔“

”یار سب فرض کر لیا۔ اور مان لیا کہ پروجیکٹ کرشل ہٹ ہو گا۔ دو چار سال میں آباد بھی ہو جائے گا لیکن وہ مسئلہ درگاہ کا؟“

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اس سے تمہارا کیا تعلق... وہ میرا پروجیکٹ ہے۔“

”تو نادر شاہ سے نہ جائے گا؟“ انور نے کہا۔ ”اور وہ اتنا بے وقوف ہے کہ مان جائے گا۔“

”ہاں، مجھے ساتھ رکھنے نہ فائدہ ہے اس کا۔ یہ بات خود بمحض آجائے گی اُسے۔ یہ ایک اطری اور فائدہ مند پاٹنر شپ ہو گی۔ روپی سب جانتی ہے کہ س کے والد نے اپنی زندگی میں مجھے جائیں نامزد کر دیا تھا، یک تقریب میں۔“

اسلحہ افغانستان سے پاکستان بھی پہنچا، اب خود امر کی وجہ میزائل واپس مانگتے ہیں تو انہیں بھی شکریے کے ساتھ واپس نہیں ہوتے۔ میں نے سنا ہے ایک ایک استعمال شدہ میزائل کی بیس نیک ہزار قیمت ہے۔ اس طرح بارووی سرجنگیں، اور لاکھوں کی تعداد میں کلاشنوف بارڈر سے ادھر آتی ہیں اور آرہی ہیں اور اس کاروبار میں لاکھوں کمانے والے کروڑوں بارہے ہیں۔ اسلحہ کی مارکیٹ ساری دنیا ہے جہاں خانہ جنگی جاری ہے یا پلان کر لی گئی ہے۔ نادر شاہ اس میں پچھے نہیں ہو گا۔“

”ہاں، یہ ممکن نہیں۔“ انور کا چہرہ اتر گیا۔ ”پھر تو ہی بتا، ہم اس را کٹ بم اور میزائل کے آڑھتی سے کیسے ارکتے ہیں۔ کون لڑ سکتا ہے۔ یہ کلاشنوف وغیرہ کیا ہیں اس کے لیے۔ کھلونے، اس کی کمان میں پورا لفکر ہے نام نہاد امنی مزیدوں کا، تنجواہ دار سیکورٹی گارڈ ان کے مقابلے میں خودکشی کرے گا۔“

ایک مختصر غاموشی کے واقعے کے بعد روپی نے کہا۔ ”تم نے سب کا دصلہ پست کر دیا۔“ ”میں کسی کی جان کا دشمن ہوتا تو کہتا کہ مر جاؤ اللہ کا نام لے کر... مگر میں جاہتا ہوں کہ ہم سب زندہ رہیں۔ زندگی کی خوب صورتی ویسیں، خودکشی نہ کریں۔ کام ایسے کریں کہ ساتھ بھی سرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔“ میں نے کہا۔

سب کے چہرے ایک سوالہ نشان بن گئے۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ ایک خیال ہے مگر ہا ممکن نہیں ہے۔ فرض کرد، ہم نادر شاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ روپی کی طرف سے میں رضامندی کا اظہار کر دیتا ہوں۔ اس معاهدے کے فریق صرف دو ہوں گے۔ ایک روپی اور دوسری میں۔ باقی دو یعنی تم دونوں کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔“

”ذر اوضاحت فرمائیے۔“ انور بولا۔ میں نے کہا۔ ”پہلے بھی تمہارے معاملات الگ تھے۔ ظاہر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ تم نے خود کو میرے معاملات سے الگ کر لیا۔ ہے۔ سکندر شاہ نے بقاگی ہوش و حواس انجینئر آرکیٹ انور چودھری کو اپنا پاٹنر اور کاروبار کا مشیر و نگران بنالیا تھا۔ مراد ہتا تو مالک ہوتا۔ تم مالک بہر حال نہیں ہو۔ پا اور آف اٹار نی تمام اختیارات روپینہ مراد کو دیتی ہے اور ظاہر ہے وہ یہ کاروبار نہیں سنبھال سکتی۔ روپی کے کزن کی حیثیت سے تم اب مراد ہاؤس میں رہو گے، اپنی بیوی کے

دیا۔ دل سے وہ کچھ بھی سمجھتے ہوں اور ایسا ہی جیر سائیں نے کیا۔ بھائی کا رشتہ دونوں نے بھایا۔“

میں نے یہ محسوس کیا کہ پوری طرح سے قائل نہ ہونے کے باوجود وہ سب میری بارٹ پر غور کر رہے تھے جو ابھی وضاحت طلب تھی۔ اس مسئلے پر خوف اور پریشانی کا شکار سب تھے لیکن کسی کے ذہن میں نجات کا کوئی واضح پلان نہیں تھا۔ میں نے اگر مختلف سوچاتھا تو میری بات سنی جانے کے قابل تھی۔ خواہ اس کی حماقت یا مخالفت میں فیصلہ فور آنے ہو۔ ملازمه نے آکر، ذرا سی دیر کے لیے ہمیں ڈسٹرپ کیا۔

”کھانا میز پر لگ گیا۔ ہے جناب۔“ اس نے اطلاع دی۔

میں نے کہا۔ ”ہم کھا: باہر ہی کھائیں گے۔“ اور انوراٹھ کے پھر بیٹھ گیا۔ ملازمه اوٹ گئی۔

روبی نے ذہانت کا ثبوت دیا۔ ”یہاں ہماری گفتگو کوئی نہیں سن رہا۔“

”اگر پلان کے مطابق ہم یہاں سے شفت کر جاتے ہیں تو بعد میں کسی وقت اندر جاسوئی کے خفیہ آلات وغیرہ تلاش کر کے ہٹائے جاسکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”اگر ہوئے تو...“

”میرا خیال ہے کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا۔ نادر شاہ ہمیں باہر سے ہی نہیں اندر رہے بھی دیکھ رہا ہوگا۔“

روبی نے اچاک کہا۔ ”وہاں سالانہ عرس کی تاریخ آرہی ہے، بہت لوگ آئیں گے۔“

”پھر تو موقع اچھا ہے۔“ میں نے کہا۔

انور بولا۔ ”اتنے کم وقت میں ہم مراد نگر فیز نو ادا و نس نہیں کر سکتے۔ اس کا چیپروک بھی ہمیں بھر لے گا۔“

”تم سمجھتے ہو وہ کمرشل سکس ہو؟“ ریشم بولی۔

”تمہارے ہاتھوں سے سنگ بیاڑ کھا جائے گا تو ضرور ہوگا۔“ انور بولا۔

ریشم شرمائی۔ ”وہ کیوں؟“

انور کے بجائے میں نے کہا۔ ”کیونکہ تم خوش قسمتی کی علامت ہو، میرے لیے بھی اور اگر حقیقت پسندی سے دیکھو تو ہم سب ہیں جو یہاں تمہارے ساتھ ہیں۔ اپنی خوش نصیبی پر نازک رسمیت ہوتا۔“ قسمت ہمیں ہاں سے کہاں لے گئی۔ حقیقی مشکلات سے نکلا اور مصائب سے بچایا۔ اور دیکھو آج کہاں پہنچا دیا اگر یہ خواب ٹرمینڈہ تعبیر ہوا تو تم مراد نگر فیز نوجیسے غظیم الشان ہاؤسٹ پر ویکٹ کی مالک بنو گئی۔“

روبی چونکی۔ ”مجھے معلوم ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے ایک ڈراما کیا تھا۔“

”تمہیں اس لیے معلوم ہے کہ شاہینہ نے تمہیں بتا دیا ہو گا لیکن اور کتنے لوگ جانتے ہیں یہ بات، جیر سائیں کے بارہ معاون تھے جو یہ جانتے تھے کہ ان کی ایک ہی اولاد نرینہ تھی۔ برسوں پہلے، وہ غائب ہو گیا تھا یا غائب کر دیا تھا۔ سارے زمانے کی خاک چجان کے بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ یہ سب شاہینہ مجھے بتا چکی تھی۔“

”پھر انہوں نے تم سے اپنی امید وابستہ کر لی۔“

میں نے کہا۔ ”ہاں اور اس میں شاہینہ کے دباو کا بڑا دخل ہو گا۔ اس نے لیکن دلایا ہو گا کہ وہ مجھ سے کچھ بھی کر سکتی ہے اور شادی کے بعد میری جانشین پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ وہ کیا آرتے۔ باپ تھے۔ پہلے شاہینہ کے اصرار پر مجھے برابر کی تیشیت دی اور اپنا داماد بنا تا قبول کیا۔ اس کے بعد جانشین: مزد کر دیا۔ یہ ایک بے بس آدمی کا روایتی تھا کہ بعد میں کیا ہوتا ہے۔ مجھے کیا ہمکن ہے سب سی نیت پر مشکل انہیں بھی ہو گرہ۔ شاہینہ کے سامنے بے بس ہو گئے۔ یوں میں درگاہ کا سجادہ نشان بن جاتا...“

”اور تمہارا کیا خیال ہے...“ تمہیں پیر کا جانشین جلد مان لیا جائے گا؟“ انور بولا۔

”یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں نادر شاہ کو قائل کرتا ہوں پہلے کہ روبی کو میں نے راضی تو کر لیا ہے لیکن وہ ان معاملات سے الگ رہتا چاہتی ہے اور مالی شرکت اسے کسی طرح منظور نہیں۔ اب نادر شاہ چاہے تو میری پوزیشن سے فائدہ اٹھ سکتا ہے۔ اگر اس کی طرف سے پرانی بات ختم تو میری طرف سے بھی ختم۔ اس دھنے کو چلانے میں اس کی مجھ سے بہتر مدد کوئی نہیں کر سکتا۔ آنکھیں بن کر کے یقین کرنے والا وہ بھی نہیں لیکن ٹھنڈے دماغ سے غور کرے گا تو اسے میری پیشکش کی افادیت محسوس ہو گی۔“

”اور تم نے پیر مقرر ہو جاؤ گے؟“ انور بولا۔

”مقرر تو میں بہت پہلے ہو چکا، صرف چارج لوں گا۔ درگاہ کی تعمیر بلا خوف و خطر ہو گی۔ مجاور بھی خوش، ہزاروں لاکھوں مرید بھی خوش جن کا کار و بار متاثر ہوا تھا وہ بھی خوش... تم اپنا کام کرو، میں اپنا کرتا ہوں۔“

”ہمارے درمیان تعلق کوئی نہیں؟“

”تعلق جتنا پہلے تھا وہ بھائیوں میں، وہ رہے گا۔ انور کے والد نے بھی بڑے بھائی کے معاملات میں دخل نہیں

جو اور ہی

کرنا نہیں۔ پہلے کامال کہاں گیا اور اب کہاں جاتا ہے۔ کہاں سے آتا ہے یہ مجھے تھے کوئی بتائے گا اور نہ پہاڑتے گا۔ میں ایک طرح سے اس جگہ کا فیجر رہوں گا۔ یہ نہیں کہ مجھے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ جو ملے گا وہ ایسا پڑے گا۔ لیکن چھ میئنے یا اس سے پہلے میں ایک ایک کے نیٹ ورک کی تفصیل جان لوں گا، ہم ایک سیلائیٹ کمانڈ فورس تھکلیل دے سکتے ہیں جو میری انفارمیشن پر ایک ایک ٹوکانے کو تباہ کرے اور ان لوگوں کو ختم کرے جو نادر شاہ، معاون ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں سے افغانستان تک تم خفیہ حملے کر سکتے ہیں۔“ انور نے کچھ دیر خاوش بنتے کے بعد کہا۔“ دیری فلمی... اکیلا چتا بھاڑ پھوڑے گا۔“

میں نے کہا۔“ انور، ہم دنیا سے کیا پاکستان سے اس غیر قانونی یا غیر اخلاقی کام کو ختم کرنے کی بات کریں تو وہ بھی ناممکن ہے لیکن ہم کیا کریں۔“ نادر شاہ کی غلامی کریں؟ پیسے کی خاطر اس کے حکم لے غلام بن جائیں۔ جان بچانے کے لیے ہم بھاگ کے بھی کہیں نہیں جاسکتے اور اسے انکار بھی نہیں کر سکتے۔ میں نے کچھ سوچ ہے، وہ احتمانہ خام خیالی بھی ہو سکتی ہے میری... اور یہ ہی ہو سکتا ہے کہ شاید اس طرح میں خود اپنے لیے اور تمہارے لیے محفوظ اور پُرسکون زندگی کا کوئی راستہ بناسکوں۔ خمرے میں میری جان آج بھی اتنی ہی ہے جتنا کل ہو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ تم سب بھی مارے جاؤ۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے اس کی طاقت کا اندازہ کرنا ضروری ہے۔ یہ میں اندر کا آدمی بن کے ہی جان سکتا ہوں اور اندر کا آدمی بنتا بھی آسان نہیں ہے لیکن کوشش کیے بنا چارہ نہیں...“

وہ سب میری صورت دیکھتے رہے۔ تذبذب ان کے چہروں سے عیاں تھا۔

میں نے کچھ دیر بعد کہا۔“ ورنہ برادر چھوڑو سارے حصہ نہ، اسے اپنا کام کرنے دو۔ تم اپنا کام کرو۔ میں تمہارے بیچ میں سے نکل جاتا ہوں یا پھر ہم اپنا سب کچھ سیست کرنا در شاہ سے سودا کر لیئے ہیں کہ تم جو چاہو کرو۔ ہم چلے جاتے ہیں کہیں اور... دنیا، ہت بڑی ہے۔“

“ یہ تو ہم بہت سیلے رہ سکتے تھے۔“ انور بولا۔

روپی نے کہا۔“ مگر کریں گے نہیں، میں تمہارے پلان کو پورٹ کروں گی۔ یہم۔“

“ پورٹ نہ کرے، کی بات میں نے بھی نہیں کی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے خطراء پر غور کر لیا جائے۔ ملک اکیلا آگئے نہ جائے۔“

“ سچ کہتے ہو بھائی... لیکن یہ سب اس لیے ہوا کہ تم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا۔“ اس کی آنکھوں میں نی آہنی۔

میں نہ پڑا۔“ نہیں، یہ اس لیے ہوا کہ میں ندی میں بہتا ہوا تمہارے سامنے سے گزر اور تم نے پہلے میرا ہاتھ چکڑا۔“ طازہ دو بیزوں پر سچلے ہوئے کھانے کے برتن سمیٹ کر لے گئی۔ ریشم نے اسے گردنٹی لانے کو کہا۔

“ اچھا فرض کرنا در شاہ نے مجھے تیر مان لیا، درگاہ کا چارج تجھے مل گیا... پھر؟“

“ پھر یہ کہ اس کا اعلان کرائیں گے اور عرس کی تاریخ سے نتی درگاہ کی تحریر ہو گی۔ اگر یہ ممکن ہو تو ہم خاموشی سے اس میں کیسرے اور مائک نصب کر دیں گے جو کسی کو نظر نہ آ سکیں۔ لیکن یہ ہے خطرناک کام۔ پورا پلان اس سے فیل ہو سکتا ہے۔“

“ وہ بعد میں حسب ضرورت لگ جاتے ہیں۔“ انور بولا۔

“ تم سب فی الحال ہیں رہو۔ اپنے پلان پر کام کرو۔ مجھے مدد کی ضرورت ہو گی تو میں بتا دوں گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ درگاہ کو مکمل ہونے میں سال لگ جائے۔ مراد گنرو بھی تائم لے گا۔“

“ پانچ سے سات سال۔“ انور بولا۔

“ میکن مراد ہاؤس کے بجائے تمہاری وہاں رہائش گاہ کی سمجھیل میں سر لٹھیں گے گا۔“ میں نے کہا۔

“ چھ میئنے...“ انور نے جیسے فیصلہ سنایا۔

“ مگر، چھ ماہ بعد ہمارے درمیان رابطہ بہت قریبی ہو گا۔ یہ ہے تو کچھ خیالی بات مگر ناممکن نہیں۔ اگر تمہارا گھر جسے میں ابھی سہولت کے لیے مراد ہاؤس تو کا نام دیتا ہوں۔

قریب ہو تو درگاہ سے انذر گرا اونڈ نکلن بنایا جا سکتا ہے۔“

“ ممکن تو سب کچھ ہے مگر ریک لینے کی ضرورت کیا ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کا سراغ لگ جائے گا۔ رابطہ اس کے بغیر بھی رکھا جا سکتا ہے۔ عام فون نہ سکی وارلیس ہے۔“

میں نے کہا۔“ مجھے امید ہے کہ چھ ماہ میں مجھے سب معلوم ہو جائے گا کہ وہاں کیا ہوتا رہا اور اب کیا ہو گا۔ یقیناً مجھ پر نظر رکھی جائے گی۔ میں دیکھوں گا کہ کون کیا ہے اور کیا کرتا ہے۔“

“ اور مریدوں کو دم درود سے با مراد کرنا، تعویز دینا، جھاڑ پھوٹک اور جن اتارنے کا سلسہ بھی چلے گا۔“

“ وہ ظاہر اپرده ہے، رکھنا پڑے گا۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ نادر شاہ کا اور اس کے قابض معاونین کا اعتماد اور اعتبار حاصل کرنے کے لیے میں یہ بھی کروں گا اور مجھے کچھ جاسوسی ڈانچ بھیت جو 205 فروری 2015ء

بھی ڈھل رہی تھی۔ انورے ساتھ ریشم بھی تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے اندر چلی آئی۔ روپی بیٹھی رہی اور کچھ سوچتی رہی۔

”اگر میں خود جاؤں اور مریدوں سے ملوں تو ان کا تعامل کیا ہو گا؟“ میں نے کہا۔

روپی نے کلائی کی گھزی وہی۔ ”آج دن کیا ہے۔ جعرات... مجھے پتا چلا تھا کہ لوگ اب بھی حاضری دیتے ہیں۔ پہلے کی طرح قوائی اور لنگر کا سلسلہ تو نہیں ہے مگر مرید آتے ہیں۔ چلو آؤ دیکھ آئیں۔“

”تم بھی جاؤ گی؟“ میں نے پوچھا۔

”کیوں نہ جاؤں، وہ گھر تھا میرا۔ اپنے والد کے لیے فاتحہ خوانی میرا حق ہے۔“

دس منٹ بعد ہم ایک گاڑی میں اسی گھر کی جانب رواں تھے جہاں قتل و غارت گری ایک آتش فشاں رات میں مجھے موت کے منہ سے دوسرا بار نکال لے جانے والا وہی ڈاکور ستم گاما تھا جو اب الک غلام محمد بن کے شرافت کی زندگی اختیار کر چکا تھا۔ شاہزادہ اس رات اپنی زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔ عین خوابوں کی تعبیر پانے سے پہلے اب روپی میرے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں صرف اس کی آنکھیں دیکھ سکتا تھا جو ہو بہوشانہ کی آنکھیں تھیں۔ بار بار پہاڑ اس کی خلش کی طرح جا گتا تھا کہ میرے ساتھ روپی نہیں، شاہزادہ بیٹھی ہے۔

چودھریوں کی حوصلی کی طرح روپی کا گھر بھی ملے کا جلا ہوا ذہیر تھا۔ یہاں بھی چورا پکے بہن، کچھ لے گئے ہوں گے مگر اب یہاں کا رہنے والہ راستہ روک کے کھڑے تھے جو دراصل دیوار کا ایک حصہ گرتے ہے، بنا تھا۔ میں نے گاڑی کچھ فاصلے پر روک دی۔ میں سووا مہر و وزن کے ایک جمع میں سے گزر ا۔ انہوں نے چادر میکا لیکن روپی کے لیے خود راستہ چھوڑ دیا۔ چند ایک نئے مجھے بیچان کے نظرے لگائے جو وہ لگاتے آئے تھے۔ ملٹی گارڈ ٹاؤن بانہ انداز میں ایک طرف ہو گئے۔

ای وقت پچھے سے کوئی چلا آیا۔ ”فریب! تو فرید الدین ہے؟“ میری رگوں میں خون کی روائی یوں رک گئی جیسے پہاڑی چٹے کا پائی۔ میں نے پلٹ کے دیکھا تو وہ سکھ جیل کے پرانے ساتھیوں میں سے کوئی تھا۔

ہر معاذ پر ایک نئے داؤ کی منتظر

جوواری کی ندیں بیوں اگلی، ماہ پڑھیں

”مجھے جانا پڑے گا۔ کیونکہ نادر شاہ کی نظر میں قربانی کا بکرا میں ہوں اور یہ سب ابھی زبانی جمع خرچ ہے۔ جب نادر شاہ کی دی ہوئی مہلت ختم ہو جائے تو وہ سمجھتے ہیں وہ کیا کہتا ہے۔ اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور اس کی شرائط قبول کرنے سے پہلے میں اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کروں گا جہاں اور جب وہ چاہے۔ اس کے بعد یہ میری بہت بڑی آزمائش کا مرحلہ ہو گا کہ میں اس کا اعتماد حاصل کروں۔ اسے بتاؤں کہ میں نے زمین کی مالک روپینے سے جگہ لے لی ہے لیکن باقی سب لوگ میرے ساتھ نہیں ہیں۔ اس کے بعد میں بتا سکتا ہوں کہ درگاہ کا اصل گدی نشین میں ہوں جسے خود پیر سائیں نے اپنی زندگی میں سب کے سامنے نامزد کر دیا تھا۔ یہ بات اسے معلوم ہونی چاہیے۔ میرے مقابلے میں نیک تھی، کاظہار پہلے اس کی طرف سے ہوا تھا کہ چلو پرانی بات ختم ہوئی اور اب مجھے اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ اس کی فراغ دلی کے جواب میں ٹکر گزاری کے جذبے بات کاظہار میں یوں کر سکتا ہوں کہ پہلے کی طرح کاروبار میں اس کا مددگار اور معادن بن جاؤں۔“

”اور مجھے یقین ہے کہ وہ تجھ پر اعتبار کر لے گا۔“ انور بولا۔

”ابھی کچھ بھی یقین سے کہنا مشکل ہے لیکن میری چھٹی حس کہتی ہے کہ وہ یقین کرے گا۔ آج بھی اسے مجھے سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بات بن جائے گی۔ اس کے بعد اعتماد حاصل کرنا میری کوشش پر منحصر ہے۔ اس سے انتقام کی آرزو تو پرانی ہے اور بھی ختم نہیں ہوئی مگر محلی دشمن تو میرے بس کی بات بھی نہ تھی، آج بھی نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا دے اور موقع ملے تو ختم کر دوں۔ اب دیکھو تقدیر کہاں تک ساتھ دیتی ہے اور انجام کا میابی پر ہوتا ہے یا ناکامی پر۔ کوشش کیے ہنا کچھ نہیں ہونے والا۔“

خاموشی کا ایک طویل وقفہ جس میں سب گرین ٹی پینے رہے اور سوچتے رہے کہ میری بات کو کس حد تک سنجیدگی سے لیا جا سکتا ہے۔ ملٹی سب نے ابھی نہ میرے خیال کو یکسر مسترد کیا تھا اور نہ کسی رعایت کے ساتھ قبول کیا تھا۔ چنانچہ مجھے امید تھی کہ آسانی سے نہ سکی تھوڑے سے دباو کے ساتھ وہ میری بات مان جائیں گے۔

اب شام ہونے کے قریب تھی۔ ہم نے صبح اور دوپہر کا سارا وقت باز رہیں کے گزار دیا تھا اور اب سہ پہر جاسوسی ڈانچست 206 - فروری 2015ء

خوناں لاطس

سلیم انور

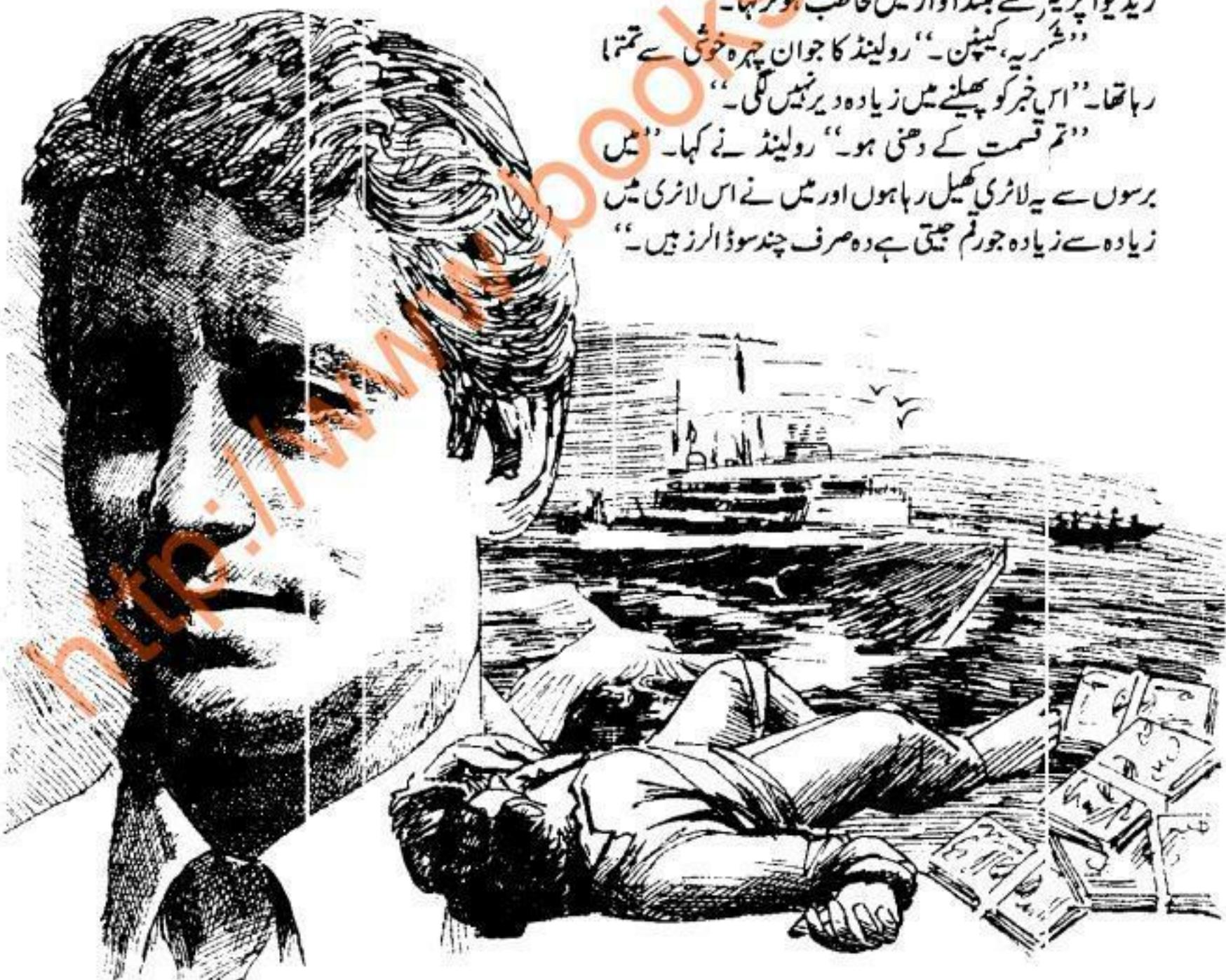
ایک بد قسمت شخص کی رو داد جو خوش قسمتی کا زینہ چڑھ رہا تھا... مگر ایک ہی جہنکے نے اسے ہوا میں معلق کر دیا... لالج اور ہوس زر کا شکار بوجانے والے موزی کا خوفناک انجام...

سمندر کی لہروں پر ڈولتے جہاز میں رونما ہونے والا خونی کھیل...

جو نبی کیپن بریڈ سلنے والے خبر سنی، سید حاریڈ یو کیپن کی طرف چل دیا۔ نیا تھرڈ میٹ کلارک اس کے آگے جا رہا تھا اور وہ کیپن سے پہلے ریڈ یو کیپن میں داخل ہو گیا۔ ریڈ یو آپریٹر رولینڈ اپنی ڈیک پر بیٹھا ہوا نوٹوں کی ایک گذی کو پیا۔ سے تھپتھپا رہا تھا۔

”بہت بہت مبارک ہو۔“ کیپن بریڈ سلنے والے ریڈ یو آپریٹر سے بلند آواز میں مخاطب ہو کر کہا۔

”شیریہ، کیپن۔“ رولینڈ کا جوان پر ہر خوش سے تمتما رہا تھا۔ ”اسی خبر کو پھیلنے میں زیادہ دیر نہیں گلی۔“ ”تم قسمت کے حصی ہو۔“ رولینڈ نے کہا۔ ”میں برسوں سے یہ لاٹری کھیل رہا ہوں اور میں نے اس لاٹری میں زیادہ سے زیادہ جو رقم جنتی ہے وہ صرف چند سو ڈالر زیں۔“



بھیشیت تھرڈ میٹر پورٹ کی تھی یونکہ سابق تھرڈ میٹ کو غیر متوقع طور پر کمپنی نے اپنے ایک اور بھری جہاز پر ٹرانسفر کر دیا تھا۔ کیپشن بریڈ سلے کلارک یک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ اس کے خیال میں کلارک کا دبلا پتلا چہرہ کی حد تک ظالمانہ اور گرین براؤن آنکھیں اور ہونٹ، ایذا رسان ہونے کا تاثر دے رہے تھے۔

لیکن کیپشن بریڈ سلے صرف ظاہری طبیعے سے کسی شخص کے بارے میں حتیٰ رائے قائم کرنے سے گزیز کرتا تھا اور اس نے تھرڈ میٹ کلارک وابپ فرائض ویانت داری اور پوری تندی سے سرانجام دیئے وابا آفیسر پایا تھا۔

”اس رقم پر کڑی نظر رکھتا۔“ کیپشن نے روینڈ سے مخاطب ہو کر ہستے ہوئے کہا۔ ”یہ کسی کے لیے بھی آزمائش اور تغییر کا باعث ہو سکتی ہے۔“

روینڈ رقم کو ایک لفافے میں رکھتے ہوئے مسکرا نے لگا۔ ”میں نہیں سمجھتا کہ اس بھری جہاز پر موجود کوئی بھی فرد اتنا گھٹیا ہو سکتا ہے کہ اس رقم کو چوری کرنے کی کوشش کرے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ کیپشن نے تائید کی۔

☆☆ ۲۲ ☆☆

بھری جہاز اسی شب سانتا کلا را کی بند رگاہ سے رورانہ ہو گیا۔

اگلے روز صبح ناشتے سے قبل کیپشن عرش پر ٹھیل رہا تھا اور کیرین کی چمکدار دھوپ سے لطف انداز ہو رہا تھا۔ اچانک وہ بے اختیاراتہ بریڈ یو آپریٹر روینڈ سے بات کرنے کے لیے ریڈ یوروم کی جانب چل دیا۔ ریڈ یوروم کا دروازہ کھولتے ہی اس کے قدام وہی رک گئے۔

روینڈ کرے کے فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔

اس نے پاجامہ پہنا ہوا تھا اور اس کا سرخون میں لٹ پت دکھائی دے رہا تھا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ مر جکھی ہے۔ اس کے دیوار گیر بیٹھ کر سب سے اوپری دراز بھی کھلی ہوئی تھی۔

کیپشن تیزی سے درز کی جانب پڑھا، روینڈ کا وہ لفاف جس میں اس نے اپنے انعام کی رقم رکھی تھی، خانی پڑا تھا۔ اس کے بٹوے میں بھی وہ رقم موجود نہیں تھی۔ کیپشن نے تیزی سے بقیہ تمام درازوں کا جائزہ لیا۔ رقم وہاں بھی موجود نہیں تھی۔

پھر کیپشن نے ریڈ یوروم سے نکل کر کرے کا دروازہ بند کر دیا اور تیزی سے چلتا ہوا بالائی عرش پر پہنچ گیا۔ وہاں

”میرا خیال ہے کہ یہ میری زندگی کا خوش قسم ترین دن ہے۔ جانتے ہو کیوں؟“ روینڈ نے قدرے افسر دہ لجھے میں کہا۔

کیپشن نے اشبات میں سر ہلا دیا۔ ”مجھے خوش ہے کہ یہ انعام جیتنے والی ثنویت تم ہو۔“

بریڈ یو آپریٹر روینڈ نے نظریں گھما کرنے تھرڈ میٹ کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”اس جہاز پر یہ تمہارا پہلا ٹرپ ہے اس لیے شاید ہیں یہ بات معلوم نہیں ہوگی۔ میری چھوٹی بہن گزشتہ دو برس سے بستر پر لمحی ہوئی ہے۔ اس کی ریزدھ کی ہڈی میں کچھ گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ ابھی اس کی عمر صرف اٹھارہ برس ہے۔ میری بیس اور میرے سوا اس کا اور کوئی نہیں ہے۔ ہم نے اسے تمام اسپیشلیٹ کو دکھایا۔ ہماری تمام جمع ٹوٹھی اس کے علاج پر خرچ ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ ہم مقروض ہو چکے ہیں۔“ اس۔ یہ کہتے ہوئے قدرے توقف کیا۔

کیپشن اور تھرڈ میٹ خاموشی سے کھڑے اس کی بات سن رہے تھے۔

روینڈ دوبارہ گویا ہوا۔ ”ہم نے سنا ہے کہ یورپ میں ایک شخص ہے جس کا اپنا ایک چھوٹا سا پرائیوریت اسٹاٹ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پاس کراپیٹی علاج ہیں لیکن صرف دولت منڈنی اس کے علاج کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ پچھلی مرتبہ جب ہم یہاں سانتا کلا را میں لٹکر انداز ہوئے تھے تو میں نے بھی قسم آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے سوڈا ریالیٹ کا ایک پورا نکٹ خرید لیا۔ آج صبح جب ہم یہاں لٹکر انداز ہوئے تو میں جیتنے والے لاٹری کے نمبر دیکھنے چلا گیا۔ جب میں نے پہلے انعام والا نمبر دیکھا تو جیسے میری جان نکل گئی۔ وہ ہیرے لاٹری نکٹ کا نمبر تھا۔“ یہ کہہ کر روینڈ سانس لینے کے لیے رک گیا۔

چند ساعت بعد اس نے دوبارہ یولنا شروع کیا۔ ”لاٹری آفس والوں نے مجھے مقامی کینیڈین بینک کا ایک چیک دے دیا جو ہیوز کرنی میں تھا۔ میں نے اسے فوراً ٹیش کر لیا۔ بینک سے کہا کہ وہ انعام کی رقم مجھے امریکن کرنی میں دیں۔ انہوں نے مجھے ہزار ڈالر کے نوٹ دے دیے جو ایک پوری گذی ہے... ایک لاکھ ڈالر۔“

”یقیناً یہ تمہاری چھوٹی بہن کے لیے نہایت خوش تھی کا باعث ہو گی۔“ تھرڈ میٹ کلا رک نے کہا۔

کیپشن بریڈ سلے کی نظریں کلا رک پر جھی ہوئی تھیں اور وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا، جس روز ان کا جہاز اس بھری سفر پر روانہ ہوا تھا تو کلا رک نے اسی روز جہاز پر

تمن سردار پنک پر گئے، وہاں جا کے معلوم ہوا کہ کیپن تو گھر بھول آئے ہیں۔ فیصلہ ہوا کہ سب سے چھوٹا سردار جا کے لے آئے۔

چھوٹا سردار: ”میر اس سڑپر جاؤں گا کہ تم میرے آنے تک سو سے نہیں کھا گے۔“
دونوں بولے ٹھیک ہے۔

تمام دن چھوٹے سردار انتظار کیا جب رات ہوئی تو ان کو زور کی بھوک لئے گئی سوچا ب تک تو وہ نہیں آیا ہے، سو سے کھا لیے جائیں۔ جیسے عی انہوں نے سوسوں کی جانب ہاتھ بڑھایا گیوٹا سردار درخت سے چھلانگ لگاتے ہوئے بولا۔

”یار، ایسا کرو گے تو میں نہیں جاؤں گا۔“

معراج محبوب عربی، ہری پور ہزارہ

کے انعام کی رقم چوری کی جا چکی ہے۔“ کیپن نے تحرڈ میٹ کو بتایا۔

یعنی کرکارک کا چھپ لئک یا۔ پھر اس کا دبلا پتلا چھرہ غصے سے تھنا نہ لگا۔ ”جس کی نہ بھی یہ بیج حرکت کی ہے، اسے جہاز پر بیچ سمندر میں چینک دیا جائے۔“

”میر اور چیف میٹ جہ ز کی تلاشی لینے جا رہے ہیں۔ تم یہاں پر گمراہی کی رہتے اری سنہال لو۔ ہم جہاز کے تمام کروں کی تلاشی لیں۔“... چاہیے وہ عملے کے کمرے ہوں پا افسران کے۔ یقیناً تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟ میں کسی قسم کا امتیاز نہیں بردا چاہتا کہ جس کی وجہ سے عملے کے پائین کسی قسم کی نارضی یا ممکانیت پیدا ہو۔“

”قطعی نہیں۔“ کلارک نے بے ساختہ جواب دیا۔

”آپ لوگ سب سے پہلے میرے رہے کی تلاشی لے لیں۔“

کیپن اور چیف میٹ یعنی تحرڈ میٹ کے کیپن میں آگئے۔ وہاں پہنچ کر چیف میٹ لو یا ہوا۔ ”کیپن! کیا تم نے یہ بات نوٹ کی کہ اس نے اچھے صاف سفر اسفید یونیفارم پہنا ہوا ہے؟“

”ویل، پہلے ہمیں اس کے بیلے کپڑوں کو دیکھنا ہو گا۔“

کیپن میں بستنے میں بھی ہوئی قیصوں، موزوں اور نذر دیز کے علاوہ انہیں تمن استعمال شدہ سفید یونیفارم بھی

موجود چیف میٹ کیپن کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چلتے رک گیا اور حیرت سے کیپن کی طرف دیکھنے لگا۔

”رولینڈ کا قتل ہو گیا ہے اور اس کی لاڑی کی انعامی رقم چوری ہو چکی ہے۔“ کیپن نے بتایا۔

چیف میٹ ڈامنہ حیرت سے کھل گیا۔ ”گذراڑ۔“

”میرا خیال نہیں تھا کہ جہاز میں کوئی ایک شخص بھی اتنا گھٹیا ہو سکتا ہے۔“ کیپن نے کہا۔ ”ہمارے پاس گزشتہ کئی ماہ سے تمام عمل وہی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کوئی رولینڈ کے لاڑی جیتنے پر حصہ میں بٹتا ہوا ہو۔“

”جہاز پر ایک نووارد بھی موجود ہے۔“ چیف میٹ نے کیپن کو یاد دلاتے ہوئے کہا۔

کیپن نے چیف میٹ سے نظریں ملاتے ہوئے جواب دیا۔ ”مجھے کی افسر پر شہر کرنے سے نفرت ہے۔“

”مجھے دیکھنے میں وہ ایک خطرناک شخص لگتا ہے۔“

”مجھے بھی وہ شخص پسند نہیں آیا تھا لیکن... ویل اس نے ایک مشکل وقت گزارہ ہے اس لیے اس کے چہرے پر کر خلکی ہے۔ یہ جاب ملنے سے قبل وہ تین سال خلکی پر رہا ہے۔“ کیپن نے کہا۔

”یہ اس کی داستان ہے۔ کساد بازاری نے بہت سے لوگوں کو زک ہنچائی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تین سال کا یہ عرصہ اس نے کسی نیل میں گزارہ ہو۔ اگر ہماری جہاز راں کیپن نے اتفاقاً اس کا ریکارڈ چیک کر لیا تو ہو سکتا ہے کہ اسے طازمت سے ایک بار پھر ہاتھ دھونا پڑ جائیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ بہر حال ہمیں جہاز کی تلاشی لیما ہو گی۔ گورم کی بازیابی ای کوئی زیادہ امید نہیں ہے۔ ایسی سیکڑوں گھبیس ہیں جہاں وہ رقم چھپائی جا سکتی ہے اور بھی تلاش نہیں کی جا سکتی یہاں تک کہ جہاز کے نکڑے نکڑے نہ کر دیے جائیں۔ کمرے کا جائزہ لینے سے لگتا ہے کہ رولینڈ کی آنکھ محملی تو اس نے چور کو دیکھ لیا۔ وہ دست و گریبان ہو گئے۔

چور نے رولینڈ کے بھاری آبنوی ڈنڈے سے اس کی ٹھوپڑی چھنڑا دی۔ اس قائل چور کے کپڑوں پر لازی خون کے نشانات آئے ہوں گے۔ ہم اس کے خون آلودہ لباس کو تلاش کر سکتے ہیں۔ تحرڈ میٹ کو یہاں اوپر لے آؤ۔“

☆☆☆

چیف میٹ کے طلب کے جانے پر جب تحرڈ میٹ وہاں پہنچا تو کیپن نے دیکھا کہ وہ مکمل سفید لباس پہنے ہوئے تھا۔ وہ دونوں متحسر نظر و پیسے تحرڈ میٹ کا جائزہ لینے لگے۔

”نوجوان رولینڈ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاڑی

نے پُرمیڈ لجھ میں کہا۔ ”مجموعوں سے اکثر کوئی نہ کوئی کوتا ہی ہو جاتی ہے جو ان کا بھاندا اپھوڑ دیتی ہے۔“

☆☆☆

لیکن ایسا دھائی دے رہا تھا کہ قتل اور چوری کی واردات کے بعد تباہی بھی جہاز کا چھپا کر رہی تھی۔

چند دنوں کے بعد ایک رات دو بجے کے قریب جہاز کی خطرے کی گھنٹیاں بتتے لگیں۔ جہاز کا عملہ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں دوڑتا ہوا عرضے پر آگئا۔ انہوں نے دیکھا کہ سمندر بالکل پر سکن تھا اور اس کی سطح چاندنی میں جمگاری تھی۔ لیکن جہاز باعیں جانب بُری طرح جھکا ہوا تھا۔ یہ بات جلد ہر طرف پھیل گئی کہ جہاز میں کہیں کوئی شکاف ہو گیا ہے اور اس کا سراغ نہیں مل رہا ہے۔ جہاز کے پپ بھی اس خرابی سے ہم آہنگ، ہونے میں ناکام ہو رہے ہیں اور ایک پپ تو چوک ہو چاہا ہے۔ اب جہاز ڈوب رہا ہے اور اسے فوری طور پر چھوڑنا ہو گا۔

کیپشن بریڈ سلے بانائی عرضے پر تھا اور چیخ چیخ کر چیف میٹ کو ہدایات دے رہا تھا کہ کشتیوں کو فوراً نیچے پانی میں اتر دیا جائے۔ جہاز بُرکوئی بریڈ یا آپریٹر نہیں تھا جو اس اور ایس کا پیغام بھیج سکا۔ لیکن اس وقت جہاز فلوریڈا کے ساحل سے صرف چند میل کے فاصلے پر تھا۔

چیف میٹ جوش کے عالم میں دوڑتا ہوا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وقت کم ہے اور کوئی لمحہ ضائع نہ کیا جائے۔

جہاز کا عملہ تیزی سے کشتیوں میں سوار ہونے لگا۔ جب وہ جہاز سے دور ہونے لے لیے تیار ہو گئے تو کیپشن بریڈ سلے عرضے پر دوڑتا ہوا آیا، ایک جان بچانے والی رسی پکڑی اور پھسلتا ہوا نیچے ایک ٹوٹی پر آگیا جس میں تمام افسران سوار تھے۔

”اب چل پڑو۔“ اس نے کشتی کے عقبی حصے میں موجود تھرڈ میٹ سے کہا۔

کلارک نے حکم جاری کر دیا اور کشتیاں چل پڑیں۔ کیپشن بریڈ سلے راستے بناتے ہوئے کشتی کے عقبی حصے میں کھینچنے والی نشست پر آگیا اور کشتی کی مست مود نے والا ڈنڈا کلارک سے لے لی۔

”اب کچھ دیر کشتی رانی میں کروں گا۔“ ایک اور کشتی جس کا انچارج چیف میٹ تھا، ان کی کشتی سے ذرا فاصلے پر آگئے، جارتی تھی۔ لیکن اس کے پتوار ساکت ہو گئے تھے۔

کیپشن بریڈ سلے نے اپنے ادمیوں کو حکم دیا کہ وہ کشتی

پڑے ہوئے نہیں لیکن ان میں سے کسی پر بھی خون کا مختی سا دھماکہ موجود نہیں تھا۔

”ہو سکتا ہے کہ اس نے وہ خون آلودہ لباس نیچے سمندر میں پھینک دیا ہو۔“ چیف میٹ نے خیال ظاہر کیا۔ ”اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے پاس کل کتنے سفید یونیفارم تھے تاکہ اس سے ان کی موجودہ تعداد کا حساب لگایا جاسکے۔“

انہوں نے تھرڈ میٹ کے کیمین کی تمام درازیں، میز اور لاکر زکی پوری طرح تلاشی لے ڈالی لیکن رو لینڈ کی انعامی رقم کہیں نہیں ملی۔ پھر وہ جہاز کے دیگر کپنزا اور کمروں کی جانب بڑھ گئے۔

انہوں نے یکے بعد دیگرے تمام کپنزا اور کمرے چھانی مارے اور پورے جہاز کو کھنکا لیا۔ لیکن نہ تو چوری شدہ رقم کا پتا چلا اور نہیں خون آلودہ کپڑوں کا۔ پھر وہ کیپشن کے کیمین میں واپس آگئے۔

”ہم سے جہاں تک ہو سکتا تھا، ہم نے پوری کوشش کی۔ ڈالی۔“ کیپشن بریڈ سلے نے کہا۔ ”ہم رو لینڈ کی لاش کو سمندر برد کر دیں گے اور ریڈ یوروم کو بالائی سور کی پولیس کے لیے اسی حالت میں چھوڑ دیں گے جس حالت میں ابھی ہے۔“

”ایک بار... قائل اور رقم ابھی تک جہاز پر میں موجود ہیں۔“ چیف میٹ نے کہا۔

”اگر انہوں نے قائل کو تلاش نہیں کیا تو وہ چوری شدہ رقم بھی کبھی تلاش نہیں کر پائیں گے۔ وہ ساحل پر اترنے والے ہر شخص کی تلاشی تو لے سکتے ہیں لیکن اس سلے کو محمد ود مدت کے لیے جاری نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے چوراں رقم کو کئی ماہ تک جہاز ہی میں چھائے رکھے۔“

”وہ بینک نو تار کے ذریعے مطلع کر کے ان نوٹوں کے نمبر تو حاصل کر سکتے ہیں اور اس طرح اس رقم کا سراغ لگا سکتے ہیں۔“

”وہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ چوراں رقم کو استعمال کرنے لگے۔ مجھے اسی بات کی زیادہ فکر ہے۔ مجھے رہ رہ کر اس سے ہماری لڑکی کا خیال آرہا ہے۔ رو لینڈ ایک مرتبہ مجھے اپنے ٹھہر لے گیا تھا۔ وہ اتنی پیاری بیگی ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور وہ وہاں بیٹھ پرندہ حال پڑی ہے۔ ہمیں اس لڑکی کے لیے ہر حال میں اس رقم کو تلاش کرنا ہو گا اور ہمیں بند رگاہ چھپنے سے قبل وہ رقم تلاش کرنی ہو گی۔ اس کے بعد شاید یہ ممکن نہ رہے اور بہت دیر ہو چکی ہو گی۔ قائل اور رقم ہاتھ سے نکل جائیں گے۔“

”ہو سکتا ہے، کہ کوئی بات بن جائے۔“ چیف میٹ

کوٹ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ وہ موم جامدہ کوٹ اڑ کر سمندر میں چلا گیا۔

”اے پکڑ لو، بون۔“ کیپشن نے کہا۔

پھر کیپشن نے کشتی کے پتوار کو چھپت کر اٹھایا اور اس مقام کی جانب لپکا جہاں وہ موم جامدہ کوٹ سمندر میں گرا تھا۔ اس نے پتوار کو پانی کے اندر ڈال کر محما یا تو پانی میں غرقاب کوٹ پتوار کے ڈنڈے میں انداز گیا۔ اس نے پانی میں بھیگا کوٹ احتیاط کے ساتھ پر کھینچ لیا اور پھر اسے ڈنڈے سے اٹھا کر کشتی میں ڈال دیا۔

اوھر بون پہلے ہی کلارک پر چلانگ لگا جکا تھا اور اب وہ کشتی کے تھلے حصے میں ایک دوسرے سے سمجھتھم کھٹا تھے۔ کیپشن نے موم جامدہ کوٹ اپنے پاس رکھا اور پتوار ایک ملاج کو تھما دی۔ پھر اس نے اپنی جیب میں سے ہٹکڑیاں نکالیں اور بون کے پاس جھک دیا۔ پھر ان دونوں نے کلارک پر قابو پاتے ہوئے ہٹکڑیاں اس۔ ہاتھوں میں پہنادیں۔

پھر کیپشن نے بھیگا ہوا موم جامدہ کوٹ اوپر اٹھایا اور اس کی جیب میں سے ایک اسالا الفاقہ باہر نکال لیا۔ لفافہ معمولی سا بھیگا ہوا تھا۔ اس نے بون کے ہاتھ میں کچڑی ہوئی فلیش لائٹ کی روشنی میں لفافہ بھول لیا۔

”رقم اسی میں موجود ہے۔“ کیپشن نے مطمئن لبھ میں کہا۔ ”آل رائٹ۔“

کیپشن نے دیکھا کہ دیگر کنتیاں واپس آرہی تھیں۔ اس نے کشتی کا ہینڈل دوبارہ سنہماں لیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ کشتی کو کھینٹا شروع کر دیں۔

”ہم واپس جہاز پر جا رہے ہیں۔“

”واپس جہاز پر؟“ بون نے بھس لبھ میں کہا۔

”ہاں، جہاز بالکل ثیک ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ جہاز کے چیف انجینئر نے تمام تسلی ایک جانب پہنچ کر کے جہاز کو بائیکیں بھلو پر جھکا دیا تھا۔ اس سے ہر ایک کو بے وقوف بنانے میں مدد ملی گئی اور ہر کوئی یہ یقین کر بیخا کہ جہاز ڈوب رہا ہے۔“ کیپشن نے کہا۔

”اب مجھے تسلی ہے۔ یہ رقم اس بے چاری لڑکی تک پہنچ جائے گی اور وہ اپنا علاج کرانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ہم سب کو اس کی صحت یا بی کے لیے دعا کو ہوتا چاہیے۔“ چیف میٹ نے کہا۔

پھر وہ سب واپس بہاڑ پر چڑھ گئے اور جہاز اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔



کھینٹا روک دیں۔ تمام کشتیوں کے لوگ حیرانی اور تعجب سے کیپشن کی طرف دیکھنے لگے۔

”اس سے جس کہ ہم مزید آگے بڑھیں، پہلے ایک معاٹے کو حل کرنا ضروری ہے۔“ کیپشن نے درشت لیجے میں کہا۔ ”جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، ریڈ یو آپریٹر کو قتل کر دیا گیا تھا اور ایک لاکھ ڈالر زکی رقم چوری ہو گئی تھی۔ اب یہ بات ایسی ہے کہ جس شخص نے بھی وہ رقم چوری کی بھی اس نے وہ رقم جہاز کے ساتھ ڈوبنے کے لیے وہاں ہرگز نہیں چھوڑی ہو گی۔ لہذا کشتیوں میں سوار ہر شخص کی تلاشی کرنی ہو گی اور میں چاہتا ہم تم میں سے ہر ایک اپنے برابروں اے پر نظر رکھتے تاکہ ایسے نہ ہو کہ وہ اس رقم کو ایک بار پھر چھپانے یا پانی میں پھیلنے کی کوشش کرے۔“

تب ہر طرف موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ صرف سمندر تک کے پانی کے کشتی سے لگرانے کی بلکل آوازیں آرہی تھیں۔

کیپشن کی نسلیں بظاہر سامنے مرکوز تھیں لیکن کن اگھیوں سے وہ کلارک کا جائزہ لے رہا تھا جو ایک طرف خاموش اور بالکل ساکت بیٹھا ہوا تھا۔

پھر کیپشن نے جھکا اور ایک فلیش لائٹ بون کو تھاتے ہوئے بولا۔ ”تم نہیں ذرا روشنی دکھاؤ۔“ یہ کہہ کر وہ دوبارہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب مسٹر کلارک، میں تم سے تلاشی لیما شروع کرتا ہوں۔“

کلارک اٹھا اور کیپشن کے قریب آگیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا دیے۔ بون نے فلیش لائٹ کلارک کے جسم پر مرکوز کر دی۔ کلارک نے سفید رنگ کا نو پیس یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ اس کے کوٹ میں اندر کی جانب کوئی جیب نہیں تھی۔

کیپشن نے پہلے کلارک کی تمام جیبوں کی پوری احتیاط کے ساتھ تلاشی لے ڈالی۔ پھر شانوں سے پیروں تک ٹھوٹ کر دیکھ لیا۔

جب کیپشن نے تلاشی مکمل کر لی تو کلارک بولا۔

”اوکے؟“

”ابھی نہیں۔ مجھے وہ موم جامدہ والا کوٹ تھما دو جس کے برابر میں تم بیٹھے ہوئے تھے۔“

کلارک قدرتے تذبذب کرنے لگا۔ پھر وہ پلٹا اور تھے کیے ہوئے موم جامدہ کوٹ پر جھک گیا۔ لیکن جب اس نے وہ کوٹ ہاتھ میں اٹھایا تو یوں لگا جیسے وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا ہے۔ اس نے سہارا لینے کی خاطر اس موم جامدہ



پانچواں سوار

سریم کے حنان

کہاوت ہے کہ بہادر آدمی ہمیشہ گھوٹے کی پشت پر سوار رہنا
پسند کرتا ہے ... جبکہ کم حوصلہ ... بزدل و کم مائیگی کامارا
سازشوں کے جال بنتا رہتا ہے ... مغربی پس منظر میں لکھی
جانے والی ایک تیز رفتار کہانی کے اتار چڑھاؤ ... ایک طرف
دیانت کا چمکتا مینار تھا ... دوسری جانب دہشت و یہ
ضمیری کا سیاہ غبار تھا ... دوست و دشمن دونوں کے لیے
حالات لمحدب، لمحہ بدتر ہوتے جا رہے تھے ...

دولت کے چھپا بھاگتے دوڑتے اذیت پسند... بے رحم فریپیوں کی قتل و غارت گری

ٹوٹے شیشے کے دروازے سے تخت پستہ ہوا اندر
آرہی تھی۔ دروازے کے ساتھ ایک لاش پڑی تھی اور ایک
لاش سامنے سرک پڑھی۔ تیری لاش سرک کے دوسرا
طرف کھڑی کار کے ساتھ اس سے لگکی ہوئی تھی۔ درمیان
میں پڑی لاش کے ساتھ کھلے بیگ سے نوٹوں کی گذیاں
جھائک رہی تھیں اور ایک کھل جانے والی گذی سے نوٹ اُز
اُز کر چاروں طرف بکھر رہے تھے۔ ہوا انہیں سڑیداڑاڑی
تھی۔ ہر طرف مکمل خاموشی تھی اور پھر اس خاموشی میں

پانچواں سوار

میلبو کو چھوڑنے جاتا تو آرزن کو بھی ساتھ لے جاتا تھا اور دو پھر میں ایک رضا کار مسز جیند سے گھر چھوڑتی تھی۔ آرزن نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر سامنے موٹل کی عمارت کو دیکھا۔ اس میں قطار سے اوپر بیچے بیسی کمرے تھے۔ بیچے کے درمیانی کمرے کا دروازہ لٹھا اور ڈپٹی شیرف آسکر باہر آیا۔ اس نے نظر انھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ اس کے پیچھے ایک لڑکی بھی باہر آئی تھی مگر دونوں الگ الگ کاروں کی طرف گئے تھے۔ جبی جانتی تھی کہ لڑکی صرف رات گزارنے کے لیے آئی تھی۔ جیسے ہی وہ روانہ ہوئے، میلبو کی گاڑی آ کر رکی اور جیسی نے آرزن سے کہا۔ ”چلو وہ آگئے ہیں۔“

آرزن شیشے کے گھر میں بند کچھوے کے پاس کھڑی تھی۔ بیٹھے پانی کا یہ کچھوا نہیں۔ نے آرزن کے لیے چند میئنے پہلے لیا تھا۔ یہ آرزن کو بہت پسند تھا اور اسکول سے واپسی پر وہ خاصاً وقت اس کے ساتھ گزارتی تھی۔ گھر کا نچلا حصہ ایک دراز کی طرح کھل جاتا تھا اور کچھوے کا پورا فرش مع کچھوے کے باہر آ جاتا تھا۔ اس سے صفائی میں آسانی رہتی تھی۔ فرش پر کچھوے کے لیے پتھروں اور ریت سے قدرتی پاچوال پیدا کیا گیا تھا۔ جیسی کی، بہائی موٹل کے پاس ہی تھی۔ یہ چھوٹی سی دو منزلہ الگ عورت ہی۔ اس کے پیچے دفتر اور چھوٹا سا کاؤنٹر ایریا تھا اور اوپر دو کمروں میں جیسی آرزن کے ساتھ رہتی تھی۔ سردی بے پناہ تھی۔ اکتوبر کے آخر میں برف باری کا آغاز ہو گیا تھا۔ آنے والے دنوں میں مزید برف باری متوقع تھی۔

آرزن نے سرخ گرم جیکٹ اور گرم پتلون پہن رکھی تھی۔ وہ باہر آئے جہاں میلبو کا باپ جوزف بیزاری صورت بنائے انتظار کر رہا تھا۔ اُنہوں نے آرزن اور میلبو میں دوستی نہ ہوتی تو وہ اس ذمے داری کو لینے کے لیے کبھی تیار نہ ہوتا۔ جیسی نے آرزن کو اندر بیٹھنے میں مدد دیتے ہوئے میلبو سے ہیلو ہائے کی اور پھر خشک انداز میں جوزف کو گھر یہ کہا اور اس نے حسب معمول کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی آگے بڑھی تو جیسی نے ہاتھ ہلا کیا اور پھر نیزی سے حرکت میں آگئی اسے بہت سے کام نہیں تھے۔ اس نے صفائی کا سامان لیا اور ایک ایک کر کے تمام کمروں اور ان کے واش رومز کی صفائی کی۔ جو کمرے استعمال ہئے تھے ان کی چادریں اور یکی غلاف بدالے اور جب وہ نہیں گھنٹے بعد تھک کر جارہی تھی تو اس نے ہیلن کو آتے دیکھا۔

”ش۔“ اس نے زیرِ ب کہا اور اندر کی طرف

پولیس سائز کی مدد اگئی جو رفتہ رفتہ قریب آ رہی تھی۔

☆☆☆

جیسی تو س پر جیم لگا رہی تھی۔ یہ آرزن کا لئج تھا۔ اس نے چار توں تباہ کیے اور انہیں لئج بکس میں رکھ دیے۔ آرزن سامنے بیٹھا ہوئی تھی۔ اس نے ناشا کر لیا تھا اور پا دل تھا مگر جیسی اسے لازمی نا شستہ میں ایک گلاس دودھ دیتی تھی۔ اس نے گلاس خالی کر کے رکھا اور بولی۔ ”ماں آپ کی انشورنس کی رقم کرب پوری ہو گی؟“

”شاہد تمن، سال میں۔“ اس نے جواب دیا۔ لیکن اسے خود یقین نہیں تھا کہ وہ تمن سال میں اپنا قرض اتنا کے مگی۔ ایک سال پہلے آرزن کا آپریشن کا ملکہ فنا اور ڈاکٹرز نے چھ سال کی عمر میں اس کا میں پیدا کی تھا۔ اس کا ملکہ فنا اور ڈاکٹرز نے چھ سال کی عمر میں اس کا ایک عارضی آپریشن کیا تھا اس کے دل زندہ رہ سکے۔ بارہ سال میں اس کا ملک آپریشن پر بھی ڈھانی لاکھ ڈال کھڑا اور وہ ملک ہو جاتی۔ اس عارضی آپریشن پر بھی ڈھانی لاکھ ڈال کھڑا اور اس کا خرچ آیا تھا۔ آرزن بہت پیاری سی بیگی تھی۔ اس کی واحد دوست اور ہمدرم اس کی ماں تھی کیونکہ یہ جگہ آبادی سے ہٹ کر تھی۔

دس سال پہلے جب جیسی نے اپنے باپ کا بنا یا ہوا موٹل سنپھالا تو اس وقت یہاں خاصاً بزرگ تمن سال پہلے یہاں سے تیس میل دور ہائی وے کا بڑا حصہ دوبارہ بنایا گیا اور اب ہائی وے کی سمت بدل گئی تھی اس لیے پہلے جو لوگ یہاں سے آتے تھے وہ نئے حصے سے سفر کو ترجیح دیتے تھے اور اب ان بنا قصبه ملینارا سے میں نہیں آتا تھا۔ اس وجہ سے بزرگ مسلسل زوال پذیر تھا۔ جیسی انشورنس کی قسط نہیں بھر پائی اور جب اسے آرزن کے لیے میڈیکل انشورنس کی ضرورت پڑی تو اسے کچھ نہیں ملا۔ مجبوراً اسے انشورنس کمپنی سے ترضی لیتا پڑا تھا اور اب وہ ادا گئی کر رہی تھی۔ مگر اس کے لیے یہ کام بھی دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ قرض کی رقم کے بدالے اس کا موٹل انشورنس کمپنی کے پاس گروی تھا۔ اگر وہ قرض ادا نہ کر پاتی تو اس کا موٹل انشورنس کمپنی کے قبضے میں چلا جاتا۔ اخراجات کم کرنے کے لیے اس نے واحد ملازم بھی نکالی دیا تھا اور اب سارے کام خود کرتی تھی دیے کام زیادہ نہیں تھے۔

”مام۔“ آرزن نے زور سے کہا تو وہ چونکی۔

”کیا ہوا؟“

”میلبو آئے والا ہے۔“
میلبو، آرزن کا اسکول فیلو تھا اور اس کا باپ صبح جب

وala بالکل مپر سکون اور کسی مجسمے آ طرح ساکت تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے نوجوان سے پوچھا۔ ”ابھی کتنی دوڑ رہے؟“ ”زیادہ دور نہیں ہے مگر مجھ میں ڈرائیونگ کی ہمت نہیں ہے۔ میں پچھلے بائیس کمپنی سے مسلسل ڈرائیونگ کر رہا ہوں۔“ نوجوان نے فریاد کی۔ داڑھی والے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند منٹ بعد الی وے کے دامیں طرف ایک پیشوں ڈپ اور اسٹور کا سائیں یورڈ نظر آیا۔ نوجوان نے کہا۔ ”کیس کم ہے؟“

داڑھی والے نے اثبات میں سرہلا پایا اور نوجوان نے پک اپ اسی طرف موڑ دی۔ لیس اسٹین اور اسٹور پر خاصی رونق ہمی کیونکہ اس کے ساتھ ہی ایک بار بھی تھا۔ نوجوان نے اتر کر گاڑی میں پیشوں ڈالا اور ادا بیکی کرنے اندر اسٹور میں چلا گیا جبکہ داڑھی والا اپنی جگہ ساکت بیٹھا رہا۔ اس نے ان تین کال گرزل کی طرف ایک نظر اٹھا کر نہیں دیکھا جو ڈرائیونگ سے پر آپر میں چھلیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے اس موسم میں تاکافی لباس پہن رکھا تھا۔ کچھ دیر بعد نوجوان اندر سے آیا اس نے نڑکیوں کی طرف دیکھا تو وہ مسکرانے لگیں۔ نوجوان کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر گاڑی میں آگیا۔ اس نے داڑھی والے سے کہا۔ ”کیا ہم رات کو کہیں رک نہیں سکتے۔ یہ کام مل بھی ہو سکتا ہے۔“

”ہمیں ڈیوری مل گئی ہے۔“ داڑھی والے نے دھمکے لجھے تھے۔ ”ایسے دیر رہا مناسب نہیں ہو گا۔ تم جانتے ہو معاملہ بڑی رقم کا ہے۔“

”اس صورت میں ڈرائیونگ تم کرو گے۔“ نوجوان کا لہجہ باغی ہو گیا۔ ”اب میں ہر ڈرائیونگ کیونکہ سرکتا، تم اُن سے بات کرو۔ ہم نیو یارک سے آ رہے ہیں اور انہیں صرف سرحد پار کر کے یہاں آتا ہے۔“

”وہ بھی ثورنو سے آ رہے ہیں۔“ داڑھی والے نے کہا۔ ”اب چلو۔ تم جانتے ہو میں ڈرائیونگ کیونکہ سرکتا۔ اگر کر سکتا تو تمہیں کیوں ساتھ لاتا؟“ نوجوان نے غصے میں انجر، اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ ہائی وے پر آئے کے بعد داڑھی والے نے اپنے کوٹ سے سل فون نکالا اور کسی کو کال کی۔ رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔ ”ہم راستے میں ہیں لیکن میرا سامنے ڈرائیونگ کر کے تھک گیا ہے اور میں ڈرائیونگ کر سکتا۔ میرا مسئلہ تمہارے عالم میں ہے۔“

”ہمیں کل تک پہ منٹ لئی ہے۔“ دوسری طرف سے کہا۔ ”ہم اس طرف آ پکھے ہیں۔“

بڑھ گئی۔ چند منٹ بعد ہیلن اس کے سامنے بیٹھی اپنے کاغذات دیکھ رہی تھی۔

”جیسی میں پچھلے چھ مینے سے تمہیں خبردار کر رہی ہوں کہ یہ جگہ بچوں کے رہنے کے لحاظ سے بالکل مناسب نہیں ہے۔“

”اس میں کیا مسئلہ ہے، میرا یہ گھر موٹل سے بالکل ہٹ کر رہے۔ دونوں کے درمیان میں گز کا فاصلہ ہے۔“

”لیکن موٹل کا دفتر تمہارے اسی گھر میں ہے۔“

ہیلن کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ”تمہارے تمام کمرز پہلے یہاں آتے ہیں۔ ان بیشیات استعمال کرنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ابے بھی جو کسی کال گرل کے ساتھ یہاں رات گزارنے آتے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں کال گرلز چکر لگانے لگتی ہیں۔ تمہارے خیال میں یہ حالات تمہاری بیٹھی کے لحاظ سے مناسب ہیں؟“

”نہیں لیکن...“ ”لیکن ویکن کچھ نہیں۔“ ہیلن نے ایک سرخ کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔ ”یہ آخری دارالنگ لیٹر ہے، تمہارے پاس دو بختے کا وقت ہے تم کہیں اور رہائش کا بند بست کر لو۔“

”ورنہ؟“

”ورنہ حکومت آئن کو اپنی تجویل میں لینے پر مجبور ہو جائے گی۔ تم جانتی ہو آج کل بچوں کی حفاظت کے قوانین پر بہت سختی سے عمل کیا جا رہا ہے۔ میں تمہیں جتنی رعایت دے سکتی ہمیں دے دی۔ اب مزید مجنواں نہیں ہے۔“ ہیلن نے اپنا بیگ بند کیا اور کھڑی ہو گئی۔ ”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

”ایسی ہمدردی میرے کس کام کی جگہ تم مجھ سے پھری پھی چھین کر لے جانے کی بات کر رہی ہو۔“ جیسی نے سختی سے کہا۔

”مگر باقی۔“ ہیلن نے کہا اور باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد جیسی نے سرخ کاغذ دیکھا اور اسے انھا کر مٹھی میں بھیجنے لیا۔

☆☆☆

اس پرانے ماڈل کے سفید پک اپ ٹرک میں وہ دو افراد تھے۔ ان میں یے ایک کسی قدر معیر تھا اور اس نے تار پک عینک لگائی ہوئی تھی۔ اس کی داڑھی تھی۔ مگر یہ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس نے بال اور داڑھی سیاہ رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ دوسرا ٹرک شیو اور سفید بالوں والا نوجوان تھا۔ وہی ڈرائیونگ کر رہا تھا اور کسی قدر مضطرب بھی تھا۔ جگہ داڑھی

رہتی۔ اچاک تھنٹی بھی تو وہ چونگی۔ کوئی دروازے سے اندر آیا تھا۔ کاؤنٹر کے شیشے پر ایک شخص غمودار ہوا۔ اس نے رات میں بھی تاریک ٹائپ رہا تھی اور اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ جیسی نے کہا۔ ”ہائے میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟“

”مجھے دو کرے چہ میں ایک رات کے لیے۔“ اس نے دھمکے لجھے میں کہا۔

”دو کروں کے انھاں ڈالرز ہوں گے۔ ویسے ایک کمرے کا کرایہ پچاس ڈالرز تھا، لیکن تم دو لے رہے ہو اس لیے مجھیں بارہ فیصد رعایت ملے گی۔“ جیسی نے کہا۔ ”اپنا کریڈٹ کارڈ دو۔“

”میں نقد ادا نہیں کروں؟“ اس نے پس نکالا اور سو ڈالرز کا ایک نوٹ سامنے رکھ دیا۔ ”رعایت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”مشکریہ، لیکن اس سورت میں بھی کوئی شناخت دینی ہوگی۔“

”کیا اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا؟“

”نہیں۔“ جیسی نے قطیں لجھے میں کہا۔ اس نے سامنے رکھا نوٹ بھی اندر نہیں کیا تھا۔ داڑھی والا کچھ دیر ساکت رہا پھر اس نے اپنا پس نکالا اور اس میں سے ڈرامینگ لائن کر اس کے سامنے ڈال دیا۔ اس پر اس کا نام گتا تھا آئیون لکھا تھا۔ جیسی کو وہ کسی قدر پر اسرار لگا۔ اس کا لجھ بھی انگلش نہیں تھا بلکہ وہ کسی قدر گاڑھے انداز میں لفظ ادا کر رہا تھا۔ جیسی نے اس کا ڈرامینگ لائن نمبر اپنے پاس نوٹ رک کے اسے واپس کر دیا اور سو ڈالرز کا نوٹ اندر ٹھیک کر اس نے کی بورڈ سے دو چاہیاں اتنا کار کاؤنٹر پر باہر کیں۔ ”یہ چھوڑ اور سات نمبر کراہیں دونوں برابر ہیں۔ ہر چیز اور کے ہے لیکن کوئی مسئلہ ہو تو ہم ایک کھٹے کے اندر مجھے بتا سکتے ہو، اس کے بعد میں نہیں ٹلوں کی۔“

داڑھی والا باہر چلا گیا۔ جیسی اوپر آئی اور اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو نیلے رنگ کا پک اپ ٹک پارکنگ سے باہر چاہا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ اس میں کون تھا؟ وہ کچن میں آئی اور اس نے کبنت میں رکھا شوگر پاٹ نکالا مگر اس میں چنی کے بجائے روپیں میں سو ڈالرز کے نوٹ لپٹے ہوئے تھے، اور یہ خاصا موٹا روپیں تھا۔ جیسی اسے دیکھ کر خوش نہیں ہوئی کیونکہ اسے معلوم تھا چند نوں میں وہ بہت سے پلوں کی ادا نہ کرے گی تو یہ روپیں بہت چھوٹا رہ جائے گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سرے سے غائب ہو

”ہم کوئی ملکی پار ڈیل نہیں کر رہے ہیں۔“ داڑھی والے نے اصرار کیا۔ ”تمہارے باپ کے زمانے سے ہمارا تعلق چلا آ رہا ہے۔“

”اوکے، میں بارہ کھٹے اور دے سکتا ہوں۔ پہنچنے کل رات آٹھ بجے تک لازمی چاہیے۔“

”کل رات آٹھ بجے۔“ داڑھی والے نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ جیسے ہی اس نے موبائل واپس رکھا نوجوان نے خوشی سے اسٹرینگ پر مکامرا۔ یقیناً اس کی خوشی کی وجہ نہیں تھی کہ وہ یک رات کے لیے کہیں رک رہے تھے۔

☆☆☆

جیسی، آرزن کے ساتھ اس کے بستر پر تھی۔ وہ اسے کہانی سنارہی تھی اس پنجی کی جس کو اس کی ماں سے جھین لیا جاتا ہے اور وہ سرکاری ہوٹل میں رہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ”جسماں پہاڑے وہاں صرف دو باتھر روم ہیں اور تمہارے گھر میں کتنے باتھر روم ہیں، پورے ہیں، اتنے باتھر روم بیکھم پیلس میں ہیں۔ اس کا مطلب ہے میری بیٹی ایک شہزادی ہے۔“

آرزن مسکرانے لگی۔ ”مام آپ کتنی عجیب باتیں کرتی ہیں۔“

”ہاں کیونکہ میں ایک ڈھین پنجی کی ماں ہوں۔“ جیسی نے اس کا ماتھا چوڑا۔ ”اب سو جاؤ، صبح جلدی اٹھنا ہے۔“ ”گذ نائن، مام۔“

”گذ نائن، سلیپ نائن۔“ جیسی نے کہا اور لائٹ بند کر کے باہر آگئی۔ دوسرا کمرہ اس کا بیڈ روم تھا اور اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا کچن اور ڈائینگ ایریا تھا۔ وہ نیچے آفس میں آئی۔ آفس اس طرح سے تھا کہ کوئی اندر نہیں آ سکتا تھا۔ کاؤنٹر کے آگے شیشہ لگا ہوا تھا اور اس کے نیچے صرف اتنا ساخلا تھا جس سے رقم اور موٹل کے کمروں کی چابیوں کا تبادلہ ہو سکتا تھا۔ جیسی اور آرزن اس ویرانے میں رہتے تھے اس لیے اپنی حفاظت کے لیے اسے یہ بند و بست کرنا پڑا تھا۔ اس نے کیش والی دراز کھول کر دیکھی۔ اس میں صرف چند سو ڈالرز تھے۔ ایک تو دیے ہی اس علاقے میں بزنس پیشہ گیا تھا دوسرے سرمایہ میں بزنس بالکل ختم ہو جاتا تھا اور بعض اوقات تو کئی کئی دن تک ایک بھی مسافر نہیں آتا تھا۔ آج بھی صرف تین کمرے پک تھے۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اسے شاید موٹل بیچنا ہی پڑے مگر وہ اسے فروخت بھی نہیں کر سکتی تھی جب تک انشورس کمپنی کا قرض ادا نہیں کر دیتی۔ اس صورت میں جب تک وہ دوبارہ روزگار کا بند و بست نہیں کر لیتی، آرزن سرکاری جھوٹی میں

دور سے بھی صاف دکھائی دے۔ ہاتھا۔ ایک سختے بعد جب لاش ایبلینس میں لے یہاںی جا رہی تھی تو جیسی آسکر کے ساتھ اس کی گازی میں بیٹھی تھی۔ وہ سرے پولیس والے دیگر مسافروں سے بیان اور ان کی شذخت لے رہے تھے۔ جیسی کے حواس کم تھے اور وہ کئی بار پوچھنے پر آسکر کے سوالوں کے جوابات دے رہی تھی اور اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس نے کیا جواب دیا۔ وہ چونکی جب آسکر نے اس کے سختے پر ہاتھ رکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”تم مجھے آج بھی یا، آتی ہو۔“

”لیکن تم مجھے بالکل یاد نہیں آتے۔“ جیسی نے تیز لمحہ میں کہا۔ ”کیا تمہیں مزید کچھ پوچھنا ہے۔“ ”نہیں۔“ آسکر کا سوڈ خراب ہو گیا۔ آسکر کھڑے اور پتلے نقوش والا خوش شکل آدمی تھا جسی وجہ تھی کہ عورتیں آسانی سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں۔ جب وہ نیانا ڈپٹی شیرف بناتا تو چند سینے جیسی سے بھی اس کے تعلقات رہے تھے۔ جیسی سخیدہ بھی کیونکہ اسے کہاں سہارے کی ضرورت تھی مگر اس نے جلد بجانپ لے لیا۔ آسکر صرف وقت گزاری کر رہا ہے اس لیے وہ پچھے ہٹ گئی۔ اس کے بعد بھی آسکر بہت عرصے اس کے پچھے پڑا رہا مگر اس کے مسلسل سردوڑیتے سے مایوس ہو کر بالآخر پچھے ہو گیا۔ جیسی کارے باہر آئی۔ ہیر امیڈ ک عملہ لاش کو مخصوص تھیلے میں ڈال کر لے جا رہا تھا۔ جب جیسی گھر کی طرف جارتی تھیں کہ اسے خیال آیا کہ اس نے آسکر کو آئیون کے بارے میں بتایا تھا یا نہیں۔ وہ اسے باہر نظر نہیں آیا تھا۔ کیا نوجوان کے ساتھ وہ بھی غائب تھا؟ یہ تو طے تھا کہ نوجوان وہی دوسرا فر تھا جس کے لیے آئیون نے کمرالیا تھا۔

جیسی کا سر چکرا رہا تھا اس لیے وہ اس بات پر زیادہ غور نہیں کر سکی تھی۔ ایک تو اسے آئیں کے حوالے سے نوش مل گیا تھا وہ سرے کار و بار پہلے ہی اچھا نہیں تھا اب یہاں ایک قتل بھی ہو گیا تھا۔ اس نے پہنچنے سے پہلے آئیں کے کمرے میں جھانکا تو وہ سورہی تھی۔ اس نے شکر ادا کیا کہ اس کی آنکھیں کھلی۔ ورنہ وہ سوال لر کے اس کا ناک میں دم کر دیتی۔ وہ ذہین تھی اس لیے اتنی سی عمر میں بھی بڑوں کے سے انداز میں بات کرتی تھی۔ صبح جیسی جلدی اٹھ گئی۔ باہر بہبود معمول کے مطابق تھا سوائے رانی بر سات پر گلی پولیس کی سیل اور ہلی پیسوں کے۔ جیسی نے پہنچے جا کر آئیون کا کمرا دیکھا مگر وہ مقفل تھا۔ وہ واپس آئی تو آئیون جاگ گئی تھی، اس نے پوچھا۔ ”مام یہاں رہت کو کچھ ہوا ہے؟“

جاتا۔ موٹل کا بُنس اچھا ہے لیکن اس میں اخراجات بھی بہت ہوتے ہیں۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر آج کی آمدی بھی اس رہل پر لپیٹ دی۔ پھر وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں آگئی۔ آج بہت سردی تھی اور چند دن میں مزید سردی کی پیشگوئی تھی۔

☆☆☆

جتنا کس آئیون اپنے کمرے میں تھا مگر وہ لینا نہیں تھا بلکہ کرسی پر بیٹھا۔ ہاتھ۔ نوجوان غائب تھا اور اسے بتائے بغیر گیا تھا مگر وہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ تقریباً ایک سختے بعد کپ اپ ٹرک واپس آیا اور اس کے دونوں دروازے کھل کر بند ہوئے پھر کسی لڑکی کی بھی اور گالی سنائی دی۔ جواب میں نوجوان نے بھی اسے گالی دی تھی۔ دونوں نشے میں تھے۔ یقیناً یہاں آنے سے پہلے انہوں نے کیس اسٹیشن کے ساتھ دالے بار میں لی تھی۔ نوجوان لڑکی کو دھکیتا ہوا اپنے کمرے تک لا یا۔ لڑکی خڑے دکھار ہی تھی اور بلا وجہ کا شور گر رہی تھی مگر چند منٹ بعد اس کا شور اصل ہو گیا۔ نوجوان اس پر تشوہ کر رہا تھا۔ وہ اسے روک رہی تھی۔ اچانک نوجوان چلا یا اور اس نے گالی دی۔ ”کتابی کیا کیا؟“ ”ذلیل حصر، اب میرے پاس آیا تو میں تھجھے حق کر دوں گی۔“

آئیون مضطرب انداز میں اٹھا تھا کہ برابر واے کرے سے ایک فائر اور لڑکی کی چیز کی آواز آئی۔ وہ ساکت ہوا اور پھر واپس کری پر بیٹھ گیا۔ دروازہ کھلا اور پھر پک اپ کا انہن گھر ایسا اور چند لمحے بعد اس کا دروازہ دھڑام سے بند ہوا۔ جب تک آئیون نے اٹھ کر باہر جھانکا، نوجوان بھاگتا ہوا تار کی میں غائب ہو گیا۔

☆☆☆

جیسی کی آنکھ فائر کی آواز پر کھلی تھی اور وہ پریشان ہو کر اٹھی۔ اس نے ہر جھانکا تو اسے کوئی نیلے پک اپ میں گھٹا دکھائی دیا۔ اس نے پک اپ اسارت کرنے کی کوشش کی گھرنا کام رہا۔ سروہی سے اس کا انہن جام ہو گیا تھا۔ وہ اتر اور بھاگنا ہوا تار کی میں غائب ہو گیا۔ جیسی نے پہلے نائن ون ون کو کال کی اور پھر جیکٹ پہن کر باہر آئی۔ باہر قیامت خیز تھا ہوا چل رہی تھی۔ اس کے باوجود دوسرے لوگ بھی اپنے کمر دل سے نکل آئے تھے اور اس کمرے کے نیم کھلے دروازے سے اندر جھانک رہے تھے جس سے نوجوان نکل کر بھاگا تھا۔ جیسی نے اندر جھانکا تو اسے لڑکی کی لاش دکھائی دی۔ وہ لاش ہی بھی کیونکہ اس کے سر میں سوراخ



اب زباس بند رکھو... بولنا سکھانے کا یہ
مطلوب نہیں لتم مسائلِ زر کرتی رہو

خوlutے ہوئے اسے سر کا یا اور چابی کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا کہ آئیون نے بے حد تیزی سے، اس کا ہاتھ پکڑ کر مرد و زر اتو وہ ... بل کھا کر کاڈنٹر پر آگئی۔ اس کی کلائی میں بے پناہ درد تھا اور وہ نوٹنے والی ہو رہی تھی۔ وہ کراہی۔ ”پلیز میری کلائی۔“

”حرست مت کرنا۔“ آئیون نے آہتہ سے کہا۔

”دروازے کالاک گھولو۔“

”پہلے میرا ہاتھ چھوڑو۔“ جیمی نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

خلافِ توقع اس نے ہاتھ چھوڑ دیا اور جیمی سیدھی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ بادلِ ماخواستہ اس نے دروازہ گھولा اور آئیون کے اشارے پر چھپے ہٹ گئی۔ وہ بہت تیزی سے اندر آیا اور اس نے پستول جیمی کے سر سے لگا دیا۔ ”وپر کون ہے؟“

”کوئی نہیں، میری بیٹی ہوتی ہے لیکن وہ اسکوں گئی ہے آنے والی ہو گی۔“ جیمی نے بتایا۔ ”میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔“

”سلیں دو۔“ آئیون نے مطالبہ کیا۔

”وہ اوپر ہے۔“ جیمی نے جھوٹ بولا مگر آئیون ہوشیار آدمی تھا اس نے اس کی تلاشی لی اور شرث تھے میلت سے لگا ہوا سلیں فون نکال لیا اور وہ رشت لجھے میں بولا۔

”اب مجھ سے جھوٹ مرت بولنا، سمجھے گئیں۔“

”اوے... آختر تم کیا چاہتے ہو؟“

اسی لمحے باہر سمزدیہ کی۔ یہ آگر کر کی اور اسے دیکھ کر

”ہاں اب حادثہ ہوا ہے۔“ اس نے اچکچا کر کہا۔

”لیکن اب سب ٹھیک ہے۔“

”ہاں، اب تم تیار ہو جاؤ، میں ناشاہناری ہوں اور تم برش ٹھیک بنے کر ناکل بھی تم بغیر پیٹ کے برش کر کے چل جائیں گے۔“

”اوے کے مام۔“ آئین بولی اور واش روم کی طرف چل گئی۔ آدھے ٹھنڈے بعد جیمی اسے رخصت کرنے پہنچ آئی تو جوزف نے جانے سے پہلے کہا۔

”میں معذرت خواہوں لیکن کل سے میں آئین کو پک نہیں کر سکوں گا۔“

”اوے کے۔“ جیمی نے بس اتنا کہا۔ اسے توقع تھی کہ جوزف ایسا ہی کرے گا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ سمزدیہ سے درخواست کرے، گی کہ وہ کچھ عرصے کے لیے آئین کو پک بھی کر لے جس تک وہ کوئی دوسرا بندوبست نہ کر لے۔ صفائی اور دوسرا۔ے کاموں سے نہ کرو وہ ڈاک دیکھنے لگی۔ اس میں زیادہ تر میل تھے اور ان شور نس کمپنی کی طرف سے خط بھی تھا جس میں اسے خبردار کیا گیا تھا کہ وہ دو اقسام تاخیر سے ادا کر چکی۔ ہے تیسری بار ایسا کرنے پر اسے جرمانہ بھی ادا کرنا پڑے گا اور چوتھی بار قسط میں تاخیر پر کمپنی موٹیل ضبط کر لے گی۔ اس نے شکر دان میں رکھا روں نکالا اور اس میں سے نوٹ نکال کر لفافوں میں رکھنے لگی۔ ان کے ساتھ میل بھی رکھ دیے اور پتے لکھ کر اس نے سارے لفافے بند کیے۔ کل پوسٹ میں آتا تو وہ لفافے اس کے حوالے کر دیتی۔ اس کی توقع کے مطابق روں سکڑ کر چھوٹا ہو گیا تھا۔ آپن کی گھنٹی بھی تو وہ نیچے آئی۔ کاڈنٹر پر آئیون کھڑا تھا۔

”میں غلطی سے یہ چابی لے گیا تھا۔“ اس نے شیشے سے چابی دکھائی۔ پھر پرس سے ایک سو ڈالر زکا نوٹ اور نکال کر کاڈنٹر پر رکھا۔ ”سوری میں لیٹ ہو گیا اس لیے ایک دن کا کرایہ اور دے ریہا ہوں۔“

”وہ تمہا۔ اس اسی تھا جس نے اس لڑکی کو قتل کیا؟“

”نہیں“ اس نے مجھے لفت دی گئی۔ میں اسے جانتا نہیں ہوں، اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے لیے کرا لے لوں۔ کیونکہ اس نے مجھے لفت دی گئی اس لیے میں نے اس کی بات مان لی۔

”شکریے۔“ جیمی نے نیچے سے نوٹ کھینچا اور پھر چابی کی طرف دیکھا مگر آئیون نے چابی نیچے نہیں کی وہ اس نے بدستور اوپر رکھی تھی۔ جیمی نے گھری سائس لی اور شیشے کالاک

شیرف سے تمہاری اچھی واقفیت آگئی تھی۔“

”میں اسے جانتی ہوں۔“

”تم اس سے بات سنوا سکتی ہو۔“ آئیون نے گھری دیکھی۔ ”اس کام کے لیے تمہارے پاس دو گھنٹے ہیں۔“

آدھے گھنٹے بعد جیسی مقام پولیس اسٹیشن میں تھی۔ وہ آسکر کے کمرے تک آئی اور اندر جھانکا تو وہ کام میں مصروف تھا، اسے دیکھ کر وہ کسی ندر حیران ہوا۔ جیسی اندر آئی۔ ”وہ... میں پوچھنے آئی ہوں کہ میرے موٹل پر کب تک پولیس کی سیل لگی رہے۔“

”کل اس سلسلے میں آخری نفتیش ہوگی، اس کے بعد پولیس کمرا تمہارے حوالے کر دے، گی۔“

”اور وہ پک اپ جو موٹل سے پولیس لے گئی ہے؟“

”وہ مبینہ قاتل کی ہے اور پولیس کے پاس بطور شہادت ہے۔“ آسکرنے بتایا۔ ”وہ کسی کو نہیں مل سکتی چاہے وہ اصل مالک کیوں نہ ہو؟“

”اگر میں اسے لیماچ ہوں تو؟“
آسکر مسکرا کر۔ ”جیسی ڈیر تم کس چکر میں ہو؟“
”کسی چکر میں نہیں ہوں۔“

”شاید آج رات میں انہارے موٹل کا چکر لگاؤ۔“

”نیالحال میں نے موٹل بند کیا ہوا ہے۔“ جیسی نے خشک لبھ میں کہا اور اس کے دفتر سے نکل آئی۔ وہ آئیون کے مجبور کرنے پر یہاں چلی آئی تھی ورنہ اسے یہی امید تھی کہ آسکر انکار کر دے گا، یہ ملکن ہو نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ گھر میں آئیون کے سامنے تھی۔ ”پک اپ پولیس کی تحويل میں ہے اور اسے وہاں سے آسکر بھی نہیں نکلو سکتا ہے۔“

آئیون سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے پوچھا۔ ”یہ آسکر کیسا آدمی ہے؟“

”عورتوں کا شوقن۔ ہے حالانکہ اس کی بیوی بھی ہے۔ میں ذاتی طور پر نہیں جانتی لیکن سنا ہے کہ کہ پہ بھی ہے یعنی رشوت لیتا ہے۔“

”اگر اسے گاڑی کے بدالے رشوت کی پیشکش کی جائے تو؟“

”میں نہیں کہہ سکتی۔“ ”جیسی نے انکار کیا۔

”اتی یہ پرداں سے بات مت کرو۔“ آئیون کا لہجہ درشت ہو گیا۔ ”مت بھولو تم ابر تمہاری بیٹی کی زندگی چاہیے۔“ آئیون نے فیصلہ کن لبھ میں کہا۔ ”ویسے ڈپٹی خطرے میں ہے۔“

آئیون تیزی سے آڑ میں ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”کوئی غلط حرکت یا بات مت کرنا ورنہ تمہارے ساتھ بھی بھی ماری جائے گا۔“

جیسی نے سر ہلا کیا اور آفس کے دروازے پر گھری رہی۔ آئیون اس کے عقب میں دیوار کے ساتھ دبکا ہوا تھا اور اس نے پستول کی نال جیسی کی کمرے لگا کر تھی۔ بیرونی دروازہ ہکلا اور آرزن مسز جیڈ کے ساتھ اندر آئی، اس نے کہا۔ ”ہائے جیسی۔“

”ہائے کیسی ہوتم؟“ ”میں ٹھیک ہوں۔“ ”مسز جیڈ یوں۔“

جیسی نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ ”آرزن کیسی ہو سوئی۔“

مسز جیڈ کو اس کاروباری عجیب سالگا تھا کیونکہ وہ اپنی جگہ گھری رہی، آگے نہیں آئی تھی۔ ”تم ٹھیک ہو؟“

”ہاں، کیا تم آرزن کو مزید دو گھنٹے اپنے پاس رکھ سکتی ہو؟“

”اوہ نہیں، ابھی مجھے مزید دو گھنٹے گھر بہنچانے ہیں اور پھر گھر پر ایک بیچ کو دیکھنا ہے۔“ ”مسز جیڈ نے مذہرات کی۔ ”تم پہلے کہہ دیتیں تو میں سینک کر لیتی گمراہ ملکن نہیں ہے۔“

”ٹھیک نہ، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ جیسی زبردست مسکرا آئی تو مسز جیڈ بائے کہتی ہوئی چلی گئی۔ آرزن اندر آگئی۔ وہ خوش تھی کہ اسے مسز جیڈ کے ساتھ نہیں جانا پڑا۔ وہ اندر آگئی اور سیز ہوں کی طرف جا رہی تھی۔ جیسی نے کہا۔

”تم اوپر جو جب تک میں اس آدمی سے بات کر لوں۔“ آرزن نے پہلی بار آئیون کو دیکھا۔ ”مام یہ کون ہے؟“

”میں... تمہاری مام کا دوست ہوں۔“ آئیون نے جواب دیا۔ ”تم اوپر جاؤ۔“

آرزن اوپر چلتی تو جیسی نے اس سے پوچھا۔ ”تم کیا چاہتے ہو؟“

”مجھے وہ پک اپ چاہیے جسے پولیس لے گئی ہے۔“ ”میں کیسے لا سکتی ہوں؟“

”میں نہیں باتا لیکن اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری بیٹی زندہ اور سلامت رہے تو مجھے ہر صورت وہ پک اپ چاہیے۔“ آئیون نے فیصلہ کن لبھ میں کہا۔ ”ویسے ڈپٹی خطرے میں ہے۔“

پانچواں سووار

کی آنکھوں میں نفرت کی چمک لہرائی۔ ”کیا ہے، کیوں آئی ہو؟“

”مجھے آسکر سے بات کرنی ہے۔“ جیسی نے اضطراب سے کہا۔

”بات کرنی ہے یا اس سے...“ مارشا نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا اسی لمحے اندر سے آسکر کی آواز آئی۔

”کون ہے مارشا؟“
”خود آ کر دیکھ لو۔“ وہ تنگ لئے میں بولی اور اندر چل گئی۔ آسکر نمودار ہوا اور اسے دیکھ کر چونکا پھر اس نے تیزی سے باہر آ کر دروازہ بند کیا اور ابے لجھے میں بولا۔

”تم کیوں آئی ہو؟“
”مجھے تم سے کام ہے۔“ جیسی بولی۔ ”مجھے وہ گاڑی چاہیے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہے۔“ آسکر غرایا۔ ”وہ سرکاری تحویل میں ہے۔ آخر اس میں ایسی کیا بات ہے جو تم پا گل ہو رہی ہو۔“

”میں تمہیں تیمت دوں گی۔“
”وہ گاڑی نہیں مل سکتا۔“ آسکر نے فیصلہ کیں لجھے میں کہا اور واپس مڑا تھا کہ جیسی اس پر جھپٹی لیکن اس نے بے جھی سے اسے دھکا دیا اور وہ چھل رسیرو ہیوں سے ینچے جا گری۔ اسے چوتھے آئی تھی وہ پہ مسئلہ انھی تو آسکر اندر جا چکا تھا۔ غصے سے بے قابو جیسی نے اسے ہالیاں دیں اور پھر اپنی پسلیاں پکڑ کر واپس آگئی۔ وہ ڈرائیور سیٹ پر بیٹھی اور کہا۔

”تم نے دیکھ لیا کہ اس نے کہا جواب دیا ہے۔“
”یہاں سے نکلو۔“ آسیون نے حکم دیا۔ جیسی نے گاڑی نکالی اور سرزاں پر آگئی۔

”کیا چکر ہے آخراں پک اپ میں کیا ہے؟“ جیسی نے پوچھا مگر آسیون نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیرے سرزاں پر گھومتے رہے۔ گیس فتح ہو رہی تھی، جیسی نے ایک جگہ سے یہیں بھر دی۔ وہاں سے نہیں تو آسیون نے اسے حکم دیا۔

”پولیس کے وہیکل یا رہ پولیس اسٹیشن کے، چھپے ہی تھا۔“ جیسی نے گاڑی اس طرف موڑ دی اور اسے خبردار کیا۔ ”وہاں کوئی نہیں جا سکتا کیونکہ وہاں ہم وقت پہرا ہوتا ہے۔“ آسیون خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد جیسی کی کار یارڈ کے

”اب میں کیا کر سکتی ہوں۔“ جیسی نے بے بسی سے کہا۔

آرزن کمرے سے نکل کر فریغ تک آئی تھی، وہ کچھ نکالنے جا رہی تھی کہ آسیون نے اس سے کہا۔ ”لٹل گرل، تیار ہو جاؤ۔“

”جیسی چوکنی۔“ ”کیوں؟“
”ہم ڈرائیور جا رہے ہیں۔“

دس منٹ بعد وہ جیسی کی کار میں تھے۔ وہ ڈرائیور رہی تھی اور آسیون اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ آرزن چھپے تھی اور اس کی موجودگی کی وجہ سے آسیون نے پستول کوٹ میں رکھا ہوا تھا۔ مگر اس کے دستے پر اس کی گرفت موجود تھی۔ جیسی اس کی ہدایت کے مطابق گاڑی سرزاں پر گھمارہ تھی اور ایسا اُف رہا تھا کہ آسیون وقت گزاری کر رہا ہے۔ جیسی نے پوچھا۔ ”پک اپ میں کیا ہے جس کے لیے تم اسے واپس حاصل کرنا حاجت ہے؟“

”اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ آسیون نے کہا۔

”مجھے یقین ہے اس میں رقم ہے اور کہنہ چھپائی ہوئی ہے۔“

آسیون نے اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔ ”آسکر کا گھر کہاں ہے؟“

”وہ قبے میں رہتا ہے۔“ آسیون نے حکم دیا۔ ”آسکر کے گھر پر سری طرف

دشمن بعد وہ اس کے گھر کے سامنے دوسرا کمپ اور ایک درخت کے پاس کھڑے تھے۔ یہاں تار کی گھنی اور کار کے اندر کسی کو دیکھنا مشکل تھا۔ آسیون نے اس سے کہا۔ ”جاوہ اور اسے رقم کی آفر کرو۔“

”میرے پاس رقم نہیں ہے۔“ ”رقم میں دوڑا گا۔“ آسیون غرایا مگر اس نے کوئی رقم نہیں نکالی تھی۔

جیسی گاڑی سے اتری تو آرزن پچھلی سیٹ پر سورہی تھی۔ جیسی نے آسیون سے کہا۔ ”اس کا خیال رکھنا۔“

”اس کا خیال تمہیں رکھنا ہو گا۔“ اس نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ”اس کی سلامتی کا انحصار اب تم پر ہے۔“

جیسی سڑک پار کر کے آسکر کے مکان کی طرف بڑھی۔ سریعیاں چڑھ کر وہ دروازے تک آئی اور کال بیل بجائی۔ چند لمحے بعد مارشا نے دروازہ کھولا، اسے دیکھ کر اس

رہا تھا، اگر تم پیک سیست اتر نہیں تو مجھے نظر آ جانا۔“
جیسی نے پُر امید نظریوں سے اسے دیکھا۔ ”دیکھو،“
میں نے ہر ممکن کوشش لیکر...“

”واپس چلو۔“ آئیون کا لہجہ دوبارہ سرد اور ساکت
ہو گیا۔ جیسی نے مجبوراً کار اسٹارٹ کی اور واپس موٹل کی
طرف روانہ ہو گئی۔ آئیون ن کے ساتھ اوپر آیا۔ آئرن
راستے میں انہوں کی سی اسے بھیک لگ رہی تھی۔ جیسی نے گھر
پہنچ کر ڈر ز تیار کیا۔ ان سب نے ڈر ز کیا اور پھر جیسی، آئرن کو
سلانے چلی گئی۔ آئیون ادونوں کروں کے درمیان کری رکھ
کر بینہ گیا۔ کچھ دیر بعد نیکی کمرے سے نکلی تو اس نے آئیون
سے پوچھا۔

”اب تم کیا چاہتے ہو؟“
”مجھے وہ پیک چاہئے۔“

”تو میں کہاں سے لا جائیں؟“ جیسی جھنجلا گئی۔ ”میں
پیاووجہ اس چکر میں شامل کی گئی ہوں جبکہ میرا اس سے کوئی
تعلق نہیں ہے۔“

”مجھے معلوم ہے۔ وہ پیک کہاں گیا ہے، ہم کل صبح
اسے تلاش کریں گے۔“ آئیون نے کہا۔ ”اب تم جا کر سو
جاو۔“

جیسی کچھ دیر اسے، دیکھنی رہی پھر اپنے کمرے میں
آئی اور جیکٹ و جوتے تار کر لیت گئی۔ جب وہ سو گئی تو
آئیون انہوں کر اس جگہ کا جائزہ لینے لگا۔ وہ تصویریں دیکھ رہا
تھا اور چیزیں اٹھا اٹھا کر ہوں آنکھوں کے پاس لا کر دیکھ رہا
تھا جیسے اسے کم دکھائی دیتے ہو۔ پھر وہ چکن میں آیا اور کیمپس
کھول کھول کر دیکھتا رہا۔ اس نے شکر دان اٹھایا اسے کھولا
اور اس میں موجود رقم کا ردول نکالا۔ چند لمحے بعد اس نے
شکر دان اپنی جگہ واپس رکھ دیا۔ جیسی کی آنکھ کھلی تو آئیون
اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا اور لگ رہا تھا کہ وہ ساری رات جا گتار رہا
ہے مگر اس کے چہرے پر تھکاوں کے آثار نہیں تھے۔ جیسی
انہوں کرداش روم گئی اور پھر آئرن کو جھکاتے ہوئے ناشتا بنایا۔
ناشتنا کے بعد اس نے آئرن کو تیار کیا۔ آئیون نے کوئی
اعتراف نہیں کیا۔ اس نے نیکی سے کہا۔

”ہم آئرن کو اسکول چھوڑ رپھر کام کریں گے۔“
”کیسا کام مام؟“ آئرن نے پوچھا۔

”مسڑ آئیون کی ایسے چیزیں کم کئی ہے، ہم اسے تلاش
کریں گے۔“ جیسی نے اسے سمجھایا اور اس کا اسکول بیگ
اٹھایا۔ وہ تینوں باہر آئئے اور سکول کی طرف روانہ ہو
گئے۔ جیسی نے آئرن کو گلے سے بھیج کر پیار کیا اور اس کے

عقیبی حصے میں موجود تھی۔ سڑک کے پاس لو ہے کی جا لیاں
تھیں جن کے عقب میں یارہ تھا۔ جیسی نے کہا۔ ”دیکھو اندر
پہراہے۔“

آئیون نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ”وہ کیمین دیکھ رہی
ہوا سے ہو کر تم اندر جا سکتی ہو۔“

جیسی اچھل پڑی۔ ”میں...؟“

”ہاں پک اپ کے ذیش بورڈ میں لگے ڈیک کونکالو
گی تو اس کے بیچے خلامیں ایک پیک ہے۔“ تھیں وہ پیک لانا
ہے۔“

”کتنا ہے اپیک ہے؟“

”ڈریڈ، فٹ لمبا، ایک فٹ چوڑا اور تین انچ موٹا۔“
آئیون نے بتایا۔ ”سیلوفین میں پیک ہے۔“

”اس میں خطرہ ہے۔“

”تمہیر اپنی پنگی کے لیے یہ کام کرنا ہو گا۔“ آئیون
نے چیچے سوئی ہوئی آئرن کی طرف اشارہ کیا۔ جیسی نے
اسے دیکھا اور سر ہلا کر نیچے اتر لئی۔ وہ دوڑتی ہوئی اس
ویران کیمین سکد، پہنچی۔ یہاں شاید پہلے انگریزی کے لیے یہ
کیمین بنایا گیا تھا اور پھر اسے متروک کر دیا۔ وہ کھڑکی کے
راستے اندر داخل ہوئی اور دروازہ کھول کر یارڈ میں آگئی۔
دو پولیس والے موجود تھے اور سگریٹ نوٹی میں صروف
تھے۔ وہ پک اپ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ خدا خدا
کر کے وہ وہاں سے مٹے اور جیسی اسی طرح جھکے جھکے دوڑتی
ہوئی پک اپ بک آئی اور دروازہ کھول کر اندر کھس گئی۔
اس نے پہلے آ کر، پاس دیکھا اور پھر ڈیک نکالنے کی کوشش
کرنے لگی۔ یہ کلپس کی حد تھے لگا ہوا تھا اور وہ پمشکل اسے
کھولنے میں کام بنا بھوئی تھی۔ مگر جب اس نے خلامیں
ہاتھ دالا تو اسے ہاں پکھنیں ملا۔ اس نے پورا بازو اندر
سک کر کے ہر ممکن طرح سے دیکھ لیا مگر خانہ بالکل خالی تھا۔
جیسی گھری سانس لے کر نیچے اتر آئی اور اسی راستے سے
واپس اپنی کار سکد، پہنچی۔ رات ہونے کے ساتھ ساتھ مٹھنڈ
شدید ہو گئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ آئیون نے پوچھا۔

”خانہ خالی ہے کوئی پہلے ہی اس سے پیک نکال چکا
ہے۔“

”یہ ناممکن ہے۔“ آئیون مضطرب لمحے میں بولا۔
پیک غائب ہونے کا سن کر اس کا سکون بھی ہوا ہو گیا تھا۔

”میں بچ کرہ رہی ہوں۔“

”میں جانتا ہوں۔“ آئیون بولا۔ ”میں تمہیں دیکھ

پانچواں سوار

میں گھومی جو واپس سرک کی طرف چرہ تھی تو سامنے اسے آسکر کی پولیس وین نظر آئی اور اس نے میگافون پر کہا۔

”نیچے اتر آؤ، دونوں ہاتھوں پر ہوں۔“

”تم نہیں جاؤ گی۔“ آئیون نے حکم دیا۔

آسکر نے پھر وارنگ، دی لے وہ دونوں ہاتھوں پر کر کے نیچے آجائے۔ جیسی نے کہا۔ ”مجھے جانا ہو گا۔“

”تم نہیں جاؤ گی۔“

مگر جیسی نے اس کی بات ازاں کر کے دروازہ کھولا اور نیچے اتر آئی۔ وہ دونوں ہاتھوں پر کر کے پولیس کا رنک آئی۔ آسکر نے نیچے اتر کراں سے اونٹھے منہ بونٹ پر گرا یا اور اس کی تلاشی لی۔ مگر اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ آسکر نے سیدھا کر کے اس کا گلا دبوچ لیا۔ ”تم میرا پیچھا کر رہی ہیں... کیوں؟“

جیسی نے جواب دیئے کی کوئی نہیں کی مگر اس کا سانس رک رہا تھا۔ آسکر کو احساس نہیں تھا۔ وہ کتنی قوت سے اس کا گلا دبارہ ہے۔ اچانک اس کے سر سے پستول کی نال آکر گلی۔ آئیون نے کہا۔ ” حرکت مت کرنا، دونوں ہاتھ اوپر۔“

آسکر نے ہاتھوں پر کر لیے۔ جیسی اس سے دور ہو کر اپنی سانس بحال کرنے لگی۔ اس زوران میں آئیون نے تلاشی لے کر اس کا پستول نکال لیا اور پھر اسی کی ہتھڑی اسے پہندا دی۔ نزدیک تلاشی لینے پر اس کے پاس سے نوٹوں کی کمڈی بھی نکل آئی جس میں سے ابھی پانچ ہزار ڈالر زیادی خرچ نہیں ہوئے تھے۔ آسکر نے جیسی سے کہا۔ ”تو تم اسے ساتھ لے کر گھوم رہی ہو، کون ہے پا؟“

”میں نہیں جانتی، یہ پاکی ہے اور اس نے مجھے... مرغیاں بنار کھا ہے۔“

”تم جھوٹ بول رہی ہو؟“

”یہ کچھ کہہ رہی ہے۔“ آئیون نے اسے جیسی کی کار کی طرف دھکیلا اور فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر خود عقبی سیٹ پر آگیا۔ جیسی نے ڈرائیورنگ سیٹ سنبھالی۔ اس نے کار آگے بڑھا لی اور آئیون نے آسکر سے پوچھا۔

”رقم کہاں ہے؟“

”کون یہ رقم؟“ وہ اپنے بندے کے بولا۔

”وہی رقم جو تم نے پک اپ کیوں یہیں بورڈ سے نکالی ہے اور اس سے خریداری کر رہے تھے جس کا باقی حصہ تمہارے پاس سے نکلا ہے۔“

”میں نہیں جانتا تم میں رقم کی بات کر رہے ہو اور یہ

کان میں سرگوشی کی۔“ اگر میں نہ آؤں تو تم میز جیڈ کو سب بتا دو گی۔“

آئیون نے سر ثبات میں ہلا دیا۔ وہ اسکوں میں گئی تو جیسی اور آئیون و پارے سے روانہ ہوئے۔ جیسی نے تہلی بار پوچھا۔ ”اس بڑی کوٹل کرنے والا کون ہے؟“

”میری بہن کا بیٹا۔“ وہ دھیمے لبھے میں بولا۔

”اوہ۔“ جیسی صرف اتنا کہہ سکی۔ آئیون نے اسے پولیس اسٹیشن کی طرف چلنے کو کہا۔ جیسی نے حکم کی تعیین کی گیونکہ اب پستول مستغل آئیون کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے گاڑی پولیس اسٹیشن سے ذرا دور اس طرح رکوائی کر دہاں سے نکلنے والی ہر گاڑی، ان کی نظروں میں رہے۔ آدھے گھنٹے بعد پولیس اسٹیشن سے آسکر پولیس وین میں لکھا اور ایک طرف روانہ ہو گیا۔

”اس کے چیزے چلو۔“ آئیون نے حکم دیا اور عقبی نشست پر جا کر نیچے لیٹ گیا اس طرح اب اسے باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ مگر وہ بھی باہر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دس منٹ بعد آسکر قبیلے کے سب سے بڑے ڈپارٹمنٹ اسٹیشن کے سامنے رکا اور انداز چلا گیا۔ جیسی نے کار دوڑ رکھی، اس نے آئیون کو بتایا تو وہ بولا۔ ”مجھے توقع تھی۔“

آسکر تقریباً ایک گھنٹے بعد اندر سے یوں نمودار ہوا کہ اس کے ساتھ اسٹور کا ایک ملازم بڑی ٹرالی میں بہت سارے کارٹن لیے چلا آرہا تھا۔ اس میں بڑے سائز کا ایل ای ڈی ٹی وی بھی تھا اور بڑے سائز کی داشٹنگ مشین بھی۔ اس کے علاوہ بھی کئی قیمتی چیزیں تھیں۔ آسکر نے ساری چیزیں دین میں رکھوا ہیں اور پھر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جیسی نے اس کے چیزے گاڑی لگادی۔ آئیون نے فاصلہ پوچھا تو اس نے کہا۔ ”وہ دو گاڑی آگے ہے۔“

”فاصلہ بڑھو، اسے ٹک نہ ہو۔“

”یہ کیا چکر ہے؟ کیا پک اپ میں رقم تھی جو آسکر کے ہاتھ لگ گئی تھے؟“ جیسی نے اندازہ لگایا۔ ”وہ جس طرح خرچ کر رہا ہے، اس سے تو یہی ظاہر ہے۔“

”تم نہیں جانتیں یہ رقم سے بہت بڑا چکر ہے۔“ آئیون بولا۔

آسکر آگے دارہ تھا اچانک اس نے وین کو یوڑن دیا۔ ”شٹ۔“ جیسی نے کہتے ہوئے تیزی سے کار گلی میں گھما دی۔

”کیا ہوا؟“

”اس نے شاید دیکھ لیا ہے۔“ جیسی بولی اور اگلی گلی

آئیون نے آسکر کے سر پر پستول کا دستہ مارا اور وہ چپکرا کر نیچے گز پڑا۔ جی کتنے میں رہ گئی۔ پھر آئیون نے اسے بازو سے پکڑ لے گا تو اسے ہوش آیا۔ ”رقم کہاں ہے؟“

جیمی نے اسے بیک دکھایا۔ ”یہ ہی۔“
چند منٹ بعد وہ اپنی نیکی کی کار میں بیٹھے تھے۔ جیمی نے کہا۔ ”تمہیں گولی نہیں چلانی چاہیے تھی۔“
”وہ تمہارے سر پر وار کرنے والی تھی اور تم مربجی سکتی تھیں۔“ آئیون بولا۔ ”ڈرائیور کرو۔“

”تم نے مجھے بہت بڑی مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔“

”کوئی مصیبت نہیں۔“ آئیون بولا۔ ”تم پولیس کو حقیقت بتا سکتی ہو۔“

اوہ ہے کھنے بعد وہ موٹل پر تھے۔ راتے میں آئیون نے کسی کوکال کی اور جب وہ جیمی کی کار سے اتر رہے تھے تو ایک سرمنی رنگ کی تقریب نی فورڈ کار وہاں آئی اور اس سے سفید بالوں والا نوجوان اڑ جو بے قول آئیون کے اس کی بہن کا بیٹا تھا۔ اس نے حرب معمول مضطرب لجھے میں پوچھا۔ ”رقم مل گئی؟“

”ہا۔“ آئیون نے بیک اس کے حوالے کیا اور اس نے لپک کر آئیون کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ آئیون اندر بیٹھا تو نوجون ڈرائیور نگ سیٹ پر آگیا۔ جیمی نہیں حالت دیکھ رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی دلدل میں اتر گئی ہو۔ وہ تھکے قرموں سے اندر آئی۔ پھر اس نے تانون ون ون کوکال کی۔ اسی اشنا میں ممزجید آڑن کو لے آئی تھی۔ اس نے دوسری کال ہیلزن کو کی۔

”میں ایک بڑی مشکل میں پڑ گئی ہوں، آڑن... فی الحال تمہاری تحویل میں رہے گی۔“

ہیلزن اور پولیس ایک اتحاد آئے تھے مگر جیمی نے پولیس کو بیان دینے سے پہلے آڑن کوہیلزن کے ساتھ رخصت گردیا تھا۔ وہ اس کا بیگ پہلے ہی تیار کر چکی تھی۔ شیرف خود آپا تھا۔ جیمی نے اسے اپنے اوپر گزرنے والی پوری تفصیل بتائی۔ اس کا بیان نوٹ رکے شیرف نے سب سے پہلے سرمنی کار کی جلاش کا حکم دیا اور پھر ایک پولیس پارٹی آسکر کے گھر روانہ کی۔ ایک اور پارٹی پولیس دین لینے بھیجی جس میں آسکر کا خریدا ہوا سامان موجود تھا۔ اوہ ہے گھنٹے میں اس کے پاس تمام جگہوں سے رپورٹ آگئی تھی۔ پہلی رپورٹ آسکر کے گھر کی تھی، وہاں مارشا کی لاش تھی مگر آسکر جسے وہ

بہت عکین جرم ہے جو تم کر رہے ہو۔ تم نجی نہیں سکو گے۔“
”تم زبس ہو اور بہت زیادہ بول رہے ہو۔“ آئیون نے آہستہ سے کہا۔ ”تم نے رقم کہاں چھپائی ہو گی۔ اپنے بیڈ کے گدے تملے یا بیڈ کے نیچے۔“
آسکر خاموش رہا تو آئیون نے جیمی کو حکم دیا۔ ”اس کے گھر چلو۔“

کچھ دیر میں وہ اس کے گھر کے سامنے تھے۔ آئیون نے آسکر کی چابیوں کا گچھا جیمی کے حوالے کیا اور بولا۔ ”اندر سے رقم لے آؤ۔“

”جیمی تم اندر نہیں جاؤ گی۔“ آسکر بولا مگر جیمی نیچے اتر گئی۔ وہ دبے، قدموں دروازے تک آئی اور بہت آہستہ سے دروازے کا لاک کھولا اور اندر آگئی۔ مارشا لاوٹج میں بیٹھی تھی دیکھ رہی تھی۔ جیمی اس کے عقب سے ہوتی ہوئی آسکر کے بیڈ رومن میں آئی۔ وہ اس گھر کا نقشہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے اندر آ کر پہلے گدا اٹھا کر دیکھا اور پھر بیڈ کے نیچے جھانکا۔ آئیون کا تجھنے یہ درست تکلا تھا۔ بیڈ کے نیچے ایک چھوٹا سینڈ کیری تھا اور رقم اسی میں تھی۔ سیلوفین پھاڑ کر اس میں سے ایک گذی نکال لی گئی تھی مگر باقی نہیں تھا۔ یہ پچاس ہزار ڈالر، والی گذیاں تھیں اور ان کی تعداد بیس تھی۔

جیمی نے بیگ بند کر کے شانے پر ناگا اور باہر کی طرف بڑھی۔ لاوٹج کے پاس آ کر اس نے مارشا کی طرف دیکھا مگر وہ اپنی جگہ نہیں تھی۔ اچانک عقب سے مارشا نے اسے بیال کا بلہ مارا تو جیمی آگے جا گری۔ بیگ نے اسے شدید ضرب سے بچا لیا تھا مگر اسے چوت آئی تھی۔ مارشا نے نفرت سے کہا۔ ”گلتیا۔“

لیکن اس سے پہلے وہ پھر وار کرتی، جیمی نے اس کے پیٹ پر لات ماری، وہ کراہ کر جھکی تو جیمی نے اس کے منہ پر نھوکر ماری۔ وہ پیچھے گئی اور سنجھل کر دوبارہ وار کیا، جیمی نے کروٹ لے کر وار بچایا اور اس کے پاؤں پر نھوکر ماری۔ وہ نیچے گری اور پھر جی ہی پر چڑھ گئی۔ دونوں ہاتھ تھا ہو گئی تھیں۔ مارشا نے اس کے بیال پکڑ لیے اور اس کا سرز میں پر مارنے کی کوشش کرنے لگی۔ بہ مشکل جیمی نے اپنے بیال چھڑائے اور اسے پیچھے دلکھل دیا۔ اسی لمحے آئیون آسکر سمیت اندر آیا۔ آسکر نے مارشا کو دیکھا، وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ اتفاق سے وہ پیٹے کے پاس گری تھی، اسے اٹھا کر وہ پھر جیمی کی طرف پکی تھی کہ آئیون نے اسے شوٹ کر دیا۔ مگوی مارشا کے سر پر گلی۔ وہ چکرا کر گری اور فوراً ہی ختم ہو گئی تھی، آسکر چلا یا۔ ”نہیں۔“

بیل بھی، اس نے کال ریسوکر۔ ””ہم پتخت کئے ہیں۔“

”ہم آرہے ہیں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ آئیون نے آنکھ کی طرف دیکھا اور سر ہلا کیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ہال سے ہر چلا گیا۔ چند منٹ بعد سامنے سے ایک سیاہ بڑی کار نمودار ہوئی اور سرمی کار سے بیس گز کے فاصلے پر رک گئی۔ آئیون نے اپنے موبائل کا بٹن دبایا اور آہستہ سے بولا۔

”کار میں کتنے آدمی ہیں؟“

”کم سے کم دو۔“ آنکھ نے جواب دیا۔ ”وہ



کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ ڈکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاریخی صورت میں قارئین کو پر چاہنیں ملتا۔ ایجنسیوں کی کار کرداری بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پر چانس ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات خواہم کریں۔

☆ بک اسال کا نام جہاں پر چاہیے تباہ نہ ہو۔

☆ شہر اور علاقے کا نام۔

☆ ممکن ہو تو گپت اسال کا نام PTCL یا ہموگل فون نمبر

رابطے اور مزید معلومات کے لیے

ثمر عباس

03012454188

جاسوسی ڈائچسٹ پیپری کیشنز
سپنسر، جاسوسی، پاکیزہ، سرگرشت
C-63 فراہمیکشن ڈپنس ہاؤس گل اتماری میں کورنگ روڈ، کراچی

35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

پیے ہوش چھوڑ کر آئے تھے وہاں سے غائب تھا۔ دین مل گئی تھی اور اس میں بھرا ہوا سامان بھی۔ ڈیپارٹمنٹ اسٹور سے تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ سامان آسکر نے خریدا ہے۔ البتہ سرمی کا رکارڈ نہیں ملا، وہ آسکر کی طرح غائب تھی۔

☆☆☆

سرمی کا راس وقت ملینا کے شمال مشرق میں کینڈا جانے والی پرانی ہائی ڈے پر محروم تھی۔ آئیون نے نکالی جانے والی گذی کی رقم پوری کر کے اسے بیگ میں رکھ دیا تھا۔ اب یہ ایک ملینا الرزک کی رقم تھی۔ سفید بالوں والے نوجوان کا نام آنکھ تھا۔ اس کے رخسار پر ایک لمبا خراش نمازخم تھا۔ کال گرل نے اس کے تشدید کے جواب میں اسے ہائی ڈن تراش میں موجود چھوٹا چاقومار اتھا اور اس نے مشتعل ہو کر اسے شوت کر دیا۔ آئیون نے نہ تو اس سے پوچھا اور نہ ہی اسے کچھ کہا۔ شام کے قریب آئیون نے سلیکل کال کی۔ ”میں ڈیلوری دینے آ رہا ہوں۔ میں معدودت خواہوں کے ایک دن کی تاخیر ہوئی۔“

”ہم انتظار کر رہے ہیں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

آئیون نے سلیکل فون رکھا تو..... آنکھ نے کہا۔ ”مجھے شک ہو رہا ہے، وہ ہماری وضاحت قبول کریں گے؟“

”انہیں کرتا ہوئی۔“ آئیون نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہمارے پرانے تعلقات ہیں اور ہم ادا ٹکلی کر رہے ہیں۔“

آنکھ تفتختی نہیں تھا، اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اب وقت بدلتی ہے، بنس میں پرانے تعلقات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے۔“

”شاید تم صحیک کہہ رہے ہو، اب تم نوجوانوں کا وقت ہے۔“ آئیون بولا۔ ”یہ بھی یہ میرا آخری ٹرپ ہے اور اس کے بعد میں ریٹائر ہو جاؤں گا۔“

”تمہاری عمر اتنی نہیں ہے اور صحت میں مجھ سے زیادہ فٹ ہو۔“

”ہاں لیکن مجبوری ہے۔“

جب وہ سرحد کے پاس ایک پرانے متودک فوجی اڈے میں داخل ہوئے تو شام کے سارے گھرے ہو گئے تھے۔ وہاں بیرک نما ٹھارٹس تھیں اور کچی جگہوں پر جنگل آگ آیا تھا۔ آنکھ نے کار ایک بڑے ہال میں داخل کی، اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سات بجے آئیون کے موبائل کی

نے اپنی موت کو خود آزاد کیا ہے۔“

ڈیرک نے بارت پورنی کرنے سے پہلے پستول نکال لیا تھا مگر اسے چلانے کا موقع نہیں ملا۔ اس کی کھڑکی کی طرف سے شیشہ پر شور انداز میں، نوٹا اور اسکی سے آنے والی گولیاں ڈیرک کے سر میں پیوست ہو گئیں۔ اگلا نشانہ ڈرائیور پنا تھا۔ اسے بھی اپنا ہتھیار استعمال کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی اور وہ دہی، ڈھیر ہو گیا۔ اسی اثنامیں عقبی نشت پر بھی گولیاں چلنے لگی گئیں۔ ناسی چینوں کے ساتھ فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ آئرک نے عقبی نشت کی طرف گولیاں چلانے سے گریز کیا کیونکہ وہاں آئیون تھا۔ وہ پیچھے ہٹا اور ایک ساندھ میں ہوتے ہوئے اس نے پیچھے کا دروازہ کھولا اور پستول سیدھا کیا مگر اندر سے اترنے والا آئیون تھا۔ وہ بے مشکل باہر آیا کیونکہ مارے جانے والے دونوں افراو نے راستہ بلاک کر دیا تھا۔ ان کا خون آئیون کے لباس پر لگا ہوا تھا۔ اس نے باہر آ کر اپنا سموائل نکال کر آف کیا۔ وہ آئرک سے رابطے میں تھا اور وہ ان کی گفتگوں رہا تھا۔

”تم ٹھیک ہو؟“ آئرک نے پوچھا۔

آئیون نے سر ہلا کیا اور اندر جھک کر نوٹوں والا بیگ اٹھا لیا۔ وہ بدستور کھلا ہوا آئنا۔ آئیون نے اس میں سے نوٹوں کا روں اٹھایا اور بولا۔ ”ہمیں واپس جانا ہو گا۔“ آئرک جو لاشیں دلکھ رہا تھا، اس نے سر ہلا کیا۔ ”میں نے دوسری گاڑی کا بندبست کر لیا ہے۔ وہ تینیں موجود ہے۔“

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔“ آئیون نے اسے الزام دیا۔

”میری وجہ سے؟“ آئرک بولا۔ ”یہ پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔“

آئیون نے جوب نہیں دیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک پرانے ماڈل کی جیپ نیں بینٹھے تھے۔ آئرک نے پوچھا۔ ”ہمیں کس طرف سے جانا ہے؟“

”ہمیں اسی موٹرل کی طرف جانا ہے۔“ آئیون نے جواب دیا۔ اس کے ہاتھ میں روکا کیے ہوئے نوٹوں کی گذگی۔

☆ ۶۲ ☆

جیسی نے صبح کی نمودار ہوتی روشنی میں باہر موجود پولیس کا رکودیکھا۔ بے ظاہر شیرپ نے اسے جیسی کی حفاظت کے لیے یہاں چھوڑا تھا کیونکہ خطرہ تھا کہ مارشا کا قاتل اور جیسی کو یہاں غمال کرنے والا واپس رہ آجائے مگر جیسی جانتی تھی وہ بھی مخلکوں ہو گئی تھی کہ پولیس اصل میں اس کی گرفتاری کر

سامنے ہیں تاکہ میں پیچھے کوئی نظر نہیں آیا۔“

”ٹھیک ہے، میں یقینے اتر رہا ہوں، تم ہوشیار رہنا۔“ آئیون نے ہما اور کار سے یقینے اتر آیا۔ اس نے رقم والا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ فوراً ہمیں سیاہ کاونسے دو آدمی اتر آئے۔ ان میں سے ایک سیاہ بالوں اور دلبے چہرے والا جوان آدمی تھا۔ آئیون کی اسی سے بات ہوتی رہی تھی۔ ڈیرک اپنے باپ کے بعد اس گروہ کا سر غنہ تھا جو مشرقی یورپ سے اسمبلی ہو کر آنے والی نشیات کینیڈا سے امریکا بھیجا تھا۔ آئیون کا گروہ اس نشیات کو مغربی امریکا کے مختلف حصوں میں سپلائی کرتا تھا۔ ڈیرک نے آئیون کو آگے کے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آگے آیا تو ڈیرک کا ساتھی غیر محسوس انداز میں اس کے پیچھے آگیا۔ ڈیرک نے پوچھا۔

”تم نے رات میں بھی سیاہ عینک لگا کر کی ہے۔“ ”میرن آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں، مجھ سے روشنی برداشت نہیں ہوتی ہے اس لیے سیاہ عینک لگائی ہے۔“

”تم ابک دن تا خیر سے آئے ہو۔“

”اس لیا وجہ ہے۔ ایک حادثے کی وجہ سے ہم اپنی گاڑی کھو بیٹھے اور دوسری گاڑی کا بندبست کرنے میں وقت لگا۔“ آئیون نے کہا اور بیگ آگے کیا۔ ”یہ تھا ری امانت۔“

”ایسے نہیں۔“ ڈیرک نے کہا اور پلٹ کر دیکھا تو کار کے پیچھے دروازے کھلے اور دو افراد یقینے اتر آئے۔ ”تم اندر آؤ ہم رقم گن کر تسلی چاہتے ہیں۔“ آئیون کو خطرے کا احساس ہوا مگر اس نے بدستور نرمی سے کہا۔ ”کیوں تمہارا باپ میرا...“

”میرا باپ سرچکا ہے۔“ ڈیرک نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”اس کا دور گزر گیا ہے۔“

آئیون نے سوچا اور پھر آگے بڑھا۔ وہ کار کے کھلے دروازے سے اندر گیا اور فوراً ہی ڈیرک کے دونوں آدمی اس کے دامنیکیں باسیں آگئے۔ ڈیرک خود فرنٹ سیٹ پر آیا اور اس کا سامنگ ڈرائیور گن سیٹ پر آگیا۔ اب ڈیرک نے اس سے بیگ لے لیا اور گذیاں دیکھنے لگا۔ اچانک اس نے کہا۔ ”یہ کیا نہاد ہے؟“

آئیون نے آگے جھک کر دیکھا تو ڈیرک کے ہاتھ میں گذی کی جگہ ایک روکلے تھا۔ ڈیرک نے سرد لمحے میں کہا۔ ”اس کا مطلب،؟ اس میں پورے ایک لاکھ ڈالر زکم ہیں۔“

”میرا بیان ہے رقم پوری ہے، تم ایک بار پھر گن کر دیکھو۔“ آئیون سکون سے بولا۔

”مجھے لئنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ڈیرک بولا۔ ”تم

ایک صاحب ریستوران میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک سامنے سے فائر بریگینڈ کی گاڑی گزرتی نظر آئی۔ وہ صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔ ”وہ چلی فائر بریگینڈ کی گاڑی اور یہ چلا میں۔“

ایک دوست نے کہا۔ ”لیکن تم فائر میں تو نہیں“

ووصاحب بولے۔ ”بیس فائز میں نہیں ہوں...
سیکن میری محبوبہ کا شوہر تو فائز میں ہے۔“

آئیون کا ہاتھ باہر آتے، میکھ کرنی بھی نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر پھر آواز پر کھول کر دیکھا تو آئیون نے اس کی روں کی ہوئی گذی کا و نثر پر رکھ دی تھی، پھر اس نے نیچے سے بیگ انٹھا کر کا و نثر پر رہا۔ ”یہ تمہارا حصہ ہے۔“

آنیون یہ کہہ کر باہر کی بڑھا۔ اس نے شیئے کا دروازہ کھولا اور باہر آیا تھا کہ ساکت ہو گیا۔ جیپ کے اسٹرینگ پر بیٹھے آر زک نے اس کی طرف دیکھا اور اچانک آنیون کے سینے پر ایک سرخ دھماکہ نمودار ہو اور پھر فائر کی آواز آئی، یہ ایک فائر نیس تھا۔ ہر فائر کے ساتھ آنیون کے سینے پر سرخ دھبے نمودار ہو رہے تھے۔ فائر کرنے والا آسکر تھا۔ آر زک اپنا پستول نکالتا ہوا یقیں اتراتھا کہ آسکر نے پستول کا رخ اس کی طرف کر دیا اور باقی گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔ آر زک بھی وجہ ڈھیر ہو گیا۔ جسمی منہ پر ہاتھ رکھے یہ منتظر رکھ رہی تھی۔ آنیون آفس کے دروازے کے پاس ڈھیر تھا۔ آسکر اس کے نزدیک آیا اور اس پر تھوک دیا۔ پھر اس نے جسمی کی طرف دیکھا اور اندر آیا تو وہ ڈر کر اوپر کی طرف بھاگی۔ آسکر نے کاؤنٹر پر قلم والا بیگ دیکھا اور اسے یہ مولا۔ اس میں پچاس ہزار والی جیبار گندیاں تھیں۔ اس نے رتم کا روپ بھی اس میں ڈالا۔ بیگ شانے پر ناگ کر اس نے دروازے کے لامپ پر فائر کرنے کے اسے کھولا اور اندر آگ سا وہ جلا کر بوال۔

”کمیا تو بچ نہیں سکتی۔“
آسکر کے تاثرات وحشیانہ ہے۔ رہے تھے۔ سرخ
آنکھیں اور دیوالی گلی سے بھر پور چہرہ۔ یہ وہ اوپر آیا توجیہی
اپنے کمرے میں کھڑی تھی وہاں فرار کی لوئی جگہ ہی نہیں تھی۔
آسکرنے اندر آ کر دیکھا اور کھے سوت، کیس پر نظر ڈال کر
ولا۔ ”تو تم بھاگ رہے ہو؟“

”آسکر اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ اس شخص نے مجھے یہ غمال بنار کھاتا ہے۔ اس نے آئرن کو قتل کرنے کی وحکی

رہی تھی۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا مگر پولیس کی موجودگی میں وہ نکل نہیں سکتی تھی اور یہاں سے جانے کی کوئی وضاحت بھی پیش نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے لاس تبدیل کیا اور پھر موبائل سے نائن ون ون کو کالا کی۔ ”ہالی وے انیس پر گیس اسٹیشن میں دھماکا ہوا ہے اور گرن شاٹ کی آوازیں آ رہی ہیں۔“

جیسی نے سمجھتے تھے کال کاٹ دی اور پھر جھاڑ کر پولیس کار کی طرف دیکھا۔ اس کی اوپر میں روشنیاں مخصوص انداز میں بلند ہو گئیں۔ اس کے رینڈیو پر کوئی پیغام آرہا تھا۔ چند لمحے بعد کا حرکت میں آئی اور گھوم کر ہائی وے کی طرف چلی گئی اور ہائی وے پر چلتے ہی اس کا سارے آن ہو گیا۔ جیسی تیزی سے بیٹھ رہیں میں آئی اور سوت کیس نکال کر اس میں اپنے کپڑے بھرتا شروع کر دیے۔ پھر اس نے ایک دراز کھوپی اور اس میں موجود لاکھ ڈالرز کی دو گذیاں انھاں گیں۔ یہ رقم اس نے بیگ سے نکالی تھی اور اس کی جگہ اپنی رقم کا روپ رکھ دیا تھا۔ کیونکہ اس کی جیکٹ کی جیب میں اس سے زیادہ گنجائش تھیں تھی اگر وہ روپ بھی رکھتی تو جب نمایاں ہو جاتی۔ دونوں جیبوں میں ایک ایک گذی آٹھنی تھی۔ اسے لیکن تھا کہ آئیون واپس آئے گا اور وہ اس کی آمد سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اچاک یعنی گھنٹی بیگ اور وہ سیر ہیوں نے یعنی آئی۔ اس نے پہلے جھاٹک کر دیکھا مگر کاؤنٹر کے سامنے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے باہر جھانکا مگر اس طرف بھی کوئی نہیں تھا۔ لیکن کوئی تو تھا جس نے گھنٹی بجائی تھی۔ اچاک کاؤنٹر کے دوسرا طرف سے آئیون نمودار ہوا تو وہ ہمراکر چھپے ہی۔ اس کے تاثرات خوفناک تھے۔

”پلیز میری مات سنو۔“

”تم نے مجھے دھوکا دیا۔“ آئیون دانت پیس کر بولا۔
”صرف دھوکا نہیں دیا، تم نے میری سوت کا سامان کر دیا تھا۔“
”مجھے سے غلطی ہوئی۔“ جیسی بولنے لگی۔ وہ شیشے کے
اس طرف تھی مگر یہ شیشہ کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ ”میں مجبور
تھی۔ میں انشورنس کے جال میں پھنسی ہوں۔ مجھے فریز ہ
لا کھڑا الرزا کرنے ہیں ورنہ یہ موٹل مجھے سے چھمن جائے گا
اور موٹل چھمن گیا تو حکومت آرزن بھی مجھے سے چھمن لے گی۔
میں نے تمہارا ساتھ دیا۔ جیسا تم نے کہا ویسا ہی کیا۔ تو میں
حق دار بھی ہو گئی تھی۔ میری نے صرف اسی لیے یہ کام کیا۔“
آئیون کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر اس کا ہاتھ اپنی
جیب کی طرف گیا تو جیسی منت سماجت پر اتر آئی۔ ”پلیز...
پلیز مجھے معاف کرو۔“

پانچواں سوار

نکل کر بھر رہے تھے۔ وہاں تین لاشیں تھیں جو اس دولت کی خاطر جان سے گئیں۔ اسی لمحے فضائی پولیس سارِ ان کی آواز کو تھی تو جیسی پوکی تھی۔ آدمی کھنٹے بعد وہ شیرف کو بیان دے رہی تھی۔ نظر اس کے بیان کی تائید کر رہا تھا۔ شیرف نے اس کا بیان ریکا اذکرنے کے بعد پوچھا۔ ”اب تم کیا کرو گی؟“

”میں سب سے پہلے اپنی بیوی سے ملا چاہوں گی۔“ جیسی نے کہا۔ شیرف نے سرہما یا۔

”تم چاہو تو اسے بلا لو لیکن ابھی تم پہاں نہیں رک سکتیں۔ تمہیں پولیس کی طرف سے کسی ہوٹ میں نہ براہیا جائے گا۔ تم اندر سے اپنا ساہن اٹھالو۔“

جیسی جانے لگی تو پیچھے سے شیرف نے آواز دی۔ ”ہمیں جیپ سے کوئی رقم نہیں ملی ہے۔ اگر یہ تمہیں بیگ دینے آیا تھا تو اس کی رقم کہا رہے ہے؟“

جیسی رک پھر اس نے فتحی بیوی سرہما یا۔ ”میں نہیں جانتی۔“ وہ اوپر آئی اس نے سٹ کیس میں اپنے کپڑے اور سامان رکھا۔ پھر کچھوے، کاچھرہ اٹھایا اور اس کا جلا حصر کھول کر دیکھا تو اس میں نوٹوں کی لذیباں بھری ہوئی تھیں، یہ وہ آٹھ لاکھ ڈالر زد تھے جو جیسی۔ جیپ سے حاصل کیے تھے۔ ایک لاکھ ڈالر زد وہ پہلے نکال چکی اور سات لاکھ اسے جیپ سے ملے تھے۔

کہ اس کی رقم کا روپ بیگ میں تھا جو پولیس کو آسکر کی لاش کے پاس سے ملا تھا اور جیسی پہلے ہی اس سے روپ نکال چکی سوت کیس اور کچھوے کاچھرہ کے کروہ باہر آئی تو سامنے ہیلن کی کارک رہی تھی، اور پھر اس سے آرزن اتر کر اس کی طرف دوڑی۔ جیسی، سامان یونچے رکھا اور آرزن کو پانہوں میں بھر لیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ یہاں نہیں آئے گی۔ موٹیل انشوئنس کمپنی کے حوالے کردے گی جو اسے نیلام کر دے۔ خود وہ کچھ مرصہ، بعد پینک سے قرض لے کر نی ہائی وے پر نیا موٹیل کھوں۔ اگی اور آٹھ لاکھ ڈالر زبرنس کو ترقی دینے کے لیے بہت تھے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اس باروہ اپنی رہائش موٹیل کے سر تھنہ نہیں رکھے گی بلکہ قبیلے میں رہے گی جہاں اسے اور آرزن کو پڑوائی اور دوست مل سکیں۔ آرزن نے چاروں طرف دیکھا اور بولدا۔

”مام یہاں کیا ہو رہے ہیں؟“ ”کچھ نہیں میری جان آؤ چلیں۔“ جیسی کھڑی ہو گئی اور سامان سمیت شیرف کی پولیس کار کی طرف بڑھ گئی۔

دی تھی۔ میر، اس کی بات مانے سے انکار کرتی تو وہ مجھا فہ آرزن دنوں کو قتل کر دیتا۔“ ”قتل تو میں کروں گا۔“ آسکر بولا۔ ”اس گفتے نے میری بیوی کو ہی قتل نہیں کیا میرا کیریز بھی تباہ کر دیا۔ اب میں چھپتا پھر رہا ہوں۔ تو نے اس کا ساتھ دیا۔“ ”نہیں،...“

”بکواس نہ کر۔“ آسکر نے اسے تھپڑ مارا۔ ”یہ رقم وہ کس لیے دے کر جا رہا تھا۔“

”میں نہیں جانتی۔“ جیسی سکنے لگی۔ ”مارٹا کے سر میں گولی لگی تھی۔“ آسکر نے پیچھے ہٹ کر پسول تان لیا۔ ”تیرے بھی سر میں سوراخ کروں گا۔“ جیسی نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں مگر جب آسکر نے گولی چلاڑی تو پسول سے صرف ترچ کی آواز نکلی۔ اس نے بار بار ٹرینگر دبایا۔ جیسی نے اسے پسول کے ساتھ مصروف دیکھا تو پیدل لیب اٹھا کر اس کے سر پر مارا۔ اس کی ضربہ زور دار تو نہیں کیں لیکن آسکر کی توجہ ہٹی تو اسے بھاگنے کا موقع ملا۔ وہ تیزی سے سرخیوں سے نیچے آئی مگر آسکر بھی بہت تیزی سے آیا تھا، وہ یہیں کا دروازہ کھول کر نکلی تھی کہ آسکر نے اسے آیا اور نیچے گرا کر اس کا گلا دبوچ لیا۔ وہ غراتے ہوئے بولتا۔ ”اچھا ہوا گولی نہیں چلی، اب میں پیچھے اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔“

سامس رکا تو جیسی ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ اس نے دونوں پاؤں اس کے پیٹ پر بجائے اور اچانک پوری قوت سے اسے پیچھے اچھala۔ آسکر اچھل کر شیشے کے دروازے سے نکلایا اور اسے توڑتا ہوا اگر اتوآدھا اندر تھا اور آدھا بہر تھا۔ بجھ دیر وہ ساکت پڑا رہا پھر اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ جیسی سانس لیتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ پھر آسکر پہم مشکل اٹھا تو جیسی نے دیکھا شیشے کا ایک مکڑا اس کے پیٹ میں گھس گیا تھا اور خون بہر رہا تھا۔ آسکر نے دہشت زدہ نظروں سے شیشے کے مکڑے کو دیکھا اور اسے پیچ کر نکال دیا۔ شیشہ نکلتے ہی خون بہنے کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ گرنے سے بیگ محل گیا تھا اور اس سے گذیاں نکل کر بھر گئی تھیں۔ آسکر اپنے زخم کی پرواکیے بغیر نوٹ سیٹنے لگا۔ پہ مشکل گذیاں سیٹ کر اس نے بیگ میں ڈالیں اور بانے لگا مگر سڑک تک پہنچنے پہنچنے اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ جیسی ست قدموں سے چلتی باہر آئی۔

گرنے سے ایک گذی محل گئی تھی اور اس سے نوٹ

بلند و بالا علاقوں میں موسم سرما طوفان خیز ثابت ہوتا ہے... مختلف سنتوں سے اتنے والی تند و تیز طوفانی ہوائیں اور برفانی تودی پہاڑیوں کو چھوٹے چھوٹے نکنے میں بکھرا کے رکھ دیتی ہیں... ایسے میں ہر راستہ خطرناک تر ہو جاتا ہے... ان برف سے ذہکی ذہلوان پگڈنڈیوں... پہاڑی راستوں پر چلنے کا اپنا لطف ہے... تفریحی دورے پر جانے والے ایک گروپ ڈنی موج و مستیاں... ہر شخص موسم کی ادافہ اور وادی کے دلفریب حسن کا اسیر ہے چکاتھا... مگر اچانک ہی خوشی و مسرت کے یادگار لمحات میں سنگین سازش اور بارود کی یونی ہر ایک کولر زد برانداز کر دیا...

اس جاں کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش ہے لیکن جوراہ ادھر کو جاتی ہے، مقتل سے گزر کے جاتی ہے... سروق کا یادگار رنگ

کاشف زبیر

آخری جواب

درمیا نے سائز کی بس اس پہاڑی سڑک پر بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی کیونکہ سڑک نہ صرف تلگ ہی بلکہ اس پر برف باری کی وجہ سے پھسلن بھی تھی۔ برف صاف کرنے والوں نے تھیک سے برف صاف نہیں کی تھی اور سڑک پر خاصی برف کیچڑ کی صورت میں موجود تھی اور اس پر ذرا سی تیز رفتاری مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لیے کریم بھائی سر جھکائے پوری توجہ نے ڈرایو کر رہا تھا۔ اس کے عقب میں سیٹوں پر دو درجن افراد تھے۔ ان نیں خواتین و حضرات کی تعداد تقریباً مساوی تھی۔ بس پر ایک معروف یونیورسٹی کا نام اور مونو گرام پرنٹ تھا۔ پچھے موجود افراد میں سے نیس کے قریب طلباء تھے۔ ان کے ساتھ دو مردوں اور دو خواتین پیچھر تھیں۔ مردوں میں شمشاد علی اور ریاض شامل تھے۔ ان کا تعلق انگلش ڈیپارٹمنٹ سے تھا مگر وہ ایڈ میڈیا شریشن میں تھے۔ شمشاد علی ایڈ میں آفیسر تھا اور ریاض بھی اس کے مساوی عہدہ رکھتا تھا۔

کا باپ بھی بیور و کریٹ تھا اور اتفاق سے ٹوٹی کی رہائش بھی زارا کے گھر کے پاس تھی اس لیے وہ یونیورسٹی کے بعد بھی آپس میں ملتی تھیں۔ خاص طور سے چھٹی کے دن وہ لازمی ایک بار ملتی تھیں۔ زارا کی طرح ٹوٹی کو بھی لڑکوں سے دچپی نہیں تھی اور ان کا گروپ ہرف لڑکوں پر مشتمل تھا۔ ٹوٹی اپنے اسمارت فون پر کلاس نیلوز کی بے خبری میں بنائی ہوئی تصاویر دکھاری تھیں وردوں نہیں رہی تھیں۔ برابروالی نشتوں پر دو لاڑکے شایاڑا اور راحیل بیٹھے تھے۔ وہ ذرا فکر تھی مزاج کے مگر۔ بے ضرر قسم کے لڑکے تھے۔ ان کے مسئلہ ہنسنے پر راحیل نے محمدی سانس لی۔

”ہمیں بھی پہاڑ، بہت بھی آتی تھی۔“
شایاڑ نے اس کی تائید کی۔ ”اب کسی بات پر نہیں آتی۔“

زارا اور ٹوٹی خاموش ہو گئیں پھر ٹوٹی نے کہا۔ ”اگر سنجیدگی کے مریض دن میں یک بار ذرا غور سے آئینے میں اپنی صورت دیکھ لیا کریں تو ان کے مرض میں خاصاً افاقت ہو گا۔“

”لے جئی بے عزتی ہو گئی۔“ شایاڑ بولا۔
اس بار زارا نے کہا۔ ”ٹوٹی، یہ بے عزتی ان کی ہوتی ہے ناجن کی کوئی عزت ہو۔“

شاہدہ سید نے درست موقع پر مداخلت کی کیونکہ راحیل اور شایاڑ کے بیہرے مکدر ہو گئے تھے۔ ”فیلوز، پلیز سفر کو انجوانے کریں۔ اسے اگر ریزی والا سفر نہ بنائیں۔“

”سوری میں۔“ ان چہاروں نے ایک آواز ہو کر کہا تو سب پھر معقول کے مطابق ہو گیا۔ وہ صحیح نوبت یونیورسٹی سے روانہ ہوئے تھے۔ ایک بجے وہ لفٹ کے لیے ایک ہوٹل میں رکے تھے اور اس کے بعد دوبارہ سفر کر رہے تھے۔ بل رائیشن کے ایک ہوٹل میں ادا کے لیے کمرے بک تھے۔ کل دس کمرے بک کیے گئے تھے۔ ہر کمرے میں دو سے تین افراد تھے۔ مگر تمل ایمیشن ابھی دور تھا اور بس جس رفتار سے چل رہی تھی، وہ رات تک ہوٹل پہنچنے تھے۔

آرہے تھے اس لیے شہزاد علی نے اٹھ کر ڈرائیور سے کہا۔ ”کریم بھائی ہمیں آذنا ہی نہیں تھا، اس رفتار سے تو ہم صرف آجائیں گے وہاں اسے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔“

”اس سے زیادہ رفتار کی صورت میں بھی ہم وہاں نہیں پہنچ سکیں گے، شاید کہیں اور پہنچ جائیں۔“ کریم بھائی نے جواب دیا۔ ”ویسے صرف یہی حصہ مشکل ہے۔ اس سے نکل جائیں تو رفتار بھی بڑھ جائے گی، آپ بے فکر رہیں ہم

خواہیں۔ یک پھر کا تعلق بھی اسی ڈیپارٹمنٹ سے تھا۔ شمینہ حسن فلکش پڑھاتی تھی۔ جبکہ شاہدہ سید انگریزی شاعری پر یک پھر دیتی تھی۔ میکس طبا جن میں گیارہ لڑکے اور نولڑ کیاں شامل تھیں۔ الفش لٹریچر ماہر کے فائل سمسٹر سے تھے۔ آخری امتحان سے پہلے یونیورسٹی کی طرف سے یہ ان کا آخری تفریجی نور تھا۔ ان کی منزل ایک شماںی تفریج گاہ تھی۔ سرمائیں وہاں شدید برف باری ہوتی تھی اور وہ اسی کا لطف اٹھانے جا رہے تھے۔ کل پانچ دن کا نور تھا، ضابطہ اخلاق کے مطابق لڑکے اور لڑکی برابر نہیں بیٹھ سکتے تھے اس لیے مجبوراً ان میں سے کچھ آگے پیچے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کا تعلق پر کلاس یا مڈل اپر کلاس سے تھا اور یونیورسٹی کا ماحول بھی ملا ڈلا تھا اس لیے مل بیٹھنے کی پابندی انہیں کھل رہی تھی۔

البتہ زارا خوش تھی۔ اسے اپنی ساتھی لڑکوں کے برکس لڑکوں سے خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان کے بغیر بھی خوش رہ سکتا تھا۔ زارا کا تعلق ایک تعلیم یافتہ اور بیور و کرویٹ ٹھرانے سے تھا۔ اس کا باپ احسن علی اٹھارہ گریز کا افسر تھا اور ماں منیزہ سرکاری کانگریزی کی پیغمبر تھی۔ ان میاں بیوی نے اپنے بچوں میں بھی تعلیم کا ذوق پیدا کیا تھا۔ وہ بچوں اور ایک بیٹی کے بعد زارا ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھی اور اسی لحاظ سے لاڈی بھی تھی۔ جب اس نے یونیورسٹی کی طرف سے شماںی علاقے جانے والے نور کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی تو ماں باپ فکر مند ہو گئے اور دونوں بڑے بھائیوں نے مخالفت کی کہ آج کل حالات اچھے نہیں ہیں۔ مگر زارا مچل گئی۔ اتفاق تھا کہ اب تک یونیورسٹی کی طرف سے جو دو نورز ہوئے تھے زارا ان میں سے کوئی نہ کی وجہ سے شامل ہونے سے رہ جاتی تھی۔ اس لیے اب وہ بہر صورت جانا چاہتی تھی اور پھر اسے برف باری دیکھنے کا بھی جنون تھا۔ بچپن سے وہ ہر سال گمراہ والوں کے ہمراہ برف باری دیکھنے نزدیکی میں اسٹیشنری جاتی تھی۔

زارا اگر بس کی خوب صورت لیکن معمومانہ نقوش والی لڑکی تھی۔ تازک چھریری جسامت کی وجہ سے سترہ اٹھارہ سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ براون لیسر کٹ بال اس کی ولکشی میں اضافہ کرتے تھے۔ وہ ٹوٹی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹوٹانے عرف ٹوٹی اس کی بہترین دوست تھی۔ ٹوٹی نسبتاً کم قد کی لیکن بہت حسین اور شوخ لڑکی تھی۔ زارا کے مقابلے اس کا جنم بھرا ہوا تھا اور ہر بیاس اس پر چھپا تھا۔ اس

آخوی جواب

ساتھ لائی کھانے پینے کی چیزوں سے بھوک کو بہلارہے تھے۔ نوبیج بس مل اشیش پہنچی اور ہوٹل کے سامنے رکی تو وہاں ہو کا عالم تھا۔ مگر جب لڑکے لڑکیاں نیچے اترے اور ہوٹل کی بیرونی روشنیاں آن ہوئیں تو ماحول بدلتا۔ وہ اندر آئے۔ راستے میں شمشاد علی نے بذریعہ ایس ایم ایس ہوٹل کے فیبر کو مطلع کر دیا تھا کہ وہ نوبیج کے اس پاس پہنچیں گے اس لیے مہربانی کر کے ڈنر تیار رکھا جائے۔ اس ایم ایس کی وجہ سے انہیں ڈنر تیار اور گرگرم ملا۔ سب نے ڈٹ کر کھایا پھر چائے اور کافی سے شغل کیا۔ اس دوران میں ان کا سامان ان کے کمروں میں پہنچایا جاتا رہا۔ یہ ذلتے داری شمشاد اور ریاض نجھارہ تھے کیونکہ طلباء یہاں پہنچتے ہی سامان سے لاتعلق ہو گئے۔ تھے۔ اس پر ریاض بھٹکا گیا۔

”اچھا ہے جب کچھ غائب ہو گا۔“ بہوش آئے گا۔
”کچھ غائب ہوا تو مسئلہ ہو گا۔“ شمشاد نے خبردار کیا۔

کیا۔ ”ویسی نے کہہ دیا ہے کوئی سلسلہ نہ ہو۔“

اس پر ریاض کے منہ سے ایک ٹالی نکلی مگر وہاں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ مجبوراً انہوں نے اپنی نگرانی میں تمام پیک سامان کمروں میں پہنچایا۔ دو ویژزان کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ بھوکوں پر لگی چٹوں سے نام دیکھا لر کمروں میں سامان رکھا گیا پھر ان کے دروازے لاک کر کے وہ نیچے آئے تو کھانا لگ کیا تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں دس بجے ہی اپنے کمروں میں چلے گئے۔ زارا، ٹوی اور ایک لڑکی ایسے کو ایک کمرا میں لے گئے۔ اس کے باوجود سردی خاصی تھی۔ تاہم باہر کے مقابلے میں خاصی کم تھی۔ ورنہ انہیں ہوٹل میں بھگ اسی سریز اور گرم چیزوں کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ ایمیڈ اور ٹوی فوراً اپنے بھاری کمبلوں میں محض نیکی مگر زارا نے سپرے پہلے کھڑکی سے پر دہ بھٹا کر دیکھا۔ مل اشیش ایک نبٹا کم ڈھلان والی پڑی کی پہاڑی پر تھا۔ نیچے سے مل کھاتی سڑک اور پرست کنی تھی۔ ڈھلان کے اوپری حصے تک ہوٹل، ریور ٹس اور لوگوں کے نجی بیتلے بنے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر اونچے درختوں پر مستمل جنگل تھا اور مزید اور ایک پہاڑ اور تھا جو تقریباً پورا برف سے ڈھکا ہوا تھا اور اس میں کہیں بہیں درخت بھی لگے ہوئے تھے۔ آسمان پر پورا چاند تھا اس لیے سارا منظر نہایت واضح تھا۔

”واو۔“ زارا نے کہا۔ ”کتنا خوب صورت منظر ہے۔“

آج ہی مل اشیش پہنچیں گے۔“ تشویش صرف بڑوں کو تھی۔ لڑکے اور لڑکیاں بے فکر تھے کہ رات پہنچیں گے یا نہیں۔ وہ مستقبل سے بے نیاز اپنے حال میں مکن تھے۔ سب کے اپنے اپنے گروپ تھے اور وہ گپٹ کے ساتھ اپنی دلچسپیوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ اس لیے جب تاریکی ہوئی تو وہ کچھ دیر بعد چونکے تھے۔ شایان نے کہا۔ ”بھی تک راستے میں ہیں۔“

”شکر ہے تم لوگوں کو بھی ہوش آیا۔“ ریاض نے طنز کیا۔ کیونکہ وہ بھی ایڈمن میں تھا اس لیے اس کا واسطہ طلبہ سے اس وقت پڑتا تھا جب ان کی کوئی شکایت آتی تھی اور اسی وجہ سے اس کا روایہ طلبہ کے ساتھ مستقل طرزیہ ساتھا۔ کریم بھائی نے بس کی رفتار بڑھا دی تھی کیونکہ وہ اس وقت ایک ہائی وے پرسنر کر رہے تھے اور اس کا معیار عام سڑکوں کے مقابلے میں بہت اچھا تھا۔ شایان نے ریاض کو آگاہ کیا۔

”صرف مجھے ہوش آیا ہے سر، باقیوں کو ہوش میں لاانا ہو گا۔“

”بس کریم بھائی چلا رہا ہے۔“ شمشاد علی نے ریاض سے کہا۔ ”اچھا ہے یہ آہ میں مکن رہیں، کم سے کم میں اس وقت کوئی فساد نکھنے کے موذ میں نہیں ہوں۔“

”سرف ساد کے عادی بلکہ شوقیں ہیں۔“ شایان نے پھر کہا۔ ”اس لیے انہیں غاموشی اچھی نہیں لگ رہی ہے۔“ اس دوران میں دوسرے بھی چونکے لگے تھے اور اس قسم کی آوازیں اٹھ رہی تھیں کہ اب تک سفر میں کیوں ہیں اور منزل پر کب پہنچیں گے۔ شمشاد نے ریاض کو آگے کر دیا۔ ”لوہوں آگیا۔ سب کو، اب جواب دو۔“

”میں کیا جواب دوں؟“ اس نے بد مرگی سے کہا۔ ”کیا میں بس چلا رہا ہوں۔“

”سر، اگر آپ کو میری ڈرائیورگ پر اعتراض ہے تو آپ اسیز جگ سنبھال سکتے ہیں۔“ کریم بھائی نے مذکور کہا تو سب نے شور مچایا۔

”ہرگز نہیں... بالکل نہیں۔“

ایک مختصری ہڑ بیگ کے بعد حالات دوبارہ معمول پر آگئے مگر اس بار لڑکے اور لڑکیاں اوپنکھنے میں دلچسپی لے رہے تھے۔ سڑاب بھی ایک گھنٹے کا باقی تھا۔ زارا نے اپنی سیٹ پیچھے سر کائی اور آرام کرنے لگی۔ ٹوی نے ہند فری لگا لیا اور میوزک سننے لگی۔ سے پاپ کا کریز تھا۔ نیند کے ساتھ بھوک بھی ستارہ تھی اور جوانگہ نہیں رہے تھے، وہ اپنے ہے۔“

ان کے کمرے مگراؤ نہ پر۔ تھے کیونکہ سیزن نہ ہونے کی وجہ سے ہوٹل کے ستر فیصلہ کرنے خالی تھے۔ لاڈنچ میں جھانکا تو اسے وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ رات سونے والا ویر بھی انھ کر جا چکا تھا۔ وہ باہر آئی۔ شیشے کے دروازے سے باہر آتے ہی تھے ہوانے اسے رزہ دیا تھا۔ اندر اور باہر کے درجہ حرارت میں بہت زیادہ فرق تھا۔ مگر ساتھ ہی ہوا میں اسکی تازگی تھی کہ وہ نہ چاہنے کے باوجود گھرے گھرے سانس لینے پر مجبور ہو گئی۔

لان پر مر جھائی، ہوئی گھاس برف تک دبی تھی اور جہاں جہاں لوگ چلے تھے وہاں۔ سے گھاس جھائک رہی تھی۔ ایک طرف ایک ٹوٹا ہوا انسنومین کھڑا تھا اس کا سر کسی نے توڑ دیا تھا۔ زارا اس کی طرف بڑھی، اور اس کا گراہ ہوا سراخانے کی کوشش کی مگر لرز کر چھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ خالی تھے اور برف کا گولانہایت رکھتا تھا۔ سے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ دستانے پکن کر نہیں آئی تھی۔ حالانکہ وہ نئی جوڑی لائی تھی۔ لیدر اور اندر گرم فوم کی اشیت کے ساتھ یہ دستانے بہت گرم تھے۔ زارا نے مجھے کو نوکر ماری مگر اب برف سخت ہو گئی تھی اس لیے اس پر اثر نہیں ہوا۔ کوئی ہسا تو اسے پھا چلا کہ وہ وہاں ایسی نہیں تھی۔ اس نے دیکھا تو ایک درخت کے ساتھ احر کھڑا تھا۔ احر اس کی کلاس میں تھا مگر وہ ذرا الگ تھلک اور کم گوڑا کا تھا۔ ریاؤ نہ فرمی کی عینک کے پیچھے اس کی ذہن آنکھیں چک رہی تھیں۔ زارا نے اسے بہت کم کسی سے بے تکلف ہوتے دیکھا تھا۔ اسے خفیف ہوتے دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”سوری میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا۔ میں بے ساختہ ہم دیا تھا۔“

”کوئی بات نہیں، وی آر کو گیک۔“ زارا نے کہا۔

”میرا خیال تھا کہ اس وقت میں ہی انھی ہوں۔“
”مجھے شروع سے صبح اٹھنے کی عادت ہے، فجر پڑھتا ہوں۔“ اس نے کہا تو زارا شرمندہ ہو گئی کیونکہ اسے فجر کی نماز پڑھنے کی عادت نہیں تھی۔ بعض اوقات وہ جلدی انھ جاتی اور وقت ہوتا تھا نبہ بھی نہیں پڑھتی تھی۔

”میرا خیال ہے اندر چلا جائے۔“ زارا نے کہا۔
”دوسرے لوگ اٹھنے والے ہوں گے۔“

”تم جاؤ، میں برابر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔“
زارا کو خطرہ تھا کہ کسی نے انہیں اتنی صبح ساتھ دیکھ لیا تو بلا وجہ کا اسکینڈل بن جائے گا۔ اگرچہ یہ مذاق ہی ہوتا مگر یہاں مذاق میں بندے کو زیادہ کھینچا جاتا تھا۔ اس پار بھی

منظروں کی بھی مجبوری تھے اس لیے وہ فوراً کمبل سے نکل آئی اور اس نے باہر دیکھ کر زارا سے اتفاق کیا۔ زارا نے کہا۔ ”کل، ہم وہاں جائیں گے۔“

ثوہی نے کہا۔ ”تم بھول رہی ہو اکیلے کہیں جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔“

”یہ جملہ اسکی ہے کہ یہاں سب جانا پسند کریں گے۔“
زارا نے ٹھنڈی سانس لی۔ ثوہی ٹھیک کہہ رہی تھی۔
اس نے اس لیٹر نظر کی اپنے کیمپرے سے کچھ تصویریں لیں اور پھر بستر میں نہس کئی۔ خوش قسمتی سے بستر، بیڈ شیٹ، سکے اور کلب صاف سترے اور بے بو تھے۔ ورنہ زارا اور ثوہی خوشبو کا بندواست کر کے آئے تھے۔ کچھ دیرستاںے کے بعد وہ کمبل سے نکل آئے۔ ایمہ نے ٹی وی لگایا تھا۔
کمرے کے ساتھ اتنیج باتھ تھا اور اس میں گرم پانی بھی آرہا تھا مگر انہوں نے صرف منی ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا تھا۔ زارا بالوں میں برش کر رہی تھی۔ ثوہی واش روم سے آئی۔

”چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”سو جاؤ یہاں کی چائے زیادہ اچھی نہیں ہے۔“
زارا نے کہا۔ ”اس کے مقابلے میں کافی اچھی ہے۔“

”تو ہافی ملکو والیتے ہیں۔“
”تم ملکو والوں میں تو سووں گی۔“ زارا نے برش رکھا اور اپنی طرف کی لائٹ بند کر کے کمبل میں نہس کئی۔ سارے دن سفر کی تھدن تھی اس لیے سب جلد سوکھیں۔ ہوٹل کا بیشتر عملہ پہلے ہی سونے کے لیے جا چکا تھا۔ ریسپشن خالی تھا۔ لاڈنچ میں ایک ویژہ کمبل میں لپٹا سورہا تھا۔ اتنے میں ایک سایہ خاموشی سے لاڈنچ میں آیا اور اس نے ریسپشن پر موجود فون انہما کر ایک نمبر ملایا اور رابطہ ہونے پر بولا۔ ”وہ لوگ آگئے ہیں۔“

اس نے ایک جملہ کہہ کر ریسپور و اپس رکھا اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔

☆☆☆
زارا کی آنکھ کھلی تو باہر بھی تاریکی تھی۔ اس نے گھری دیکھی سائز ہے چھنچ رہے تھے۔ سورج نکلنے والا تھا۔ کیونکہ آنہ پہچے اٹھنا تھا اس لیے اس نے پھر سونے کی کوشش کی مگر غیند نہیں آئی۔ دیے بھی یونیورسٹی کی وجہ سے اسے جلد اٹھنے کی عادت تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے انھ کراپنی جیکٹ اور جوتے پہنے۔ کمرے میں قالین تھا مگر وہ بھی اتنا سرد تھا کہ اس پر نکلنے پاؤں رکھنا مشکل تھا۔ اگرچہ یہ روں کے خلاف ہوتا مگر وہ اونی نوپی اور مفلر لے کر باہر نکل آئی۔

آخر جواب

”نومیدم۔“ شایان نے کہا۔ ”بات صرف اتنی ہے کہ ہم اوپر ڈھلان پر جانا چاہتے ہیں۔“

”تم سب؟“ ریاض نے پوچھا۔ اس کا منہ پہلے ہی بن گیا تھا۔

”ہاں ہم سب۔“ زارا بولی۔ ”صرف اسی صورت میں ہم ہوں گے باہر جائیں گے۔“

”کیا یہ ہمکی ہے؟“ شاہد سید بولی۔ وہ شاعری پڑھاتی تھی مگر لہجہ نہایت غیر شاعرانہ تھا۔

”نہیں میدم۔“ ٹوٹی نے شیریں لبھ میں کہا۔ ”یہ اطلاع ہے۔“

”ڈھلان بہت اوپر ہے۔“ ریاض نے انکار کی تمہید باندھی۔

”بہت اوپر بھی نہیں ہے۔ میں نے بوڑھے لوگوں کو اس سے زیادہ اوپر جاتے دیکھا ہے۔ ہم تو سب یونگ ہیں۔“ شایان نے کہا۔

”ریسلی سب یونگ ہیں؟“ رائل نے سمجھہ شرارت سے پوچھا۔

اس کے بعد باقی سب نے... مل کر ایسے جملے کے اور بیک فور پر دباؤ ڈالا کہ انہیں ان کی بات مانتا پڑی مگر ساتھی شرائط کا سلسلہ بھی شروع ہوا یا جو طلبہ نے ایک کان سے سن کر دوسرا کے کان سے اڑا دی، اور سر ہلاتے رہے۔ منظوری ملتے ہی سب تیاری کے لیے اپنے کروں کی طرف بھاگے تھے۔ سب نے اپنے بھاری کپڑے نکال کر پہنے۔ برف میں چلنے کے لئے خاص انگ نوز تھے جن میں برف اندر نہیں جاسکتی تھی۔ گلوز، سندھ گلزار، مغلز اور اونی ٹوپیاں سب کے پاس تھیں۔ اس کے نمادوں بھرے تھے۔ جن کے پاس کیمرے نہیں تھے وہ اپنے اس اسارت فوز سے کیمرے کا کام لیتے۔ زارا کے پاس بہترین ڈم کا ڈیجی کیم تھا۔ اس میں زوم لنس بھی لگا تھا۔ یہ انلی درجے کی تصویریں لیتے کے ساتھ ڈی وی ڈی کو اپنی کی سودی بھی بناتا تھا۔ زارا نے اس کی بیٹری فل کر لی تھی مگر پور بھی عطا چیک کی۔ ٹوٹی کے پاس نیا آئی فون تھا اور اس کا بمرا بہت اچھا تھا۔ وہ تیار ہو گر باہر آئے۔

راہداری میں ایک طرف لا کیوں اور لیکھر کے کرے تھے اور دسری طرف لا کے اور مرد نہبرے تھے۔ کریم بھائی ریاض اور شمشاد کے ساتھ نہبر ا تھا۔ وہ جاتے ہوئے کریم بھائی و کروں کی نگرانی پر چھوڑ گئے تھے۔ بگ فور کا موڈ آف تھا مگر باقی سب خوٹ تھے۔ وہ سرک سے

اسے کوئی نہیں ملا مگر وہ کمرے میں آئی تو ٹوٹی جاگ رہی تھی۔ اس نے مکبل سے آنکھ نکال کر پوچھا۔ ”کہاں سے تشریف آوری ہو رہی ہے؟“

”باہر سے۔“ اس نے مغلراہ تارا۔ ”غصب کی محدثہ ہے لیکن بہت کوں مارنگ ہے۔“

”کوں مارنگ، کا سب سے زیادہ مزہ گرم بستر میں آتا ہے۔“ ٹوٹی نے ہاتوزارا نے مکبل ٹھیک کر اس کے جملے کی دادو دی۔

”زارا کی بچی مارے گی کیا۔“ اس نے جلدی سے مکبل واپس ٹھیک کیا۔

”اٹھ جاؤ اسے۔ میں اسکی بور نہیں ہوں گی۔“ زارا نے دارنگ دی۔ ”اٹھ بار پانی کرے گا۔“

”خدا کے لیے کیا اُج تم میں بیک وقت ہٹلر اور چنگیز خان کی روح سما گئی ہے۔“ ٹوٹی اٹھ نہیں۔ اسی لمحے شاہدہ سید نے دروازہ بجا یا۔

”لا کیوں... اٹھ جاؤ، آٹھ بجے ناشا ہے اور تو کے بعد ناشا نہیں ملے گا۔“

دوسری اطلاع نے انہیں مجبور کیا کہ جلد از جلد بیار ہو کر ڈائینگ ہال ٹھیک جائیں۔ وہاں ساری رونق ان کی پارٹی کی تھی۔ اس کے علاوہ مشکل سے چھ سات افراد تھے۔ ناشتے میں فرمائشی پر گرام روکر دیا گیا اور باور بھی نے اطلاع دی کہ ناشتا انہی کے پرانے پرنس ہے۔ اس کے علاوہ صرف ابلا ہوا المڈاٹ ملکتا تھا۔ مجبور اس سب نے اسی ناشتے پر گزار کیا۔ مگر مختلف طرح کے آمنڈیں اور پیاز کے ساتھ بنے انڈوں نے گرام پر انہوں کے ساتھ مزہ دیا تھا۔ چاروں بڑے الٹ میز پر ناشتا کر رہے تھے اور آپس میں وہی آواز میں تباہ لے خیال گر رہے تھے۔ زارا کا خیال تھا کہ گفتگو کا مرکزی نقطہ یہی ہو سکتا تھا کہ انہیں کس طرح زیادہ سے زیادہ بور کیا جائے۔ ان کا بس چلتا تو ہوٹل سے ہی نہ نکلتے مگر اس صورت میں بغاوت کا خطرہ تھا۔ زارا نے ٹوٹی پر لکھا۔ ”سب اوپر برف والی ڈھلان پر چلنے کو کہیں گے۔“

اس نے ٹوٹی کو پاس کرنا شروع کر دیا۔ سب نے پڑھا جو راضی تھا اس نے اشیات میں سر ہلا کیا اور جو راضی نہیں تھا اس نے نفی میں ہلا کیا۔ مگر نفی والے بس تین چار تھے باقی سب راضی تھے۔ اس لیے ناشتا مکمل ہوتے ہی سب چار بڑوں کی میز کے ردد جمع ہو گئے۔ شاہدہ سید نے یعنک کے اوپر سے انہیں دیکھا۔ ”انی پر ابلم۔“

کیبن کے پاس آ کر نہیں احساس ہوا کہ یہ غیر آباد تھا اور اگر یہاں کوئی رہتا بھی تھا تو اس وقت موجود نہیں تھا۔ اس کے چاروں طرف، اور نامص طور سے دروازے کے سامنے برف ہموار تھی اسی طرح چھٹ پر بھی بہت مولیٰ تھی اگر کوئی یہاں رہتا تو لازمی اس برف کو صاف کرتا۔ وہ احتیاطاً کیبن کی آڑ میں آگئی۔ اب انہیں بگ فور نہیں دیکھ سکتے تھے مگر پارٹی کے دوسرا بُم بردار یہ سکتے تھے۔ زارانے ایک جگہ منتخب کی اور یہاں پہاڑ اور اس کی ڈھلان پر موجود چھوٹے سے جنگل کی تصویریں لینے لگی۔ ایک بار اس نے زوم لینس استعمال کیا تو اسے برف پر کوئی سنہری چیز حرکت کرتی نظر آئی۔ اس نے لینس اس طرف کیا اور اسے زوم کیا تو وہ آدمی واضح ہو گیا۔ سرخی مائل سنہری لباس میں وہ آدمی بہت تیزی سے اسکینگ کر رہا تھا اور اس کے انداز میں مہارت تھی۔ پھر زارا کی توجہ اس کے پیچے فرد پر گئی جب اس نے اس پر زوم کیا تو وہ عورت نکلی۔ اس نے بھی سرخی مائل سنہری لباس پہننا ہوا تھا مگر اور اس نے سرخ رنگ کی سادہ چادریوں پیش رکھی تھی کہ وہ اسکینگ میں رکاوٹ نہیں بن رہی تھی۔ وہ بھی بہت مہارت سے اسکینگ کر رہی تھی۔ اس کے لبے بال ہوائی لہرار ہے تھے۔ زارانے ٹوی کو اس طرف متوجہ کیا۔ وہ الرمند ہو گئی۔

”چلو یہاں سے۔“

”لیکن کیوں؟“

”پا نہیں کون ہیں اور ہو سکتا ہے یہ کیبن ان کا ہوا اور وہ یہاں ہماری موجودگی پسند نہیں۔“

”ہم کیبن میں نہیں ہیں اس کے آس پاس کی زمین ان کی ہے تو انہوں نے کوئی نہیں لگائی ہے۔ اس لیے وہ ہمیں پہنچنے کہہ سکتے۔“ زارا نے سکون سے کہا اور پھر فونو گرافی کرنے لگی۔ اس نے مرد اور عورت کی بھی کئی تصویریں لے لی ہیں۔ مگر اس طرح کہ انہیں پہانہ چلے۔ چند منٹ بعد وہ ان کے سامنے تھے۔ مرد نہایت سرخ و سفید رنگت اور کھڑے یوتانی نقوش والا وجہہ مرد تھا۔ اس کے سرخی مائل براون بال اپ کے ہر سے جھاک رہے تھے۔ قد لمبا اور ڈھیلے لباس میں بھی ورزشی جسم نمایاں تھا۔ بلاشبہ وہ وجہہ ترین مردوں میں سے ایک تھا۔ عورت اس سے ذرا پیچھے تھی۔ اس کا لباس کسی قدر بہت اور جسم کو نمایاں کرنے والا تھا۔ وہ بھی نہایت سینٹھی۔ متناسب ترین جسم کے ساتھ بہت لکھ چھرہ تھا۔ خاص طور سے اس کی آنکھیں اور ہونٹ خوب صورت تھے۔ تیزی سے اسکینگ کے باوجود

اوپر روانہ ہوئے۔ نیچے زیادہ تر ہوٹل اور ریسورٹس تھے اور بنکلے اور پربنے ہوئے تھے۔ اوپر جاتے ہوئے سڑک تجھ ہو رہی تھی۔ پھر سڑک ختم ہو گئی اور وہ جنگل میں گک ڈنڈیوں سے گزرنے لگئے۔ یہاں راستے تھے اگرچہ مخفی تھے۔ برف ہر جگہ تھی اگر آبادی اور جنگل میں اتنی نہیں تھی البتہ جب وہ جنگل سے لکلے اور سامنے پیالے نما جگہ تک آئے تو انہیں تاحدِ نگاہ برف نظر آئی۔ اوپر بہت اونچا جاتا پہاڑ تھا۔ اس کے نیچے جنگل تھا اور پیالے نما میدان کے آخری سرے پر ایک کیبن موجود تھا۔ یہ لمبورٹا اور کمپ چوڑا ترجمی چھٹ دالا کیبن تھا۔ چھٹ پر برف کی مولیٰ تھی۔ سامنے دروازہ تھا اور سقب میں ایک کھڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ عقب میں ہی آتش دان کی چمنی تھی مگر اس سے دھواں نہیں نکل رہا تھا۔

”کیا غصب کی سردى ہے۔“ ٹوی نے ٹھہر تے ہوئے کہا۔

”مگر ہا میں کیسی تازگی ہے۔“ زارا نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ راحیل اور شایان ان کے آس پاس تھے۔ غالباً ان میں کھٹکو بھی سن رہے تھے اس لیے شایان نے حسبِ عادت تبرہ کیا۔

”بعض اوقات دے کا مرض دیر سے ظاہر ہوتا ہے۔“

زارا اور ٹوی نے انہیں ناگواری سے دیکھا۔ ٹوی بولی۔ ”آؤ کہیں اور چلتے ہیں یہاں ہوا کچھ ڈرٹی ہو گئی ہے۔“

زارا نے سیر ہلا کیا۔ وہ پہاڑ کی زوم لینس سے تصویریں لے رہی تھی۔ اس نے ٹوی سے کہا۔ ”کیبن تک چلتے ہیں۔ وہاں سے پہاڑ اور اوپر برف نمایاں ہو گی۔“ لڑکے اور لڑکیاں گروپس کی صورت میں بکھر کئے تھے۔ یہاں آئنے کے خیال سے بیزار بگ فور بھی اب ماحول کو انجوائے کر رہے تھے۔ میڈمز نے اسنومین بانا شروع کر دیا تھا۔ زارا اور ٹوی کیبن کی طرف جا رہی تھیں اور دل ہی دل میں دعا کر رہی تھیں کہ انہیں کوئی روکے نہیں۔ اگر بگ فور میں سے کوئی دیکھ لیتا تو انہیں لازمی والا پسی کا حکم مل جاتا کیونکہ پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ کوئی الگ نہیں ہو گا۔ خاص طور سے لڑکیوں کے لیے ہدایت تھی کہ انہیں نظر وہنے سے اوچھل نہیں ہوتا ہے۔ مگر بگ فور خود مگن ہو گئے تھے اس لیے کسی نے توجہ نہیں دی۔ پارٹی دیے بھی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔

دھوکا

لیم: "سیری بیوی نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔"

خلیق: "کیا دھوکا دیا؟"

نعم: "کہنے لگی کہ اگر تم رات کو یہ سے آئے تو میں خود کشی کر لوں گی۔"

خلیق: "اس میں کیا دھوکا ہوا؟"

نعم: "اس نے خود کشی نہیں کی۔"

نازحہ کراچی سے طارق علی صدیقی کا صدر

رانگ نمبر

قسمت آزمائی کی وصیت میں ایک ڈرکے نے ایک ٹلی فون نمبر ملا کر دوسرا طرف ریمیور الہامانے پر کہا۔ "ہیلو! آپ اس وقت کیا کر رہی ہیں؟"

جواب ملا۔ "تماز پڑھنے کی تیاریا۔"

تو جوان جلدی سے بولا۔ "سوری ارنگ نمبر۔"

خوبی

عورتوں میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جب بھی مل کر بیٹھتی ہیں تو ہر اس عورت کی براں کرتی ہیں جو وہاں موجود ہو۔ اس کے برعکس مردوں میں بڑی خوبی یہ ہے کہ جب بھی مل کر بیٹھتے ہیں تو ہر اس عورت کی تعریف کرتے ہیں جو ان کی بیوی نہ ہو۔

شیلی فون

ایک شفیعی بڑی نے پہلی مرتبہ ملی فون میں اپنے باپ کی آواز سنی اور زار زار رونے لگی۔

"کیا ہوا پنجی؟" اس کی ماں نے پوچھا۔

"آئی۔" وہ پنجی بولی۔ "اب تم اتنے تھک سو اس سے ابا جان کو کیسے نکالیں گے؟"

☆☆☆

ایک شخص تمام دن اپنی بکری کو ہاش کرتا رہا مگر بکری نہ ملی۔ رات کو تھک ہار کر بکری لانا تو دیکھا بکری کھٹاٹوپ اندھرے میں ایک کونے میں کھڑی تھی۔

اس شخص کو بہت غصہ آیا اور چھتری اٹھا کر بکری کو ذبح کر ڈالا۔ گوشت خود بھی کھایا اور محلے داروں کو بھی کھلایا۔ جب من اٹھ کر دیکھا تو بکری تو ایک کونے میں بکری بھی بکرستا غائب تھا۔

ملک نذر حسین عاصم، مردان

اس کے کھلے بال سلیقے سے اپنی جگہ سیٹ تھے۔ مگر نہ جانے کیوں زار اکواس سے نوف محسوس ہوا تھا۔ مردرک گیا تھا اور عمروت آگئے آئی۔ اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"ہائے کیوٹ گر لزاہاؤ آریو؟"

"فائن۔" ٹوٹی نے جواب دیا۔ "آپ کون ہیں؟"

"میں سیرا ہوں اور یہ میرے شوہر ریان ہیں۔" اس نے تعارف کرایا۔

"یہ تو یونانی لگتے ہیں۔" زارانے بے ساختہ کہا۔ سیرا اٹھی۔ "یونانی نہیں ہیں مگر ان کا خاندان یونان سے آکر امریکا آباد ہوا تھا۔"

"تو پھر یہ امریکا ہوئے۔" زارانے کہا۔

"ہاں مگر اب یہ پاکستانی اور مسلم ہیں۔" سیرا نے کہا۔ "ان کو اور دو کم آتی ہے۔"

سیرا نے انگریزی میں ان کا تعارف کرایا۔ اس نے ان سے ہاتھ ملایا۔ زارانے بتایا کہ وہ یونیورسٹی کی طرف سے نور پر آئے ہوئے ہیں۔ ذرا سی دیر میں وہ ان سے بے تکلف ہوئیں۔ زارانے پوچھا۔

"آپ کہاں پھرے ہیں؟"

"ہم پھرے نہیں ہیں۔ یہاں ہمارا بنگلا ہے۔" سیرا نے پنجے کی طرف اشارہ کیا۔ "ہمیں اسکینگ کا شوق ہے اس لیے ہر سرماں میں یہاں آتے ہیں ویسے ہم اسلام آباد میں رہتے ہیں۔"

زارا اور ٹوٹی اس حسین جوزے سے متاثر ہوئے تھے۔ اپنے انداز، لبس اور دوسرا چیزوں سے دہ ہائی سوسائٹی کے لگ رہے تھے۔ کچھ دیر ان سے گفتگو کے بعد وہ اسکینگ کرتے ہوئے پنجے کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے کیبن کے بارے میں نہ تو ان سے باتیں اور نہ یہ پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ کیبن سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ٹوٹی نے جھاٹک کر دیکھا اور بتایا۔ "وہ دوسرا طرف سے نکل گئے ہیں، کسی اور کے پاس نہیں رکے ہیں۔"

"پھر ہمارے پاس کیوں رکے تھے؟" زارانے سوال کیا۔ "راتے میں تو یہ کیبن بھی نہیں آتا ہے۔"

ٹوٹی نے پلت کر دیکھا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو، وہ تو بالکل دوسرا طرف سے گئے ہیں جہاں کوئی نہیں ہے اور اس طرف بھی وہ آؤٹ آف روٹ آئے تھے۔"

"چلو ہو گی کوئی وجہ۔" زارانے کہا اور اپنی لی ہوئی تصاویر دیکھنے لگی۔ چہرے تصاویر میں سیرا اور ریان نمایاں

تھے۔

”واہیں چلیں۔“ ٹوٹی نے کہا لیکن زارا اور پر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے پہاڑ کے بالکل نیچے موجود جنگل کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا ذیال ہے وہاں تک نہ ہو کر آجیں؟“

”وہ بہت دور ہے۔“ ٹوٹی نے نفی میں سرپلایا۔

”چلو نا۔“ زارا نے اصرار کیا۔ ”بس اس کے کنارے تک ہو کر آ جائیں گے۔“

ٹوٹی نے انکار کیا مگر کمزور بھجے میں اور زارا کا اصرار بڑھ گیا اس۔ یہی ہمارے ہی ماننی پڑی۔ ٹوٹی نے کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن نیچے والوں کی نظر وہ سے پچھا ہو گا ورنہ بے عزتی ہو گی۔“

”کیمین لی آڑ میں چلتے ہیں۔“ زارا نے چلنا شروع کر دیا۔

”مگر کہ تک؟“ ٹوٹی اس کے پیچھے لگی۔

”جب تک ممکن ہو۔“ زارا بولی۔ اور جانے کے لیے انہیں زور زدانا پڑھ رہا تھا کیونکہ یہاں ڈھلان تھی پھر بلندی بھی تھی، یہاں ہوا بلکل تھی۔ ان کا سانس پھول رہا تھا اور وہ باقاعدہ ہاپ رہی تھیں۔ وہ میدان میں شہلتے احر نے انہیں اور پر جاتے، دیکھا تو وہ بھی اس طرف بڑھا مگر اس کا انداز شہلنے والا نہ تھا۔ وہ ابھی کیمین سے کچھ دور تھا کہ شایان اور راحیل نے پہلے زارا اور ٹوٹی اور پھر احر کو دیکھا۔ شایان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”کچھ چکر ہے۔ پہلے وہ دونوں اور گئیں اور اب احر جا رہا ہے۔ صبح بھی یہ اور زارا ہو گئی کے لام میں تھے۔“
راحیل چونکا۔ ”تمہیں کیسے پتا چلا اور تم نے بتایا نہیں۔“

”واش رومن کے لیے اٹھا تھا۔ ہمارا کمرا لام کی طرف کھلتا ہے۔ کھڑکی کا پروڈھ ہٹا ہوا تھا۔ تب میں نے دیکھا اور پھر بھول گیا۔ ابھی دیکھا تو یاد آیا۔“

راحیل نے معنی خیز انداز میں شایان کی طرف دیکھا۔

”کیا خیال ہے ہم بھی چلیں۔“
”ہاں لیکن، اس طرف سے نہیں، ہم دوسری طرف سے جائیں گے۔“ شایان نے میدان کے ساتھ چلنے والی درختوں کی ایک چھوٹی قطار کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس کی آڑ ٹھیک رہے گی۔“

وہ اس طرف بڑھ گئے۔ زارا اور ٹوٹی پیچھے آنے والوں سے بے خبر بنگل تک پہنچ گئیں۔ وہاب سیرا اور اس

کے شوہر کے بارے ہیں بات کر رہی تھیں۔ ٹوٹی نے کہا۔

”سیرا خوب صورت تھی۔“

”ہاں لیکن نہ بجائے کیوں مجھے اس سے خوف سا آیا۔“

ٹوٹی نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ ”کس بات کا خوف؟ دونوں عام سے لوگ اُسی۔“

”ہاں اس کے باوجود مجھے ڈر لگا۔“ زارا بولی اور پہلی بار جنگل کی طرف توجہ دی۔ ”واہ کتنا خوب صورت سا جنگل ہے۔ برف زار کے درمیان چھوٹا سا سر بزر جنگل...“

اس جنگل میں اگلے سارے درخت سدا بہار تھے اور سخت ترین سرمایہ بھی ان پر بزر ہے موجود تھے۔ اگرچہ تعداد کم تھی مگر ان کی وجہ سے اپر ا جنگل بہار کا ساتھ دے رہا تھا۔ درختوں کے گھنے، پن ایسا وجہ سے وہاں زیادہ برف نہیں تھی۔ یہ جگہ زیادہ بڑی تیزی، مگر اور نیچے درختوں کی وجہ سے پڑے جنگل کا تاثر بن رہا تھا۔ وہ اس کے کنارے موجود تھیں۔ بہت تر چھوٹے ڈھلان پر جا بہ جا چھوٹے بڑے سائز کی چٹائیں تھیں۔ ان کے درمیان راستہ نایاب تھے۔

زارا نے پوچھا۔ ”کیا خیال ہے اندر چلیں؟“

”بالکل، یہاں تک آگئے ہیں یہی کم نہیں ہے۔

میڈ مز کو پہاڑی چل گیا تو شامت آجائے گی۔“

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ زارا نے کہا اور جنگل کی تصویریں لینے لگی۔ ”بہت منفر جگہ ہے، برف کے درمیان اتنا بزر جنگل میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس کے پتے کتنے گھرے بزر ہیں۔“

ٹوٹی وہاں زمین پر پڑے رنگ برلنگے پتھر چلنے لگی۔ اس نام کے پتھر پتھر اور اس پر عام ملتے ہیں اور لوگ انہیں سوونیز کے طور پر لے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات بعض جمع کے قسم پتھر بھی ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ موسم خشک تھا اور پھر انہوں نے انڈا پر اٹھا کیا یا تھا اس لپے پیاس لگ رہی تھی اور ٹوٹی نے ہوٹل سے نکلنے سے پہلے پانی پیا تھا۔ اس کا نتیجہ نکلا اور وہ زارا کے پاس آئی۔ اس نے چھوٹی انکل سے مخصوص اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ڈر راجانا ہے۔“

”ہوٹل تو بہت نیچے ہے۔“

”یہاں جنگل میں وہی نہیں ہے۔“ ٹوٹی نے کہا۔

”میں بس ایک منٹ میں آئیں۔“

زارا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ٹوٹی اس سے پہلے اور پر کی طرف بڑھ گئی۔ پتھروں پر احتیاط سے چڑھتے ہوئے وہ زارا کی نظر وہ سے اوچھل ہو گئی۔ زارا کچھ دیر کھڑی اس

آخر جواب

انہوں نے کچھ کہا نہیں، البتہ جب، وہ پھر دل اور چنانوں پر چڑھ رہے تھے تو راحیل نے کہا۔ ”کسی کو جا کر بڑوں کو بھی بتانا چاہیے۔“

”ابھی نہیں۔“ زارا نے بے ساختہ کہا۔ ”وہ ہم جھپ کر یہاں آئے تھے اگر بڑوں کو پتا چل گیا تو ہماری شامت آجائے گی۔“

”جیسے تمہاری مرضی۔“ شایان بولا۔ ”لیکن مجھے معاملہ گز بڑا لگ رہا ہے، ٹوٹی خیریت سے نظر نہیں آ رہی۔“

”اللہ نہ کرے۔“ زارا بولی۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ ٹوٹی خیریت ۔۔۔ ہو۔ اسے بڑوں کی پروا نہیں تھی۔ اسے اپنی دوست کی فرقہ کی کہ اسے کوئی نقصان نہ ہوا ہو۔ اوپر جاتے ہوئے بھی وہ ٹوٹی کو مستقل آوازیں دیے رہے تھے۔ درختوں کے درمیان پھر اور چنانیں تھیں، مٹی یا ہموار جگہ نہ ہرنے کے برابر بھی۔ جہاں تھوڑی سی جگہ تھی وہاں پتے اور چھوٹی شاخیں نوٹ کر گری ہوئی تھیں، بڑی شاخیں شاید آس پاس رہنے والے اٹھا کر لے جاتے ہوں گے کیونکہ اس لحاظ سے جنگل بالکل صاف تھا۔ جگہ اتنی دشوار تھی کہ وہاں جانور بھی نہیں آتے ہوں گے۔ ذرا اوپر پہنچ کر وہ پھیں گئے اور الگ لگ جگہوں پر دیکھنے لگے۔ زارا اب رو بانسی ہو گئی تھی اور ٹوٹی کو آواز دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ٹوٹی شوخ و چنپل تھی اور اس سے مذاق بھی کرتی تھی مگر اس قسم کا مذاق اس نے بھی نہیں کیا تھا۔ اس میں برداشت نہیں تھی کہ مذاق کو زیادہ طول دیتی۔ اگر وہ اس وقت مذاق کر رہی ہوتی تو بہت سبھے ہی ہی سے بے قابو ہو کر سامنے آچکی ہوتی۔ اب زارا کو بھی لگ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی مادث ہیش آچکا ہے۔

احراب آگے تھا اور وہ جذل عبور کر کے دوسری طرف برف کی حد تک پہنچ گیا جہاں ارب سوائے سفید بہاڑ کے اور کچھ نہیں تھا۔ نصف گھنٹے سے کم وقت میں وہ اس جگہ کو پوری طرح چھان چکے تھے۔ اگر ٹوٹی وہاں ہوتی تو مل جاتی پھر وہ پہنچنے آئے اور بڑوں کو بتایا کہ ٹوٹی غائب ہے۔ یہ نہتے ہی سخنی پھیل گئی۔ شمشاد اور ریاض نے لڑکوں کے ساتھ مل کر ٹوٹی کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف میڈ مز چند لڑکوں کے ہمراہ ہوٹل کی طرف، روانہ ہوئیں کہ شاید ٹوٹی اس طرف چل گئی ہو مگر جب وہ ہوٹل پہنچیں تو پتا چلا کہ ٹوٹی وہاں بھی نہیں آئی ہے۔ ایک گھنٹے بعد باقی پارٹی بھی آگئی تھی اور اسے بھی ٹوٹی نہیں ملی تھی۔ مزید کچھ دیر بعد انہوں نے پولیس سے رابطے کا فیصلہ کیا۔۔۔ پولیس اشیش یہاں سے دو

سمت دیکھتی رہی پھر تصاویر لینے میں مگن ہو گئی۔ اسے کچھ دیر بعد احساس ہوا کہ ٹوٹی اب تک نہیں آئی ہے۔ زارا نے وقت نہیں دیکھا تھا مگر اس کے اندازے کے مطابق ٹوٹی کو گئے ہوئے دس منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے اور وہ ایک منٹ کا کہہ کر گئی تھی۔ زارا نے اسے آواز دی۔ ”ٹوٹی کہاں ہو؟“

مگر ٹوٹی کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ زارا نے دوبارہ آواز دی۔ اس بار بھی جواب نہیں آیا تو وہ تیسری بار چلا آنچی۔ ”ٹوٹی کی پچھی کیوں ٹنگ کر رہی ہو؟“

”کیا ہوا، ٹومانہ کہاں ہے؟“ پاس سے احر کی آواز آئی تو زارا پہلے تو خوف سے اچھل پڑی مگر پھر احر کو دیکھ کر اس کی جان میں حیان آئی۔

”وہ ٹوٹی اور گئی تھی مکراب تک نہیں آئی ہے۔“

”اوپر کہاں...؟“ احر نے جنگل کی طرف دیکھا۔ ”یہ جگہ تو بالکل نیر آباد لگ رہی ہے۔ ٹوٹی یہاں کیوں گئی؟“

”وہ اسے ایک کام تھا۔“ زارا نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ احر سمجھ گیا۔ اس نے پوچھا۔

”کتنا دیر ہوئی ہے اُسے؟“

”دس منٹ سے زیادہ ہو گئے ہیں۔“

”یہ تو خامہ وقت ہے۔ اسے یوں بے احتیاطی سے نہیں جانا چاہیے تھا۔“ احر فکر مند ہو گیا۔ ”اسے آواز دو۔“

زارا نے پلا کر ٹوٹی کو آواز دینے میں شامل ہو گیا۔ اسی دوران میں شایان اور راحیل بھی آگئے۔ ان کے تاثرات معنی خیز تھے مگر جب انہیں اپنا چلا کر ٹوٹی اور پکار کا جواب نہیں دے رہی۔ ہے تو وہ بھی فکر مند ہو گئے۔ احر نے پچھا تے ہوئے کہا۔ ”ہمیں اوپر جانا ہو گا۔“

زارا اب دوسرے حوالے سے پریشان ہو گئی۔ ”کیا یہ مناسب ہو گا؟“

”ویکھو وہ جواب نہیں دے رہی ہے۔ شاید اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو گیا ہے۔ یہ چنانیں بہت خطرناک لگ رہی ہیں۔ کہیں وہ چورٹ کھا کر بے ہوش نہ ہو گئی ہو۔“

”میں بھی چلوں گی۔“ زارا نے کہا۔ ”میں آگے رہوں گی۔“

”یہ مناسب ہے۔“ احر نے تائید کی۔ ”ہم لڑکے پیچھے رہیں گے۔“

اس کی بات پر شایان اور راحیل کا منہ بن گیا مگر

بیڈ آرلن راڑ کا تھا اور اس پر فرم میٹھیں تھا۔ ریان نے بیڈ پر بیٹھ کر بیگ کی بیلش کھولیں اور کھرا ہو گیا۔ اس نے زپ سر کا کر اندر سے ٹوٹی کونکلا اور سیدھا کر کے بیڈ پر لٹا دیا۔ اتنے میں سیمرا اندر آئی، اس نے اپنا بھاری لباس اتار دیا اور اس وقت نارمل گرم کپڑوں میں ٹھی۔ اس نے ریان سے کہا۔ ”تم باہر جاؤ۔“

”کیا یہ ضروری ہے؟“

”ہاں۔“ سیمرا کا لہجہ تنخ ہو گیا۔ ”عورت کے معاملے پر فیشن۔“

”تب میرا جاتا ضروری نہیں ہے۔“

”ہاں۔“ سیمرا کا لہجہ تنخ ہو گیا۔ ”عورت کے معاملے میں تم تاں پر فیشن ہو جاتے ہو۔“

ریان کا وجہ چہرہ بگڑ سا گیا۔ وہ کچھ دیر سیمرا کو گھورتا رہا پھر جھٹکے سے مڑ کر کمرے سے چاگیا۔ سیمرا نے کچھ دیر بعد اٹھ کر ٹوٹی کالباس اتارنا شروراً کیا۔ ایک ایک کر کے اس نے اس کے جسم سے سارے کپڑے الگ کر دیے اور پھر اس کے انزویز اس کے جسم کے خاص حصوں پر یوں ڈال دیے کہ وہ چھپ گئے اور پھر اس نے ایک چھوٹا سا ڈسجیٹل لیمرا نکال کر مختلف زاویوں سے اس کی تصاویر میں۔ اس کی کوشش تھی کہ ہر تصویر میں ٹوٹی کا چہرہ نمایاں نظر آئے۔ تصویریں لینے کے بعد اس نے ایک ایک کر کے تمام کپڑے اسے دوبارہ پہنائے اور اب اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے سے حالت میں تھی اور اس کی تصاویر لی گئی تھیں۔ کیسا رکھ کر اس نے ٹوٹی کی بعض چیک کی اور سر ہلاتے ہوئے پہلے اس کے دونوں ہاتھوں پر آرلن راڑ کے بیڈ کے اوپری پائپ سے چکڑی کی مدد سے باندھ دیے اور پھر ایک ساہ رنگ کا تھیلانہ اغلاف۔ اس کے منہ پر چڑھا دیا۔ اب وہ نہ کسی کو دیکھ سکتی تھی اور نہ جان سکتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ سیمرا کر کے سے باہر آئی تو رہنے والوں میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں جانی واکر کی بوٹی تھی۔ سیمرا نے اسے گھوڑا تو وہ انگلی اٹھا کر بولا۔

”اس پر تم کچھ نہیں کہو گی۔“

”ابھی صرف ایک کام ہوا ہے اور تم یہ مت سمجھو کر ہم خطرے میں نہیں ہیں۔“

”ہم خطرے میں کب نہیں ہوتے ہیں۔“ وہ بے پرواںی سے بولا۔ ”ہمیں خطراتتے ہمٹا آتا ہے۔“

اس وقت وہ بالکل صاف مقامی لجھے میں اردو بول رہا تھا۔ سیمرا نے کہا۔ ”مسئلہ ان کا نہیں ہے جن سے ہمیں

گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ شمشاد اور ریاض چند لڑکوں کے ہمراہ رپورٹ کرانے رو نہ ہو گئے اور انہیوں نے کال کر کے یونیورسٹی انتظامیہ کو بھی اطلاع دے دی تھی۔

☆☆☆

ٹوٹی اپنا بائس درست کر کے اٹھ رہی تھی کہ اسے عقب سے آہٹ محربیں ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ مژکر دیکھتی، ایک مضبوط تھا۔ آکر اس کے منہ پر جنم گیا۔ اس نے ہاتھ ہٹانا چاہا مگر ہاتھ سے اٹھتی مہک نے یک دم اس کے حواس کو جھل کر دیا۔ اس کا چہرے کی طرف جاتا ہاتھ من بھر کا ہو گیا اور پھر جھوبل گیا۔ ایک منت ہے بھی پہلے وہ خود بھی جھوٹی گئی۔ اسے بے ہوش کرنے والا شخص ریان تھا۔ اس نے ٹوٹی کو اپنے شانے پر لادا اور محتاط قدموں سے اوپر چڑھنے لگا۔ یہاں چنانیں اور پھر ایسے تھے کہ اس کا ایک قدم بھی بہکتا تو وہ بے ہوش ٹوٹی سمیت یونچڑھک جاتا اور یقیناً اس کی اپنی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ ذرا اوپر جا کر اس کا رخ نیچے کی طرف ہوا اور چند منت بعد وہ جنگل کے دا بیس طرف موجود بر قافی ڈھلان پر نکلا۔ وہاں سیمرا موجود تھی اس نے سوال یہ نظر دی، ریان کی طرف دیکھا اور اس نے سر ہلایا۔ ”کوئی مشکل نہیں ہوئی، اس نے خود کام آسان کر دیا۔“

”اب نکلو یہاں سے اس سے پہلے کہ کوئی آجائے۔“ سیمرا ابوی۔ دونوں کا بائس بالکل سفید تھا۔ اگر دور سے کوئی انہیں دیکھتا تو انہیں برف کا ایک حصہ سمجھتا مگر بے ہوش ٹوٹی کا گلیں لباس دور سے متوجہ کر سکتا تھا۔ ریان نے ایک سفید ہیراشوٹ کا بنا ہوا تھبلا نکالا اور ٹوٹی کو اس میں ڈالا۔ ہاتھ یاؤں سمنے سے وہ آسانی سے بیگ میں سا گئی۔ اس میں بیلش گلی تھیں، ریان نے ان کی مدد سے بیگ اپنی پشت پر لا دلیا اور ایک منت باندھ وہ دونوں اسکیٹر پر پھیلتے ہوئے جا رہے تھے۔ ان کا رخ ذرا فاصلے پر ایک چھوٹے سے بیتلہ کی طرف تھا۔ اسے، آس پاس بھی برف ہی برف تھی اور وہ اس جگہ سے کوئی نہ فکلو میڑ زدور تھا۔ جب وہ اس جگہ سے نکل گئے تب زارا اور دوسروں نے ٹوٹی کی تلاش شروع کی تھی۔ بیتلہ کے پاس پہنچ کر وہ اسکیٹر سے ایتر گئے۔ سیمرا نے دونوں کے اسکیٹر اور چھڑیاں سنjal لی تھیں۔ وہ اندر آئے اور ریان ٹوٹی کو اسی طرح پشت پر لادے ہوئے ایک کر کے میں لایا۔ سفید دیواروں والے اس کر کے میں صرف ایک دروازہ تھا۔ یہاں ایک سنگل بیڈ بچھا ہوا تھا۔



عصیاں مریض

”ہا۔“ ریان سے کہا تم اس کا الجہہ سرد تھا۔ ”لیکن طلب تمہاری نہیں ہے۔“

وہ کہہ کر بوقت اٹھا کر اپنے بڈروم کی طرف چلا گیا اور سیمرا ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسی لمحے اسے ٹوی دالے کمرے سے اس کے چیختنے کی آواز آئی۔ وہ مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ سیمرا کے ہفتونوں پر مسکرا ہٹ آئی اور پھر وہ اٹھ کر کمرے میں آگئی۔ ٹوی بستہ پر بندھی پھل رہی تھی اور خود کو آزاد کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ سیمرا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”خاموش رہو، یہاں تمہاری آواز کوئی نہیں سنے گا۔“

اویسی ساکت ہو گئی کیونکہ سیمرا کے منہ سے نکلنے والی آواز حیرت انگیز حد تک کر دلت اور مردانہ تھی۔ ٹوی سہم گئی پھر اس نے پہ مشکل اور رندھی ہوئی آواز تسلی کہا۔ ”کون ہو تم، مجھے کہاں لے آئے ہو... خدا کے لیے مجھے جانے دو۔“

اویسی تم سے کوئی ذاتی پر خاش نہیں ہے، ہاں اگر تمہارے باپ نے ہماری بات نہ مانی تو تمہارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا۔ ابھی تو تم اپنا منہ بزد کرو اور خاموش لینی رہو، تمہیں کوئی نقصان نہیں ہو؟ ہاں مرتم نے شور جاری رکھا تو سوائے غلاف کے تمہارے جسم سے پورا بیاس اتار دیا جائے گا۔“

ٹوی یہ سن کر لرزائی۔ ”پلیز نہیں،“ میں اب نہیں بولوں گی۔“

وہ دبی آواز میں سکیاں لپٹنے لگی۔ سیمرا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر کمرے سے نکل آئی۔ اس نے دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ اگرچہ ٹوی کے آزاد ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا مگر وہ مکمل احتیاط لی قابل تھی۔ اس نے تالے کے سوراخ میں چابی گھما کر چابی نکالی اور اپنی شرت کی جیب میں رکھ لی۔ اب دروازہ باہر سے بھی نہیں کھل سکتا تھا۔

فال لمنی ہے، مثلاً ان لوگوں کا ہے جن کے لیے فال لمنی ہے، تم جانتے ہو وہ غلطی معاف کرنے والے لوگ نہیں۔

اس بار ریان کے چہرے پر چند لمحے کے لیے تشویش آئی مگر پھر وہ پہلے کی طرح بے پروا نظر آنے لگا۔ البتہ اس نے مزید دو گھونٹ لے کر بوقت کا کارک لگا دیا اور بولا۔ ”تصویریں لے ایں؟“

”ہا۔“ سیمرا نے کہا اور میز پر رکھا چھوٹا سا لیپٹاپ اٹھا کر آن کیا اور پھر یو ایس بی کورڈ سے اپنا کیسرا اس سے منسلک کر کے تصویریں لیپٹاپ میں منتقل کرنے لگی۔ اب وہ ان کی کوالی چیک کر رہی تھی کہ ریان بھی اٹھ کر اس کے عقب میں آگئا۔ سیمرا کا چہرہ تن گیا مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ ریان نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”لوڑ کی خوب صورت ہے۔“

”اویسی اس کی خوب صورت سے کچھ لیتا دینا نہیں ہے۔“ سیمرا نے پکھرو یور بند کر دیا۔ ”ہو سکتا ہے کہ لیتا دینا پڑ جائے اگر اس کا باب شرافت سے ماننے سے انکار کرے تو...“ ریان کا الجہہ سعنی خیز ہو گیا۔

”وہ بعد کی بات ہے۔“ سیمرا نے کہا اور ایک چھوٹی ڈی یو ایس لیپٹاپ سے لگائی۔ یہ وارلیس انٹرنیٹ ڈی یو ایس تھی۔ نیٹ لگانے کے بعد سیمرا نے ایک ای میل کھولا اور تصویریں ای میل کرنے لگی۔ اس نے کل چھ تصویریں لی تھیں۔ تصویریں انجوں کرنے کے بعد اس نے ٹیکست کے خانے میں لکھا۔

”ظہیر خازنا، امید ہے تم تصویریں دیکھ کر سمجھ جاؤ گے کہ تمہاری بیٹی کسی مشکل میں ہے۔ اگر تم چاہو تو اسے لائیو بھی دیکھ سکو گے اور تمہیں یقین آجائے گا کہ فی الحال وہ کسی بھی قسم کے نقصان سے محفوظ ہے مگر وہ زیادہ دیر محفوظ نہیں رہے گی اگر تم نے ہماری بات ماننے سے انکار کیا تو... کسی سے ذکر کی صورت میں تمہاری اپنی عزت اچھلے گی۔ جلد ہمارا آدمی تم سے عزیز کے نام سے رابطہ کرے گا اور اپنا مطالبہ پیش کرے گا۔ یا رکھنا تمہاری بیٹی کو ابھی تک کسی مرد نے اس حال میں نہیں رکھا ہے۔ ہالتم نے تعاون نہ کیا تو ٹوی کو اس حال میں کسی مرد کے ساتھ دیکھو گے۔“

ای میل کر کے اس نے لیپٹاپ بند کر دیا اور ریان کی طرف دیکھ کر اتنی دیر میں پہلی بار مسکرائی۔ ”میرا خیال ہے تمہیں طلب ہو رہی ہے؟“

☆☆☆

ظہیر خان اپنے ملکے میں اہم ترین پوسٹ پر تھا اور اس کے ملکے کا تعاقب بیک وقت دفاعی اور خارجی امور سے تھا۔ ظہیر خان کی شہرت ایک ایماندار اور حنفی افسر کی تھی۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے افسران اور ماتحت اس کی گواہی دیتے تھے۔ تیس سالہ جاب کے دوران میں کافی بار اسے غیر قانونی انکامات نہ مانے کے پاؤاش میں عتاب کا نشانہ بننا پڑا۔ تباہ لیے اور کم تر پوسٹوں پر تقرریاں اس کی ملازمت کا حصہ رہی تھیں۔ کافی بار دل برداشتہ ہو کر اس نے ملازمت چھوڑنے کا سوچا۔ اسے ملازمت کی ضرورت نہیں تھی، اس کا تعلق نہایت علاقے کے ایک دولت مند گھر انے سے تھا اور اس کی ذاتی ملکیت میں خاصی زمین اور جامد اجنبی مگر یہ ملازمت اس کا مشمن تھی۔ ظہیر خان کا باپ غظیم خان اس ملک کی اس اہلین بیور و کرس کا ایک حصہ تھا جس نے ابتدائی مشکل دنوں میں ملک چلایا اور اس کی خواہش تھی کہ اس کا کوئی بیٹا اس کے نقش قدم پر چلے ظہیر خان اپنے باپ کی خواہش پوری کرنے کے لیے سول سو روپے میں آیا تھا۔

چند سال پہلے اس کا تباولہ اس اہم ترین ملکے کی اہم ترین پوسٹ پر ہوا۔ اگرچہ دفاعی امور سے اس کا تعلق نہیں رہا تھا مگر یہاں آنے کے بعد اسے علم ہوا کہ اس وقت ملک نہ صرف سپاہی اور معاشر بلکہ دفاعی لحاظ سے بھی نازک مرحلے سے گزر رہا ہے۔ معاشر صورتِ حال دگرگوں ہونے کی وجہ سے ملک اس قابل نہیں تھا کہ اپنی ضرورت کا اسلحہ بین الاقوامی منڈی سے خرید سکے۔ مغربی ممالک جن کی نیکناوجی اور ہتھیار قابلِ اعتماد اور آزمودہ تھے۔ اول تو دہ پاکستان کو جدید ہتھیار فراہم کرنے کو تیار نہیں تھے دوسرے ان کا اسلحہ اتنا مہنگا تھا کہ ایک غریب ترقی پذیر ملک اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس صورت میں ایک ہی راستہ تھا کہ اپنے آزمودہ ترین پڑوی ملک کی مدد سے وفاعی صنعت میں خود کفالت حاصل کی جائے اور اس مقصد کے لیے کافی اہم ترین پروجیکٹ، زیر عمل تھے اور ان میں سے کچھ تجھیں کے مرافق میں تھے۔

پڑوی دوست ملک کے تعاون سے ایک اہم ترین پروجیکٹ ملک کے، اپنے تیار کردہ جنگی طیارے کا تھا۔ اس طیارے کے جدید ترین ورثن کی تجھیں کے بعد ملک اس شبے میں نہ صرف خود کفیل ہو جاتا بلکہ یہ ستا اور جدید ترین نیکناوجی سے آرائستہ طیارہ ترقی پذیر ممالک کو فروخت کر کے زر مبادلہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس طیارے پر ریسرچ

اور جدت کا مزید کام کرنے کے لیے دونوں ملکوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔ یہ معاہدہ نہایت خفیہ نوعیت کا تھا اور اسے ان تمام ملکوں سے پوشیدہ رکھنا تھا جو وطن کے کھلے یا چھپے شمن تھے۔ اس معاہدے کو تی شکل دینے کے لیے ملک سے دفاعی اور سرکاری افسر ان کا یک وفد پڑوی ملک جانے والا تھا اور اس کی قیادت ظہیر خان کر رہا تھا۔ معاہدے کی قائل اس کی تحویل میں تھی۔ اسے اسلام آباد میں ایک سرکاری کوٹھی ملی ہوئی تھی اور وہاں اس وقت دفتر سے وزیر اعظم سکریٹریٹ جا رہا تھا۔ وہاں اسے پڑوی ملک سے ہونے والے دفاعی معاہدے کی بریانگ دینی تھی۔ اس کے موبائل کی نیل بھی۔ اس نے موبائل نکال کر دیکھا اور ٹوٹی کی یونیورسٹی کا نمبر دیکھ کر اس کی پیشانی پر بیل آگئے۔ اس نے کال ریسیوکی۔

”ہیلو۔“

”ظہیر خان صاحب۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ ”میں... یونیورسٹی کا ایڈمن آفسر شعبان احمد بات کر رہا ہوں۔“

”فرمائیے۔“

”میں افسوس کے ساتھ طلاع دے رہا ہوں کہ یونیورسٹی کی طرف سے ٹور پر جانے والی آپ کی بینی شماں علاقے میں لاپتا ہو گئی ہے۔ اسے، تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مزید تفصیلات کے۔ لیے آپ نوراچارج شمشاد علی سے رابطہ کر سکتے ہیں۔“

ظہیر خان چند لمحے کے لیے، ساکت رہ گیا پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ ”پولیس کو رپورٹ کرو دی گئی ہے؟“

”میرا خیال ہے لیکن درست صورتِ حال کا علم آپ کو شمشاد علی سے ہو گا۔ ہمیں دس نٹ پہلے اس کی کال آئی ہے۔ اس کا نمبر نوٹ کر لیں۔“

ظہیر خان نے کال ریسیوئی تو ظہیر خان نے اپنا تعارف کرایا۔ شمشاد علی نے اسے تفصیل سے بتایا مگر ظہیر کو اس کی باتوں سے لگا کہ پوری طرح اسے، بھی علم نہیں تھا۔ اس نے شمشاد علی سے پوچھا۔ ”ٹوٹی کس کے ساتھ تھی؟“

”وہ زارِ احسن کے ساتھ تھی۔“

”اس سے میری بات کرو۔“

زار نے ظہیر خان کو بہترانہ از میں بتایا کہ ٹوٹی کہاں اور کیوں گئی تھی اور پھر وہ غائب ہو گئی۔ ٹوٹی اس کی اکتوبر

آخری جواب

بائیک والے کے پیچھے چلو۔“

بائیک میں ہالی وے نے، اگلے کٹ پر سروس روڈ پر اتر گئی۔ ڈرائیور نے بھی گاڑی کٹ سے اتار لی۔ بائیک والا گرین بیلٹ کے ساتھ رک، گیا تھا۔ ظہیر خان نے بھی گاڑی رکوائی اور گاڑ کو ہرشیار ہنسنے کا کہہ کر پیچے اتر آیا۔ وہ سوار کے پاس پہنچا تو اس نے تاکہے ایک چھوٹی سی چٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ اس پر لکھا تھا۔ ”ظہیر خان ہمیں پڑوی ملک سے ہونے والے طیارے کے دفاعی معاهدے کی فائل کی اسکنی یا تصویر لی ہوئی کاپی اس ای میل پر چاہیے جس سے تمہیں ای میل کی گئی ہے اور یاد رکھنا تمہارے پاس اس کام کے لیے صرف بارہ گھنٹے ہیں، اس کے بعد تمہاری بیٹی کے ساتھ کہا ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ تمہیں تصویریں دیکھ کر ہو گیا ہونا۔ ابھی صرف تم نے دیکھا ہے لیکن اگلی بار جو ہو گا، وہ ساری دنیا دیکھے گی۔“

”میری بیٹی کہاں ہے؟“ ظہیر خان نے سوال کیا۔
”اے کچھ ہواتو میں...“

بائیک سوار نے ہیئت کا شیشہ ڈرائیور کیا اور اپنا منہ کھول کر دکھایا تو ظہیر خان کو اپنے رو گئے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے کیونکہ اس کے منہ میں زبان نہیں تھی، وہ جزو سے کاٹ دی گئی تھی۔ اچانک سوار نے اس سے چٹ لے کر منہ میں رکھ لی اور منہ کے ساتھ شیشہ بھی بند کر دیا۔ پھر اس نے بائیک کا بھی لیڈر بایا اور وہ اتنی تیزی سے آگے بڑھی کہ ظہیر خان چاہنے کے باوجودا سے روک نہیں سکا۔ بائیک نزد کی آبادی کی طرف ہرنے والی سڑک پر جا چکی تھی اور اب اس کے پیچھے جانا بیکار تھا۔ جس وقت ظہیر خان نے ٹوٹی کی تصاویر دیکھیں تب ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے پس یہ شست کوئی بہت بڑا کھیل ہے اور چند ہی منٹ بعد بات کھل گئی تھی۔ ان لوگوں کی تائٹل پر قیکٹ تھی۔ اس نے ڈرائیور کو دوبارہ سکریٹریٹ کی طرف چلنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی کہا۔

”اس بارے میں اہنی زبان کھل طور پر بند رکھنا۔ یہ سرکاری راز ہے۔“

ڈرائیور اور گاڑ دونوں رسول سے اس کے ساتھ تھے اور اس کے اعتماد کے تھے۔ اس کے باوجود اس نے نہیں خبردار کر دیا۔ اس کا ذہن، الجھ رہا تھا۔ اب وہ کیا کرے۔ ایک طرف بیٹی کی آبرو وزندگی تھی اور دوسری طرف اس کے ملک کی عزت اور قوم کی بقا کا معاملہ تھا۔ وہ کسی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب وہ سکریٹریٹ

بیٹی تھی۔ اس کے باوجود وہ بدواس نہیں ہوا تھا البتہ اس کی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں آگئی تھیں۔ ڈرائیور سے بات کر کے اس نے پھر شمناد عملی سے بات کی اور پولیس رپورٹ کا پوچھا۔ پھر اس نے کال کاٹ کر شماںی علاقے کے معاملات دیکھنے والے وفاقی افسر کو کال کی اور اسے اس بارے میں رپورٹ کی۔ اس نے یقین دلا دیا کہ انتظامیہ تیزی سے حرکت میں آئے گی۔ ظہیر خان کا لیپ ناپ اس کے پاس تھا۔ اس نے کال کر کے موبائل رکھا تھا کہ اس پر ایس ایم ایس آیا۔ اس نے موبائل انھا کر دیکھا۔ ایس ایم ایس کی نمبر سے نہیں بلکہ ایک ویب سائٹ سے آیا تھا۔ اس میں مختصر سا پیغام تھا۔ ”ظہیر خان اپنا ای میل چیک کرو۔“

اس نے لیپ ناپ کھولا اور ای میل اکاؤنٹ اوپن کیا۔ سب سے اوپر ای میل کی نامعلوم ای میل ایڈریس سے آئی تھی اور اس پر لکھا تھا۔ ”سی یورڈ ور بٹ الون۔“

ظہیر خان گاڑی کی عقبی نشست پر اکیلا تھا۔ ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر اس کا گاڑ تھا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ان میل اوپن کی اور اس میں سامنے جو تصویریں چھوٹی صورت میں آتیں، انہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے انہیں چھا گیا تھا۔ پٹوٹی کی تصویریں تھیں اور اس حالت میں تھیں جن میں کوئی غیرت منداہی نہیں کو دیکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تصویریں چھوٹیں اور نقوش کی تھیں جن میں کوئی غیرت منداہی پورے سائز کی تھی۔ ظہیر خان نے ڈرائیٹر میٹن محسوس کیا جب اسکرین پر صرف ٹوٹی کل جڑہ آیا تھا۔ تصویر اتنی بڑی تھی کہ وہ اسکرین پر ڈٹ نہیں سکی۔ ظہیر خان نے غور سے دیکھا۔ وہ ٹوٹی ہی تھی اگرچہ اس کی آنکھیں بند تھیں اور یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں۔ پھر اس نے ای میل کے ساتھ آیا ہوا پیغام پڑھا۔ اس کا اضطراب کم ہوا کہ ٹوٹی زندہ ہے۔

اچانک ایک ہیوی بائیک اس کی کار کے پاس آئی۔ سوار نے ہیئت کے ساتھ چست ہائی نیک جری پہن رکھی تھی مگر اس سردی میں وہ کسی قسم کے سوئٹر یا جیکٹ کے بغیر تھا۔ اس نے شیشہ پر آہستہ سے ہاتھ مارا تو ظہیر خان نے چونک کر اسے دیکھا اور اس نے اپنے بازو کی طرف اشارہ کیا۔ سیاہ جری پر سفید رنگ سے انگریزی میں عزیز لکھا ہوا تھا۔ سوار نے اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ یہ سب اتنی تیزی اور خاموشی سے ہوا کہ ڈرائیور اور گاڑ کو بھی پہاڑیں چلا۔ ظہیر خان نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اس

رہائش میں بھرے ہیں اور اہل اسلام آباد سے آئے ہیں۔"

"یہاں کہاں بھرے ہوئے ہیں؟"

"انہوں نے جنگل کے پینچے والے بنگوز کی طرف اشارہ کیا تھا مگر جب وہ ہمارے پاس سے گئے تو پہاڑی کے دامیں طرف سے ہو گئے تھے۔"

"تم نے بتایا کہ وہ بہت مہارت سے اسکینک کر رہے تھے؟"

"ہاں جیسے ٹوی پر کملاظی ادھاتے ہیں بالکل ویے کر رہے تھے۔"

احر نے انھوں کر ہوٹل میں یک طرف موجود پولیس پارٹی کے سربراہ انسپکٹر کو اس جوڑے کے پارے میں بتایا مگر اس کی دلچسپی کا مرکز خور و نوش کی اشیا تھیں اور اس نے زارا کے کیمروں کو دیکھنے لگا، کی زست نہیں کی تھی۔ اس کے بجائے بے پرواہی سے کہا۔ "تم فرمات کرو پولیس لڑکی کو تلاش کر لے گی۔"

"مگر ان لوگوں سے بھی تو پوچھا جاسکتا ہے۔" احر نے اصرار کیا۔

"دیکھ کا کا، ہمیں اپنا کام کرنے دے۔" انسپکٹر نے ایک دبی ڈکار کے ساتھ کہا۔ احر نے بد مزہ ہو کر دیکھا۔

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں کہ پولیس کیسے اپنا کام کر رہی ہے۔"

وہ واپس زارا کے پاس آیا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا کہہ رہے ہیں یہ؟"

"تم دیکھ رہی ہو ان دلچسپی کا مرکز کیا ہے۔" احر نے تھنی سے کہا۔ "یہ تو میں کو قیامت تک تلاش نہیں کر سکتے۔" زارا دل گرفتہ تھی۔ "پیری المطی ہے۔ وہ مجھے منع کر رہی تھی مگر میں علاس سے اصرار رکے اور پر لے گئی تھی۔"

"یہ بات کسی اور سے مت کہتا۔" احر آہستہ سے بولا۔ "ابھی تو یہ ذرا خاموش ہیں وہی کے بعد الزام ایک دوسرے کے سرڈالیں گے۔"

احر کا اشارہ گب فوری طرف تھا۔ زارا کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے آہنگی بنے کہا۔ "کیا ہم تو میں کی تلاش کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟"

احر چونکا۔ "ہم کیا کرتے ہیں؟"

"فرض کر لیا جائے کہ تمہاری بات درست ہے اور ٹوی کی گم شدگی میں اس جوڑے کا ہاتھ ہے تو ہمیں سب سے پہلے اسے تلاش کرنا ہو گا۔"

"وہ کیسے یہاں سیکڑوں کے حساب سے نجی بیٹھے

کے مینگ روں میں، داخل ہوا تو اس کے چہرے سے قطعی ہتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس وقت کس کھلکھل سے گزر رہا ہے۔ چند منٹ بعد وزیر انظم کی آمد ہوئی اور مینگ شروع ہو گئی۔ ☆☆☆

زارا کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ دونوں میدم خاصی گرجی بر سی تھیں کہ انہیں اور پر جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اسے دوسروں سے بھی بہت سچھ سنتا پڑا تھا مگر اسے ان سب باتوں کی نہیں بلکہ ٹوی کی فکر تھی۔ ٹوی کے یاپ سے بات کر کے اس کا داں ذرا ہلکا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ظہیر خان وفاقی حکومت میں ایک اعلیٰ عہدے پر تھا اور اس کا اثر و رسوخ تھا۔ زارا نے اپنے گھر کاں بھی کی تھی اور اس کی ماں نے سنتے ہی کہا کہ وہ واپس آجائے۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ ابھی پولیس آئی تھی اس نے سب کے بیانات لیے تھے۔ وہ ریاض اور شمشاد کو اور پر لے گئی تھی۔ پولیس پارٹی میں ایک درجن افراد تھے اور انہوں نے شام سے پہلے اس پورے علاقے کو دیکھ لیا تھا۔ یہاں زیادہ آبادی نہیں تھی، یہ چھوٹا سا گاؤں تھا اور آس پاس زیادہ تر ہوٹل، ریسورس اور بھی بیٹھلے تھے۔ بعض سرکاری اداروں کے ریسٹ ہاؤسز بھی تھے۔ جائے وقوع دیکھ کر پولیس اب آس پاس دیکھ رہی تھی۔

زارا لاوچ جیں بیٹھی تھی۔ وہاں کتنی اور لڑکے لڑکیاں بھی تھے۔ احر، زارا کے پاس تھا۔ اس نے کہا۔ "تم نے بتایا تھا کہ اس واقعے سے پہلے ایک جوڑا تم دونوں سے ملا تھا؟"

زارا نے سر لٹایا۔ "ہاں لڑکی مقامی تھی لیکن اس کا شوہر امریکی تھا۔" احر چونکا۔ "امریکی۔"

"ہاں شاید وہ سلم ہو گیا ہے۔ میں نے ان دونوں کی تصویریں بھی لی تھیں۔" زارا نے اپنا کیمرا نکالا اور احر کو تصویریں دکھانے لگا۔ احر نے سیمرا اور ریان کی تصویریں دیکھیں۔

"جوڑا تو معقول لگ رہا ہے لیکن آج کے دور میں کیا کہا جاسکتا ہے۔"

زارا چوکی۔ "تمہارا مطلب ہے کہ ٹوی کی گم شدگی میں یہ بھی ملوث ہو سکتے ہیں؟"

"ممکن ہے۔" احر سوچتے ہوئے بولا۔ "انہوں نے اپنے بارے میں اور کیا بتایا تھا؟"

"یہی کہ وہ یہاں کسی ہوٹل میں نہیں بلکہ اپنی ذاتی

آخری جواب

سمیرا نے بچپن سے گھر میں ان ووچرزوں کو دیکھا۔ اس کی ماں ایک عامی عورت تھی مگر اس نے سب کچھ اپنے باپ سے سیکھا۔ دس سال کی عمر میں وہ پستول سے نشانہ لینے لگی تھی اور پندرہ سالی کی عمر میں وہ رائف سے موکرے کو لڑکے کی بوئی اڑادتی تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے پہلا قتل کیا۔ مرنے والا اس کے باپ کا آدمی تھا اور اس نے سمیرا کو محبت میں دھوکا دیا تھا۔ جب اپنا کام نہ لیا تو اس سے کترانے لگا۔ ایک دن سمیرا نے اسے بلا، اور جب وہ آیا تو سمیرا نے اسے سر میں گولی پا کر قتل کر دیا تھا۔ اس کی لاش بھی اس نے خود مخکانے لگائی تھی۔ سمیرا کی مار اس کی حرکتوں کے خلاف تھی مگر اسے باپ کی پوری شہ حاصل تھی۔ اس قتل کے بعد اس نے باپ کے بزنس میں حصہ لینا شروع کیا اور اپنی نسوانیت اور دلکشی سے فائدہ اٹھا کر وہ ایسے کام آسانی سے کر جاتی تھی جو مردوں کے لیے بہت مشکل ہوتے تھے۔

اس کے باپ کا بزنس مذہل ایسٹ مک پھیلا ہوا تھا اور سمیرا ایک بار وہاں گئی تو اسے یہ ڈلہ اتنی اچھی لگی کہ اس نے باپ سے اصرار کر کے وہاں کا بزنس خود سنبھال لیا۔ جب اس کا باپ دھمکی کے چکر میں مارا گیا تو سمیرا اپنا کام کرنے لگی۔ مذہل ایسٹ میں نشیارت کا بزنس نفع بخش لیکن بہت پُر خطر تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں سزاۓ موت ملتی تھی اس لیے سمیرا اس سے کنارہ نہیں، وہی اور پھر اس نے دوسرا کام پکڑ لیا۔ یہ پرائیویٹ، کنزٹریکٹ ہوتے تھے۔ چند کاموں کے بعد اس کی شہرت ہو گئی اور پھر اس کی ملاقات ریان سے ہوئی۔ وہ بج بج یونائیٹڈ اسٹاؤنمنٹ کام کے آباؤ اجداد دیوتاں سے سکندر اعظم کے۔ اس کے اتحاد بر صیر آئے تھے اور پھر اس ملک میں آباد ہو گئے جہاں سے سمیرا کے باپ کا تعلق تھا۔ اس کا رنگ و روپ یورپی تھا اور اس کی پرورش پاکستان میں ہوئی تھی۔ شروع میں وہ ایک ہالدم گروہ کا حصہ رہا مگر جب حالات خراب ہوئے تو اس نے حلیہ اور بزنس بدل دیا۔ چند سال وہ ملک سے باہر رہا اور اس نے نئی شاخہ بنالی۔

سمیرا سے ملاقات ایک کنزٹریکٹ کے دوران میں ہوئی جو دونوں پارٹیوں کو مشترکہ دیا گیا تھا اور یہاں انہوں نے آئندہ کے لیے ساتھیں لرکام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک بار مشترکہ بزنس ہوا تو وہ زیادہ عرصے ایک دوسرے سے دوڑنیں رہے تھے۔ شروع میں تعلقات میں بہت گرم جوش تھی۔ مگر رفتہ رفتہ اپال کم ہے نے لگا۔ اب ان کے درمیان جسمانی تعلق بھی بزنس کی طرح لگا بندھا اور سر دھوکا گیا۔

ہیں۔“

”وہ یہاں آئے ہیں تو گھر میں تو نہیں بیٹھے ہوں گے“ آدمی بہت سی چیزوں کے لیے باہر نکلتا ہے اور دوسروں سے رابطہ کرتا ہے۔ یہاں بہت سے لوگوں نے انہیں دیکھا ہو گا۔“

”ہمارے پاس تصویریں بھی ہیں۔“ احرابات سمجھ گیا۔ ”لیکن پہلے پرنٹ کرائی ہوں گی۔“

”یہاں لہنی سے پرنٹ ہو جائیں گی۔“

”میں دیکھنا ہوں، تم مجھے اس کا میموری کارڈ دے دو۔“

زارا نے اپنا کارڈ احراب کے موبائل سے ملایا اور سمیرا اور ریان کی تصاویر اس میں منتقل کر دیں۔ احراب کھڑا ہو گیا۔

”میں معلوم کر کے آتا ہوں۔“ ☆☆☆

سمیرا کھن میں تھی اور ڈرستیار کر رہی تھی۔ اس نے دوبار کمرے کا چکر لگایا تھا اور ایک بارٹوی کو پانی بھی دیا تھا۔ اس نے غلاف، کے سوراخ سے نکلی ڈالی ٹھی اور توی نے پانی پیا تھا۔ کھن میں اسٹو کی خوشبو چھیلی ہوئی تھی۔ ریان سو گھنٹے ہوا اندر آیا اور چکر کر بولا۔ ”اسٹو بن رہا ہے۔“

”بس میں آج بنا رہی ہوں۔“ سمیرا نے اسے خبردار کیا۔ ”مجھے نفرت ہے کہ کھن کے کاموں سے۔“

”اس کے باوجود تم جو بنتا تھا ہو، وہ بہت لذیذ ہوتا ہے۔“

”یہ میری ماں کا تھفہ ہے۔ اس نے آٹھ برس کی عمر سے مجھ سے کھانا بنانا شروع کر دیا تھا اور بارہ سال کی عمر میں سب بنا نے لگی تھی۔“

”ہم دو سال سے ساتھ ہیں لیکن میں تمہارے بارے میں زیادہ نہیں جانتا ہوں۔“

”کیا جاننا ضروری ہے؟“

”ہاں کیونکہ ہم صرف بزنس پارٹنر نہیں ہیں بلکہ زندگی کے پارٹنر بھی ہیں۔“

”بنا کسی قانونی کام وائی کے؟“ سمیرا کے ہونٹوں پر تمنگی مسکراہٹ آگئی۔

”ہاں کیونکہ اس کے بغیر ہمارے درمیان تعلق تو ہے۔“

”میں ضروری نہیں سمجھتی۔“ سمیرا نے رخ پھیر لیا اور دیپھی پر جھک گئی جس میں اسٹو بن رہا تھا۔ سمیرا کا باپ پڑوی ملک سے آیا تھا۔ وہ نشیارت اور اسلیے کا تاجر تھا اور

وہاں موجود ہوں گا۔”
ظہیر خان دفتر کی جانب روانہ ہوا اور اس نے گاڑی میں بینچ کر گھر کا ل کر کے آس وا قعے کی اطلاع دی۔ حسب تو قع بیوی نے روٹا دھوتا شروع کر دیا تھا۔ ظہیر خان نے اسے سلی دی اور ساتھ ہی کسی کو بتانے سے منع کیا۔ ”ابھی کسی سے اس کا ذکر مت کرنا اور اس۔۔۔ یہے دعا کرو۔“

”میں کسی کو نہیں بتاؤں گی لیکن مجھے میری بھی چاہیے۔ کاش کہ میں نے ا۔۔۔ سے جانے ہی نہ دیا ہوتا۔“

”انسان کے مقدار میں جو ہوتا ہے، وہ لازمی ہوتا ہے۔ بس اس کے لیے دعا کرو مा�ں کی دعا سے بڑھ کر کوئی چیز تقدیر کو نہیں ہل سکتی ہے۔“ ظہیر خان نے کہا اور کا ل کاٹ دی۔ اس نے گاڑی بیٹھی۔ یہے بینچ کر بیوی کو کال کی تھی اس لیے ڈرائیور اور گارڈ اس کی بات نہیں سن سکے تھے۔ کا ل کر کے اس نے ان دونوں کو علیب کیا اور دفتر روانہ ہو گیا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کے دلی اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا مگر اس کا ذہن یکم و تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ دفتر میں داخل ہوا تو وہاں ایک ادیز عمر اور سادہ لباس شخص موجود تھا مگر اس کے مختصر بال اور مخصوص جسامت بتا رہی تھی، اس کا تعلق سیکریٹری سے ہے۔ ظہیر خان نے اس سے ہاتھ ملایا اور مخقر اساری بات بتائی۔ ٹو می کی تصاویر کے بارے میں بتاتے ہوئے اس کے لجھ میں جھپک آئی تھی مگر پر ضروری تھا۔ البتہ سادہ لباس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ پوری سنجیدگی سے سننا رہا تھا۔ ظہیر خان کی بات سن کر اس نے کہا۔

”فائل تمہاری تجویں نہیں ہے؟“

ظہیر خان نے غمی میں سر ہلا کیا۔ ”اللہ کا شکر ہے کہ وہ کل شام ہی ڈینس فنٹری کے پاکر جا چکی ہے لیکن شاید ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ فائل میرے پاس ہے۔“

”انہوں نے یارہ گھنٹے کی مہلت دی ہے ہم سادہ لباس شخص نے گھری دیکھی۔“ ”کتنا قت گزر چکا ہے؟“

”لقریباً ایک گھنٹا میں منہ۔“ ظہیر خان نے کہا۔ ”بانیک سوارے نجھے دونج کر دس منٹ پر چٹ دی تھی۔“

”گویا مہلت رات دوچ کر دس منٹ تک کی ہے۔“ ظہیر خان نے سر ہلا کیا۔ ”اعتیاطاً اسے دو بجے تک شمار کرنا چاہیے۔“

سادہ لباس شخص نے انہوں کا ظہیر خان سے ہاتھ ملایا۔ ”تم بے فکر ہو جاؤ، میں پوری کوشش کروں گا۔“

تحا۔ بس ضرورت انہیں ایک دوسرے کے پاس لاتی تھی۔ سیمرا نے محسوں کیا کہ اس نے دوسرا بار غلطی کی تھی۔ مگر ریان نے اسے دھوکا نہیں دیا تھا اور نہیں اس نے کوئی وعدہ کیا تھا۔ اس نے صرف پیش قدیمی کی اور سیمرا نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ ریان کی خوب روائی اس کا سب سے اہم ہتھیار تھی۔ سیمرا اسی سے متاثر ہوئی تھی مگر اب وہ اس سے بیزاری تھی۔ صرف بنس نے اسے ریان کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اگر مالی منادرات مشترک نہ ہوتے تو شاید وہ بہت پہلے اس سے الگ ہو چکی ہوتی۔ ریان کو عورت کی بھوک تھی اور اس کی خاطر وہ بعض اوقات حمافت بھی کر جاتا تھا۔ کچھ دیر بعد ریان پھر پکن کی طرف آیا اور اس بار اس کا مود خراب تھا۔

”تم نے دروازہ لاک کر دیا ہے؟“

”ہاں وہ قیدی ہے۔ دروازہ لاک رکھنا چاہیے۔“

ریان کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر اس نے سرد لجھ میں کہا۔ ”تم شاید خود کو بچ جمع لاںف پارٹر مجنھے لگی ہو۔“

”یہ خوش نہیں میں بہت پہلے ترک کر چکی ہوں۔“ سیمرا نے بھی اسی کے لجھ میں جواب دیا۔

”تم جانتی ہو اس قسم کے لاک میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔“ ریان نے جاتے ہوئے کہا۔ سیمرا نے جواب نہیں دیا مگر وہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔ یہ پروجیکٹ انہیں ایک مہینا پہلے ملائی اور تھرڈ پارٹی کے توسط سے ملا تھا۔ معادوضہ اتنا تھا جو اس سے پہلے بھی نہیں ملائی تھا۔ خاصی سنجیدہ تھی۔ کسی قسم کی گڑبرانی نہ صرف معادوضے سے محروم کر دیتی بلکہ وہ خطرے میں بھی پڑ سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر ان کی ساکھ متاثر ہوتی۔ یہاں انہوں نے کچھ آدمی ہائر کیے تھے جو اسلام آباد میں کام کر رہے تھے۔ جیسے ہی انہیں یونیورسٹی ٹرک کا علم ہوا انہوں نے پرولیام بنالیا۔ یہاں یہ بھگا کرائے پر لیا اور اس ہوٹل کے ایک ملازم کو خرید لیا جہاں طلبہ نہ ہوتے۔ وہ انہیں ان کے پروگراموں سے آگاہ کر رہا تھا اور اسی وجہ سے وہ یہ آسانی ٹو می کو اٹھانے میں کامیاب ہوئے۔ سیمرا نے جمع سے اسنوں چکھا اور مزید مطمئن نظر آنے لگی۔ اس نے چولھا بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

مینگ کے دوران میں ظہیر خان نے نظر بچا کر ایک ایس ایم ایس کیا تھا اور جب مینگ سے انہوں کروہ باہر آیا تو اس نے سب سے پہلے موبائل دیکھا۔ اس پر جوابی ایس ایم ایس موجود تھا۔ ”آپ سید ہے اپنے وفتر جائیں“ میں جاسوسی ڈانجست 242 فروری 2015ء

آخر جواب

سے بڑا شبیر تھا اور اس کی عمر بھی تائیکس اٹھائیں سے زیادہ نہیں تھی۔ ڈرائیور نگ اس کا ایک ماتحت جانباز کر رہا تھا۔ شبیر نے روانگی کے وہت جانباز سے پوچھا۔ ”مکنی دیر گئے گی۔“ آرام سے دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔“

”کوئی درمیانی کام کرو۔“

”سرمشن کیا ہے؟“ میر نے پوچھا۔

”فی الحال ہمیں اس جگہ پہنچنا ہے اور وہاں کسی کی نظروں میں آئے بغیر پورے ملائے پر نظر رکھنی ہے۔“ شبیر نے کہا۔ ”ایک لڑکی نمائی ہے اور اسی علاقے میں ہو سکتی ہے۔“

”یعنی اگر لڑکی کے حوالے سے کوئی سرگرمی ہو تو ہمیں واج کرنا ہے یا پھر عمل کرنا ہے؟“ عمار صدیقی نے پوچھا۔

”اس کا فیصلہ بعد میں ہوئا۔“ شبیر نے کہا اور جبران کی طرف دیکھا جو اپنی اسٹریپر انفل کو پیار سے سہلا رہا تھا۔ اس کا نام اس نے لیا رکھا تھا۔ ”اگر کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لو مسٹر مجنوں؟“

”نو سڑا اگر مجنوں والے نے لگیں تو مجنوں کیوں کہلائیں۔“ اس پر ایک قہقہہ اپنی پڑا۔ جیپ تاریک اور برف زدہ سڑوں سے گز۔ رہی تھی اور اس دیرانے میں صرف جیپ کی روشنی لہرا رہی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ اس علاقے میں تھے۔ اتفاقی سے اس علاقے سے باہر جانے کے لیے یہی ایک سڑک تھی اور کوئی راستہ تھا تو وہ گاڑیوں کے لیے نہیں تھا۔ شروع میں ایک چھوٹا سا ہٹ ہوئی تھا۔ کیونکہ یہ جھونپڑی ہوئی تھے۔ بہتر انقا اس لیے اسے ہٹ ہوئی کا نام دیا گیا تھا۔ انہوں نے جیپ اس کے یاں روک دی۔ ہٹ ہوئی بند تھا اور اس کے عقب میں تار چکی تھی۔ وہ یہاں سے اس علاقے پر نغمہ رکھ سکتے تھے۔ جیپ سے باہر موسک بہت سرد تھا مگر مجبوری تھی یا جن بند ہوتے ہی اندر بھی گرما کش ختم ہونے لگی۔ پھر اندر ھٹن ہونے لگتی اس لیے وہ نیچے اترے۔ سردی تھی مگر ہوا میں چل رہی تھی اس لیے مگر امامکن تھا۔

☆☆☆

احمدزادیر سے آیا مگر اس نے تصویریں پر نٹ کرالی تھیں۔ یہی نہیں اس نے مرد کی تصویر دکھا کر آس پاس معلوم کیا تو ایک ہوٹ میں موجود انسو۔ کیپرنے اسے شاخت کر لیا۔ مگر اس نے بتایا کہ وہ اس پہاڑی پر موجود کسی بنگلے سے نہیں آتا تھا بلکہ وہ ہمیشہ پہاڑی کے سامنے والے راستے سے

”مجھے تم پر اعتماد ہے اسی لیے یہ معاملہ تمہارے پرورد کیا ہے۔“

سادہ لباس والا اوفتر کے عقبی ایم جیسی دروازے سے باہر لکھا پھر ایم جیسی کے لیے مخصوص یہ میں سے نیچے آیا اور عمارت سے باہر نکل گیا۔ پارکنگ میں ایک چھوٹی کار موجود تھی۔ میں بیٹھ بعده دار الحکومت کی ایک چھوٹی اور سادہ عمارت میں داخل ہوا اور اس نے ایک مقفل کمرے کو کھولا۔ فرنچ پر اور ساز و سامان سے کمرا اوفتر لگ رہا تھا۔ اس نے فون پر کسی کوہاں کی۔ ”شبیر اپنے یونٹ کے ساتھ ایک گلے پہنچنا ہے۔ تمہارے پاس دو گھنٹے ہیں۔“

”جو ٹکم سر۔“ دوسری طرف سے کہا گیا تو سادہ لباس والے نے شبیر نامی ماتحت کو جگہ بتائی اور ساتھ ہی کچھ بدایات بھی دیں۔ پھر اس نے کال کاٹ کر ایک اور جگہ کال کی۔ اس بار اس نے ذاتی طولی گفتگو کی تھی۔ کال منقطع کر کے وہ اٹھا، وفتر مقفل سیا اور عمارت سے باہر آ گیا۔ اس بار اس کا رخ مار گلے کے داٹن کی طرف تھا۔ وہاں وہ سیکورٹی ایریا میں داخل ہوا۔ جہاں وہ اپنا کارڈ دکھاتا تو وہاں موجود افراد الرٹ ہو جاتے تھے۔ بالآخر وہ ایک عمارت میں داخل ہوا۔ ایک چھوٹی مینگ۔ روم میں تین افراد اس کے منتظر تھے اور ان تینوں کا تعلق ایفورس آئی ٹی کے شعبے سے تھا۔ سادہ لباس شخص ان کو ہی یہ کرنے لگا اور وہ غور سے اس کی بات سن رہے تھے۔ جب اس نے بات کی تودہ چاروں ہی آپس میں تباولہ خیال کرنے لگے۔ زیادہ زور سوالات پر تھا جو سادہ لباس شخص سے کیے جا رہے تھے۔ بالآخر ان تینوں نے سرہلا یا اور ایک بولا۔

”ہم سمجھے۔ لیے مگر کام کے لیے وقت کم ہے۔“

سادہ لباس شخص نے نفی میں سرہلا یا۔ ”ڈیڈ لائن پونے دو بجے کی ہے اس سے زیادہ ایک منٹ بھی نہیں مل سکتا۔“

”اس صورت میں ہمیں فوری کام شروع کر دینا چاہیے۔“ اس آدمی نے کہا اور وہ تینوں کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆

شبیر پیا اور اس کے چار ساتھی تیار ہو کر اس درمیانے سائز کی مگر طاقتور بجنگ والی جیپ میں سوار ہوئے۔ وہ ایک چھوٹے سے لکڑی سے بنے کاتچ سے روانہ ہوئے تھے۔ سردی عروج پر تھی کیونکہ شام کے چھنچ پکے تھے اور سورج غروب ہو گیا تھا مگر وہ سردی اور صورتِ حال سے نہشے کے لیے پوری طرح تباہ رہتے تھے۔ وہ پانچوں جوان ہی تھے۔ سب

سے فارغ ہو کر اپنے کمروں کی طرف جا چکے تھے۔ مگر انہیں نکلنے کا موقع نوبجے ماجب، مید مز اور دونوں صاحبان نے طلبہ کو چیک کر لیا کہ وہ اپنے کمروں میں ہیں۔ زارا نے پہلے ہی امیس سے کہہ دیا تھا اور وہ فکر مند تھی کہ اگر زارا غائب پائی گئی تو اس سے بھی پوچھ چکھ ہو گی۔ مگر زارا نے اسے تسلی دی کہ وہ فکر نہ کرے، اُراس سے کوئی پوچھتے تو وہ کہہ سکتی ہے کہ وہ سورجی ہیں اس لیے اسے کچھ نہیں معلوم۔ پہلے احر نکلا اور پھر زارا بھی باہر آئی۔ لاونچ میں ولی نہیں تھا۔ پولیس والے پہلے ہی جا چکے تھے اور ہوٹل انتظامیہ کی طرف سے صرف ایک آدمی تھا اور وہ بھی کاؤنٹر کے پیچے کمبل میں پٹ کر سو گیا تھا۔ رات کی وقت وہ صوفے پر منتقل ہو جاتا۔ زارا پوری ملرح تیار ہو کر آئی تھی اس کے باوجود وہ باہر آنے پر سردی سے ارزائی۔ احر پہلے ہی باہر موجود تھا اور خضر رہا تھا۔ اس نے زارا سے کہا۔

”اگر کچھ دیر اس فضامیں رہے تو قفلی جم جائے گی۔“

”ہاں لیکن میں ٹومی کے پرہ سکتی ہوں۔“

”اور میں...“ احر کہتے کہتے رک گیا پھر اس نے کہا۔ ”آؤ چلیں ہمیں واپس بھی آتا ہے اس سے پہلے کہ راز کھل جائے۔“

وہ ہوٹل سے باہر آئے اور سامنے والی سڑک کے بجائے جو سڑک ہوٹل کے اوپر سے گزرتی تھی اس سے ہوتے ہوئے پہاڑی کی دائیں طرف جانے لگے۔ چاروں طرف سناتا اور دیر اپنی تھی۔ زارا کی ذرگا تو وہ احر کے پاس آگئی۔ اس نے زارا کی کیفیت بھانپ لی۔ ”ذرگ رہا ہے؟“

”ہاں۔“ اس نے اعتذاف کر لیا۔

”فلمت کرو، میں یہ سانھ لایا ہوں۔“ احر نے جیکٹ سے لو ہے کی فٹ بھربی راڈ نکالی۔ ”یہ اچھا تھیا ہے۔“

مگر زارا کا خوف کم نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے ظاہر ہی کیا کہ وہ مطمئن ہو گئی ہے۔ جب، وہ ڈھلان تک پہنچ تو وہاں برف کی سفید چادر تھی۔ آنے آسان پر پہنچے ہوئے بادل تھے جب چاند نکلا تو، احوال بہت روشن ہو جاتا۔ مگر جب بادلوں کے پیچھے جاتا تب بھی اسی قدر روشنی رہتی تھی۔ ڈھلان پر انہیں کئی مکانات اور بیٹھے نظر آئے تھے۔ ڈھلان پر درخت تھے مگر کم تھے البتہ چنانیں اور بڑے پتھر بہت تھے۔ ان کے درمیاں راستے تھے جو اور مکانوں تک جا رہے تھے۔ ڈھلان پر آئنے سے پہلے احر

آتا ہے اور دو تین بار وہ ان کے استور تک آچکا ہے۔ وہ گزشتہ ایک بیٹھتے سے دکھائی دے رہا تھا۔ زارا نے کہا۔ ”ہم دیکھنیں سکتے کہ اس طرف وہ کہاں سے آتے ہیں؟“

”میرا خیال ہے اس طرف بھی کئی مکانات اور بیٹھنے ہوئے ہیں۔“ احر نے کہا۔ ”لیکن ہم معلوم کر سکتے ہیں۔“

”کس طرح؟“

”ٹومی کی تصویر دکھا کر پوچھنے کے بہانے۔“ احر بولا تو زارا اچھل پڑی۔

”بہترین آئندہ یا ہے۔ میرے پاس اس کی تصویر بھی ہے۔“

احر اس بار ٹومی کی تصویر پر نش کروانے کے لیے روانہ ہوا۔ پوس والے اپنے کام یعنی کھانے پینے سے فارغ ہو چکے تھے اور اب اوپر والوں کو پورٹ دے کر روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ مگر فور ایک طرف سر جوڑے بیٹھے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ دو واپسی کا سوچ رہے تھے مگر طلبہ نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ جب تک ٹومی نہیں مل جاتی، وہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔ اس لیے جانا تو ممکن نہیں تھا مگر انہوں نے فی الحال کسی کے ہوٹل سے باہر جانے پر پابندی لگادی گئی اور انہیں علم ہی نہیں تھا کہ احر اور کچھ دوسرے طلبہ باہر آ جا رہے تھے۔ مینگ کے بعد انہوں نے ڈرگ تک کے لیے سب کو اپنے کمروں میں جانے کا حکم دیا اور مجبوراً سب اپنے کمروں میں آ گئے۔ زارا فکر مند تھی کیونکہ لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کے کمروں میں نہیں جا سکتے تھے اس لیے وہ دروازے کے پار ہی کھڑی ہوئی اور جب احر آیا تو اس نے ہلکی آواز نکال کر اسے متوجہ کیا۔ احر پاس آیا۔ ”یہ کیا ہے؟“

”سب کو کمروں میں رہنے کا پابند کر دیا ہے۔“

”یہ تو اچھی بات ہے۔“ احر بولا۔ ”اس طرح کسی کو پہنچنیں چلے گا۔ میں ڈرگ کے بعد خاموشی سے باہر جاؤں گا۔“

”میں بھی چلوں گی۔“ زارا بولی۔

”تم۔“ احر کی قدر فکر مند ہو گیا۔ ”کوئی اور چکرنہ بن جائے۔“

”مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔“ زارا بولی۔ ”مجھے صرف ٹومی کی پرواہ ہے۔“

”ٹھیک ہے تب تیار رہنا۔“ سات بجے ڈرگ گیا تھا اور آٹھ بجے تک سب ڈر

آخوی جواب

یونٹ بنائے تھے اور کسی بھی موقع پر وہ ایک منٹ کے نوٹس پر حرکت میں آ سکتے تھے۔ ایسا یونٹ شماں علاقے میں تھا جسے درانی نے مل اشیشن بھیجا تھا۔ موبائل کی نیل بجی تو وہ چونکا اور اس نے تیزی سے موبائل انھا کر کاں ریسیوکی۔

”کام تقریباً ہو گیا ہے۔“ صابر نے بتایا۔

”کیا وہ دھوکا کھا بائیں گے؟“

”اس کے لیے اپنل ذل کے مسودے میں اسی تبدیلیاں کی گئی ہیں جنہیں صراحتاً مہرین ہی پکڑ سکتے ہیں اور اس کے لیے بھی انہیں بفتور اور کارہوں گے۔“

ظہیر خان خاموش رہا پر اس نے کہا۔ ”میں چانس لے رہا ہوں ممکن ہے فائل حاصل کر کے بھی وہ ٹوٹی کو رہانے کریں۔“

”اللہ سے بہتری کی امید رکھو۔ میرے آدمی وہاں پہنچ گئے ہیں اور وہ نظر رکھے ہوئے ہیں۔“

”کیا تمہیں یقین ہے ٹوٹی کو انداز کرنے والے وہیں ہیں اور انہوں نے اسے بھی وہیں رکھا ہے؟“

”ہاں۔“ صابر نے کہا۔ ”اس کے غائب ہونے کے ایک کھنثے کے اندر اس کی تصویر یہیں گئی ہیں، اس کا مطلب ہے وہ اسی علاقے میں ہیں۔ وہاں سے نکل کر کسی اور علاقے میں جانے میں ایک کھنثے سے زیادہ وقت لگتا۔“

ظہیر خان قائل ہوا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ اتنی جلدی وہاں سے نکل نہیں سکتے ہیں۔ اس وقت اس علاقے سے باہر آنے جانے والے تمام راستوں پر چینگ ہو رہی ہے۔“

”پولیس کی کار کر دی پر، امر و سانیں کیا جاسکتا ہے۔“ صابر نے کہا۔ ”میرے آدمیوں کا ایک یونٹ اور روانہ ہو چکا ہے، وہ بھی ایک سے ذیر ہے کھنثے میں وہاں پہنچ جائے گا۔“

”صابر میں ذاتی طور پر تمہارا شکر گزار ہوں۔“ ظہیر خان نے کہا۔

”میں تو اپنی ڈیوٹی نبھا رہا ہوں اصل آزمائش سے تم گزر رہے ہو۔“ صابر نے کہا۔ ”میری کوشش ہو گی کہ فائل وقت سے پہلے تم تک پہنچ جائے۔“

”میں منتظر ہوں۔“ ظہیر خان نے کہا اور کال منقطع کر دی۔

””ہم نے رُک نہیں لیا ہے؟“ ریان نے ڈائینگ نیبل پر پوچھا۔

”آگے میں جاؤں گا۔ تم بیچھے رہنا۔“

”کیوں؟“

”دونوں میاں بھی تمہیں دیکھے ہیں اس لیے اب دیکھا تو مخلوق ہو جائیں گے جبکہ میں تمہارے میں سمجھیں گے، کہ میں اپنی یونیورسٹی فیلو کو خلاش کر رہا ہوں۔“

”لیکن میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔“ زارا بوی۔

احمر نے آگے دیکھا۔ ”اوکے جب میں کسی مکان کی طرف جاؤں گا تو تم اس کے نزدیک کسی درخت یا پھر کی آڑ میں رُک جانا۔“ زارا اس پر آمادہ ہو گئی۔ وہ دونوں آگے بڑھنے لگے۔ اس وقت رات کے دس نک رہے تھے۔

☆☆☆

ظہیر خان، اپنے گھر میں تھا اور اپنی اسٹڈی میں ٹھیل رہا تھا۔ اس کا اضطراب ہرگز رتے لئے بڑھ رہا تھا۔ اس نے ملک کو بیٹھ پر تربیع دی ہی مگر اس بیٹھ میں اس کی جان ٹھی اور اسے لگ رہا تھا لہ یہ جان لمحہ بوجہ نکل رہی ہے۔ اس کیفیت سے گھبرا کر اس نے بے اختیار خدا نے لاشریک کو پکارا کہ وہ اسے سکون اور چل دے۔ بھوپال کو اس نے نیند کی دوادے کر زبردستی سلا دیا تھا۔ ہر بار شعلتے ہوئے وہ میز کے پاس آتا تو اس پر رکھے موبائل کی اسکرین پر ایک نظر ضریور ڈالتا تھا۔ ابھی تک پیغام نہیں آیا تھا اور نہ کوئی کال آتی ہی مگر وہ جانتا تھا کہ صابر درازی اپنا کام کر رہا ہوگا۔ صابر اس کے ساتھ ہی سو لسروس میں آیا تھا اور وہ نہ صرف اس کا روم میٹ تھا بلکہ ہم مزاج بھی تھا۔ سبھی وجہ تھی کہ ٹریننگ کے دوران میں اور اس کے بعد بھی ان میں آپس میں خوب میں تھی۔ ٹریننگ کے بعد ان کی پوشنگ بھی ایک ہی جگہ اور ایک ہی محلے میں ہوئی تھی۔

چند سال کی سروں کے بعد صابر بھیورٹی میں چلا گیا اور اس نے پھر برطانیہ سے بھی ٹریننگ لی تھی۔ واپسی پر وہ بہت سالوں تک، ادھر ادھر کے مکھوں میں دھکے کھاتا رہا۔ پھر جب ملک میں دہشت گردی نے زور پکڑا تو صابر ایک ایجنسی میں آگیا اور یہاں اس نے دہشت گردی کے خلاف ایک فورس تھکیل، دی۔ اس نے فورس کے لیے افراد آرمی سے لے لیے تھے۔ اس فورس کی کار کر دیگی کی وجہ سے بعد میں ایسے ایجنسی سے الگ کر کے ایک الگ حیثیت دے دی گئی تھی۔ صابر درازی نے پورے ملک میں چھوٹے چھوٹے جاسوسی ڈانجست 245 فروری 2015

ریان بھی لاوچ میں آگیا۔ یہ چہ بنا سا بھلا سینٹر لی بیڈ تھا اور اس کے تھخانے میں موجود بھٹی سے نہ صرف پورے بیٹھے کو گرمائش بلکہ گرم پانی بھی مانتا تھا۔ اس لیے وہ یہاں عام گرم کپڑوں میں بھی آرام سے بیٹھے تھے۔

”کیا یہ مان جائے گا؟“

”کوئی باپ اپنی بیٹی کی اس حالت میں تصویریں دیکھ کر بھی انکار کر سکتا ہے؟“

ریان نے شانے اپنے کاٹے۔ ”کرنے والے انکار کر سکتے ہیں۔“

”میں ظہیر خان کو جانتی ہوں اور ٹوٹی اس کی اکلوتی نہیں ہے۔“

”اسے کھانے پینے کو کچھ دیا ہے؟“

”اچھا یادو لایا۔“ سیمرا لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ گئی۔ ”میں اسے اسٹرے دو دھدیتی ہوں، وہ بھوکی ہو گی۔“

سیمرا نے گلاں میں بھم گرم دو دھلیا اور اسٹرائیک لیکی لے کر ٹوٹی کے کرے میں چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی ریان نے لیپ ٹاپ کھولا اور س میں موجود ٹوٹی کی تصویریں کھول گردیتھے لگا۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی چک سی نمودار ہوئی تھی۔ لیپ ٹاپ بند کر کے وہ سوچنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ظہیر خان کے لیے تصویریں کا ذوزھی کافی تھا۔ پھر وہ اٹھ کر اپنے بیٹھ روم تک، گیا اور جب وہاں سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ وہ ٹوٹی کے کرے کے دروازے کے ساتھ بیٹھا ہو گیا کہ باہر آتی سیمرا اسے فوری نہ دیکھ سکے۔ ایسا ہی ہوا۔ سیمرا باہر آتی اور جیسے ہی وہ نمودار ہوئی، ریان نے ہاتھ بڑھا کر اس میں موجود چیز اس کی گردان سے انگادی۔ اسے جھٹکا گا تھا اور وہ گرنے لگی تھی کہ ریان نے ہاتھ بڑھا کر اسے تھام لیا۔ سیمرا کی آنکھیں کھلی تھیں مگر اس کا جسم بے جان ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے گلاں گر گیا تھا۔ ریان اسے چھین کر لاوچ میں صوفے سک لایا اور اس پر لٹا دی۔ اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کر کے ریان نے اس کا سرفپکا۔ ”آرام کرو ڈیز، میں ذرا آتا ہوں۔“

☆☆☆

شیر اندھ پارٹی جدید آلات کی مدد سے آس پاس کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان کے پاس تاریکی میں دیکھنے والے آلات بھی تھے۔ جانباز اور مہرہٹ ہوٹل کی چھت پر تھے اور وہاں سے آس پاس دیکھ رہے تھے۔ جبران نے نزوں کی پہاڑی پر ایک جگہ سورچا بنیا ہوا تھا اور اس نے

”ہماری زندگی رسک ہے۔“ سیمرا نے اطمینان سے جواب دیا۔

”تھیں یہ مشن، رسک بھی ہے۔“ ریان نے اصرار کیا۔ ”ہم نے اسے اسی علاقے میں رکھا ہوا ہے۔ اگر پولیس بھر پور تلاشی لے تو...“

”پولیس تلاشی نہیں لے گی، وہ یہاں سے جا چکی ہے اور کل صبح سے پہلے ہم بھی جا چکے ہوں گے۔“

”اے تھیں، چھوڑ کر۔“ ریان نے معنی خیز انداز میں کمرے کی طرف دیکھا جس میں ٹوٹی قید بھی۔ ”میں نے اسے دیکھا ہے بہت خوب صورت ہے۔“

سیمرا نے اسے گھورا۔ ”تم نے پھر میرا لیپ ٹاپ کھول کر دیکھا ہے۔“

ریان نے ہر ہلایا۔ ”ہماری آپس میں کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔“

سیمرا کے ہونٹ بخج گئے۔ ”تم جانتے ہو مجھے یہ بات پسند نہیں ہے۔ وہ ایک عام اور شریف لڑکی ہے۔“

”دیکھو ہم آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے پابند نہیں ہیں۔ تم اپنے معاملات میں آزاد ہو اور میں اپنے معاملے میں۔“

”میں نے اس آزادی میں کبھی مداخلت نہیں کی۔“ سیمرا زہریلے لبج میں بولی۔ ”حالانکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ تم کیاں کہاں منہ مارتے پھرتے ہو۔“

”تب اس پر کیوں اعتراض ہے؟“

”مجھے دواعظ ارض ہیں اول یہ کہ ہم مشن پر ہیں اور ہماری ساری توجہ ہمین پر ہوئی چاہیے اور دوسرے مجھے عورت کے ساتھ زبردستی پسند نہیں ہے۔“

ریان کا من بن گیا۔ ”تمہیں اس سے ہمدردی ہے؟“

”ہاں کیونکہ میں خود عورت ہوں۔“ سیمرا نے کہا اور اٹھ کر برتن سپینے لگی۔ برتن دھونے کے دوران اس نے اپنے لیے کافی کا پالی رکھا۔ ریان بیٹھ رہا تھا اور اس نے کافی کافی کہا تھا۔ سیمرا چھتی تھی مگر کام کے دوران میں پرہیز کرتی تھی۔ کافی لا کر اس نے لیپ ٹاپ آن کیا اور اسکا سپ آن کر کے اسلام آباد میں موجود اپنے آدمی سے رابطہ کرنے لگی۔ وہ ظہیر خان کی نگرانی کر رہا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم ہاؤس سے ظہیر خان دفتر گیا تھا اور وہاں سے سیدھا گھر آیا تب سے وہ گھر نہیں ہے۔ وس نئے رہے تھے اور ابھی ظہیر خان کو دی ہوئی ڈیڈ لائن میں چار گھنٹے باقی تھے۔

واردٹ

ایک دن لیاقت علی خان کام میں مشغول تھے، کھانے کا وقت ہو گیا۔ کھانا میز پر لگ کر با۔ ملازم یادو ہانی کے لیے آکھڑا ہوا۔ لیکن وہ کام میں لگے رہے جب کافی دیر ہو گئی تو بیکم صاحب خود پہنچیں۔ لیاقت علی خان نے ان کے داخل ہوتے ہی کھڑے ہو کر علیے سے کہا کام بند کر دیجیے۔ پہلے تو سمن یہ آیا تھا اب دارتھت بھی آگیا اور سکراتے ہوئے کھانے کی طرف چل دیے۔

ایم یونس رضا، پنڈ دادن خان

دہاں اپنی جدید قسم کی استاپرائفل نصب کر لی تھی۔ بارہ سو میٹر زیک بالکل برست مار کرنے والی اس رائفل میں جدید ترین دور میں نصب تھی جو دن رات میں یکساں دکھاتی تھی اور اس میں ہدف کا فاصلہ بتانے کا انتظام بھی تھا۔ وہ سب آپس میں ریڈ یو سے مسلک تھے۔ دس بجے کے بعد جانباز نے کہا۔ ”دوا فرا داس ہوٹل سے نکلے ہیں جہاں ہم ہونے والی لڑکی کی پارٹی موجود ہے۔“

”کہاں جا رہے ہیں؟“
”درمیان سے گزر کر چھپے کی طرف۔“ جانباز اپنی نائٹ دیرین سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ”ان میں سے ایک یعنی طور پر لڑکی ہے۔“

”درست فرمایا۔“ جبران بولا۔ ”میں بھی دیکھ رہا ہوں۔“

”تم سب لڑکی کو دیکھ رہے ہو۔“ شبیر بولا۔ ”باقی گھبھوں پر کون نظر رکھے گا۔“

”میں ہوں سر۔“ مہر ہنسا۔ ”آپ جانتے ہیں، میں شریف آدمی ہوں۔“

”شریف۔“ عمار ہنسا۔ ”شادی شدہ کہو۔“

”ایک ہی بات ہے۔“ مہر نے سرد آہ بھری۔ شبیر جیپ کے پاس کھڑا ہوا اپنی نائٹ دیرین سے آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے اسے صابر درتاںی کی کال آئی۔ اس نے بتا کہ دوسرا یونٹ بھی روانہ کر دیا گیا ہے اور مبینہ مجرم اسی علاقے میں مع لڑکی کے موجود تھے۔ اس لیے اسے ہوشیار رہنا تھا اور کسی بھی مخلوق سرگرمی کی صورت میں فوری ایکشن لیتا تھا۔ شبیر نے اپنے آدمیوں کو بریف کر دیا تھا۔ اس لیے جب ہوٹل سے دو افراد لٹکے اور ان میں سے ایک لڑکی ثابت ہوئی تو ان کا چوکتا ہوتا فطری تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ہٹ، پر موجود افراد کی نظروں سے اوچھل ہو گئے تھے مگر جبران بلندی پر موجود ہونے کی وجہ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ ان کا رخ پہاڑی کے دائیں طرف تھا۔ ”اس وقت وہ درختوں کے درمیان سے گزر رہے ہیں۔“

شبیر نے کہا۔ ”نظر رکھو۔ جب وہ نظروں سے اوچھل ہوں تو بتانا۔“

”تقریباً ہونے والے ہیں۔“ جبران نے کہا۔ ”لیکن نہیں وہ رک گئے ہیں۔“

شبیر اور عمار جیپ میں آگئے۔ کچھ دیر بعد جبران نے کہا۔ ”وہ ڈھلان پر اتر گئے ہیں اب مجھے نظر نہیں آ رہے۔“

دیکھ کر اس نے خوصلہ پکڑا اور ٹوٹی کی تصویر سامنے کرتے ہوئے بولا۔

”اس وقت زحمت دینے کی معدودت لیکن یہ میری یونیورسٹی فیلو ہے اور یہاں غائب ہو گئی ہے۔ ہم اسے تلاش کر رہے ہیں آپ نے اسے دیکھ رہے ہیں۔“
”بالکل دیکھا ہے۔“ ریان نے کہا۔ ”وہ اندر ہے آؤ اندرا آؤ۔“

ٹوٹی کے اندر ہونے کا ان کراہر بے ساختہ اندر داخل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر زارا بے صین ہو گئی۔ وہ برآمدے سے کوئی چالیس فٹ دور تھی اور اس سے سنائی نہیں دیا کہ ریان نے احر سے کیا کہا تھا اور پھر احر اندر چلا گیا تھا۔ زارا کچھ دیر تو اپنی جگہ دیکھ رہی تھی۔ اس کا نیال تھا کہ احر ابھی واپس آئے گا۔ مگر جب کئی منٹ گزر گئے تو وہ انٹھ کر بنتکے کی طرف بڑھی۔ برآمدے میں آ کر اس سے من گن لینے کی کوشش کی مگر اندر مکمل خاموشی تھی۔ اگر کوئی بات بھی کر رہا تھا تو اس کی آواز باہر تک نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑکی سنتی رہی اور پھر بنتکے کے پیچھے جانے کے لیے برآمدے سے اتر آئی۔ وہ باغ کے ساتھ گھوستی ہوئی پیچھے ہے میں آئی۔ یہاں بھی ایک دروازہ تھا۔ کروہ بند تھا۔ زارا نے اس کا بندل گھما کر دیکھ لیا۔ پھر وہ پیچھے ہوئی تو کسی سے مکرانی اور اس کے منڈے سے نکلنے والی جنچ کسی کی ہتھی میں جذب ہو کرہ کئی۔

☆☆☆
ریان دروازہ کھول کر اندر آیا تو تیز برانڈی کا نش اس کے دماغ پر چڑھ کر اس کی شیدہ ایت کو ہوادنے لگا تھا۔ اس نے لمحائی نظروں سے ٹوٹی کو دیکھا جو ساکت تیٹھی مگر اس نے دروازہ کھلنے کی آواز نہ لی تھی۔ ریان نے دروازہ بند کیا اور اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹوٹی کے جسم پر ہاتھ رکھا تو وہ تڑپ کر پیچھے ہوئی۔ گریہاں گنجائش کتنی تھی۔ ریان نے دوسری بار ہاتھ بڑھایا تو وہ پیچھے نہ ہو سکی۔ مارے خوف کے اس کے منڈے سے آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔ بس وہ سکیاں لے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ اور پرکر کے بندھے ہوئے تھے اس لیے وہ سوائے پاؤں چلانے۔ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ ریان اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے وہی جمدی نہیں تھی۔ اس کے پاس ابھی بہت وقت تھا۔ اس نے کیس ابجکشن سے سیپرا کو دو انجکٹ کی تھی۔ وہ اسے دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے نہیں دیتی۔ اس نے ٹوٹی سے کھلیتے ہوئے کہا۔

تحا۔ جب لڑکے نے دوسری بار دروازہ بجا یا تو کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک آدمی نسودار ہوا اور لڑکے نے اسے کاغذ دکھایا۔ مگر آدمی نے نفی میں سر ہلا یا اور دروازہ بند کر دیا۔ عملًا اس نے دروازہ لڑکے کے منہ پر مارا تھا۔ اس سے لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت اور اس موسم میں باہر آنے پر جھنگلایا ہوا تھا۔ لڑکا واپس آیا اور اس نے لڑکی سے کچھ کہا اور وہ دونوں اگلے مکان کی طرف بڑھے تھے۔ یہاں بھی لڑکی پہلے ہی ایک آڑ میں چھپ گئی اور لڑکا مکان تک گیا مگر کال بتل کے جواب میں کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ لڑکے نے کہی بار کال بتل، بجا ہی۔ اندر روشنی تھی مگر ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی موجود نہیں تھا اس تو جواب نہیں دے رہا تھا۔ شبیر سوچ رہا تھا کہ یہ وہی اور معاملہ ہے اور وہ بلاوجہ یہاں تک چلا آیا۔ مگر اس کا جوست ابھی ماند نہیں پڑا تھا۔ اس نے ریڈ یو پر عمار سے پوچھا۔

”کوئی پر گریں ہوئی ہے؟“

”نوسر۔“ اس نے جواب دیا۔

”دین اسٹینڈ بائے۔“ شبیر نے کہا اور دوبارہ

دور میں آنکھوں سے لگا۔

☆☆☆

احمر اور زارا تیرے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ احر بتارہ تھا کہ دوسرے مکان سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ”شاید یہاں رہنے والا کہیں گیا ہے اور لائٹ کھلی چھوڑ گیا ہے۔“

”ممکن ہے اس مکان میں وہی جوڑا ہوا اور ظاہر یہ کہ رہا ہو کہ مکان میں کوئی نہیں ہے۔“ زارا نے خیال پیش کیا۔ ”ہو سکتا ہے، لیکن پہلے ہم دوسرے مکان چیک کر لیں۔“

تیرا مکان پھونٹا سا بنگلا تھا اور اس کے گرد چھوٹا سا باغ اور چار فٹ تک کی چاروں یواری تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زارا چار دیواری کی آڑ میں رک گئی اور احر اندر داخل ہو کر بنتکے کی طرف بڑھا۔ اس نے برآمدے میں گلی کال بتل بجا ہی۔ پہلی بتل کے جواب میں کوئی رد عمل نہیں ہوا۔ ایک منٹ بعد احر نے دوبارہ کال بتل بجا ہی۔ زارا جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ مزید ایک منٹ بعد احر نے پھر کال بتل بجا ہی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہاں بھی کوئی نہیں ہے حالانکہ یہاں بھی اندر روشنی تھی۔ احر چوہی بار بتل بجانے والا تھا کہ معاً دروازہ کھلا اور سامنے سرخی مائل سنہری بالوں والا آدمی کھڑا تھا، وہ ریان تھا۔ احر فرماڑا تھا مگر ریان کو مسکراتے

آخری جواب

ہوش میں آتی ہوئیں ان دونوں سے نہ لوں گا۔“
سمیرا کی آنکھیں کھلی تھیں مگر وہ ہوش میں نہیں تھی۔
ریان کہتا ہوا کمرے کی طرف بانے لگا پھر رک گیا، اس نے
زارا کو غور سے دیکھا پھر خود سے بولا۔ ”یہ زیادہ خوب
صورت ہے اس لیے پہلا نمبر اس کا ہوگا۔“

ریان نے جھک رہے ہو شزارا کو اٹھایا اور اسے
بیڈروم میں لے گیا۔ اس کے باتے ہی احر ہلا اور اس نے
بہت آنکھی سے سراخا کر دیکھ۔ اس کا سرد کھرہ تھا۔ وہاں
کسی کو نہ پا کر وہ اٹھا پھر لا ورنہ کی طرف آیا اور ایک لمحے
کے لیے سمیرا کو دیکھ کر رہا تھا۔ اس نے اسے پہچان لیا تھا مگر وہ
حیران تھا کہ کھلی آنکھوں کے باوجود وہ اسے دیکھ کر کوئی
رُتُم نہیں دے رہی تھی۔ احر، تھوڑی راستے دیکھا رہا پھر اس
نے ٹوٹی والے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ
ریان زارا کو بھی اندر آیا۔ ہے اور وہ اس وقت اس کے
بیڈروم میں ہے۔ بیڈروم کا دروازہ بند تھا۔ بیڈ پر ٹوٹی کو پا کر
وہ تیزی سے اندر آیا۔ وہ حیران تھا کہ ریان نے اس سے بچ
کھا تھا اور اندر بلا کر اسے عقب سے وار کر کے بے ہوش کر
دیا تھا اور خود نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ صوفے پر ساکت
موجود سمیرا پر اسرار حالت میں تھی۔ مگر فی الحال اس کے لیے
ٹوٹی اہم تھی۔ اس نے ڈاری ڈیلی کر کے ٹوٹی کے منہ سے
غلاف اتارا۔ ٹوٹی جو پہاہ پھلنے تھی۔ احر کو دیکھ کر ساکت
ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں نیرت در آئی تھی۔ احر نے
ہونتوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر
اس کا منہ کھولا۔

”وہ... وہ کہاں ہے؟“ ٹوٹی نے سرگوشی میں
پوچھا۔

”تم ریان کی بات کر رہی ہو؟“ احر نے دریافت کیا
ٹوٹی نے جلدی سے سرہنا یا۔

”میں نے اس کی واز سے اسے پہچان لیا تھا۔ کال
بنل تم نے بجائی تھی؟“

احرنے سے مختصرًا بتایا۔ باہر کیا ہوا تھا۔ زارا کے
بارے میں سن کر ٹوٹی بے ہمیں ہو گئی۔ اس نے کہا۔ ”وہ بھی
خطرے میں ہے۔“

”ہم سب خطرے میں ہیں، یہ بہت خطراں کے لوگ
ہیں۔“ احر نے کہا وہ ہتھکڑیوں و دکھر رہا تھا۔ ”میں ان کی
چابی تلاش کرتا ہوں یا اس کے بغیر نہیں کھلیں گی۔“

”پیز جلدی کرو گہیں وہ پھر نہ آجائے۔ یہاں ایک

”آرام سے ذیز آرام سے میں تمہیں کوئی تکلیف
نہیں دوں گا۔ کبھی نشان نہیں پڑے گا۔“

”دور... دور... رہو مجھ سے۔“ ٹوٹی نے رو تے
ہوئے کہا۔ اسی لمحے کاں بنل بھی اور ریان چونک کر سیدھا
ہوا۔

”یہ کون آگیا؟“ اس نے خود سے سوال کیا۔
”مدد... بچاؤ۔“ ٹوٹی چلائی۔ ریان نے تا گواری
سے اسے دیکھا اور پھر اس کے منہ سے غلاف اوپر کرتے
ہوئے زبردستی اس کا منہ کھول کر اس میں اپنا رومال محسوس
دیا۔ آخر میں اس نے غلاف نیچے کر کے اس کے نعلے حصے
میں موجود ڈوری کی مدد سے اسے کس دیا۔ اب وہ منہ میں
ٹھونس رومال از خود نہیں نکال سکتی تھی۔ اس دوران میں کال
بنل دوسری بار بھی تھی۔ وہ کمرے سے نکلا اور داخلی
دروازے تک آیا۔ اس نے کیٹ آئی سے جھانکا اور اسے
باہر ایک نوجوان نظر آیا۔ مگر اس نے دروازہ نہیں کھولا بلکہ
واپس اندر آیا اور بیڈروم میں اکراں نے ٹوٹی وی آن کیا اور
ریبوت سے اس کے چینل گھمانے لگا۔ ٹوٹی پر چینل کے
بجائے سی سی ہی کیسروں کی دیزی یا آرہی تھی۔ یہ کسرے
مکان کے چاراں طرف موجود تھے۔ اس نے سامنے
والے لان کو دیھا اور فوراً ہی چار دیواری سے جھاٹکتی زارا
نے اس کی توجہ حاصل کر لی۔

ریان نے کیمرا زوم کیا تو اس کے نقوش ملکی روشنی
میں بھی واضح نظر آنے لگے۔ ریان نے اسے پہچان لیا اور
معنی خیز انداز میں سرہنا یا۔ وہ پریشان نہیں ہوا بلکہ خوش نظر
آرہا تھا۔ اس نے سوچا اور پھر داخلی دروازہ کھولا
اور احر کی بات کرنے کے اندر آنے کو کہا۔ احر جھجک کر اندر
آگیا۔ ریان نے دروازہ بند کرتے ہی اس کی گدی پر
گھونسما رہا۔ وہ آگے دیکھ رہا تھا... اس لیے بے خبری میں
مار کھا گیا۔ وہ منہ کے مل گرا اور ساکت ہو گیا۔ ریان نے
چک کر اسے چیک کیا اور مطمئن انداز میں سرہنا تا ہوا و بارہ
ٹوٹی کے سامنے آیا، اب وہ زارا کو دیکھ رہا تھا۔ جب اس
نے عقیبی حصے کا رخ کیا تو ریان تیزی سے پہنچ والے
دروازے سے پہنچنے کے پہنچنے حصے میں نکل آیا اور موقع پا کر
اس نے زارا کو بھی قابو کر لیا۔ اس نے اس کا سانس روک
کر اسے بے ہوش کر دیا اور پھر اٹھا کر اندر لے آیا۔ اسے
ایک سنگل صوف پر ڈال کر اس نے آنکھیں کھوئی سمیرا سے
کہا۔

”ایک نہیں دو شکار مل گئے ہیں مجھے۔ جب تک تم

ہو جائے کیونکہ انہوں نے اسے رست دو بجے تک کی مہلت دی تھی اور اس نے فائل اس سے تن گھنٹے پہلے بھیج دی تھی مگر وہ اپنا کام کر چکا تھا اب اسے، روپیلہ کا انتظار تھا۔

☆☆☆

شیر دور بین لگائے ہنگلے کی طرف نگران تھا۔ لڑکے کے اندر جانے کے بعد لڑکی چار دیواری میں داخل ہوئی اور ہنگلے کے دروازے تک جا کر اس نے جیسے اندر کی سن کن لی اور پھر گھوم کر عقبی حصے کی طرف چلی گئی۔ شیر منتظر تھا کہ وہ یا لڑکا واپس آئیں لیکن دونوں میں سے کوئی سامنے نہیں آیا۔ پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ اپنے اس کے ریڈیو سے آواز آئی۔ ”ہوٹل کے سامنے کوئی لڑکا ہے۔“

”کون سے ہوٹل کے سامنے؟“ اس نے عمار سے پوچھا۔

”جران نے بتایا ہے اس ہوٹل کے سامنے جس سے لڑکا لڑکی نکل کر گئے تھے۔ وہاں اب کئی لوگ نظر آ رہے ہیں۔“

”وہ دونوں یہاں ایک ہنگلے میں داخل ہوئے ہیں اور اب تک واپس نہیں آئے ہیں۔“

شیر نے ایک نظر ہنگلے کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”میں آرہا ہوں۔“

وہ واپس جیپ کی طرف آیا اور وہ دونوں ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ شیر کو امید تھی کہ شاید وہاں ہونے والی ہمچل ٹوٹی کے بارے میں ہو اور اسے کچھ معلوم ہو جائے سکر دیا۔ پہنچ کر پتا چلا کہ ہوٹل سے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی مزید غائب ہو گئے ہیں اور بیہوں نے والی ہمچل اسی وجہ سے تھی۔ شیر نے ریاض سے بات کی تھی تو اس نے زارا اور احرار کے بارے میں نہایت متفق خیالات کا اظہار کیا تھا جیسے ان کے درمیان میں کوئی پلک چل رہا ہو اور وہ سب سے چھپ کر کہیں ملنے کے ہوں۔ شیر کے خیال میں ایسی کوئی بات تھیں تھی کیونکہ اس نے ان دونوں کے انداز میں عشق و عاشقی والی کوئی چیز محسوس نہیں کی تھی، اس کے بجائے ایسا لگ رہا تھا وہ کسی کو تلاش کر رہا ہے۔ تھے اور وہ یقیناً ٹوٹی کی کھوج کر رہے تھے۔ اب شیر سمجھا تھا کہ وہ ٹوٹی کی تصویر دکھا کر لوگوں سے اس..... کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ اس نے ریاض سے دریافت کیا۔

”کیا طلبہ کے باہر جانے پر پابندی لگائی گئی تھی؟“

”تو کیا اب بھی پابندی نہ گاتے؟“ ریاض نے تاکوواری سے کہا۔ ”پہلے ایک بی بی غائب ہو گئی اور اب

”نہیں یہاں صرف سیرا ہے لیکن وہ عجیب سی حالت میں صوفی پر لئی ہے جیسے اسے ہوش نہ ہو مگر اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔“

احر بآہر آیا اور اس نے سب سے پہلے ساکت پڑی سیرا کی تلاشی لی۔ اس نے پینٹ شرٹ پہنی ہوئی تھی اور اس کے شرٹ کی سامنے والی جیب سے صرف ایک بڑی چابی نکل جو ہنکڑیوں کی نیزراں لگ رہی تھی۔ یہاں لاڈنچ کے ساتھ ایک کمرا اور بھی تھا۔ احر اس کے دروازے کی طرف بڑھا اور بہت آہستہ سے، اس کا بندل گھما یا۔ دروازہ ٹھلتے ہی اسے سامنے بستر پڑا۔ اسے سدھ پڑی دکھائی دی۔ وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھا لیکن اندر آتے ہی اسے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور اس سے پہلے وہ مز کر دیکھتا، کوئی خوبصورت اس کے سر سے ٹکرائی اور وہ ایک پار پھر بے ہوش ہو کر بیچ گر پڑا۔ ریان نے ہاتھ میں موجود لکڑی کا چھوٹا سا گوں ڈنڈا۔ ایک طرف پھینک دیا اور جھک کر احر کا معائنہ کیا۔

”اس بار تم اپے عرصے کے لیے گئے۔“

☆☆☆

میارہ نجع کر پانچ منٹ پر موبائل کی بیل بھی اور ظہیرخان نے جلدی سے کال رسیو کی، دوسری طرف صابر دترانی تھا۔ اس نے اپنے فائل تیار ہو گئی ہے اور تمہارے اسی میل پر بھیج دی ہے۔“

ظہیرخان۔ میز پر رکھے ایں سی ڈی کے سامنے موجود ماوس ہلایا تو ایں سی ڈی آن ہو گیا۔ کمپیوٹر بھی آن تھا اس نے اپنے اسی میل اکاؤنٹ کھولا اور اس میں سامنے اسی میل موجود بھی۔ اس نے اس کی فائل ڈاؤن لوڈ کی اور پھر اسے اٹھ فائل کر کے اس اسی میل ایڈریس پر بھیج دیا جہاں سے اسے ٹوٹی کی تصاویر دیوالی اسی میل میں تھی۔ اسی میل بھیج کر وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اسکرین پر نظر جما کر بیٹھ گیا۔ اس کے اسی میل میں ایسا آپشن تھا کہ جیسے ہی اس کی بھیجی ہوئی میل کھولی جاتی اس کے پاس پیغام آ جاتا۔ ساتھ ہی اس نے صابر دترانی کو میل کرنے کا ایس ایس ایس کر دیا۔ اس کی طرف سے جواب آیا۔

”میرے ماہرین بالکل تیار ہیں، وہ بس اسی میل اپن کریں۔“

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا مگر اب تک میل ڈیوری کا پیغام نہیں آیا تھا۔ ظہیرخان کی بیٹھی بھی اسی حساب سے بڑھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں انہیں تک نہ



بس ذرالملک کے ساتھ چھپنی گزار نے ناران چلا گیا تھا

اگرچہ اس کے لیے اسے خاص مشکل کرتے دکھانا پڑا تھا اب اس کا رخ پیچھے کی طرف تھا مگر اس کے دونوں ہاتھ پیچی کی طرح دایمیں باہمیں ہو رہے تھے۔ آزن راڑ کے اس بیٹھ میں اوپر سے نیچے تک ایک ایک ہی پاس پڑتھا۔ گدے والی جگہ جہاں باقی بیٹھاں پاس پس سے مسلک ہو رہا تھا۔

ٹوی نے اسے دیکھا تو اسے پتا چلا کہ یہ نٹ سے لگا ہوا تھا۔ وہ ہتھڑی کا کڑا گھماٹی ہوئی بیٹھ کے ایک طرف اتر آئی اور اس نے نٹ کھولنے کی کوشش کی مگر اس طرف کا نٹ بہت سخت تھا اس سے دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ گوم رہا تھا اگرچہ کسی قدر سخت تھا مگر ٹوی کی انگلیوں سے گوم رہا تھا۔ دو منٹ میں اس نے نٹ کھول لیا اور بڑے سائز کا اسکر و چینچ کر پاس کے دوسرا طرف نکالا اور حصہ پاپ سے الگ کر دیا۔ لب ہتھڑی کے کڑے پاس کے نیچے جنی پائے تک جا رہے تھے۔ اس نے کسی قدر کوشش کر کے در بغیر آواز کے بیٹھا کر دونوں کڑے نکال لیے اور اب اس کے ہاتھ آزاد تھے۔

اگرچہ اس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں جھوول رہی تھیں ان کو ٹکٹکنے سے بچاتے کے لیے اس نے دونوں کڑے ہاتھوں میں دبایا۔ اس کے جوتے دہی پڑے ہوئے تھے اس نے جوتے ہٹنے اور دبے تدمول بناہر آئی۔

لاؤچ میں سیرا کو صوفی پر ساکت دیکھ کر پہلے وہ بھی چونکی مگر جب اس کی طرف نہ کوئی رد عمل نہیں ہوا تو آگئے آئی۔ اس نے سیرا کی ٹلاٹی دا تو پینٹ کی پچھلی جیب سے اسے ہتھڑی کی چابی مل گئی اور اس نے جلدی سے ہتھڑی سے جان چھڑائی۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی لیکن اس سے پہلے کہ دروازہ کھٹی اسے دوسرے بند

ایک جوڑا غائب ہے، پتا نہیں یہ لوگ کیا سوچ کر آئے تھے اور مصیبت ہمیں ڈالا دی ہے۔

”پولیس کو روپورٹ کرو۔“ شیر نے کہا۔

”آپ کون ہیں جی جو اتنے سوالات کر رہے ہیں؟“

”مجھے چھوڑیں آپ پولیس کو کال کریں۔“ شیر نے

اس کا سوال نظر انداز کیا اور باہر آ کر اس نے صابر سے رابطہ کیا اور اسے جوڑے کے بارے میں بتایا۔

”بنگلے کی نگرانی کرو۔“ صابر نے کہا۔ ”تمہیں وہاں سے ہٹا نہیں چاہیے تھا۔“

”یہ علطی ہوئی ہے سر لیکن قیمتی معلومات ملی ہیں۔“

”بنگلے کو چاروں طرف سے گھیر لو، دوسرا یونٹ بھی چینچنے والا ہے وہ جی تھماری کمانڈ میں ہو گا۔“

”یہ سر۔“ شیر نے کہا اور پھر جبران کو اس طرف پہنچنے کو کہا۔ ”کسی ایسی جگہ سور جاگاؤ جہاں سے بنگلے کا اگلا پچھلا حصہ دونوں دکھائی دیں۔“

مہر کو ہٹ ہوئی پر چھوڑ کر اس نے جانباز کو بلوایا تھا

اور وہ تینوں جیپ میں روانہ ہو گئے۔ جیپ کو اسی مقام پر چھوڑ کر وہ اوپر روانہ ہوئے اور وہ منٹ بعد وہ تینوں ایسی پوزیشن پر تھے جہاں سے بنگلا مکمل طور پر ان کی نظر میں تھا۔

اس دوران میں جبران اپنی انسان پر سیست ایک موزوں جگہ ہٹکنچ کیا تھا جہاں سے بنگلے کا بڑا حصہ اس کی رانفل کی زد میں تھا۔ دوسرا یونٹ میں اسٹیشن کے پاس آگیا تھا اور شیر نے

ہی اس جگہ آنے کا انکلم دیا تھا۔ مہر اور جبران کے مطابق ہوٹل سے جانے والے لڑکا لڑکی واپس نہیں آئے تھے اس لیے توے فیصد امکان یہی تھا کہ وہ اس بنگلے میں تھے۔ کچھ دیر بعد شیر کے موبائل پر صابر کی کال آئی۔ ”ہم لوکیشن ٹریں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اگر یہی لوکیشن نکلی تو تم فوراً ریڈ کرو گے۔“

☆☆☆

سیرا ساکت ایسی ہوئی تھی اور اس کے پاس ہی میز پر اس کا لیپ ٹاپ تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کے ای میل اکاؤنٹ میں ایک ای میل آچکی تھی۔ اگر وہ ہوش میں ہوتی اور حالات نارمل ہو۔ تب تو وہ ای میل ریسیو کر لیتی۔ مگر اب وہ ایسا کرنے سے قاصر تھی۔ ساتھ والے کمرے میں ٹوی بیٹھ سے بندھی ہوئی تھی۔ احر کو گھٹے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی کہ وہ اس کی واپسی سے مایوس ہو رہی تھی۔ چہرے سے نقاب اور منہ سے کپڑا ہٹنے کے بعد دیکھنے اور بولنے کی حد تک آزاد ہوئی تھی۔ اس نے پیٹھ کر کوشش کی اور پیچھے کی طرف گھوم گئی۔

وہ سرور ہے جس میں ای میل سائنس کا ڈینا ہے اور ہماری بھیجی ہوئی ای میل انہی یہاں موجود ہے جب تک کہ یوزر اپنا اکاؤنٹ اوپن کر کے اسے اپنے پاس نہیں اتار لیتا۔ ”
”اگر یوزر اسے نہ کھولے تو یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس وقت کہاں موجود ہے؟“

”جب تک وہ ایک بار آپریٹ نہیں کرے گا تب تک پتا چلا نا مشکل ہے۔“

”اگر اس اکاؤنٹ سے کوئی میل پہلے کی آئی ہو تو تب پتا چلا یا جا سکتا ہے؟“

”ہاں اس صورت میں پتا چلا یا جا سکتا ہے اگرچہ یہ آسان نہیں ہو گا مگر کوشش کی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے پہلے اکاؤنٹ کھولنا ہو گا۔“

صابر نے فوراً ظہیر خان کو کال کی اور بولا۔ ”تمہارے ای میل کا پاس وہ ڈچا ہے۔“

”ظہیر خان پچھا یا۔“ یا، یہ انتہائی کونفیڈنسل ہے۔ ”تم فکر نہ کرو سب میرے سامنے ہو گا۔“ صابر درافتی نے اسے تسلی دی۔ ”میں ہی پاس ورڈ لگاؤں گا۔“

”ٹھیک ہے، اس صورت میں یاد کرو کہیں لکھنا مت۔“

”تم بتاؤ۔“ صابر نے کہا تو ظہیر خان نے اپنے ای میل اکاؤنٹ کا پاس ورڈ بتایا جو صابر نے مشکل ہونے کے باوجود ایک ہی بار میں پاک کر لیا۔ پھر اس نے بتایا کہ اب تک ای میل اوپن نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے اب دوسرا طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ اس نے بل، ایشن کے بیتلے کے بارے میں بھی بتایا۔ ”بھجھے پورنی امی۔ ہے جلد میں تمہیں اچھی خبر سن سکوں گا۔“

کال کر کے صابر نے، ہرین کو ایک منٹ کے لیے کمرے سے جانے کا حکم دیا اور انہوں نے حکم کی تعیین کی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے پاس ورڈ لگا کر ای میل آن کیا۔ پھر اس نے ماہرین کو بلا یا اور بولا۔ ”اب کوشش کرو۔“

جس ماہر نے دعویٰ کیا تھا وہ اپنے کام میں لگ گیا۔ وہ پیمنگ کا ماہر تھا۔ مگر اس قسم کے اکاؤنٹ جو سرکاری شخصیات استعمال کرتی ہوں انہیں بیک کرنا اور ان کے میں سرور تک رسائی آسان نہیں تھی۔ اس لیے، ماہر مرحلہ وار یہ کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وقت تھی تھا اور جیسے جیسے گز رہا تھا، صابر کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔ اس دوران میں وہ دوبار شیر سے رابطہ کر چکا تھا مگر دوسری لمف بھی حالات میں کوئی

دروازے کے چیجھے سے کسی کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ وہ تذبذب میں پڑ گئی تھی کہ کیا کرے۔ باہر جائے یا کمرے میں دیکھئے۔ س کا ہاتھ دروازے کے لشوپ پر تھا اور چہرے پر کھلکھل کے آٹھا رہتے۔

☆☆☆

زارا کو اچانک ہوش آیا تھا شاید اس نے کوئی آواز سنی تھی مگر اسے نہ اڑاہ نہیں تھا کہ آواز کس نوعیت کی تھی۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں اور حرکت نہیں کی تھی۔ پھر اس نے ریان کی آواز سنی وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”اس بار تم لبے عرصے کے ایے گئے۔“

تب زارا نے ایک آنکھ میں خفیف سی جھری پیدا کر کے دیکھا تو اسے ریان کسی پر جھکا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور وہ نئے میں لگ رہا تھا۔ سیدھے ہڑے ہو کر اس نے چند کھرے سانس لیے اور پھر لڑکھراتے قدموں سے ایک طرف بڑھا۔ وہ شاید بیدروم کے ساتھ موجود داش روم میں گیا تھا۔ زارا اس کے جاتے ہی اٹھ گئی۔ کھلے دروازے سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ تب زارا نے قالمیں پر بے ہوش پڑے احر کو دیکھا۔ اس کے پاس ہی لکڑی کا ایک ڈنڈا بھی پڑا تھا۔ واش روم سے اب ایک آوازیں آرہی تھیں جیسے ریان قے کر رہا تھا۔ زارا بیڈ سے اٹھی اور دبے قدموں احر بک آئی، اسے ہلا جلا کر دیکھا مگر وہ مکمل بے ہوش تھا اور اس کے سر کے بچھٹے حصے سے خون بھی لکلا تھا مگر یہ زیادہ نہیں تھا۔ زارا نے ڈنڈا اٹھایا۔ وہ دبے قدموں واش روم کے دروازے تک آئی اور دیوار سے ٹک کر ہڑی ہو گئی۔ اب اندر سے واش ڈسن کا پانی گرنے کی آواز آرہی تھی اور جیسے ہی پانی بند ہوا تو ہوشیار ہو گئی اور ڈنڈا سر سے بلند کر لیا۔ جیسے ہی ریان نمودار ہوا زارا نے اس کے سر پر ڈنڈا مارنے کی کوشش کی مگر عجت میں وہ اس کے سر کو چھوٹا ہوا اس کے شانے پر لگا۔ ریان لڑکھرا یا مگر فوراً سنبل جل گیا۔ اس نے زارا کا ڈنڈے والا اٹھ پکڑا اور اسے گھما کر بیڈ پر پھینک دیا۔ اس سے پہلے وہ نبھلتی ریان جیسے اڑتا ہوا اس پر آن گرا اور اس نے غراتے ہوئے زارا کے سر پر گھونسایا۔ زخم ہونے کے باوجود اس کے گھونے میں اتنی طاقت تھی کہ زارا کو چکر آگیا اور وہ بے بس ہو کر رہ گئی۔

☆☆☆

صابر اور اس کے آدمی اس وقت ایک جدید قسم کے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے بڑی سی اسکرین پر ایک نقطہ فلیش کر رہے تھے۔ ایک ماہر نے صابر کے دریافت کرنے پر بتایا۔ ”یہ جاسوسی ذاتیست 252“ فروری 2015

آخری جواب

ٹوی کا خون کھول اٹھا تھا پہلے وہ اس کی عزت کے درپے تھا اور اب اس کی دوست زارا کو بے آ رو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دبے قدموں اندر آئی اور اس کی نظر بیٹھ کے ساتھ لکڑی کے ڈنڈے پر گئی۔ ٹوی نے اسے اٹھایا اور پوری قوت اور ایک انتقامی جذبے کے ساتھ گھما کر ریان کے سر پر مارا۔ وہ کراہ کر شیم بے ہوش زد اپر ڈھیر ہو گیا پھر ٹوی نے دوسری ضرب لگائی اور ریان ساکت ہو گیا۔ ٹوی نے اسے زارا پر سے دھکیلا اور اسے ہلانے لگی۔

”زارا میری جان ہوش میں آؤ۔“

زارا کرائی اور سر ہلانے لگی۔ ٹوی اسے بار بار ہلا رہی تھی اور آواز دے رہی تھی۔ اچانک عقب سے دروازہ بند ہوا اور پھر لاک میں چالی گھنٹے میں آواز آئی۔ ٹوی اسے چھوڑ کر دروازے کی طرف پڑی اور اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے لاک تھا۔ ٹوی ہر اس ہو گئی۔ وہ یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگی۔

☆ ۲۵ ☆

سمیرا، ٹوی کو ریان کے سینے پر دیکھ رہی تھی۔ اسے قبل از وقت ہوش آگیا تھا۔ شاید عجلت میں ریان گیس انجکشن درست طور پر انجینکٹ نہیں کر سکا تھا اور دو اکم معدار میں اس کے جسم میں ٹھیکی۔ اس کے جاتے ہی وہ انٹھ بیٹھی اور ڈولے قدموں سے کھڑے ہونے کی کوشش کی پھر وہ مشکل دروازے کی طرف بڑھی۔ اسے دیواروں کا سہارا لیتا پڑ رہا تھا۔ نزدیک آتے ہی اس نے ٹھیک کر دروازہ بند کیا اور جیب سے اس کی چالی نکال کر اسے باہر سے لاک کر دیا۔ چاہیاں اس کے پاس تھیں۔ اس نے ریان کا انجام دیکھ لیا تھا اور اسے کوئی افسوس نہیں تھا، وہ اس سے بھی بڑی سزا کے قابل تھا۔ مگر فی الواقع سمیرا کو ریان کے بجائے اپنی اور اپنے مشن کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ واہیں صاف نکل آئی اور اپنے بیٹھ بیک سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر ناک سے نکالی اور زور سے سانس ٹھیکی۔ لمحوں میں اس کی حالت بہتر ہو گئی۔ اس نے تیزی سے انٹھ کر گھر کے دواؤں دروازے پر چیک کیے اور پھر ایک کھڑکی کا پروہ ہٹا کر باہر جانکا۔ سامنے سے دو سائے اسے مکان کی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔

ان کا انداز اور ہاتھوں میں وجود تھیا ردیکھ کر سمیرا چوٹی اور پھر واپس پہنچی۔ اس نے پھر تی سے لیپ ٹاپ آن کیا اور اپنا ای میل کھولا۔ اس میں ڈھیرخان کی طرف سے ای میل دیکھ کر وہ پر جوش ہو گئی۔ وقت نہیں تھا کہ وہ فائل

تبديلی نہیں آئی تھی۔ بالآخر ماہر اس میں سرور تک پہنچ گیا جہاں اسی میل ایڈریس موجود تھا اور اب وہ اس کی آخری لوکیشن نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے لوکیشن بھی نکال لی مگر ایک حد سے آ کے نہیں جا پا رہا تھا۔ اس نے صابر کو بتایا۔ ”علاقہ ایک حد سے زیادہ واضح نہیں ہو رہا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”انٹرنیٹ وارلیس سے استعمال ہو رہا ہے اس لیے لوکیشن بہت زیادہ واضح نہیں ہے۔ مگر ایک بات یقینی ہے کہ اسی میل اس علاقے سے کی کئی ہے۔“ ماہر نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا جسرا پر شمالی علاقے کا نقشہ تھا اور اس پر ایک جگہ نقطہ بلنک کر رہا تھا۔ صابر کا دل دھڑک اٹھا۔

”یہ نقطہ کہاں ہے؟“

ماہر نے نقشہ واضح کیا اور جب اس کا نام سامنے آیا تو صابر اچھل پڑا۔ اس نے جھپٹ کر فون اٹھایا اور شبیر کو کال کی۔ جیسے ہی شبیر کا کال رسیو کی صابر نے تیز لمحے میں کہا۔ ”شبیر فوری ریڈ کرو۔ اندر موجود افراد کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو لیکن ٹوی اور اس کے ساتھیوں کو بہر صورت بچانا ہے۔“

”یہ سر۔“ شبیر نے کہا تو صابر نے فون رکھ دیا۔

☆☆☆

شبیر نے موپائیں بند کیا اور دوسرے یونٹ کے سربراہ سلیم سے کہا۔ ”فون نی ریڈ کا حکم ملا ہے۔ مجرموں کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرنی ہے لیکن یہ غماليوں کو بہر صورت بچانا ہے۔“

سلیم مستعد ہو گیا۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور آئے تھے۔ وہ سب نہایت تربیت یافتہ اور جانباز تھے۔ شبیر نے سلیم کے ساتھ مشورہ کر کے ایک حکمت عملی تیار کی اور ریڈ یو پر سب کو بریف کرنے لگا۔ پانچ منٹ بعد وہ چاروں طرف سے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆☆☆

ٹوی کی کلکش ختم ہو گئی اور وہ واپس پہنچی۔ لاوچ میں آ کر اس نے سمیرا کو ایک نظر دیکھا اور اسے ساکت پا کروہ دوسرے دروازے کی طرف بڑھی۔ اسے لگا تھا کہ آواز اسی طرف سے آئی تھی۔ اس نے بے آواز دروازے کا بینڈل گھما یا۔ دروازہ کھلا تو اسے سامنے بھیڑ پر زارا اس حالت میں نظر آئی کہ ریان اس پر چھایا ہوا تھا اور اس کا لباس ایتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ برائے نام مزاجت کر رہی تھی اور پوری طرح ہوش میں بھی نہیں لگ رہی تھی.....

کر اندر گھس گئے تھے۔ اچانک عقب سے فائر کی آواز آئی۔ آوازان کی رانفل کی ہمیں اور چند لمحے بعد کسی دوسرے ہتھیار سے برست چلا اور کوئی ریڈ یو پر چلا یا۔ ”ایک بھاگ گیا ہے، پیچھے سے نکل گیا ہے۔“

شیر اچھل پڑا اور پھر دانت چیزوں کی طرف لپکا۔ اب ان کی رانفل رہ کر گرج رہی تھی۔ وہ پیچھے پہنچا تو اس نے دور اسکیٹر پر پھٹے شخص و دیکھا اور اپنی رانفل سیدھی کر کے اسے نشانہ بنایا۔ اس کا گولیاں اسے لئی تھیں محو رہ گرا تھیں اور چند لمحوں میں رانفل کی امار سے دور نکل گیا۔ شیر نے ریڈ یو پر جران کو پکارا۔ ”جران کیا تم و کیہو ہے ہو؟“

مگر جران کا جواب نہیں ملا وہ شاید ریڈ یو کی عام ریٹن سے باہر تھا۔ شیر نے سلیم سے ہما۔ ”میں نے کہا تھا کہ پیچھے رہنے والے اسی جگہ رہیں اور یہاں صرف ایک آدمی تھا۔“ ”سوری اشعلے دیکھ کر میں اور میرے دوساری آگے آگئے تھے۔“

”جو گاڑی کے پاس نہ وہ جران سے رابطہ کر کے کہ وہ فرار ہونے والے کو مار گائے۔“ شیر نے ریڈ یو پر گھم دیا اور واپس مکان کی طرف بھاگا مگر اس پار اس نے غقی کی چکن کا راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ اندر گھسا تو شعلے اور ان کے ساتھ دھواں پھیل رہا تھا۔ اگرچہ ابھی تک مکان کے اندر سے مزاحمت نہیں ہوئی تھی لیکن وہ اور اس کے ساتھی میٹ تھے اور کسی بھی کارروائی کا جواب دینے کو تیار تھے۔ آگ نے لاڈنگ اور اس کے ساتھ موجود ایک کمرے کو پیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ دوسرے کمرے سے تک آگ پہنچ گئی باقی بیٹھلے کو چیک کر چکے تھے اور وہاں کوئی نہیں تھا اب یہی ایک بند دروازہ رہ گیا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھے تھے کہ اچانک اس کے آس پاس موجود گاڑی کے کام نے آگ پکڑ لی اور یہ اتنی تیزی سے پھیلی کر انہیں پیچے ہٹنا پڑا۔

☆ ☆ ☆

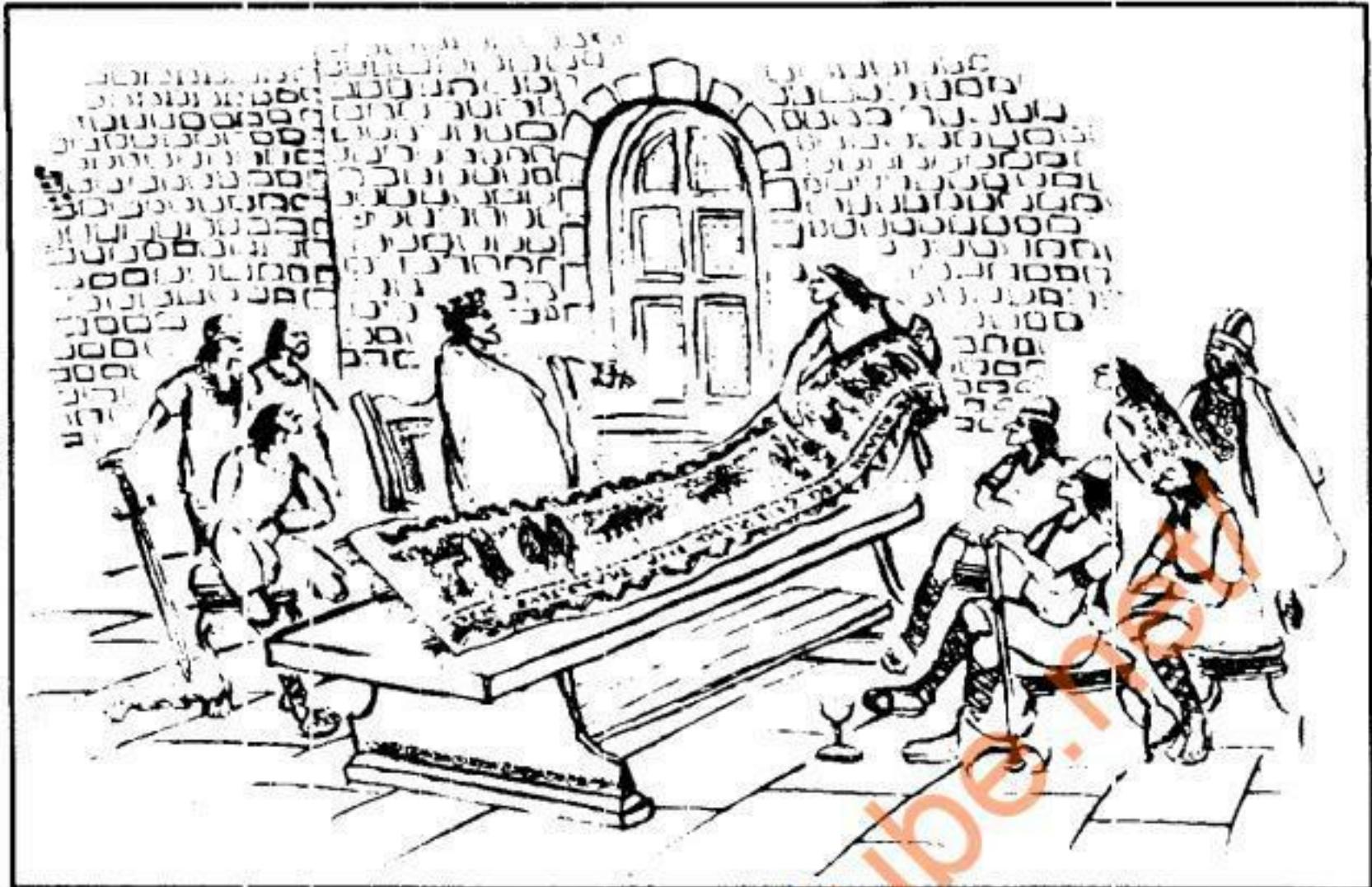
ٹوی ہر اس تھی۔ زارا بے ہوش تھی۔ احرتوکمل بے ہوش تھا اور ریان کو اس نے بے ہوش کر دیا تھا۔ اب وہ یہاں سے کیسے نکلیں گے۔ اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر دیکھا باہر گرل تھی۔ وہ یہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ وہ واش روم میں آئی۔ یہاں ایک طرف چھوٹا سا روش دان تھا مگر اس پر ایکراست فٹ تھا اور اس نے بھی ہوتا تب بھی اس سوراخ سے نکلا ممکن نہیں تھا۔ ٹوی نے مگ میں پانی لیا اور

ڈاؤن لوڈ کر کے چیک کرتی۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور ایک کمرے میں آئی۔ دو منٹ سے بھی پہلے وہ تیار ہو کر باہر آئی۔ اس نے دو تین جگہوں پر سیاہ رنگ کے چھوٹے بکس رکھے اور کچن بیل آکر انتظار کرنے لگی۔ ایک منٹ سے پہلے اس کے لگائے نینوں بھر بلکی آواز کے ساتھ پہنچنے۔ لاڈنگ اور بیتلے کا اگلا حصہ شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ یہ آگ لگانے والے بم تھے۔ شعلے مکن سے زیادہ درتی میں تھے۔ مگر سیمرا نے عجلت سے کم نہیں لیا۔ جب سامنے والے دروازے پر باہر سے ضربیں لگانا شروع ہوئیں تو وہ کچن والا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ باعث طرف ایک سلیٹ فرید موجود تھا۔ اس نے سیمرا کی طرف اپنی رانفل سیدھی کی تھی کہ وہ حیرت انگیز پھر تی سے بھاگی اور ایک چھلانگ میں دھ۔ چار دیواری پار کر گئی آدمی ڈا چلائی گولیاں اس کے پاس سے گزر گئی تھیں۔ دوسری لمرف کرتے ہی اس نے اپنی چھوٹی گن سے دیوار کے دوسری طرف ایک برست مارا۔

پھر اس نے اپنے جیروں میں اسکیٹر انکا گیس۔ یہ خود پر خود پیروں کو جکڑ لیتی تھیں۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے پھسلتی ہوئی نشیب کی طرف جا رہی تھی۔ عقب سے اس پر فائر گن ہوئی۔ چونکہ گولیاں اس کی پشت پر لگیں مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ بلٹ پروف پہنچنے ہوئے تھی اور اس کے سر پر جو ہیلمیٹ تھا وہ بھی بلٹ پروف تھا۔ صرف ہاتھ یا پیروں میں گولی لکنے ای صورت میں وہ متاثر ہوتی اور یہاں کوئی گولی نہیں لگی۔ پہنچ لمحے بعد عقب سے دوسری رانفل بھی گر جنے لگی اور گولیاں اس کے آس پاس سے گزرنے لگیں مگر ایک منٹ نہیں بھی پہلے وہ ان کی حد سے نکل چکی تھی۔ اس وقت اس کی رفتار بہت زیادہ ہو گئی تھی اور شاید وہ سو کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے اسکینگ کر رہی تھی۔ ذرا آگے نکل کر اس نے رفتار کم کر لی۔ مگر یہ اب بھی خاصی زیادہ تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ شیر اینڈ پارٹی کی گرفت سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

شیر سامنے کی طرف تھا اور بیتلے کی چار دیواری کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کے آدمی دروازہ توڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس کے اشارے پر وہ حرکت میں آگئے اور دروازے پر ضربیں لگانے لگے۔ سلیم پیچھے موجود افراد کی کمانڈ کر رہا تھا۔ اچانک اندر سے شعلے نمودار ہوئے اور بلکہ دھماکے سنائی دیے۔ اس طرف کھلنے والی ایک کھڑکی کے شیشے بھی نوٹ گئے تھے۔ اندر آگ لگ گئی تھی۔ شیر پیچھے ہنا اور باقی کھڑکیوں بیل دیکھنے لگا۔ اس کے آدمی دروازہ توڑ جاسوسی ذائقہ 254 فروری 2015



یہ ہے دشمن کے جگہ مخصوصے کی مانگر قلم... بہت مشکل سے ہاتھ آئی۔ ہے

باہر نکلی تھی کہ باہر سے دبے دبے دھماکوں کی آوازیں آئیں اور پھر اسی آواز آئی جیسے آگ بھڑک رہی ہو۔ ٹوٹی جلدی سے زارا کے پاس آئی اور اس کے منہ پر پانی چھڑ کنے لگی۔ ساتھ ہی وہ اس سے اٹھنے اور ہوش میں آنے کی اتجاعیں بھی کر رہی تھیں اس لیے جب زارا نے آنکھ کھولی تو اسے بے انتہا خوشی ہوئی۔

”مشکر ہے، تمہیر ہوش آگیا۔“

زارا ہر اساح مگر۔ اس نے آس پاس دیکھا۔ ”وہ کہاں ہے؟“

”مگون؟“ ٹوٹی بھجی نہیں پھرا سے ریان کا خیال آیا۔ اس نے بیٹھ کے یہ پہنچ اشارہ کیا۔ ”وہ یہاں ہے؟“

”کہاں؟“ زارا نے پھر پوچھا اور ٹوٹی نے سر گھما کر دیکھا تو جہاں ریان کو ہوتا چاہیے تھا وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ عقب میں ایک الماری کے ساتھ گھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک عدو پستول تھا۔ اس کے سر سے بہنے والا خون اب چھپے کے واٹیں طرف اور گردن پر آ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی خون اڑا ہوا تھا۔ اسے ہوش میں اور مسلح دیکھ کر ٹوٹی اور زارا خوف سے ایک دوسرے سے چٹ کر گئی۔ ریان نے دانت پیس کر پستول کا رخ ان کی طرف کیا اور ٹوٹی آواز میں بولا۔

”ہم کچھ نہیں کہیں ہیں گے، پلیز ہمیں کچھ مت کہنا۔“

”اگر کوئی اندر آیا تو میں سب سے پہلے تمہیں شوت کروں گا۔“

ریان کی دھمکیوں نے ان کی عالت خراب کر دی تھی۔ زارا نے پہ مشکل کہا۔ ”ہم تمام موثر رہیں گے۔“

ریان نے کمرے کے ایک کونے میں پوزیشن سنپھال لی اور پستول کا رخ دروازے کی طرف کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے پاس صرف یہی ایک ہتھیار تھا وہ

دوسرابھی نکال لیتا۔

☆☆☆

وہ آٹل والے حصوں سے پچھے ہٹ آئے تھے۔ شیر نے سلیم سے کہا۔ ”اس کمرے میں کم سے کم تین افراد ہیں۔ ان میں سے ایک مجرم ہے تو کسی بھی کارروائی کی صورت میں وہ سب سے پہلے ان دونوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کرے گا۔“

”دریازے سے جانا ممکن نہیں ہے۔“ شیر نے کہا۔ ”ہمیں باہر کملنے والی کھڑکی کی گرل کو اڑانا ہو گا۔“

”شیرے پاس اس کام کے لیے مخصوص بم بھی ہیں۔“ ہمارے پاس اس کام کے لیے مخصوص بم بھی ہیں۔“ وہ پاہر آئے سلیم نے اپنے آدمی کو بلا یا اور اسے گرل اڑانے کو کہا۔ وہ ایک چھوٹا سا بیگ لایا اور اس نے گرل کے

ان حصوں میں جو دیوار سے پیوست تھے، چھوٹے بم لگائے۔ یہ آٹو میک بم تھے جو بن دلانے کے ایک منہ بعد خود بہ خود پھٹ جاتے تھے۔ اس نے چار بم فٹ کیے۔ یہ چک جانے والے بم تھے اس لیے لگانے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ گرل سے ری باندھ کر چار دیواری کے دوسرا طرف موجود فراد تک پہنچائی گئی کہ جیسے ہی دھماکا ہو وہ کھڑک رہ جائے، والی یا گرنے والی گرل تھیں تاکہ کمرے کے اندر گھنسنے اور آپریشن کرنے میں کوئی مشکل نہ پیش آئے۔ یہ سارا کام بالکل خاموشی سے اور بنا آہٹ کے کیا گیا۔ چاروں بموں کے بین تقریباً بیک وقت دبائے گئے تھے اس کے ساتھ ہی سب تیزی سے پیچھے ہو گئے اور عتف آڑ میں دبک گئے۔ ایک منہ پورا ہوتے ہی کیے بعد دیگرے دھماکے، ہوئے اور گرل نوٹی نہیں لیکن جھوٹ گئی تھی۔ بموں نے اس کے دیوار میں پیوست حصوں کو کمزور کر دیا تھا۔ اس لیے ہب چار دیواری کے دوسرا طرف موجود افراد نے ری چینی تو گرل دیوار سے نکل کر دور جا پڑی۔ شیر اور اس کے ساتھ سلیم انھ کر دوڑے تھے اور بیک وقت چھلانگ لگا کر کھڑکی توڑتے ہوئے اندر جا گرے۔

☆☆☆

ٹوٹی، زارا کے مقابلے میں زیادہ جرأۃ مند تھی۔ شاید یہ خون کا اثر بھی تھا۔ اس لیے جب ریان پسول دروازے کی طرف کر کے بیٹھ گیا تو اس نے بھروس کیا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے خود پکھ کرنا ہو گا۔ ورنہ اگر باہر سے کوئی کارروائی ہوئی تو یہ شخص بے دریغ انہیں مار دے گا۔

اتنے قریب سے کی جانے والی فائرنگ سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ٹوٹی سوچ رہی تھی کہ وہ کیا کر سکتی تھی۔ تب اس کی نظر ذرا دور پڑے لکڑی کے ڈنڈے پر گئی۔ مگر وہ اسے جھک کر اٹھا نہیں سکتی تھی کیونکہ اس صورت میں ریان چوکنا ہو کر اسے پہلے ہی شوٹ کر دیتا۔ ایک ٹیکش کے عالم میں وقت لمحہ پہ لمحہ گزر رہا۔ فاکس کی نظریں دروازے پر مرکوز تھیں اس لیے جب کھڑکی کی طرف سے دھماکے ہوئے اور گرد و غبار کا طوفان اندازک آیا۔ ایک لمحے کے لیے تو سب کے حواس گڑ بڑا گئے۔ زارا اور ٹوٹی روئیل میں بیٹھے نیچے گری تھیں اور ابھی وہ یہ پڑی تھیں کہ کھڑکیاں ٹوٹنے کی آواز آئی۔ ٹوٹی کے ہاتھ لکڑی ملاش کر رہے تھے اور یہ کام وہ لاشعوری طور پر کر رہی تھی اور پھر جیسے ہی لکڑی اس کے ہاتھ میں آئی اس نے پنا دیکھی، اور سوچ اسے اس طرف ٹھیک ماری جہاں ریان ریان موجود تھا۔

ریان نے بھی نہیں رہا تھا کہ کارروائی اس طرف سے ہوئی تھی اس لیے وہ بھی برحواس ہوا مگر تربیت یافتہ آدمی تھا اس لیے فوراً ہی سنبھال گیا۔ گرد و غبار نے ما حول دھندا دیا تھا اور وہ اپنا نار گٹھ تلاٹھ کر رہا تھا۔ پھر اسے کھڑکی کے پاس ایک آدمی نظر آیا اور اس نے پسول اس کی طرف کیا تھا کہ کوئی چیز اڑتی ہوئی آئی اور اس کے ہاتھ پر لگی۔ درود کی لمبہ کے ساتھ پسول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اس نے کراہ کر گالی دی تو اندر آنے والے کو اس کی موجودگی کا علم ہو گیا اور اس نے آگے بڑھ کر ریان کے پہلے سے زخمی سر پر رائف کی نال ماری اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو کر نیچے لڑھک گیا۔ اس دوران میں سلیم کرے کہ معائنہ کر رہا تھا اس نے پہلے لڑکوں اور بے ہوش احر کو دیکھا اور پھر واش روم میں جھانکا۔ ”کلیستر ہے۔“

شیر لڑکوں کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹوٹی کی تصویر دیکھی تھی۔ اسے بخیریت دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا اور احتیاطاً پوچھا۔ ”آپ تمہیکہ ہیں؟“

”ہاں اللہ کا شکر ہے۔“ وہ بولی۔ ”لیکن میری یہ ساتھی زخمی ہے اور یہ تو بے ہوڑا ہے۔“

”آپ بے فکر ہیں۔ بہاں سے لکھتا ہے کیونکہ اندر آگ لگی ہوئی ہے۔“ شیر نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر ٹوٹی کو انھایا پہلے اسے کھڑکی سے باہر نکالا اور پھر زارا کو باہر لایا۔ اس کے آدمی آگئے تھے۔ آگ۔ بیٹھ روم کے دروازے کو جلانے لگی تھی۔ سلیم نے احر کوٹھانے پر انھایا اور وہ باہر نکل گئے۔ ان میں طبی امداد کا باہر احر کو دیکھنے لگا۔ اسے ہوش میں

رنگ نکھرے کی تواب نکھری ہی رہے گی!



فیئرفیس

نیٹ کی فیئرفیس گولیوں کی مورت میں کھائی جاتی ہے اور خون کو صاف کر کے جسم کے اندر سے رنگ کو نکھار دیتی ہے۔ اس کے باقاعدہ استعمال سے رنگ کھلتے ہوئے گورے پن میں بدل جاتی ہے اور ساتھ ہی چہرے کے داغ ہجے، آنکھوں کے گرد حلقات، چہرے اور گردن کی جگہ یاں بھی دور ہو جاتی ہیں۔ خواتین کے ساتھ ساتھ مردوں کے لئے یہاں ملید ہے۔ مردوں کے لئے بہت مشکل ہے کہ ابھن اور کریمیں ملتے ہیں فیئرفیس کھانا ان کے لئے بہت آسان ہے۔

www.facebook.com/toptreatments

چھوٹے قد والے دل چھوٹانہ کریں !!

گروٹال

نیٹ کی گروٹال ایک ہومیو پیٹھک دوا ہے جو مضر اڑت۔ یہ پاک ہے۔ اس میں شامل اجزاء انسانی جسم میں، سماں اور پوپن (نشوونما کا ہارسون) کی پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں جس سے ہڈیوں اور ڈھانچے کو تقویت ملتی ہے اور ان کے بڑھنے کی رفتار تنہ ہو جاتی ہے۔ اس کے استعمال سے ہر وہ شخص جس کی عمر 30 سال سے کم ہے اپنے قریب میں ممکن اضافہ کر لکتا ہے۔

اگر آپ کی عمر 30 سال سے کم ہے تو
گروٹال آپ کا قد بڑھا سکتی ہے!

ملک بھر کے ہر اچھے میڈیکل شور، ہومیو پیٹھک سدور اور دواخانہ پر دستیاب

042-35789145 6,0334-4266255
Email: toptreatments@gmail.com, Website: www.toptreatments.net

Π

ٹو می کی ماں سورج تھی اور ظہیر خان نے کہا کہ وہ اسی وقت روانہ ہو رہا ہے تھج تک۔ وہ یہاں پہنچ جائے گا۔ بنگلا اب پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ جس وقت شبیر اپنے آدمیوں کے ساتھ لا دُنج تک آیا تو وہاں ایک عدد لیپٹاپ بھی آگ کی لپیٹ میں آچکا تھا اور آگ نے اسے پوری طرح تباہ کر دیا تھا۔ اس لیے شبیر نے اسے اخانے کی کوشش نہیں کی۔ بعد میں آگ نے یقیناً وہاں کسی چیز کو سلامت نہیں چھوڑا تھا۔ جران کا کہنا تھا کہ اس نے فرار ہونے والے پر دو فارم کی، تھے مگر وہ اتنی تیز رفتاری سے اسکی نیک کر رہا تھا کہ اس کے دونوں نشانے خالی گئے۔ کیونکہ اس کی رائفل تقریباً بے آواز تھی اس لیے فرار ہونے والے کو بھی علم نہیں ہوا کہ اس پر فائرنگ کی گئی ہے۔ ایک گھنٹے میں ساری صورت حال شبیر کے علم میں آچکی تھی۔ وہ سب ہوش آگئے تھے۔ مگر شبیر کی پارٹی میں صرف وہی آیا تھا اور اس کے آدمی فرار ہونے والی عورت کو تلاش کر رہے تھے جس کا ایک نام سیمرا بھی تھا۔

ٹو می کو پتا چل گیا تھا کہ اسے انغو کرنے کا مقصد اصل میں کچھ اور تھا مگر اسے تھی طور پر نہیں معلوم تھا کہ اسے کیوں انغو کیا گیا تھا۔ زارا اور احرا بتدائی طی امداد کے بعد آرام کے لیے جا چکے۔ تھے ٹو می نیچے لا دُنج میں شبیر کے ساتھ موجود تھی۔ جب تک شبیر اس سے سوالات کرتا رہا۔ اس کا انداز پر فیشنل رہا تھا مگر جب اس نے سوالات ختم کیے اور اس دوران میں ہافی آگئی تب اس کا انداز بدل گیا اور نہ چانے کیوں ڈومی کہ اس کے دینکھنے کے انداز سے شرم آنے لگی اور ساتھ ہی اسے اچھا بھی لگ رہا تھا۔ شبیر اس سے اس کے بارے میں سوال کرتا رہا۔ ٹو می اسے اپنے بارے میں بتارتی تھی۔ اس نے بتایا کہ ماشر کے بعد اس کا ارادہ سول سروں کا متحان دینے کا تھا اور وہ بھی ظہیر خان کی طرح ایک اچھی اور حنفی سول سروں بنتا چاہتی تھی۔ شبیر نے پوچھا۔

”اس کے بعد؟“

ٹو می اس کے سوال کا مفہوم سمجھ گئی مگر انجان بن کر بولی۔ ”اس کے بعد... کیا؟“

”میرا مطلب... شادی سے ہے۔ کیا آپ کی انتیج منٹ ہو چکی ہے۔“

”نہیں۔“ ٹو می نے نفی میں سر ہلا کیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ”نه ہی سوچا ہے۔“

شبیر خوش ہو گیا۔ ”رئل؟“

لانے کے لیے دوسوچھائی گئی تو اس کا فوری اثر ہوا اور وہ ہوش میں آگیا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے زارا کے باہمے میں پوچھا۔

”میں یہاں ہوں۔“ ”زارابولی۔“ ”اب کیا محسوس کر رہے ہو؟“

”سر میں درد ہے۔“ احر نے سرد بیا۔ ”بہت زور سے مارا تھا۔“

”فکر بمت کرو، میں نے تمہارا بدله لے لیا تھا۔“ ٹو می بولی۔ ”وہی ڈنڈا اس کے سر پر مارا تھا۔“

”پھر اس کے ہاتھ پر مارا۔“ شبیر بولا۔ ”آپ نے بروقت مارا اور نہ وہ مجھ پر فارم کرنے والا تھا۔“

”میں نے دیکھے بغیر مارا تھا اور یہ اتفاق تھا کہ ڈنڈا اس کے ہاتھ پر لگا۔“ ٹو می بولی۔

”اُس کے پاؤ جو دیں آپ کا شکر گزار ہوں۔“ ”شبیر نے کہا۔“ ”میں آپ کے والد کو اطلاع کرنے جا رہا ہوں۔“

”پاپا کو۔“ ٹو می بیتاب ہو گئی۔ ”میں بھی چلوں گی۔“

شبیر اسے لے کر جیپ سک آیا اور یہاں اس نے صابر درازی سے رابطہ کر کے مشن کی روپورٹ دی۔ صابر یہ سن کر خوش ہوا کہ ایک مجرم زندہ ہاتھ آیا تھا مگر وہ دوسرے کے فرار ہونے کا سن کرنا خوش بھی ہوا تھا۔ شبیر نے اس سے کہا۔ ”مس خان اپنے والد سے بات کرنا چاہتی ہیں۔“

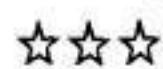
”میں اسے بتاتا ہوں، وہ کال گرتا ہے۔“

ٹو می مجس تھی کہ وہ لوگ کون تھے اور انہیں کیسے پہاڑا کر دے کہاں قید تھی۔ مگر شبیر اس کے سوالوں کے جواب میں اسے ٹالتا رہا۔ ٹو می پہلے سمجھ رہی تھی کہ انگو کا مقصد کچھ اور تھا مگر اسے لگ رہا تھا معاملہ صرف اس کا نہیں تھا۔

کچھ دیر میں ظہیر خان کا فون آیا تو شبیر جیپ سے نکل گیا تاکہ وہ اپنے صریوالوں سے بات کر سکے۔ ٹو می باپ کی آواز سن کر رو رہی تھی۔ ظہیر خان اس سے پوچھ رہا تھا کہ اس پر کیا گزری اور ٹو می اسے بتانے لگی کہ اس پر کیا گزری تھی۔

چند مشکل مراحل کا ذکر کرتے ہوئے اسے شرم آئی تھی مگر اس کی باتوں سے، ظہیر خان نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اسے ان تصویروں کا علم نہیں ہے جو یقیناً اس کی بے ہوئی میں ٹھیک گئی تھیں۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ ٹو می سے ان کا ذکر نہیں کرے گا۔ البتہ ایسے یہ فکر تھی کہ تصاویر فرار ہونے والے شخص کے پاس ہو سکتی تھیں اور وہ ان سے اسے بلیک میل کر سکتا تھا۔ یہ اسے بعد میں پتا چلا کہ فرار ہونے والا مرد نہیں بلکہ عورت تھی۔

ٹو می جھینپ کئی۔



ظہیر خان، ٹونی کو لے کر واپس آیا تھا چند سخنے ہل اشیش میں رک کر انہوں نے واپسی کا سفر کیا تھا اور اگلے دن چڑھے وہ واپس پہنچتے ہیں۔ ابھی ان کی گاڑی نول پلازا کراس کر کے دارالحکومت کی حدود میں داخل ہوئی تھی کہ ظہیر خان کے موبائل کی نسل بھی، اس نے موبائل نکال کر دیکھا ایک اجنبی نمبر آ رہا تھا۔ وہ عام طور سے اجنبی نمبر سے آنے والی کالز ریسیونیں کرتا تھا مگر اس وقت اس نے کال ریسیو کریں۔ ”ہیلو۔“

”ظہیر خان؟“ دوسرا طرف سے ایک دل کش نسوائی آواز نے پوچھا۔

”بات کر رہا ہوں۔“ ظہیر خان نے کہا۔ ”تم یقیناً سیرا ہو۔“

”افسوس کہ تم: کام رہے لیکن تم نے اپنی بیٹی کو بچایا۔“

”یہ اوپروا۔ کا احسان ہے مگر تم مجھ نہیں سکو گی۔ تمہارا ساتھی ہمارے قبضے میں ہے اور جلد وہ سب اٹھ دے گا۔“

”وہ جو اُگلے گا اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“ سیرا نے کہا۔ ”میری اور اس کی رائیں جدا ہیں۔ ویے میری خواہیں ہے کہ اسے سخت سے سخت سزا ملے۔“

”ایسا ہی ہو گا۔“ ظہیر خان نے کہا۔ ”پچھو گی تم بھی نہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ اس نے تسلیم کیا۔ ”کوئی بھی بیٹھ کامیاب نہیں ہوتا۔ ہے۔ بہر حال میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ تم ٹو می کی تصاویر کی طرف سے بے فکر رہو۔ اسے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے اگر تم خود نہ بتاؤ۔“

”میں جانتا ہوں۔“ ظہیر خان نے ٹو می کی موجودگی کی وجہ سے کھل کر کہنے سے گریز کیا۔

”میرے پاس بھی اب یہ تصاویر نہیں ہیں۔ میں اپنا لیپٹاپ اور کم را دیں تکلے میں چھوڑ آئی تھی، مجھے یقین ہے وہ دونوں تباہ ہو گئے ہوں گے۔“

ظہیر خان نے اس سے کہا نہیں کہ ایک اور جگہ یہ تصاویر ہو سکتی تھیں اور یہ اس کا ای میل ایڈریس تھا یہ بات سیرا نے خود کہی۔ ”تم فلمت کرو میں نے انہیں اپنے ای میل کے سینڈ بکس۔ سے بھی ڈیلیٹ کر دیا ہے۔“

ظہیر خان نے گھری سانس لی۔ ”میں تمہارا شکر گزار ہوں۔“

”اور میں اس فائل کے لیے تمہاری شکر گزار ہوں۔“

”تم نے جو کیا ہے اس کے جواب میں، میں یہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں اس فائل کو آگے نہ کر۔ کامشوہ دوں۔“

”کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟“

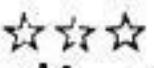
”گذبائے اینڈ گذلک۔“ ظہیر خان نے کہا اور کال کاٹ دی۔ پھر اس نے فوری سابر کو کال کر کے اس نمبر کے بارے میں بتایا جس سے اسے کال آئی تھی۔

”میں چیک کرتا ہوں۔“ صاہ نے کہا۔

”پاپا وہ کیا کہہ رہی تھی؟“ ٹونی نے پوچھا۔

”وہ مجھے اطمینان دلا، ہی تھی کہ تمہارے ساتھ کوئی مس بی ہو نہیں ہوا ہے۔“

ظہیر خان شیر سے ملا تھا، اسے یہ نوجوان اچھا لگا تھا اور پھر ٹو می جس طرح بار بار اس کا ذکر کر رہی تھی اسے بھانپنے میں ویرنہیں لگی تھی کہ: ”اکر میں دلچسپی لے رہی تھی اور یقیناً شیر کی طرف سے اسے کوئی اشارہ ملا ہو گا۔“ ظہیر خان کو کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن ابھی آغاز تھا۔ اگر شیر کی طرف سے باقاعدہ رشتہ آتا اور دُمی رضا مند ہوتی تو وہ اس پر ضرور غور کرتا۔



سیرا ارپورٹ کے انریٹلر، ڈیپارچہ لاڈنگ میں تھی اور اس کا حلیہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ اس کے بال سیاہ ہو رہے تھے اور چہرے کی رنگت بھی کسی تدریمات لیے ہوئے تھی۔ اس نے جدید طرز کا اسکرٹ بلاوز پہن رکھا تھا جس میں اس کا جسم نمایاں تھا۔ آدھے گمنے بعد فلاٹ تھی اور اسی لمع اعلان ہونے لگا کہ مسافر طیارے میں پہنچ جائیں۔ سب اٹھنے لگے مگر سیرا جس کو نے میں بیٹھی تھی وہاں سے نہیں اٹھی۔ اس کے چہرے پر کلکش کے آثار تھے۔ ظہیر خان کے آخری جملے نے اسے سوچنے پر مجبو کر دیا تھا۔ اگر وہ نہ جاتی تو اس کی ساکھ ختم ہو جاتی اور اس کے بعد اسے ساری عمر چھپ کر رہنا پڑتا لیکن وہ جاتی اور فائل میں گزیر تھی تو اس کی زندگی ختم ہو جاتی۔ آخری اعلان ہوا تو وہ گھری سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنا سینڈ بیگ سنگالا اور ایک طرف بڑھی۔ اس نے ایک ڈسٹ مک کے پاس سے گزرتے ہوئے موبائل اس میں ڈال دیا۔ اس نے اسی موبائل سے ظہیر خان کو کال لیا۔ ارپورٹ سے باہر آ کر اس نے کھلے آسان کو دیکھا اور ایک طرف کھڑی وائٹ کیپ کو اشارہ کر کے بلانے لگی۔



دوسری چال

عبدالرب بھٹی

اچھا موسم پو تو راستہ تلاش کرنا مشکل نہیں ہوتا... اگر برف کا طوفان آیا ہو تو پھر راستے مشکل سے مشکل تر ہوتے چلے جاتے ہیں... تیز ہواں اور برفیطی پہاڑیوں میں گھری وادی کی گرد گھومتی ایک پر تجسس کہانی... محبت کی ناکامی... انتقام کے جذبات کو ایسے ہوادیتی ہے کہ عقل و خرد کے تمام دروازے بند ہو کے رہ جاتی ہیں... موسم کی سرد خیزیوں میں کھیلے جانے والے ٹھیک کا خوفناک ماجرا...

انسان اور حیوان میں مشترک درندگی کا ہلا دینے والا پر انتقام کھلیں

ابھرے۔ آسمان شفاف، مگر تاریک تھا۔ چاند دور کہیں میں برف زار نہ تا بھی دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وفتحتی ہی برفلی چونیوں میں جھکا ہوا تھا۔ البتہ ستاروں کی تدمیں ایک تیز چیخ نے رائی کے گالوں کی طرح اس ٹھپرے ہوئے صوفشانی میں تاریک آسمان اور برف کی سفیدی کھڑکی کے سنانے کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ ماحول لمحے بھر کو لرزاتھا۔

دو اس وقت اپنی مطالعہ گاہ میں آتش دان کے راہبوں کی طرح ایسا وہ نظر آ رہا تھا۔

معاودہ برف زار دیر انواع میں اسے دو تین ہیوں کے دکھائی دیے۔ وہ بھی داعیِ حرکت کرتے اور بھی باعثیں... تاہم ان کا رخ اسی خوب صورت سفید کا نجح کی طرف تھا۔ ان کے بڑھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس جگہ کے شناسا ہوں۔ جس کا ثبوت ان ہی لوں کا بار بار اپنا رخ بدل کر دوبارہ اس کا نجح کی طرف بڑھ رکھتے رہتا تھا۔

”ہوں... تو یہ اپنا کام کر کے واپس لوٹ رہے ہیں۔“ وہ خود کلامیسے انداز میں بڑبڑایا۔ ”... جانوروں کی بھی خصلت ہوتی ہے، چاہیے وہ لکتے ہی خونخوار ہوں...“ جہاں تھوڑا پیٹ بھرنے کو ملا... اُبھر لوٹتے ضرور ہیں...“ مگر نہیں... ان کا لوٹنا میرے لیے پہندا بن سکتا ہے۔ انہیں اب یہاں کا راستہ بھولنا ہو گا یا پھر اپنی جان سے جانا ہو گا۔“ وہ خود سے باتیں کرنے کا نادی معلوم ہوتا تھا۔ وہ

باہر رات سرد تھی۔ ماحول ٹھپرے دیا تھا۔ ایسے برف زار نہ تا بھی دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وفتحتی ہی صوفشانی میں تاریک آسمان اور برف کی سفیدی کھڑکی کے سنانے کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ ماحول لمحے بھر کو لرزاتھا۔

اسے آرام کریں پر گرم شال اوڑھے ایک کتاب کے مطالعے میں مجوہ تھا۔ کمرے کی ایک کھڑکی پاہر ٹھپتی تھی جو بند تھی مگر وہاں سے باہر دیرینے کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ چیخ کی آواز اس سکے بھی چیخ کی مگر اس کے قدرے لمبورتے چہرے پر چوٹکنے کے ذریعہ آشانیں ابھرے تھے۔ اس کے برعکس پاہنچنے کے پتھے ہونٹوں پر اسرار بھری مسکراہٹتھی۔

اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ ناک قدرے لمبی اور آگے سے مولی بھی۔ رنگ کورا تھا جسم چھریرا۔ عمر چالیس کے قریب تھی، اس نے کچھ سوچ کر کتاب بند کی اور شال سنپھالتا ہوا وہ کھڑا ہوا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کھڑکی کے قریب آگیا۔ یونہی ذر ابھویں اچکا کر شیشے کے پار تاریکی میں گھورنے لگا جیسے وہ کوئی منظر دیکھنے کی سعی کر رہا ہو۔ اسی لمحے گولی چلنے کے دو تین دھماکے بھی

آلود ہو رہے تھے۔ بڑے بڑے نکپلے شکاری دانت ان کے خونخوار جبڑوں سے صاف بھاٹکنے ہوئے نظر آرہے تھے۔ آدمی کے چہرے پر پہلے تو طہا نیت بھری مسکراہٹ ابھری... پھر وہ بڑا بڑا یا۔ ”باقی دو کمھر گئے؟؟ ہاں، میں نے رانفل چلنے کی دوستیں بار آواز بی تو سنی تھیں... شاید اس کے باقی دوساری گولیوں کی نذر ہو گئے۔ چلو... بچو! تم اب بھاگو، اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ نہ ہی تمہارے لیے میرے پاس کھانے کو مجھے ہے۔“ یہ کہتے ہی اس نے اپنی بندوق سیدھی کر لی اور تلے اوپر دو کارتوں بھیڑیوں سے ذرا آگے برف پر داشت۔ وہ تینوں بھیڑیے یک دم بری طرح بدک کر بھاگ کھڑے ہوئے ان کا رخ دور برف زار دیر انوں کی طرف تما۔ وہ مخفی اندر ورنی دروازے سے واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

وہ آج صحیح ہی اسکردو کے ڈسٹرکٹ اسپتال سے ٹرانسفر ہو کر یہاں پہنچا تھا۔

اگرچہ اس تباہی میں اس کی بھی مرضی کا کوئی دخل نہ تھا مگر اسے اعتراض بھی نہ تھا۔ اکر، کی وجہ بھی، پہ نسبت ڈسٹرکٹ اسپتال کے یہ حصیل کی طمع، ایک چھوٹا اسپتال تھا جسے روڈل ہیلتھ سینٹر کہہ سکتے تھے۔ وہ یہاں بطور سینٹر انچارج میڈیکل آفیسر تعینات تھا۔ وہ ذرا مندرجہ مرض اور تھا۔ ڈسٹرکٹ اسپتال کی پہ نسبت یہاں اسے کافی سکون محسوس ہوا، اضافہ بھی مختصر تھا۔ یعنی ایک ڈسپنسر، ایک دارڈائینڈنٹ، چپر اسی اور وہ خود تھا۔

اسکردو، بلستان کا مرکزی شہر ہے اور سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ اونچا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے بس اور ہوائی چہاز کا سفر اختیار کرنا پڑتا تھا۔ بلستان، جمن اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان وارث ہے۔ لوگوں کی نسل ترک ہے جن کے چہرے گول، رنگ گورا ہوتا ہے۔

بلستان میں کافی جانور قسمی ہیں جن کی کھال انہستان، فرانس، ناروے اور شمالی امریکا کے شہروں میں لاکھوں روپے میں فروخت ہوتی ہے۔ ان ملکوں کی بیگناں اس کھال سے بیشتر شالیں، پرس اور مغلام استعمال کرتی ہیں برقانی چیزیں کی عالی کی شال یا ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہے کہ یہ شال پہننے والی خاتون کروڑ پتی ہے۔

ایک جانور مارخور بھی یہاں، قابل ذکر ہے۔ یہ دراصل جنگلی بکرا ہے جو بڑے ہر زماں کے جسم کے برابر ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایک بڑی عجیب بات مشہور ہے کہ یہ



کھڑکی سے ہٹ گیا۔ پلٹ کر دیوار سے جھوٹی اپنی ڈمل بیتل بندوق اٹھائی پھر بیرونی دروازے کے بجائے... وہ ایک مختصری نشست گاہ سے ہوتا ہوا کائنج کے پچھلی جانب کھلنے والے دروازے سے باہر آگیا۔

سرد برفلی ہواں کے بھیڑوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ یہ کائنج کا عقبی حصہ تھا۔ یہاں بڑے بڑے آہنی پنجھرے بنے ہوئے تھے، ایک میں دو شکاری گئے وکے ہوئے تھے، پنجھرے کے کونے میں سردی سے بخنے کے لیے ان کا بڑا سا چوبی کھوکھا بنا ہوا تھا۔ دوسرے میں خرگوش تھے جبکہ تیسرا پنجھرہ خالی تھا۔ اس نے تاروں کی تدھم روشنی میں دیکھا۔ وہ تینوں ہیو۔ لے اسی طرف چلے آرہے تھے مگر ابھی وہ احاطے کی چوبی رینگ تک ہی پہنچ بائے تھے کہ... رک گئے۔ ان پر بے چینی طاری ہو گئی، کسی بھی غیر معمولی پن کی بھنک جانوروں کو وقت سے پہلے پڑنے کی خاصی صلاحیت ہوتی ہے۔

وہ مخفی دروازے کی چوکھت سے ذرا باہر کو آگیا اور اب وہ ان تینوں اور خاصے جسم برقانی بھیڑیوں کو دیکھ سکتا تھا اور وہ بھی اپنی تیز بُکتی خونخواری لیے آنکھوں سے اسی کی طرف گھورے جا رہے تھے۔ ان بھیڑیوں کے تھو تھنے خون

اپنے اسٹاف کے آدمیوں سے من رکھا تھا۔
وہ تیز تیز قدم اٹھا تھا ہوا اپٹال کی عمارت میں داخل ہوا۔ ایک چوڑے عصمر، نائز وائی جیپ احاطے میں کھڑی نظر آئی۔ اپٹال کے اندر زور زور سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

ڈاکٹر ٹکلیل اندر پہنچا تو ایک خوب رو سے شخص پر اس کی نظر پڑی۔ وہ اس کا ہم عمر نظر آتا تھا۔ اس وقت خاصا پریشان اور تشویش زدہ نظر آرہا تھا اور سل فون پر کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ اس نے مخصوص علاقائی لباس پہن رکھا تھا۔ ڈاکٹر ٹکلیل پر نظر پڑتے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ مگر تب تک وہ ڈرینگ روم میں آگیا۔ ڈرینگ نیبل پر ایک عورت خون میں لمحہ اپنی پڑی تھی۔ جبکہ اس کا ڈسپنسر جمال اور دارڈ ایمینڈنٹ قائم اسپرٹ سے اس کے زخم صاف کرنے اور فرست اپڈ غیرہ دینے میں مصروف تھے۔ ایک خوب صورت سے نقوش وائی جواں سال بڑی قریب کھڑی رو رہی تھی۔ ڈاکٹر ٹکلیل نے صرف ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر نیبل پر دراز زخمی خاتون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ڈاکٹر صاحب! خدا کے لیے میری شاہانہ کو بچا لیں۔ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ وہ خوب رو شخص ڈاکٹر ٹکلیل کے سامنے آتے ہوئے ملتبیاتہ انداز میں بولا۔ دیکھنے میں وہ مضبوط اعصاب کا نظر آتا تھا مگر اس وقت وہ برلنی طرح نوٹا ہوا لگ رہا تھا۔ جس سے ڈاکٹر ٹکلیل کو اندازہ ہوا کہ وہ اپنی بیوی سے کس قدر محبت کرتا ہے۔ اسے تورازق خان کو دیکھ کر تھوڑی حیرت ہوئی تھی ورنہ تو وہ اس کے تعلق یہی توقع کیے ہوئے تھا کہ تھبے کوٹی پور کا نمبردار کوئی عمر سیدہ اور دینگ شخصیت کا حامل ہو گا۔ لیکن اس کے برلنی ٹکلیل کو وہ ایک عام سا انسان دکھائی دیا تھا تا ہم مجموعی طور پر اس کی شخصیت آسودہ حالی کی غمازی کرتی تھی۔ مگر ڈاکٹر ٹکلیل کے لیے رازق خان کے یہ جذباتی جملے روایتی سے تھے لہذا اس نے بھی روایتی انداز میں اسے تسلی وی۔

”اللہ سے دعا کریں جی! میں صرف کوشش ہی کر سکتا ہوں مگر زخم خاصے گہرے ہیں، ہوا لیا تھا؟“

جو باہم اس نے بھی دی کچھ بتایا جو اس کا ملازم شاہ اسے بتا جا کا تھا۔

ڈاکٹر ٹکلیل نے بے غور ساختے کے دوران میں دیکھا بر قافی بھیڑیوں نے خاتون کی داہمی ٹانگ ہڈی تک دانت گاڑ کر چھاڑاں گی۔ یہی حال باعث کر باز و اور باعیں کو لہے کا

سانپ کھانا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو یہ سانپ کے میل پر اپنا توختنار کھ کر اپنا سانس اس زور سے ٹھینچتا ہے کہ سانس کے زور سے سانپ میل سے باہر آ جاتا ہے اور مارخور اسے بڑے مزے سے سٹک جاتا ہے۔

بنیادی طور پر وہ ایک فزیشن اور جزل سرجن تھا۔ وہ اب تک سرکاری اپٹالوں کے مختلف شعبوں میں اپنی خدمات انجام دے چکا تھا۔

اس کا دنیا میں ایک خالہ کے سوا کوئی نہ تھا جو بے چاری آخری وم تک، اپنے لاڈلے بھائیجے کے سر پر سہرا سجانے کا خواب شرمند تغیر کیے بغیر قبر میں جاسوئی تھی۔

اپٹال کے وسیع و عریض احاطے میں ہی اس کا سرکاری بنگلا تھا۔ شاہ عنایت اس کا چوکیدار، ملازم سب ہی کچھ تھا۔ وہ ادیب عمر ارمی تھا۔ بہت با اخلاق اور فرمائی بردار تھا... بنگلے سے، محقق سرکاری کوارٹر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا، وہ بے اولاد تھا۔

ڈاکٹر ٹکلیل اپنے ملازم شاہ کو خصت کرنے کے بعد سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ سونے سے پہلے اس نے کچھ سرکاری نوعیت کے خطوط اور روپورٹس جس میں ڈیوٹی جواہنگ رپورٹ بھی شامل تھی، نمائیے تھے۔ تقریباً رات کے باہر بجے وہ سونے کے لیے بیٹھ پر لیٹا ہی تھا کہ اچانک اسے باہر ٹکنے شور کی آواز سنائی دی۔ وہ فوری چونک گیا۔ آواز اسے اپٹال کی طرف سے آئی تھی۔ پھر جب اچانک کال میل بھی تو لاحالہ اس کے ذہن میں یہی خیال ابھرا کہ ضرور کوئی ایم جنپی آئی ہو گی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اس کا ملازم شاہ سامنے کھڑا تھا۔

”صاحب! ایک بڑی اہم ایم جنپی آئی ہے۔ جلدی آئیے۔“ وہ بولا۔

”ایم جنپی والی بات تو کچھ میں آئی شاہ! مگر یہ اہم ایم جنپی کیا ہے؟“ ڈاکٹر ٹکلیل نے پوچھا۔ مگر اس نے دیکھ لیا تھا کہ شاہ کے چہرے پر روایتی پریشانی کی جگہ ایک گہری تشویش اور لفڑ کے تھار تھے۔ وہ جواب بولا۔

”صاحب جی! اہم ہی سمجھیں لیں آپ جلدی آجائیے۔ جمال اور قاسم بھی اپٹال آپکے ہیں۔ نمبردار رازق خان کی بیگم پر کچھ بر قافی بھیڑیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ وہ بہت زخمی ہے۔“

چند ثانیوں بعد ہی وہ ایک میڈیکل بیس سنجالے... ڈاکٹر ٹکلیل کے عقب میں تیز تیز چل رہا تھا۔

اس نے نمبردار رازق خان کا نام اکٹھا ریپوس اور

جاسوسی ڈانجست 262

اب تو اس کی حالت زار دیکھ رکھی بھی داراب خان اور شریینہ کو اپنے اس دھمی بھائی کی طرف سے یہ تشویش بھی ہونے لگی تھی کہ کہیں خدا نخواست... وہ انتہائی دکھ کی حد کو پہنچ کر اپنی زندگی کا خاتمه ہی نہ کر ڈالے۔ یہی سبب تھا کہ بڑے بھائی داراب خان نے چھوٹی بہن شریینہ کو خاص تاکید کر دی تھی کہ وہ رازق کو کسی بھی صورت میں اکیلانہ چھوڑے۔ اس یہے چاری کی بھی بہن کوشش ہوتی کہ اپنے بھائی کا دل بہلاتی رہے... مگر وہ تھوڑے کم صمیع بیٹھا رہتا۔ بہن سے بھی کوئی بات نہ کرتا۔ وہ بہن کو اپنے کمرے میں بھی نہیں بیٹھنے دیتا۔ لہذا شریینہ جو پہلے ہی اس کی جانب سے تشویش کا شکار رہتی تھی... چکے چکے بھائی کو دیکھتی رہتی۔

ایک دن اس نے بھائی رازق خان کو سلیں فون پر کسی سے باتیں کرتے سناتے یونہی وہ بھی دروازے کے پیچے کھڑی ہو گئی۔

”میں تمہار خون پی جاؤں گا ذیلیں آدمی... تم ہو کون؟“
معا۔۔۔ شریینہ نے اپنے بھائی کی غراہت سے مشابہ آدھنی اور بڑی طرح چونکہ گئی۔

”ذیلیں آدمی! بزرگ، کیونے چمپ کروار کرتے ہو۔ مرد کے بچے ہو تو سامنے آؤ۔“ رازق کا سلیں فون والا ہاتھ جو شیخیت سے کانپ رہا تھا۔ دوسرا جانب سے بھی زہری ملی پہنکار سے مشابہ آواز میں کہا گیا۔

”میں کون ہوں... تو سن لو، رازق خان! میں موت ہوں... تمہاری اور تمہارے خاندان کی... اب تمہاری بیوی کے بعد تمہاری بہن شریینہ کی باری ہے۔ اس کے بعد تمہرے بھائی اور اس کی بیوی کی... پھر تمہاری باری ہو گی... مگر نہیں... تم تو توبت نہ کر دیے، ہی...“

”تم کون ہو... اور مجھے سے نہاری کیا دھمنی ہے؟“ رازق نے اس بارا پنے ایسا پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ شاید اس نے اندازہ لگایا تھا کہ بہادر دُس نے چھپا ہوا بزرگ دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

”میں کون ہوں؟“ دوسرا طرف سے پہنکار سے مشابہ آواز ابھری۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ رازق نے جلدی سے ہیلو کہہ کر دوبارہ پوچھا۔

”تم چاہتے کیا ہو...؟ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟ آخر اس دھمنی کی کوئی وجہ تو ہو گی؟“ رازق اب تھیلے سے مل نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔

”میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اندازہ لگا چکے ہو گے کہ... میں کون ہوں۔“ دوسرا طرف طنز بآواز ابھری۔

بھی تھا۔ چہرے پر بھی خراشیں تھیں۔ پیٹ بھی اوہیڑا جا چکا تھا۔ بہت قابلِ رحم حالت تھی۔ ڈاکٹر اپنی سی کوششوں میں معروف تھا۔ زخمی عورت کی سانسیں اکھڑ رہتی تھیں۔ ایسے میں پاس کھڑی روئی؛ وہی لڑکی نے بھی سکیوں کے دوران ڈاکٹر سے کہا۔

”ڈاکٹر صاحبہ! میری پیاری بھائی کو بچالیں۔ یہ مجھے بہنوں سے بڑھ کر عزیز ہیں۔“

ڈاکٹر شکلیں اپنے کام میں منہمک رہا مگر بدلتی سے وہ جانب نہ ہو سکی۔

☆☆☆

شاہانہ کی سوت رازق خان کے لیے شدید دلی صدمے کا باعث میں تھی، اس نے لوگوں سے ملنا جانا تک چھوڑ دیا۔ حوالی نما گھر ایک بیرونی سوتا سا ہو گیا۔ وہ ہر وقت ادا اس اور کھویا گھویا سا اپنے کمرے میں بند پڑا رہتا۔۔۔ کسی سے بات تک نہ کرتا۔ حتیٰ کہ اپنی لاڈلی بہن شریینہ سے بھی بات نہ کرتا۔ وہ بہت دھمکی بھی، اپنی بھائی شاہانہ کو تو وہ اپنی کشلی سمجھا کرتی تھی۔ شاہانہ بھی اس کے ساتھ گل مل کر رہتی تھی۔

رازق خان اور شاہانہ کی شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا تھا۔ صرف ایک برس... شاہانہ ان کے خاندان کی بڑی تھی۔ اس سے شادی کے بعد رازق خان ہمیشہ کے لیے شہر سے اپنے آبائی قصبے کو ٹھیپ پور آن بسا تھا۔ ورنہ اس نے اپنی زندگی کا پیشتر حصہ شہر میں ہی گزارا تھا۔ یہاں صرف اس کا باپ اور بڑا بھائی داراب خان اور اس کی بیوی رہا کرتے تھے۔ شریینہ دو بھائیوں کی لاڈلی بہن تھی۔ داراب خان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ بھنی بیوی نفیسہ کے ساتھ اور پری منزل میں رہتا تھا اور باپ نٹاہ جہاں خان کے ساتھ زمینوں وغیرہ کے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ ماں کا انتقال بہت پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اب باپ کے انتقال کے بعد داراب بالکل اکیلا ہو گیا تو اس نے... چھوٹے بھائی رازق کو ہمیشہ کے لیے ٹھیپ پور بلایا تھا۔ یہاں اس کی شادی بھی کر دی تھی، پس نصیب شاہانہ... د راب کی بیوی نفیسہ کی ماموں کی بیٹی تھی۔ داراب کی اپنی طبیعت تھیک نہیں رہتی بھی لہذا رفتہ رفتہ زمینوں وغیرہ کے کام یہاں آ کر رازق نے ہی سنجال لیے تھے۔ شاہانہ کی اس ”حاوٹائی موت“ کے بعد داراب، اس کی بیوی نفیسہ اور بہن شریینہ سے رازق خان کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے ہر طرح سے اسے تسلیاں اور حوصلہ دینے کی کوششی چاہی لیکن رازق کی حالت شنجانے کا ہام ہی نہیں لے رہی تھی۔

ایسے سخیوں مزاج اور بگا بھگات آدمی پر کبھی نہ کبھی جمالیتی حس حملہ ضرور کرتی ہے۔ اسے رازق کی بہن شرینہ اچھی لگتی تھی۔ خوب صورتی اور حسن کی دلکشی کا اصل سنگار اس کی معصومیت تھی۔ سروقد، پرمی جمال اور شہدرست بالوں والی وہ العز و شیزہ ڈاکٹر شکیل کے دل میں اترتی محسوس ہونے لگی۔ اس کا رخ ماہ روشن بار براں راس کی چشم آرزو کے سامنے گردش کرنے لگتا اور مزید دیدار حسن کی جوت جگاتا، یہ آرزو ابھارتا کہ کاش! اسے دوبارہ دیکھنا نصیب ہو۔

دو ایک روز اس کی تھی لیفیٹ رہی تو اسے اپنے آپ پر حیرت ہونے لگی۔ اسے کریا تو ہوئی اور بارہا اس کے دل میں بھی آئی کہ وہ کم از کم اپنے ملازم شاہ سے ہی شرینہ کے بارے میں کچھ پوچھ لے مگر یہ وجہ کروہ اپنے ارادے سے باز آ جاتا کہ نہ جانے ایک ملازم اس کی بات کا کیا مطلب اخذ کر لے۔

تمیرے دن صبح و حسبِ معمول اوپی ڈی میں مریض دیکھ رہا تھا کہ اس کے وارڈ اینڈنٹ قاسم نے آ کر اطلاع دی کہ نمبر وار رازق خان اس سے مذاہت ہے۔ رازق کے نام پر وہ چونکا اور آپوں آپ اس کے ذہن میں شرینہ کی شبیہ ابھری۔ اس نے قاسم کو سرکاری اشارة کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ رازق خان کو کمرے میں بچ سکتا ہے۔

آج مریضوں کا رش صبح سے ہی کچھ کم تھا اس لیے وہ ذرا فارغ بھی تھا۔ دروازے سے رازق اندر داخل ہوا۔ ڈاکٹر شکیل اس کے ہمراہ شرینہ کی آمد کی بھی توقع کیے ہوئے تھا مگر اسے اکیلا و یکھ کر اسے مایپی ہوئی۔ بہر حال... د اس سے... مسکرا کر بڑے پر تپاک انداز میں ملا اور رازق کے چہرے پر بھی اس کے لیے دو تانہ مسکراہٹ تھی۔

”ڈاکٹر صاحب! آپ مصروف تو نہیں ہیں؟“ رازق بھی اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر شاستر لجھ میں بولا۔ ”آپ سے کچھ اہم باتیں پوچھنی تھیں۔“ اس کی بات پر ڈاکٹر شکیل فراغ دلانے لجھ میں مسکرا کر بولا۔

”نہیں... کچھ زیادہ مصروف نہیں ہوں۔ دیے بھی اب ڈیوٹی نام آف ہونے والا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر شکیل نے ایک بار پھر اس روزداری واقعہ کے حوالے سے اس کی بیوی شاہانہ کی موت کا افسوس بھی کر دیا۔

”بس ڈاکٹر صاحب جوانہ کو منظور ہو...“ رازق کچھ دیکھ سا ہوا پھر بولا۔ ”ڈاکٹر صاحب! آپ سے ایک بات پوچھنا تھی، آپ کو یہاں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟“ ڈاکٹر شکیل نورازق خان کا یہ سوال کچھ عجیب سا

رازق اس کی بات پر ایک لمحے کو اندر سے لرز کر رہ گیا۔ تاہم اگلے ہی لمحے لجھ کو نارمل رکھتے ہوئے بولا۔

”بھی کیا ہما، تم کون ہو؟“

”اچھا۔“ دوسری جانب سے زہریلے انداز میں کہا گیا۔ ”شاید تم بھولے بن رہے ہو... یا پھر تمہیں خود پر اتنا یقین ہے کہ تمہارے بھیاں کے جرم پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑھا ہے اور اب ولی اس جرم سے یہ پردہ نہیں اٹھا سکتا۔“

”تت... تم... ش... شہزادو... ہو؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی رازق کے منہ سے لکھا اور دوسری طرف سے ایک زبردست تھیہ کی آواز ابھری اور ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

رازق خان ایلو... ایلو کرتا رہ گیا... مگر دوسری طرف سے بدستور رابطہ منقطع ہونے کی نون سنائی دیتی رہی تو اس نے سلسلے کاں سے ہٹا دیا۔

وہ ہونٹ بھیجے سوچتے لگا۔ اس کے لمحے اور پریشان ذہن میں بار بار سیکنی الفاظ ابھرتے رہے کہ... ”ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟... یہ شہزادہ ہرگز نہیں ہو سکتا... میں... میں کیا پائل ہو گیا ہوں...؟“

☆☆☆

شرینہ نے صرف بھائی کی باتیں سنی تھیں۔ دوسری طرف سے بھائی سے کون مخاطب تھا اور کیا کہہ رہا تھا، یہ وہ نہیں جان سکی تھی اگر بھائی کی جوابی گفتگو سے اسے اتنا تو اندازہ ہونے لگا تھا کہ معاملہ کسی دشمنی کا ہے اور دشمن بھی ایسا جس سے اس کا بھائی خود بھی لا علم تھا۔ مگر آخر میں اس نے بھائی کے منہ سے شہزادنا می کسی شخص کا نام ضرور سنا تھا۔ ”کیا بھائی اپنے دشمن کو بیچاں چکا تھا؟“ ایک لرزہ دینے والا خیال شرینہ کے ذہن میں ابھرا۔ ”تو کیا اس کی پیاری بھائی شاہانہ کی موت حادثاتی تھی یا دانتہ اسے قتل کیا گیا تھا مگر سوال یہ تھا کہ... بھائی پر تو کسی نے قاتلانہ حملہ نہیں کیا تھا... اس پر توبہ نہیں بھیڑیوں کے جھنڈے نے حملہ کیا تھا، وہ بری طرح الجھنی۔ ان گنت سوالات تھے جو اس کے اندر کلبلانے لگے۔ اس کے جی میں آئی کہ بھائی سے اس سے متعلق پوچھنے مگر یہ سوچ کر کہ کہیں وہ برانہ منا لے کہ اس کی بہن چھپ چھپ کر اس کی باتیں سنتی ہے۔ اس نے بھائی سے بات گرنے کا ارادہ بدل ڈالا۔

شرینہ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اب اس کی بھائی کے بعد اس کی باری آئے والی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر شکیل خان اس مزاج کا تو آدمی نہیں تھا لیکن

رازق خان کی بیوی پر بھی ایسا حملہ ہو چکا ہے مگر بدستی سے وہ جانبرند ہو گئی۔

”اوہ... ویری سینڈ...“ عاد متساقانہ لجھے میں بولا۔ ”پھر تو میں واقعی خوش قسمت ہوں۔ ویسے اس میں میری اپنی کوشش کا بھی دخل۔ یہ جب، میری جیپ راستے میں خراب ہو کر برف میں پھنس گئی تھی ورنہ میں اس کا بونٹ اٹھا کر اس کی خرابی تلاش کر رہا تھا تو میں نے دور سے ہی بھیڑیوں کے غرانے کی آوازن لی تھی... میں ایک شکاری رائفل ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ وہ رائفل اٹھا کر میں نے انہیں قریب آنے سے روکنے کے لیے دو تین ہوائی فائر کر ڈالے تھے تھی میری غلطی تھی، میں سمجھا بھیڑیے ڈر کے بھاگ گئے ہوں گے، میں رائفل جیپ میں رکھ کر دوبارہ بونٹ پر جھک گیا کہ اچانک دو خونخوار بھیڑیوں نے میرے عقب کی جھاڑیوں سے نسودار ہو کر مجھ پر حملہ کر دیا مگر میں اپنے حواسوں کو بحال رکھتے ہوئے کسی طرح جیپ سے رائفل اٹھانے میں کامیاب ہو گیا... پھر وہ بھیڑیے میرے آگے نہ پھر سکے۔ حماد نے اپنے پر گز ری پہا صراحت کے ساتھ بیان کر دی۔ پھر دوبارہ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا۔

”بہر حال ڈاکٹر صاحب! آپ کا احسان مند ہوں۔ آپ نے میرا عذرخواہ کیا۔“

”نہیں... نہیں اس میں احسان مند ہونے والی کوں کی بات ہے حماد صاحب!“ ڈاکٹر نے بھی خوش دلی سے کہا۔ ”یہ تو میرے پروفیشن کا حصہ ہے اور فرض بھی...“

”آپ بھی آئیے تھے... میرے ہاں...“ حماد نے کہا۔ ”یہاں سے تھوڑی دور تھی مارکیٹ جانے والے راستے پر میرا چھوٹا سا سفید رنگ کا کاچ ہے۔ مگر مگر کافی پیس گے اور بتیں کریں گے۔“

”بہت خوب، ضرور آؤں گا۔“ ڈاکٹر ٹکلیل مسکرا کر بولا۔ ”ویسے بھی میں اکیلا ہوں گا... آپ کے ساتھ یقیناً اچھی جنمے گی، بائی داوے آپ کرتے کیا ہیں؟“

”یہ سب باتیں آرام سے پڑھ کر کریں گے۔ ایک بار پھر شکریہ۔“ حماد نے مسکرا کر کہا اور پھر خست ہو گیا۔

☆☆☆

چوڑے مخصوص ناٹروں والی جیپ اس سفید رنگ کے کاچ کے سامنے پہنچ کر ایک جھکے سے رک گئی۔ اس میں سے اترنے والا شخص رازق خان تھا۔ اس کے ہمراہ اس کا دوست زمرد خان بھی تھا و دونوں بچپن کے دوست تھے بلکہ

محسوس ہوا تاہم اس نے جواب دیا۔

”کچھ زیادہ نہیں، سہی کوئی دس بارہ دن ہوئے ہوں گے۔“ ”آن دس بارہ دنوں میں آپ نے اس جیسا کوئی کیس ڈیل کیا ہے؟“ رازق خان نے پوچھا پھر اپنے سوال کو مزید وضاحتی انداز میں کرتے ہوئے بولا۔ ”میرا مطلب ہے۔ آپ کے پاس ان دنوں کوئی ایسا زخمی لا یا گیا ہو جس پر اسی طرح کسی جانور یا برفانی بھیڑیوں نے حملہ کیا ہو؟“

”نہیں... ارب تک تو نہیں۔“ ڈاکٹر ٹکلیل نے فی میں سر ہلا کیا۔ ”ویسے سنا تو ہے میں نے کہ مجھ سے پہلے یہاں اس قسم کے حادثات کیس آتے رہے ہیں۔ کوئی خاص بات؟“ اس نے آخر میں مستفرانہ کہا۔

”نہیں، کوئی اسی خاص بات نہیں۔“ رازق یک دم بولا۔ پھر رخصت ہونے کی غرض سے مصالغے کے لپے ہاتھ بڑھا دیا اور کری سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”میں یہاں کا نمبردار ہوں... کسی قسم کی کوئی تکلیف ہوتی باقی گا مجھے۔“

ڈاکٹر ٹکلیل اس کی بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس نے بھی کھڑے ہو کے مسکراتے ہوئے اس سے گرم جوشی کے ساتھ مصالغہ کیا پھر بولا۔

”ضرور...“ پ کا شکریہ۔ آپ کے لیے چائے منگواتا...؟“

”پھر بھی... خدا حافظ۔“ رازق نے کہا پھر اس کے دوست نے بھی ڈاکٹر ٹکلیل سے ہاتھ ملا دیا اور دونوں رخصت ہو گئے۔

ڈاکٹر ٹکلیل... کھڑا پر سوچ نظر وہ سے ان دونوں کو کرے سے نکلتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

یہ اپنی روز شام کا ذکر ہے کہ دوبارہ ایک ایسا ہی کیس آیا۔ اس شخص پر بھی برفانی بھیڑیوں کے غول نے حملہ کر ڈالا تھا۔ اس کا نام حماد تھا۔ وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ڈاکٹر ٹکلیل نے اس کے مضر و بحیث جسم کے گھائل حصوں کا جائزہ لیا جو زیادہ مہلک نہ تھے۔ خراشوں کی صورت میں آئے ان زخموں کی کیفیت اسکی نہ تھی کہ اس کی جان کو خطرہ ہوتا بہرہ ل اس نے حماد کو فرست ایڈ... میڈ یکل ٹرینٹ کے ساتھ اس کی ڈرینگ وغیرہ کر دی۔ ڈرادر بعد ہی مریض بھلا چنگا ہو گیا اور کھنے پھر بعد رخصت ہوتے ہوئے مسکرا کر ڈاکٹر ٹکلیل کا شکریہ ادا کیا تو ٹکلیل نے کہا۔

”تم خوش قسمت ہو کہ ان خونی بھیڑیوں کے حملے سے نجی گئے کیونکہ ابھی چند روز پہلے ہی یہاں کے نمبردار

زمرد تو رازق کارا زدار بھی تھا۔

اس لکنام شخص کی طرف سے فون پر ملنے والی دھمکی کے بارے میں جب اس نے زمرد سے ذکر کیا تو اس نے یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ یقیناً وہ شخص اوہر کہیں مقیم ہو گا۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے ہمپلے اپنے علاقے اور اطراف میں ایسا کوئی شخص جو مخلوک لٹتا ہو غلائش کی کوشش کی مگر انہیں ناکامی ہوئی تو زمرد نے رازق کو مشورہ دیا کہ وہ آدمی ممکن ہے آبادی سے الگ تھلک کہیں مقیم ہو۔

چنانچہ یہ سوچ کر جب دونوں دوست کوئی پور کے متفافات کی طرف نکلتے تو انہیں یہ کاٹج نظر آگیا۔

دونوں، جیپ سے اتر کر ہمپلے تو بڑے غور سے اس کاٹج کو جائز لینے کے انداز میں دیکھتے رہے۔ انہیں یہ عام ساشکاری کاٹج محسوس ہوا تھا۔ جو شکاری پارٹیاں عموماً اپنی مدد آپ کے تحت بنایا کرتی تھیں اور پھر شکاری ہم کے اختتام پر ایسے ہی خالی چھوڑ کر جل جایا کرتی تھیں۔ چونکہ یہ علاقہ شکارگاہ کے زمرے میں آتا تھا اس لیے بعض کاٹج سرکاری سطح پر بھی بنائے جاتے تھے اور کسی کی ذاتی ملکیت تصور نہیں کیے جاتے تھے۔ عام فہم میں اسے ریسٹ ہاؤس کا بھی نام دیا جاتا تھا۔

”اندر ہل کر دیکھنا پڑے گا۔“ تھوڑی دیر جائزہ لینے کے بعد رازق خان نے اپنے دوست زمرد خان سے کہا۔

”کاٹج کی حالت دیکھ کر لگتا ہے کہ کوئی یہاں رہتا ہے۔“ زمرد نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ دونوں دروازے کے قریب پہنچنے ہی تھے کہ ٹھنک کر رک گئے۔ اچانک کہیں ہے گتوں کے بھونکنے کی آوازیں آئے لگیں۔ دروازے پر دستک دینے کا رادہ بدلت کر دونوں گتوں کی آواز کی سمت بڑھے اور جنوبی دیوار کی طرف عقب میں آگئے۔ یہاں انہیں ٹھنک کر رکنا پڑا۔

سامنے انہیں وسیع احاطہ نظر آیا۔ جہاں انہیں دو تین بڑے بڑے آہنی پنجھرے دکھائی دیے۔ ایک میں خرگوش تھے، دوسرے میں دشکاری کتے... وہی انہیں دیکھ کر زور زور سے بھونک جاتے تھے۔ تیرا اپنے نسبتاً بڑا تھا مگر خالی تھا۔

دفعہ ایک آواز پر وہ چوکے۔ یہ کسی گاڑی کی آواز تھی۔

”شاید کوئی آیا ہے۔“ زمرد نے رازق کی طرف دیکھ کر کہا۔

”چلو دیکھتے ہیں... کون ہے؟“ اس نے عقب میں پلٹتے ہوئے کہا۔ دونوں وہاں پہنچنے تو ایک بغیر ہڈ والی جیپ سے

ایک بھنسی ہاتھ میں شہاری رائل لے اتر رہا تھا۔ جیپ پرانے ماڈل کی بھی جس کے بیٹھ پر بارہ سوچے کا سر نصب تھا۔ یہ حماد تھا جو ابھی مرہم پیٹی کروائے کے لوٹا تھا۔ وہ بھی ان دونوں جنیوں کو دیکھ کر چوک گیا۔

”آپ لوگوں کو کس سے ملنا ہے؟ میرا نام حماد ہے۔“ بالآخر اس نے خود یہ آگے بڑھ کر کہتے ہوئے اپنا تعارف بھی کرا دیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ رازق خان اور زمرد خان نے بغیر اس کی طرف نکتے ہوئے باری باری اس سے معاافہ کیا۔ باخصوص رازق اس کے بازداور چہرے وغیرہ پر گلی پیسوں اور جینڈنگ کا جائزہ لے رہا تھا پھر رازق خان نے بھی جواباً کہا۔

”میرا نام رازق خان ہے۔ میں کوئی پور کا نمبردار ہوں۔ یہ میرا دوست زمرد خان ہے۔“

”بہت خوش ہوئی آپ سے مل کر... آجیں اندر تشریف لاںجیں۔“ حماد نے مسکرا رہا۔ اندر آنے کی دعوت دی۔ دونوں نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ انہیں اندر ایک مختصری نشست، گاہ میں لے آیا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”آپ زخمی دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا کوئی حادثہ پیش آیا تھا؟“ رازق نے ایک کرسی پر بیٹھنے ہوئے حماد کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ زمرد بھی اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ حاد مسکرا دیا اور پھر رائل ایک طرف رکھ کر ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور اولاد۔

”کل رات پر فالی بھیزیوں کے غول نے حملہ کر دیا تھا مجھ پر... زندگی تھی، نجیگی۔“ پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آیا اس نے رازق خان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”سوری! آپ نے اپنا کیا نام بتا تھا؟“

”رازق خان۔“

”ماں گاؤ! ڈاکٹر شکیل خان نے مجھے آپ ہی کے بارے میں بتایا تھا... مجھے افسوس ہواں کر... درحقیقت وہ مجھے خوش قسمت سمجھ رہے ہے۔ مجھے کہ میں ان خونی بھیزیوں سے بال بال بچا تھا۔ اس حوالے سے انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔“

رازق کے دل میں عجیب سی دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔ یہی حال زمرد کا تھا۔ دونوں نے اپ دوسرے کی طرف دیکھا پھر زمرد نے سوال کیا۔

”آپ نے اپنے بھاڑے کے لیے کیا، کیا تھا؟“

”میرے دوست نے بھی بچا یا تھا۔“ اس نے اپنی

کے اٹھا اور ٹکن کی طرف بڑھ گیا۔ رازق اور زمرد کے بشروں پر پُرسونِ خاموشی کے "ٹھارنچہ" ہو کر رہ گئے۔

☆☆☆

اسی دن کے بعد سے، شریینہ مزید پریشان اور فکر مند رہنے لگی تھی، شاہانہ یعنی انہوں نے اندوہنا ک حادثاتی موت کا ابھی غم ہر ایسی تھا کہ اس نئی قبر نے شریینہ کو ذہنی طور پر مر جھا کے رکھ دیا۔ اس نے پہلے تو اس روز والی فون کاں کے سلسلے میں اپنے بھائی رازق خان سے بات چھیڑنا چاہی مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے یہ بات رازق خان سے کرنے کے بجائے بڑے بھائی داراب خان سے کہا۔

"اوہ... یہ بہت خط ناک ہے۔ رازق کو کم سے کم یہ بات ہمیں بتانی چاہیے تھی۔" بہن کی بات پر بڑا بھائی ایک دم پریشان ہو گیا۔ اس کے چہرے پر یک لیکھ گھری تشویش کے آثار پھیل گئے۔

"بھائی جان! آپ ہی بات کر کے دیکھیں۔ آخر معاملہ کیا ہے؟" شریینہ نے بھائی کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "وہ کون شخص تھا جو فون پر رازق بھائی سے اس طرح کی گفتگو کر رہا تھا؟"

"وہ بہت ضدی ہے۔ کچھ نہیں بتائے گا لیکن میں پھر بھی اس سے بات کروں گا۔" داراب خان بولا۔ شریینہ ایک خیال کے تحت بوسی۔

"بھائی جان! رازق بھائی مجھ سے تو خنا نہیں ہو جائیں گے۔"

"ارے کیوں گزیا...؟ بھلا وہ کیوں تم سے خفا ہونے لگا؟" داراب سکرا کے بہن کی طرف دیکھ کر بولا۔ دونوں بھائی پہار سے گزیا بھی کہا کرتے تھے۔

"بھائی جان، رازق بھائی کی فون پر چوری چھپے میں نے ہی گفتگو سن لی، کہیں وہ برانہ مان لیں اس بات کا کہ میں ان کی جاسوی کرتی ہوں۔"

"اچھا تم فکر مت کرو، میں دوسرے طریقے سے بات کر لوں گا۔" داراب سکرا کر بولا۔ "ویسے اب میرا خیال ہے رازق نے نوکو آہستہ آہستہ سنبھال لیا ہے۔ اب وہ ہر وقت کرے میں بند بھی نہیں رہتا... دوستوں میں آنے جانے لگا ہے۔ یہ ایک اچھی خوش آئند بات ہے۔"

شریینہ نے دیکھے، سے اثبات میں سر ہلا کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے بھائی رازق کو بدلتے والی اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے۔ اس اجنبی کا فون اور ڈمکیاں۔ رازق کو یہ پتا چلتے ہی کہ اس کی بیوی شاہانہ کے ساتھ پیش آنے والا

راہفل کی طرف اشارہ کیا۔ پھر مختصر اور ہی مروودا دنیں بھی سنا ڈالی جوڑا کلڑا بتائی تھی۔

راہق کا چہرہ کم صمم سا ہو گیا۔

"میں کافی بہت اچھی بناتا ہوں۔" معا جماد نے دوستانہ مسکراہٹ سے کہا۔ "پائچ منٹ میں تیار ہو جائے گی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ٹکن کی طرف چلا گیا۔ دونوں دم بخود انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"یار زمرد! یہ کیسا معاملہ ہے؟" رازق نے اس کی طرف الجھی ہوئی مستفسرات نظر وہ نے دیکھا۔

"کیا تھا ہمارے ذہن میں بھی یہی شبہ تھا کہ...؟" "شبہ میں یقین تھا مگر اس کی اپنی حالت دیکھ کر کچھ اور سوچنے پر بخوبی ہوتا پڑا۔" رازق سوچتی ہوئی نظر وہ سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ دونوں دھمکی آواز میں باقی کر رہے تھے۔ اسی اثنائیں حادثہ بھی آگیا۔ شاید وہ کافی کا پانی چڑھا کر آگیا تھا۔

"آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں جماد صاحب؟" رازق نے اس کے کری پر برا جہاں ہونے کے بعد پوچھا۔ دونوں دوستوں کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز میں۔

"ہاں، اکیلائی رہتا ہوں۔"

"کب سے ہیں یہاں...؟"

"کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے۔ وہی سے میں آتا جاتا رہتا ہوں یہاں۔ شکار کا شوق نہیں ہوں اور تنہائی پسند بھی۔"

"گلتا ہے آپ خود بھی تنہا ہو۔" زمرد نے بے تاثر مسکراہٹ سے کہا۔

"ہاں، ایسا ہی سمجھ لیں۔" وہ بھی پھیل کی مسکراہٹ سے جوایا بولا۔ "میں تنہا ہی ہوں... ہشی کا پیغمبر ہوں... شہر کے ایک کانج میں پڑھاتا ہوں... اور وہیں سرکاری رہائش گاہ میں رہتا ہوں۔" تھوڑے توقف کے بعد حادثے رازق کی طرف دیکھ کر کہا۔ "حیرت ہے اس سے پہلے کبھی اسکی وارداتی نہیں ہوا کرتی تھیں مگر نجات نے اس بار کہاں سے، خونی بھیڑیوں کا یہ خطرناک نولہ یہاں منتلا نے لگا ہے۔ میرے خرگوشوں اور ایک پالتو کتے پر بھی حملہ کر چکے ہیں۔ کچھ دن پہلے میں نے کشیری ہنسوں کا ایک جوڑا پکڑا تھا۔ یہ کم بخت اسے بھی چٹ کر گئے مگر تشویش کی بات تو یہ ہے کہ یہ خونی بھیڑی یے انسانوں پر بھی حملہ کرنے لگے ہیں۔"

ابھی اس نے اپنی بات ختم کی ہی تھی کہ تیز سیٹی کی آواز سونجی۔ یہ ایک شرک کیبل کی آواز تھی۔ وہ ان سے معدوم کر

وقت پر پہنچ گیا اور قیوم خان مرحوم کی طرف سے تھنے میں دی ہوئی ذمہ بیرل گن کی مدد سے اس نے بھیڑیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اس وقت وہ بر قانی ہواؤں کے شور میں اپنے مکان کے دروازے پر یہی بندوق تانے کھڑا... دور دیر ان برف زار تاریکیوں میں گھور رہا تھا۔ سے شبہ تھا کہ وہ خونخوار بھیڑیوں کا نولا دوبارہ نہ حملہ کرے... شاید عمر کی زیادتی تھی یا طویل عرصہ تباہ رہنے کا اذاب کہ اسے خود سے پاتیں کرنے کی عادت کی ہو گئی تھی۔ وہ اسی وقت اپنے چار گتوں کی موت پر افسوس کرنے کے ساتھ بھیڑیوں کو گالیاں کے چار رہا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں لاشیں تھیں، یہ تھوڑے ٹیکیں دالی لاشیں تھیں اور اپنی خالی بناءٰت کے باعث نارج کی طرح اس کی روشنی سیدھی اور دورستک۔ پڑتی تھی۔

مطمئن ہونے کے بعد وہ اندر آگیا اور دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

ڈاکٹر شکیل کی اس روز جیسے مردا برآئی جب اس نے شریینہ کو اپنال میں دیکھا۔ وہ اسی سے ملنے کے لیے آئی تھی، شکیل مریض دیکھنے میں مصروف تھا۔ شریینہ کے ساتھ ایک اوچھے عمر کی عورت بھی تھی، جو اپنے طیبے سے گھر لیوں ملازمہ نظر آتی تھی، اسے اس نے باہر مریضوں کے ساتھ بخا دیا تھا اور خود اندر کمرے میں آگئی۔ ڈاکٹر شکیل ایک مریض کو دیکھ کر فارغ کر رہا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی پہلے تو وہ خوش گواری حریت میں پڑ گیا پھر ایک دم مسکرا کر بولا۔ ”آئیے... آئیے... شریینہ صاحب! آب میں آپ کی کیا خیریت پوچھوں؟ کیونکہ ایک ڈاکٹر کے پاس کوئی ملنے کے لیے ایک ہی مقصد کی خاطر آتا ہے۔“

شریینہ مسکرا کر بولی۔ ”آپ نے ٹھیک کہا ڈاکٹر صاحب! مگر میں علاج کرانے نہیں آپ سے کچھ ضروری باتیں پوچھنے آئی تھیں اگر آپ تھوڑا سا وقت دے سکتے؟“

”آف کورس...“ وہ خوش دلی سے بولا۔ ساتھ ہی اسے اپنی میز کے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ بھی کر دیا۔

اس دوران میں وہ مریض بھی نثارہ رہا تھا۔ شریینہ خاموش رہی۔ ڈاکٹر شکیل نے اس کے چہرے سے تازلیا کر دے اس سے تھائی میں کوئی خاص بات کرنا چاہتی ہے، یہ بھاپتے ہی اس نے چپر اسی کو مزید مریض بھیجنے سے ذرا بیرکے لیے روک دیا اور شریینہ کی طرف متوجہ ہو کر متانت سے بولا۔

”شاید آپ واقعی کوئی خالی بات کہنے آئی ہیں۔ فرمائیں میں سن رہا ہوں۔“

حوادث... محض حادثہ نہ تھا، اس کی آڑ میں ایک قتل تھا۔ رازق کو بڑی بے چینی سے شاہانہ کے قاعل کی تلاش تھی۔

بڑے بچائی سے بات کرنے کے باوجود بھی شرینہ کی تسلی نہیں ہوئی تھی، اسے خود بھی کھپڑوں کی ہوئی تھی، یہ آخر معاملہ کیا تھا۔ کون ان کا بیٹھے بخانے دیکھن بن چکا تھا۔

☆☆☆

تیز برفلی ہواؤں کے آسمی شور میں عالی جاہ کی غصیل آواز بھی دب کر رہی تھی، مگر اس کے بھاری چہرے بیلے چہرے پر بربہی کے تاثرات ہمادیتے تھے کہ وہ جلد ٹھنڈا ہونے والا آدمی نہیں۔ حالانکہ اس کی عمر اسی کے قریب تھی مگر اچھی صحت اور سیدھی کرنے اسے اپنی اصل عمر سے دس پندرہ سال کی رعایت دے رکھی تھی۔

عالی جاہ پر یہ کرم فرمائی قیوم خان مرحوم نے کی تھی کہ اس کی بیٹھے سالہ خدمت کے اعتراف میں اس کی خواہش کے مطابق اسے خوب صورت گمراہ کر دے دیا تھا اور ماہانہ وظیفہ حولی کی ملrf سے مقرر کر دیا گیا تھا جو قیوم خان کی طبعی موت کے بعد بھی باقاعدگی سے اسے مل رہا تھا۔ مگر عالی جاہ کو کام کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ وہ اب بھی حولی والوں کے کام آتا تھا۔ اپنی گزر بربھی کرتا تھا۔ تاہم تو اس کا عالی جاہ تھا مگر کام اس نے عام گھر لیوں ملازموں والا ہی کیا تھا۔ قیوم خان مرحوم، رازق خان اور داراب خان کا باپ تھا۔ عالی جاہ اٹھارہ برس کا تھا جب سے وہ حولی میں ملازم تھا۔ اس نے شادی بھی کی تھی، بیوی مر چکی تھی۔ ایک جوان بیٹی تھی جس کی شادی ہو چکی تھی۔ جہاں بیانی کئی تھی وہ قصہ مشاہروم کے نواح میں وقوع تھا... بھی بھی وہ باپ کی خبر گیری کے لیے آ جا پا کر تھی اور اسے ساتھ لے جانے پر اصرار کرتی تھی، مگر وہ نہیں اتنا تھا، اسے اپنے گاؤں سے پیار تھا۔ یہاں وہ پیدا ہوا تھا، اس کا بچپن اور لڑکپن گزر رہا۔

بہر طور... اب عالی جاہ کو حولی میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ غصے کا تیز اور طبیعت کا ضدی تھا۔ اس مکان میں وہ اکیلا رہتا تھا۔ برفلی ہواؤں کا شور اسے بہت بجلال لگتا تھا۔ اس نے کچھ کئے پال رکھے تھے، یہ اس کے سدھائے ہوئے تھے جو اس کے چوبی چھکڑے کو بھینٹنے کا کام کرتے تھے۔ ان کی تعداد آٹھ تھی، اور اب چار رہنے کی تھی، وہ انہیں بچوں کی طرح رکھتا تھا۔ پچھلے دونوں بر قانی بھیڑیوں کے ایک غول نے ان پر ہلا بول دیا تھا۔ کئے بھی بہادر ثابت ہوئے، چار ساتھی گنوائے کے بعد بھی خونخوار بر قانی بھیڑیوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے، یہ تو عالی جاہ

”میں آپ کی بات سمجھنا نہیں۔“ ڈاکٹر شکلی نے گھری متن اسے کہا۔ ”اگر آپ کو ایسا کوئی شبہ ہے بھی تو، آپ کو کسی ذمے دار پولیس افسر سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ویسے کسی مدد کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔“

شیرینہ ہو لے سے سکران۔ اس کے متیوں جیسے دانتوں کی جملک نے ڈاکٹر شکلی کا دل بھی بے اختیار دھڑکا دیا۔ وہ بولی۔ ”آپ نے شاید تمہب کہا مگر...“ وہ کچھ کہتے کہتے الجھی گئی۔ ڈاکٹر شکلی پر غور بھانپتی ہوئی نظریوں سے شیرینہ کا چہرہ سکنے لگا اور بات کی تک عینچے کی کوشش میں یک ایک خوشنگوار ساختاں اس کے ذہن میں ابھرا جس کے تحت اس نے بھی مسکرا کر کہا۔

”شاید آپ مجھے کسی اپے اعزاز سے بخشنے والی ہیں جو ایک اچھی اور ہمدردانہ دوستی کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہو گی آپ کا مجھے یہ اعطا بار بخشنے کی اور اس سے زیادہ... آپ کی مدد کرنے پر... کہ آپ شاید مجھے سے کوئی ایسی بات پر تبادلہ خیال کرنا چاہتی ہیں جو حساس نوعیت ہی کی نہیں بلکہ نازک بھی ہے۔ جو آپ پولیس سے نہیں کرتا چاہتیں، ایم آئی رائٹ...؟“

شیرینہ نے کپلی ملاقت نہیں ہی ڈاکٹر شکلی کے بارے میں جواندازہ لگایا تھا، وہ اس کی اس بات سے درست ثابت ہوا تھا۔

وہ اسے سمجھ دار ہی نہیں بلکہ بُر خلوص انسان بھی محسوس ہوا تھا۔ کوئی بات تو تمی شکلی بیں جس نے شیرینہ کو اس طرح اس کے بارے میں سوچے پر بجور کرایا تھا، بالآخر وہ بولی۔

”ڈاکٹر صاحب! آپ واقعی میرے اندازے سے کہیں بڑھ کر ذہن اور زو فہم ثابت ہوئے ہیں۔ آپ نے میرے بارے میں محبک اندازہ لگایا اور پہا نہیں کیوں میرا دل بھی یہی کہتا ہے کہ... یہ بات نہیں صرف آپ ہی سے کرنی چاہیے تھی۔“

”مجھے آپ اپنا سچا اور اچھا ہو۔ رو دوست پا سکیں گی۔“ طبیعت کا سادہ آدمی ہوں گمرا۔ آپ کی مدد کر کے مجھے خوشی ہو گی۔ آپ بلاچکچا ہست جو مجھے بتانا ہماہتی ہیں... بتا دیں لیکن خپھریے... میں کچھ مریضوں و دیکھ لوں...“

”بس، میں پھر بھی آ جاؤں گی۔ اتنی بات کر کے مجھے تسلی ہو گئی۔ آپ کا شکریہ... میں اس چلتی ہوں۔“ شیرینہ بولی... آپ اگر بر نہ منا نہیں تو اپنا سل نمبر دے دیں۔“

شیرینہ کے چہرے پر اچکچا ہست کی جملک نسودار ہوئی پھر وہ ڈاکٹر شکلی کا طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

”ڈاکٹر صاحب! کیا کوئی آدمی خونخوار بھیڑیوں کو شدھانے کی طاقت رکھتا ہے؟“ ڈاکٹر شکلی کے لیے شیرینہ کا یہ سوال بالکل غیر موقع تھا، یہی سب تھا کہ وہ ایک دم لمحے بھر کو سنائے کی کیفیت میں جلا ہو گیا پھر فوراً ہی ہنس کر بولا۔

”آپ نے تو عجیب ساسوال کر دا۔ اب میں اس کا کیا جواب دوں؟ ہاں، ممکن ہے تو... جب ایک آدمی... بھر شیر اور چیتے جیسے، ورنہ دوں کو سدھا سکتا ہے تو بھیڑیے کیا چھڑتے ہیں۔ یہ میں اپنی محدود معلومات کے تحت بتارہا ہوں۔ سرگس میں تو آپ نے یہ سب چیزیں دیکھی ہوں گی؟“

”ہاں۔“ شیرینہ نے ہو لے سے پُر سوچ انداز میں مختصر آ کہا۔ ”لیکن ڈاکٹر صاحب! شیر، چیتے، ریچھ اور ہاتھی وغیرہ کو تو میں نے انسانوں کے جسم پر ناچٹے سک و دیکھا ہے مگر... بھیڑیے... انہیں تو آج تک میں نے کیا، کسی اور نے بھی انسان کا دوست ہوتے نہیں دیکھا اور شاید آپ نے بھی نہیں...“

”یقیناً... آپ کی بات درست ہے۔“ ڈاکٹر شکلی نے تائید میں کہا۔ نجات کیوں اس کی چوڑی خوبرو پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ ”آخ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں...؟ ذرا کھل کر بات گریں... تاکہ میں آپ کا... مسئلہ کر سکوں؟“

جواب میں شیرینہ نے پہلے ایک گھری سانس لی، پھر بولی۔ ”ڈاکٹر صاحب، اس روز والا بھیاںک واقعہ تو آپ کو یاد ہی ہو گا جس رات میری پیاری بھائی شاہانہ پر خونخوار بھیڑیوں نے حملہ کر دیا تھا؟“

”ہاں، مجھے یاد ہے۔“ شکلی نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ ”اور مجھے اس کا بے حد فسوس بھی ہے۔“

”مجھے لگتا ہے وہ... اتفاقی حادثہ نہیں تھا... سوچ سمجھے منسوبے کے تحت... یہ سب کروا یا گیا تھا۔“ شیرینہ نے بالآخر اپنے اس خدشے کا اظہار کر دا۔ جب سے اس نے اپنے بھائی رازق خان کی چوری چھپے گفتگو سنی تھی جب دہ کسی ہا معلوم شخص سے نہایت برہسی کے انداز میں بات کرنے میں مصروف تھا۔ ظاہر ہے فون پر ہونے والی دوسری طرف کی باتیں تو وہ سننے سے قاصر ہی رہی تھی، مگر اپنے بھائی کی جوابی گفتگو سے اس نے اتنا اندازہ ضرور لگایا تھا کہ معاملہ کسی پرانی دھمنی کا تھا، اور دھمن سات پر دوں میں چھپ کر دار کر رہا تھا۔

اجنبی موجود ہیں۔“

”دو اجنبی...؟ کہ کون ہیں وہ... مجھے بتاؤ۔“
رازق ایک دم جوش میں آگیا اور حقے کی نے زمرد کی طرف
بڑھا دی۔

”حاداً اور ڈاکٹر شکلیں تماں۔“

”حاداً پر تو مجھے بھی شبہ ہے زمرد خان! مگر ڈاکٹر
شکلیں...؟“ وہ کچھ کہتے کہتے پرسوچ انداز میں چسپے ہو گیا
پھر اس کی طرف دیکھ کر مستفسر ہوا۔ کیا تمہیں ڈاکٹر شکلیں پر
بھی شبہ ہے؟“

”اس علاقتے میں جو بھی ہمسکر اجنبی نظر آئے گا... وہ
ہمارے شکن و شھبے کے دائرے میں ہو گا اور اس وقت یہ
دونوں ہی افراد اسی زمرے میں آتے ہیں۔“

رازق نے پرخیال انداز میں اپنے سر کو اشباتی جنبش
دی پھر بھم سے لبھ میں بولا۔ ”اگر اس خبیث بزدل کا دھمکی
والا فون نہیں آتا تو میں اب تک یہی تھوڑا ہوتا کہ اس روز
والا واقعہ محض ایک حادثہ تھا مگر مجھے حرمت ہے بلکہ یہ پوچھو تو
یقین بھی نہیں آتا کہ وہ خونخوار بھیڑیوں کا غول اسی کام پر
چھوڑا ہوا تھا۔ بھیڑیوں کو کیسے اس نے اپنا تابع بنالیا؟؟“

”یہ بات میرے بھی حلقوں سے نہیں اتر رہی ہے
رازق خان۔“ زمرد نے بھی ابھے ہرے تاثرات کے
دوران کہا پھر نے کوڈ کھینچنے لگا۔ رازق بہانپ گیا کہ حقد سردد
پڑنے لگا تھا۔ اس نے آواز دے کر باہر موجود ملازم کو بلا یا
اور اسے حقہ سلا گانے کو کہا۔ وہ حقے کی ہاڑی اتار کر لے گیا
پھر تھوڑی دیر بعد اسے سلگتے ہوئے کوئلوں سے دہکاتا ہوا
دوبارہ لے آیا۔

”تمبا کوڈ وال دیا تھا؟“ رازق نے پوچھا تو ملازم نے
موددانہ جواب دیا۔

”بھی خان بھی! تمبا کو کی مکڑیاں ڈال دی تھیں۔“
پھر رازق خان نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ زمرد
نے... مٹھی جہائی اور ہوتوں کے قریب لے جا کر دو تین
ٹوپیں کش نے کرنے رازق خان کی ملحفہ بڑھاتے ہوئے
کہا۔ ”یہ خونخوار بر قافی بھیڑیے بھی نہیں سدھائے جا
سکتے... مجھے تو لگتا ہے اس اتفاقی حادثے کو ہمارے چھپے
ہوئے ڈمن نے اپنا رعب جھاڑنے کے لیے اور خوف زدہ
کرنے کی غرض سے استعمال کرتا چاہا ہے۔“ نسروی نہیں کہ
وہ آئندہ ان بھیڑیوں کے نولے کے ذریعے یہ حملہ کروانے
کا ارادہ رکھتا ہو؟“

”مجھے نہیں لگتا کہ وہ ہم پر کسی ایسے کا استعمال کرے

اندھا کیا چاہے... دو آنکھیں۔ ڈاکٹر شکلیں نے فوراً اپنا سل
نبر اسے دے دیا۔ اب اسے شدت اور بے چینی کے ساتھ
شمربینہ کے فون کا انتظار تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اندر سے
پریشان سا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

”ڈمن ہماری تاک کے نیچے ہے اور ہم اسے ڈھونڈ
نہیں پا رہے ہیں زمرد! یہ کیسی بے بھی ہے ہماری...؟“
رازق نے غصے اور بے بھی سے اپنے دانت پیٹے ہوئے
کہا۔ وہ دونوں اس ونت اپنی شکار گاہ میں واقع فارم ہاؤس
کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرا دس بالی بارہ کا
تھا جس کی چھت قدرے بلند تھی، ایک روشن دان تھا۔ دو
کھڑکیاں تھیں جو بند ہیں۔ کمرے میں آتش دان سلگ رہا
تھا۔ کونے میں پرانی طرز کا گمرا مجبوط پنگ بچھا ہوا تھا۔
درمیان میں مختصر سافرنی پر تھا۔ یعنی ایک سٹھنی، چار کر سیاں اور
درمیان میں گول میز... جس پر چائے وغیرہ کا سامان تھا۔
دونوں دوست آئنے سامنے کر سیوں پر برابجہان تھے،
درمیان میں ٹیکل کا بنا ہوا تھا کہا ہوا تھا جس کی چک دار
نے... زمرد خان کے ایک ہاتھ میں تھی، باہر دو ملازم ناپ
افراد کسی بھی حکم کی تعییں کے لیے چوکس کھڑے تھے۔ فارم
کے احاطے میں مخصوص چوڑے ٹاٹروں والی جپ کھڑی
تھی۔ زمرد نے رازق خان کی بات سنی پھر نے پڑھی جما کر
ہوتوں کے قریب کی اور ایک طویل گزگزی لے کرنے
رازق کی طرف بڑھا دی، زمرد خان کے منہ سے گد لے
دھوکیں کا بھپکا خارج ہوا اور کمرے کے محدود ماحول میں
چھلی ہوئی نیس تبا کو کی خوبیوں اضافہ ہو گیا۔

”تمہاری بات سے میں اختلاف نہیں کروں گا رازق
خان! ڈمن واقعی ہماری ہے کے نیچے موجود ہے اور ہم سے
چوہے ملی کا ہیں، ہیں رہنے ہے۔ وہ خاصا دلیر بھی ہے۔“

زمرد کی بات پر رازق کے چہرے پر خلائق اور خجالت
کے آثار نمودار ہوئے پھر وہ اسی لبھ میں بولا۔ ”وہ دلیر نہیں
بزدل ہے زمرد خان۔“

دوست کا لبھن ہوتا ہو گوس کر کے زمرد نے وضاحت
کی۔ ”سوچتے کی بات ہے، پر کوئی بڑا گنجان علاقہ نہیں ہے۔
قریب میں چھٹتی کے چند ہی قصے ہیں۔ وہ سب ہمارے دلکھے
بھالے ہیں وہاں نہیں کوئی مغلکوک آدمی نظر نہیں آیا۔ رہی
بات ہمارے قبے کی وہاں بھی نہیں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں
آیا۔ شہر یہاں سے میلوں دور ہے لیکن ہمارے قبے میں دو
جاسوسی ڈانجست 270 فروری 2015“

1987ء سے خدمت میں معروف

LEUCODERMA-VITILIGO

تمام جلدی بیماریوں کا نوٹ اور سب سے ضروری علاج

STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

کچھ دلوڑی ہے اکھیاں مگاں مسکھنے پر وکھنے پر

ملتی
ایوارڈ
بولڈر



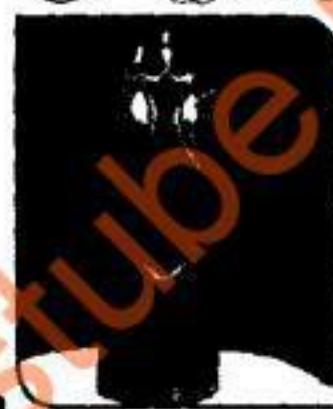
AWARD OF
BEST ACHIEVEMENT



اسلام آباد

شانہ ۲۰۲۱، ۲۰۲۲، ۲۰۲۳
ریڈیوس (ستارے) اسلام آباد
فون: (051) 2854595 - 21555880
موبائل: 0300-8566188
موبائل: 2261636

پریم ۳۰۵
ستمبر ۳۰۶
جولائی ۳۰۷



ASIAN EXCELLENCE
PERFORMANCE AWARD



AWARD
PILLAR OF LEUCODERMA

لاہور

گلف سینٹر
آفس: ۱۶
فرودی ۲۷ فروری
فرودی ۲۷ جون
آگسٹ ۲۷ اکتوبر
موبائل: 0300-8566188

۱۴- فروری ۲۷ فروری
۱۴- جون ۲۷ جون
۱۴- اکتوبر ۲۷ اکتوبر

بشاور

پریل لائیٹ
فیض روڈ نرود، بھٹکی چاہ، پشاور
فون: ۰۵۲۱ ۲۲۱۸۲۱۵-۹
موبائل: 0300-8566188

کیم فروری ۱۱ فروری
کیم جون ۱۱ جون
کیم اکتوبر ۱۱ اکتوبر

ملتان

پریل اسٹار میڈیکل
ریڈیوس میڈیکل
فون: (061) 4518061-62
موبائل: 4582803 (030)-8566188

۱۲- جون ۶- اپریل
۲۸ جولائی ۶- اگست
۱۳- جولائی ۲۷ جولائی
۱۳- نومبر ۲۷ نومبر

کراچی

پریل اسٹار میڈیکل
آفس: ۷، ۷۰۶، ٹھری ٹھارہ ایڈیشن
زمری ٹاؤن، گلشن الہابی
فون: ۰21-7012068-9
موبائل: 0300-8566188

۱۳- جون ۲۷ جون
۱۳- جولائی ۲۷ جولائی
۱۳- نومبر ۲۷ نومبر

E-mail: syedajmalzaidi@hotmail.com - syedajmalzaidi@yahoo.co.uk

بلکہ سوچے سمجھے منسوبے کی بنیاد پر کیا گیا تھا اور خونخوار بھیزیوں کے بھوکے نولے کو دانتہ ان پر چھوڑا گیا تھا۔ کم از کم ... شرینہ کی باتوں سے ڈاکٹر ٹکلیل نے بھی اندازہ قائم کیا تھا۔ جس سے ٹکلیل نے ایک بات اور بھی محسوس کی تھی کہ وہ اس سے اور بھی بہت کچھ چھپا رہی تھی... وہ اسے بہت کچھ بتانا چاہتی تھی مگر کتنا مگنی تھی۔

اس وقت ڈیوٹی نام آف ہرنے کے بعد ڈاکٹر ٹکلیل نے اپنے بندگی کا رخ کیا تھا۔ آج موسم کچھ خوش گوار تھا۔ بندگی میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنے ملازم شاہ سے آتش دان لے گانے کو کہا۔ دوپہر کا کہا تا بھی وہ اس کرے میں کھاتا تھا۔ ابھی وہ اس کی تیاری کرتی رہا انہا کہ اس کا سلی گنکنا یا۔ یہ شرینہ کی کال تھی۔ اس کا دل دھکنے لگا۔ اس نے کال رسیو کر کے ہیلو کہا تو دوسری بات سے شرینہ کی متمن آواز نے اس کے وجود میں سُرور کی لہریں دڑا دیں۔

”ڈاکٹر صاحب! آپ صروف تو نہیں تھے؟“

”بالکل نہیں۔“ وہ خوش دلی سے بولا۔ ”بلکہ میں تو ابھی ابھی مصروفیات سے فارغ ہو کے بیٹھا ہوں...“ کہیے... آپ کیسی ہیں، خیریت، تو ہے؟“

”میں آپ سے اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی ڈاکٹر صاحب... مگر...“ وہ رکی تو ڈاکٹر ٹکلیل نے بھی فوراً مسکراتے بھجے میں کہا۔

”میں بھی سمجھ رہا تھا آپ اس روز بھجے سے اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن شاید میری مصروفیت کے باعث آپ کہہ نہ یا تھیں۔“

”بالکل یہی بات تھی۔ آپ کے کرے کے باہر مریضوں کا رش بڑھ رہا تھا۔“ وہ بولا۔ ”کیا میں آپ پر بھروسہ کر سکتی ہوں... ڈاکٹر صاحب؟...“ دراصل میرانی کوئی دوست ہے نہ سیلی... ایک بے چارکی بھائی شاہانہ ہی تھیں مگر...“ اس کی آواز بوجھل ہوئی تو ڈاکٹر ٹکلیل نے کہا۔

”شرینہ! آپ کی دوستی کو میں اپنے لیے اعزاز سمجھوں گا۔ ایک اچھے دوست ہو۔“ کے ناتے آپ کی پریشانی کا احساس کرتا میرا فرضی بنتا ہے۔ میں نے کل یہی آپ کے لبھے سے پریشانی اور تشویش بجانپ لی تھی اور میری یہ خواہش تھی کہ میں آپ کے کسی نام آسکوں کیونکہ اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا خوشی اور اطمینان کی بات ہو سکتی ہے۔ اب میں آپ سے پڑھوں گز ارش کروں گا کہ آپ بلا جھگ بھجھے بتائیں، آپ کو کیا پریشانی ہے...؟“ اس کی بات پر دوسری جانب سے شرینہ کی گہری ہمکاری

گا۔“ رازق نے زیر ک لجھے میں کہا۔ ”وہ اگلی بار بھی یہی طریقہ داردات اپنائے گا تاکہ قانون کی نظروں میں نہ آسکے۔ یہ بھی اس کا ایک چال ہو سکتی ہے۔“ ”پولیس سے یاد آیا۔ کیا ہمیں اس کی اطلاع پولیس کو دینا چاہیے؟“

”بے وقوفی کی باتیں مت کرو زمرد خان!“ رازق گمبھیر لجھے میں بولا۔ ”تم اچھی طرح جانتے ہو، پولیس سب سے پہلے مجھ سے دھمنی کی وجہ دریافت کرے گی جو ظاہر ہے، میں نہیں بتاسکتا۔“

”ضروری نہیں کہ ہم پولیس کو دھمنی کی اصل وجہ بتائیں... کوئی اور وہ بھی بتاسکتے ہیں۔“

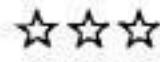
”نہیں، میں اس معاملے میں پولیس کو شامل نہیں کرنا چاہتا، از خود شامل ہو کر تو اور بات ہے۔ مگر میری سمجھے میں صرف ایک بات نہیں آتی۔ شہزاد اور نزہت کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے موت کی نیزد سلا یا تھا۔ دونوں پر پورا برست فائز کر دیا تھا پھر یہ کون ہے۔ جونہ صرف اس راز سے واقف ہے بلکہ... سمجھے سے ان دونوں کا انتقام بھی لینے پر علا ہوا ہے؟“ آتش دان کے چھٹے ہوئے انگاروں کی تحریکی ہوئی آتش روشنی میں رازق کا چہرہ ایکا کیسا سفاک نظر آنے لگا تھا۔

”زمرد بولا۔“ ”مُسن ہے... یہ حرکت شہزاد یا نزہت کے کسی بھائی وغیرہ کی وجہ سے تم سے انتقام لینے کی حرم کھا رکھی ہو؟“

”نہیں۔“ رازق نے پورے یقین کے ساتھ نغمی میں سرہلا یا۔ ”ان دونوں کے گھروالوں میں کوئی ایسا نہیں۔“

”صورتِ حالِ واقعی بہت گمبھیر اور تشویشناک حد تک خطرناک بھی ہے۔“ زمرد فلمند ہو کے بولا۔ ”بہر حال! ہمیں حادثے کے ساتھ ساتھ... ڈاکٹر ٹکلیل خان پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے۔“ قتو لین کا کہیں نہ کہیں... کسی نہ کسی کے ساتھ ماضی میں وائٹے داری کا امکان ممکن ہو سکتا ہے جو تمہارے علم میں نہیں ہو۔“

رازق کو زمرد کی اس بات سے ہرگز اتفاق نہ تھا۔ مگر وہ اس کا اظہار نہ کر سکا۔ شاید وہ بھی اس امکان کو رد کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔



اس روز شرینہ... ہونے والی اچانکت اور غیر متوقع ملاقات پر ڈاکٹر ٹکلیل خان خوش بھی تھا اور وہ پریشان اس کے عجیب و غریب سوالات پر ہوا تھا جس کے مطابق اس کا (شرینہ کا) خیال تھا کہ اس روز رات والا حادثہ اتفاقی نہیں

کے عادی ہیں مگر بعض اوقات پولیس سے بھی مدد لیتے ہیں مگر س معاملے میں لگتا ہے بھائی پولیس کو بھی نہیں بتاتا چلتے۔ وہ اور ان کا ایک دوست ہے زمرد خان... اس کے ساتھ کر دشمن کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"ہوں...،" ڈاکٹر شکلی نے پرسوچ ہمکاری لی پھر بولا۔ "اب آپ کیا چاہتی ہیں؟ کہا میں رازق خان کو پولیس کے پاس جانے کا مشورہ دوں یا خود بھی اس کے ساتھ کر دشمن کی تلاش میں اس کی مدد کروں؟"

"نہیں... نہیں... آپ کو یہ بات تو کسی سے بھی نہیں کرنی ہے۔ آپ اس میری ایک پھوٹی کی مدد کر دیں۔" شمریہ ایک دم بولی تو شکلی نے فوراً ہمی بھرتے ہوئے فراغ دلی سے کہا۔

"مجھے خوشی ہو گی آپ کی مدد کرنے پر... کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ کی؟"

"مجھے آپ کا ساتھ چاہیے۔"

"میں حاضر ہوں۔"

"مجھے کی پرشہبہ ہے؟"

"کس پر؟"

"زمرد خان پر..."

"کیا...؟ زمرد خان پر... جو آپ کے بھائی کا دوست ہے؟" ڈاکٹر شکلی چونک گیا۔

"ہاں۔" وہ بولی۔

"مگر اس شہبے کی کوئی تھوڑی وہبہ تو ہو گی آپ کے پاس؟" ڈاکٹر شکلی الجھ گیا۔ اور پھر اسے بھلا آپ کے بھائی سے دشمن کیوں ہو گی؟"

"آپ کے علم میں شاید یہ بات نہیں کہ ماضی میں دونوں دوست ایک دوسرے لے جاؤ اور دشمن بھی رہ چکے ہیں۔" شمریہ نے جیسے ایک سختی خیز الشاف کیا اور ڈاکٹر شکلی اس کی بات پر بری طرح چونک انگا، وہ آگے باتا ہی تھی۔ "میرے بابا جانی اور حشمت، خانوں کے بیچ زمین کے ایک تنازع میں پرانی دشمنی چلی آرہی تھی، حالانکہ زمین کا وہ نکڑا برسوں سے غیر آباد چلا آرہا ہے۔ اس ایک ضد اور اتنا تھی جس نے میرے بابا جانی اور زمرد خان (کے باپ حشمت خان کے درمیان تنازعہ ہڑا کر رکھا تھا۔ کسی حد تک خون خرابے کی بھی نوبت آئی، دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی اس خبر اور غیر آباد زمین کے نکڑے کا قبضہ چھوڑنے پر آبادہ نہیں تھا۔ پھر وقت گزر اہم بھائی بہن جوان ہوئے مگر دشمنی بوزھی نہیں ہوئی۔ بابا جانی اور حشمت خان بوزھے ہو گئے،

لینے کی آواز ابھری تھی، وہ بولی۔

"آپ دائی بہت مغلص اور اچھے انسان ہیں... ڈاکٹر صاحب..."

"اگر آپ مجھے صرف شکلی کہہ کر مخاطب کریں مگر تو مجھے زیادہ خوشی ہوں۔ کہیں ان تکلفات میں آپ سے پھر کوئی اہم اور ضروری بات کرنے سے رہ نہ جائے۔" دوسری جانب سے شکلی کو شریہ کی مدد ممکنی کی آواز سنائی دی۔ پھر اس کی مسکراتے لجھے میں آواز ابھری۔

"شکلی! میں نہیں جانتی ہمارا کون دشمن پیدا ہو گیا ہے مگر حقیقت تھی ہے کہ وہ ہم سب کی جان کا دشمن بن چکا ہے۔ یہ ساری باتیں مجھے اپنے بھائی رازق خان کے فون پر ہونے والی گفتگو سے معلوم ہوئی تھیں۔" پھر اس نے اپنے بھائی کے موبائل پر اس گفتگومیں سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا جو اس نے دروازے کے عقب سے سئی تھی۔

"اوہ... یہ تو واقعی بڑی تشویش کی بات ہے۔" گویا آپ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہے۔" ڈاکٹر شکلی نے پر تشویش لجھے میں کہا۔

"ہاں، مگر مجھے اپنے بھائی کی جان کی زیادہ نظر ہے۔ ان کے ساتھ پہلے ہی بہت ظلم ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ بات میں ہی جانتی ہوں، کہ وہ شاہانہ بھائی سے کس قدر محبت کرتے تھے، ان کے مرنے کے بعد بھائی غم سے ادھر ہو گئے تھے اور کسی زندہ لاٹ کی شش ہر وقت اپنے کمرے میں بندراہ کرتے تھے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ کسی دشمن کی کارستی ہے تو شاید اسی انتقام کے جذبے نے انہیں دوبارہ زندہ اور تازہ دم بھی کرو دیا ہے۔ اب ان کے سر پر یہی دھن سوار ہے کہ وہ اسے بے نقاب کر کے اپنی محبوب بیوی کا انتقام لیں۔"

"چھپا ہوا دشمن بہت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ حقیقت تمہارے بھائی رازق خان کو بھی معلوم ہونی چاہیے۔" ڈاکٹر شکلی نے سنجیدگی سے کہ۔ "میرا مطلب تھا کہیں رازق خان جو شش انتقام میں... اپنے دفاع کا بھی ہوش نہ رکھے اور... خیر۔" شکلی نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو شمریہ بولی۔

"ای بات کا تو مجھے خوف اور خدشہ ہے شکلی... کیونکہ دشمن ظاہر نہیں ہے۔"

"سبھی میں نہیں آتا تمہارا بھائی پولیس سے مدد لینے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟"

"ہم زیادہ تر اپنے معاملات ذاتی طور پر ہی نبھانے

اپنے بڑے بھائی داراب خان سے بھی بات کر چکی ہوں... وہ آج کل بیمار رہے۔ ہیں مگر میرے خیال یا شہبے سے وہ بھی متغیر ہیں اور انہوں نے یہی بات رازق خان کے ساتھ... تبادلہ خیال کے انداز میں کہی تھی مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات... وہ زمرد کو اب دُشمن ماننے پر بالکل تیار نہیں تھے۔“

”اوہ... یہ تو واقعی بڑی مشکل ہے۔ گویا دُشمن تمہارے بھائی رازق خان کی بُنل میں دبا ہوا ہے اور اسے معلوم نہیں۔“

”آپ پلیز... میرے بھائی رازق خان کے ساتھ راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کریں۔“ شریں نے اپنی منصوبہ بندی سے آگاہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شکلیل سے کہا۔ ”اور اس سے دوستی بڑھائیں... اس طرح آپ کو زمرد خان پر بھی نگاہ رکھنا دشوار نہ ہو گا مگر میں اس سلسلے میں آپ سے ایک اہم کام اور بھی لیتا چاہتی ہوں۔“

”کہیں، میں تیار ہوں۔“ شکلیل نے دھڑکتے دل سے کہا۔ محظوظ سے سلسلہ جنبانی کی راہ لکھنا بھی کم تو نہ تھا۔ راہ الفت کے راستے میں اُمر منزالی مرا وکار استہ محظوظ کے دل کو گھر کرنے کی طرف جانتا تھا۔ شکلیل کو اور رکھا چاہیے تھا۔ اس نے فوراً ہای بھری تو شریں بولی۔

”آج مجھے آپ تھوڑا وقت دیں۔ میں گاڑی لے کر آپ کے پاس پہنچ جائی ہوں... آپ کو میرے ساتھ چلنے ہو گا۔“

”میں تیار ہوں... مگر جانا کہاں ہو گا؟ اور کیا یہ سب خفیہ طور پر ہو گا؟“

”ہاں، بالکل رازداری سے، یہ کام ہم دونوں انجام دیں گے... میں زمرد خان کے ایک شکار نے پر جانا ہو گا، وہ جانوروں کا ایک بازا رہے۔ میں... بھائی کی زبانی سنائے ہوں اس نے مختلف جانوروں کا ایک چڑیا گھر بنایا کھا رکھا ہے۔ ممکن ہے وہاں سے ہمیں کوئی ایسا سراغ مل جائے۔“

محظوظ سے راہ کا بہانہ ہی سکو، شکلیل نے فوراً ہاں کر دی تو وہ خوش ہو کے بولی۔ ”پھر میں آپ کو لینے آجائیں؟“

”بصد شوق، کتنی دیر میں پہنچ جاؤ گی؟“

”آؤ ہا گھنٹا۔“

”راست، میں تب سکد کھانے سے فارغ ہو جاتا ہوں۔“ شکلیل نے کہا۔

”اوہ... آپ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تو پھر آپ آرام سے پہلے کھانا کھائیں، میر فون کر کے آجائیں گی۔“

اور بالآخر اپنی طبق موت کو پہنچے۔ زمردان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس نے ہمارے خلاف اعلانِ جنگ بلند کیا تو میرے دونوں بھائی بھی زمردان کے مقابلے میں ختم ٹھوک کر میدان میں اتر آئے۔ حسن اتفاق دیکھیے کہ ایک روز میرا بھائی رازق خان مشاہروم کی طرف شکار کھلینے گیا تو وہاں زمرد بھی اسی غرض سے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، مگر وہاں دونوں دُشمن اس مرد کیجا ہوئے کہ اپنی برسوں کی دشمنی بھلا کر دوست بن گئے کیونکہ میرے بھائی نے زمرد کی اس وقت جان بچائی تھی جس وقت وہ بر قانی چیزوں کے زخم میں آگیا تھا۔ زمرد میرے بھائی رازق خان کے اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوا تھا لیوں اس نے زمین کے اس نکڑے سے دستہ داری کا اعلان کر دیا اور رازق خان نے بھی زمین کے اس نکڑے پر لعنت بھیج دی۔ ”شریں نے اتنا بتا کر خاموش ہوئی تو ڈاکٹر شکلیل الجھے ہوئے لجھے میں بولا۔“

”تو پھر ارب تم اس بے چارے پر کیوں شبہ کر رہی ہو؟ بات کچھ سمجھیں نہیں آئی؟“

”ہمارے نامدان کے ہاتھوں صشت خان کا چھوٹا بھائی اکبر خان یعنی زمردان کا سگا چاچا اس تنازعے میں قتل ہو گیا تھا۔“ شریں نے بتایا۔ ”پھر انہوں نے بہت زور لگایا کہ اس قتل کا پبلہ میرے بابا جانی یا میرے بڑے بھائی داراب خان کو قتل کر کے لیا جائے گھر صشت خان ہم سے ہام کی یہ حسرت۔ یہ خود ہی اگلے جہان کو سدھا رہا گیا۔“

”تو تمہارا خیال ہے، اب زمرد اپنے چاچا اکبر خان کے قتل کا بدلہ لیتا چاہتا ہے؟“ ڈاکٹر شکلیل نے خیال ظاہر کرنے کے انداز میں کہا۔

”ممکن ہے... یہی بات ہو... کہ مرتے وقت صشت خان نے اپنے اگلوتے بیٹے زمرد سے بدله لینے کی قسم لے رکھی ہو یا وصیت کی ہو... کیونکہ زمرد اکیلا رہ گیا تھا، باپ کے مرنے کے بعد وہ طاقت میں بھی ہم سے کمزور ہی تھا۔ اب اس نے دوستی کی آڑ میں ہماری پیٹھ میں بختر گھوپنے کا منصوبہ بنایا کھا ہو۔“ شریں گویا اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گئی... ڈاکٹر شکلیل بھی چند ثانیے کے لیے سوچ میں مستغرق ہو گیا پھر بلا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر اس خدشے اور شبہ کو صرف نگاہ کرنا تا دالی ہی نہیں نظرناک بھی ہو سکتا ہے۔“

”میں بھی یہی چاہتی ہوں لیکن... بھائی کو کیسے یہ بات سمجھائی جائے...؟ وہ اپنے دوست زمرد کے خلاف ایک لفظ بھی سنا گوار نہیں کرتے، حالانکہ اس سلسلے میں

سے اچھی اندر اشینہ نگہ ہے بلکہ رازق خان اور میں شہر کے ایک ہی کاٹھ میں پڑھئے ہیں۔ اور وہاں طویل عرصہ سے بھی ہیں۔“

”تو کیا آپ کی شہر میں بھجو رہائش ہے؟“ تکلیل نے پوچھا۔ اب اسے سامنے ایک نوٹی پھولی لکڑی کی مختصری عمارت کے آٹار نظر آنے لگئے نہ ہے۔

”ہاں۔“ شریینہ مختصر جواب دیا۔ کیونکہ اب وہ نگ ساموڑ قریب آگیا تھا جسے بڑی ہوشیاری سے کاٹا تھا۔ ورنہ جیپ سلپ ہو کر برف سے ڈھکے کنارے کے کسی اندر ہے گزھے میں دھنس کر پھنس لکھتی تھی۔

موز کا نئے ہی شریینہ نے جیپ کی رفتار قدرے کم کر دی۔ پہاں گھنے اور مخروطیں لکھیں، پتوں والے پیڑوں کی بہتات تھی، سڑک بھی نگ تھی... بہر طور... تھوڑی دیر بعد تکلیل کو سامنے ایک مستطیل سا پھیلا ہوا شید دکھائی دے گیا۔ وہ محظا ط ہو کر بیٹھ گیا۔

بازارے کی طرف الگ سے ایک خود ساختہ ناپختہ راستہ تھا جو برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ شریینہ نے جیپ کا گیئر یدلا اور نہایت مشا قانہ انداز میں جیپ کو برف پر چلاتی ہوئی بالآخر بازارے کے وسیع و عریض امامتے کے چوبی گیٹ سے اندر لے آئی۔

تکلیل کا خیال درست ثابت ہوا۔ وہاں انہیں ایک پخت العرض شخص نظر آگیا۔ وہ دراز قامت اور اچھی صحت کا حامل تھا۔ وہ شریینر کے لیے بھجو اجنبی تھا کیونکہ اس کے پیہرے پر عجیب سی ابھسن تیرگئی۔ وہ شخص سید ہاشمینہ کی کھڑکی کی جانب یڑھا اور جھٹکے دار لبھج میں بولا۔

”کون ہوتا لوگ؟ اور اس طرح کسی کی ذاتی پر اپنی میں داخل ہونے کا مطلب؟“

”ارے جناب! ہم سفر ہیں۔ ناراض کیوں ہوتے ہو... ذرا استا کرا بر تم۔ سے پچھا اتا پھا پوچھ کر آگے بڑھ جائیں گے... بولو تو بھی لوث جاتے ہیں۔“ تکلیل نے اس شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔ تو وہ ذرا شرمندہ ہوا، بولا۔

”نہیں... نہیں... ایسی بات تو نہیں... آئیے تعریف لا لیں۔“

دونوں جیپ سے اتر آئے۔ ڈاکٹر تکلیل پہ غور گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ بازارے کی عمارت خاصے وسیع اور... مستطیل رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں چار پانچ بڑے بڑے چوبی گیٹ نما بروازے بھی نظر آرہے

”میں نے کھانا شروع کر دیا ہے۔ آدمی گھنٹے کے اندر اندر فارغ ہو گاؤں گا آپ آ جائیں۔“

”اوے کے شکریہ، آپ کا بہت بہت۔“

”دوستوں میں شکریہ نہیں... حکم اور خلوص چلتا ہے۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔“

آدمی گھنٹے بعد شریینہ ایک پرانے ماڈل کی لمبی جیپ میں وہاں آن پہنچی۔ تکلیل اس کا منتظر تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ روانہ ہو گئے۔

”ارے واہ، آپ تو بڑی آسانی سے اتنی لمبی جیپ چلا سکتے ہیں۔“ تکلیل نے مسکرا کر کہا۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر تھا۔

”میں اسی میں شہر آیا جایا کرتی تھی۔ یونیورسٹی جاتی تھی، خود بھی چلانی کیا ہے۔ میرے بڑے بھائی داراب خان کی ہے۔“ شریینہ نے بتایا۔ اب وہ برف کے پیچ میں کھاتی سڑک پر جیپ دوڑا رہی تھی۔

”زمرد خان کا وہ ملکا تھا جہاں سے کتنی دور ہے۔“ تکلیل نے کھڑکی سے باہر دور تک پھیلی برف کو دیکھا۔ دن ڈھلنے لگا تھا۔ لبے اور پستہ قامت پیڑ سفید برف کا پیڑ ہیں پہنے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

”کچھ زیادہ نہیں۔“ شریینہ وندہ اسکرین سے باہر نظریں جاتے ہوئے بولی۔ ”ایک دو گلومیٹر کے بعد ایک ساہ رنگ کی نوٹی بھولی لکڑی کی عمارت آئے گی“ اس کے بالکل متوازی، ایک راستہ قدرے نشیب میں چلا جاتا ہے جو زمرد خان کی رہائش گاہ کے قریب سے ہوتا ہوا بانس کے جنگل میں داخل ہوگا، بس جنگل پار کرتے ہی بازارے کا بڑا سا چوبی شید دور سے ہی نظر آ جائے گا۔

”ممکن ہے وہاں زمرد خان خود موجود ہو، ورنہ اس کا کوئی تو آدمی ہو گا یہ اُدھر... تمہیں تو پیچان ہی لے گا۔“ کسی خیال کے تحت تکلیل نے کہا۔

”اس وقت وہاں کوئی نہیں ہو گا۔ ورنہ میں کسی اور وقت آتی، ویسے بھی اگر کوئی وہاں موجود ہوا بھی تو میں حالات سنچال لوار گی۔“

”کیا ہمارا اس طرح ایک جیپ میں کسی مقام کی طرف سفر کرنا... کہہں آپ کے لیے مسئلہ تو نہیں بنے گا۔ میرا مطلب ہے آپ۔ بھائی اعتراض کر سکتے ہیں۔“

”انہیں کیا معلوم کر میں اس وقت کہاں اور کس کے ساتھ ہوں۔“ وہ ایک بے پروا مسکرا ہٹ سے بولی۔

”ویسے بھی میں دونوں بھائیوں کی لاڈلی ہوں۔ میری ان

دروازے کی طرف بڑھی۔ قریب پہنچ کر وہ ذرا رکی۔ دروازے کے چوبی پٹ، میں لمبی لمبی متوازی درزیں بنی ہوئی تھیں۔ اس نے قدرے جمک کر ایک درز پر اپنی آنکھ چپکا دی اور اگلے ہی لمحے اس کے پورے وجود میں خوف کی پھریری دوزگنی، اندر خونخوار بھیڑیوں کا پورا غول موجود تھا۔ وہ چھ سات بر قافی بھیڑی یے تھے۔ انہوں نے شاید قریب میں کسی انسان کی بُسوںگھ لی تھی، یہی سبب تھا کہ دو تین بھیڑیے اس درز کی جانب اپنے من... کر کے خوفناک انداز میں غرائے تھے۔ ٹھرپنہ ایک دم چند قدم چھپے کوہٹ گئی۔ وہ گرتے گرتے بھیڑی، ذرا فاصلے پر بیٹھا ٹکلیں پریشان ہو کر انہوں کھڑا ہوا۔ ٹھرپنہ تیزی سے اس کی طرف آئی، اتنی سی دیر میں اس کی سانس پھول گئی تھی، شاید اس میں خوف کا عصر بھی شامل تھا۔

”کیا ہوا...؟ خیریت...؟“ ڈاکٹر ٹکلیں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”وہ... وہ... بھیڑی بے... اندرا موجود ہیں۔“ ٹھرپنہ نے خوف زده انداز میں مذکورہ دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ... اچھا۔“ ٹکلیں نے کہتے ہوئے اپنے ہونٹ پر سوچ انداز میں سکیڑ لیے۔

”بالکل ایسے ہی خونخوار بھیڑیے تھے، جنہوں نے ہماری جیپ پر حملہ کیا تھا اس رات۔“ ٹھرپنہ بولی۔ جوش سے اس کا وجود رزرا تھا۔ ٹکلیں نے اسے بازو سے تھام کر دیمرے سے چار پانی پر دوبارہ بخاد دیا۔

ٹھرپنہ اپنی سنائے جا رہی تھی۔ ”ہماری جیپ برف میں ایک اندھے گڑھے میں پھنس گئی تھی۔ ہم تینوں جیپ سے اتر کر اسے دھکانگا کر برند کے گڑھے سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اچک ایسے ہی سفید بر قافی بھیڑیوں کے غول نے ہم پر حملہ کر دیا تھا۔ مجھے پورا لیقین ہے ٹکلیں! یہ ساری کارتی زمرد خان کی ہی ہوگی۔“ اس منہوس واقعہ کو یاد کر کے وہ سکپڑی۔

”اوکے... اوکے... پلیز... خود کو سنبھالیے...“ ورنہ دشمن محتاط ہو جائے گا۔“ ٹکلیں نے اسے سرگوشی میں سمجھایا۔ اس کی اپنی پیشانی پر ٹکنوں کا جال سا بن گیا تھا۔ اس دوران میں وہ آدمی اپنے اتحوں میں کافی کے دو گ تھامے دروازے سے براہ رہا اور ان کی طرف آنے لگا۔ جب تک ٹھرپنہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ قریب آ کر اس آدمی نے کافی ہا ایک ایک گ انہیں تمہادیا

تھے۔ دو تین گھوڑے ایک طرف بندھے ہوئے تھے، ایک بڑے سارے کاپڑہ سنگھا بندھا دکھائی دیا۔ ایک کونے میں بڑے بڑے سلاخ دار بخجرے بھی بنے ہوئے تھے۔ جو براہ راست زمین سے مسلک تھے، ان میں انواع و اقسام کے جانور موجود تھے۔ یہ کوئی خاص اچیبھے کی بات نہ تھی، وادی کے ... متوال لوگوں کی جا گیروں میں ایسے بھانت بھانت کے جانوروں کے باڑے بنے ہوتے تھے۔ چوبی دروازے کھلے ہوئے تھے، سوائے ایک کے، اندر دو بھیں اور گھوڑے بندھے نظر آرہے تھے، کوئی خونخوار درندہ ابھی تک ڈاکٹر ٹکلیں کی کھوجتی نظر وہ سے نہیں نکرا یا تھا۔

”آپ لوں کس طرف کو جا رہے ہیں؟“ اس آدمی نے ٹکلیں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ٹکلیں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس کی نگاہ بے نکی پاس ہڑی ٹھرپنہ کے چھپے سے نکرائی۔ وہ سانسے بند دروازے کو تکے جا رہی تھی۔ ٹکلیں نے آدمی کو جواب دیتے ہوئے جھوٹ کہا۔

”ہم مشا بروم کی طرف جا رہے ہیں تھے وہاں جا گیر دار نواب ولی خان کی ایک دعوت میں شرکت کر رہا تھا۔“ ڈاکٹر ٹکلیں کا آدھا جھجھ اور آدھا جھوٹ کام کر گیا۔ آدھا جھ اس لیے کہ اسے مشا بروم کے ایک جا گیر دار نواب ولی خان کا پہلے سے معلوم تھا رہی بات دعوت کی یہ جھوٹ تھا۔ وہ آدمی اس سے مرعوب ہو کر بولا۔ ”اوہ... اچھا آپ لوگ نواب ولی خان کے مہمان ہو، ہمارے جا گیر دار کے ساتھ بھی اچھے تعلقات تھے... آئیے... آپ لوگ بیٹھنے وال۔“

یہی دونوں چاہتے تھے، اس کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے وہ ایک قریب پہنچی چار پانی پر بینہ گئے۔

”آپ ہمیں مشا بروم تک جانے کا کوئی محفوظ راستہ بتا دیں... بڑی مہربانی ہو گی۔ ہم ذرا نئے ہیں۔ یہ میری کزان ہے۔ عالیہ، میرا نام جنید خان ہے۔“ ٹکلیں نے کہا۔

”بالکل بتا دوں گا مگر پہلے آپ دونوں کو میرے ہاتھوں کی کافی پینا ہو گی... ابھی لاتا ہو گرما گرم کافی۔“ وہ مسکرا کر بولا اور جواب میں یہ دونوں بھی مسکرا دیے۔ وہ آدمی لبے لبے ڈل بھرتا ہوا ایک کھلے ہونے دروازے سے اندر غائب ہو گیا۔

”تم اس دروازے کو چیک کر کے آ جاؤ...“ جلدی۔ ”اس کے، جاتے ہی ٹکلیں نے ٹھرپنہ سے سرگوشی میں کہا جو بار بار اس بند دروازے کی طرف ہی دپھر رہی تھی، وہ جیسے اسی بات کی منتظر تھی۔ فوراً اپنی جگہ سے اچھی اور مذکورہ

آنے لگا۔ شرینہ کا دل نہیں کسی انجامے خطرے کے پیش نظر تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مگر ڈاکٹر ٹکلیل کی موجودگی اسے حوصلہ دیتے ہوئے تھی۔

”ارے تم... شرینہ...؟“ زمرد خان ان کے قریب آ کر جرت اور چکنے کے انداز میں بولا اور ساتھ ہی ایک عجیب سی نگاہ اس کے ساتھ کھڑے ڈاکٹر ٹکلیل پر بھی ڈالی۔ ٹکلیل نے فوراً مسکرا کر مصافی کے لیے ساتھ بڑھا دیا۔ اس کی زمرد خان کے ساتھ یہ دوسری ملاقات تھی۔

”آپ ڈاکٹر صاحب! یہاں...؟ خیریت تو ہے؟“ زمرد خان نے مصافی کرنے کے دوران پوچھا۔ اس کے چہرے پر سخت ابھسن کے آثار تھے۔ وہ شرینہ کی طرف تکے جا رہا تھا۔

تب شرینہ مسکرا کر بولی۔ ”زمرد بھائی! دراصل ڈاکٹر صاحب مجھے راستے میں لگئے تھے، ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی، پیدل جا رہے تھے، میں نے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھایا۔ یہاں سے لُزرنے لگے تو آپ کا خیال آگیا... یہاں پہنچنے تو آپ کے ملازم نے ہمیں گرم اکرم کافی بن کر پیش کر دی۔“

زمرد خان کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ شرینہ کی ان تاویلوں سے مطمئن نہیں ہوا۔ ڈاکٹر ٹکلیل نے بھی لتر دینا ضروری سمجھا۔

”وےے ہم نے بانے کیا سوچ کر یا مصلحت آپ کے آدمی سے تھوڑا جھوٹ بھی بوس دیا تھا کہ ہم وہ نہیں جو ہیں۔“

”جھوٹ تو آپ کرواقعی یوناہی پڑتا۔“ زمرد خان طنز سے بولا اور شاکی نظروں سے ڈاکٹر ٹکلیل کی طرف دیکھنے لگا... ”مگر افسوس میرے آتے ہی تم لوگوں کے جھوٹ کا بجا نہ ابھی پھوٹ گیا۔“ اس کا لمحہ عجیب ہوتا جا رہا تھا۔ باخصوص ٹکلیل کے لیے اس کے چہرے پر ٹھیکے آثار نمودار ہونے لگے تھے، ایسے میں لا جواب اور بجل ہوتی شرینہ نے بھی وہ بات کہہ ڈالی جو۔ سے نہیں کہنی چاہیے تھی۔

”زمرد بھائی! آپ یہ بتائیے... آپ نے یہ خطرناک درندے کب سے پا نا شروع کر دیے ہیں؟“ شرینہ کی بات پر وہ چوکے بنا نہ رہ سکا اسی لمحے میں بولا۔ ”کون سے درندے؟“

شرینہ نے بارے کے یک ہند دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”واہ بیں نے کچھ خونخوار پر فانی بھیڑیوں کو دیکھا ہے۔“ وہ خاصی جوش میں نظر آنے لگی تھی۔

اور خود ایک طرف کھڑا ہو کر قریب بندھے بڑے سے بارہ سنگھے کو یونہی پیکارنے لگا... ڈاکٹر ٹکلیل کافی کی دو تین چسکیاں لینے کے بعد کافی کا گکھاتھ میں تھا میں ہوئے چار پالی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہولے سے ہمنکھار کر اس آدمی کو اپنی جانب متوجہ کیا اور سامنے بارے کے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”لگتا ہے اس دروازے کے پیچھے کوئی خاص جانور بند ہے۔ کوئی شیر... یا چیتا اور غیرہ...؟“

اس آدمی نے اشارے کی سمت... مذکورہ دروازے کی طرف دیکھا پھر بے تاثر مسکراہٹ سے اور بہم بولا۔ ”ایسا تو نہیں مگر میکن ہے رات میں یہاں کوئی ایسا جانور رکھا ہو... میں تو ابھی چند ٹھنڈے پہلے ہی یہاں آیا ہوں... میں نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ چھوٹے صاحب شکار اور جانوروں کے شو قین ہیں... اور...“ اچانک وہ رک گیا اور سانسے دیکھ کر بولا۔ ”لو... چھوٹے صاحب بھی آگئے۔“ اسی لمحے ٹکلیل کے کافوں سے بھی کسی گاڑی کے انجمن کی گھر گھرانے کی آواز مکمل تھی۔ وہ تو نہیں البتہ... شرینہ اپنے بھائی کے دوست زمرد خان کی جیپ پہچان گئی اور ایک دم چار پالی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر یکنہت فکر و تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ ٹکلیل کے چہرے پر بھی کچھ پریشانی کے آثار اٹھ آئے تھے... وہ آدمی فوراً جیپ کی طرف دوڑا تھا۔

”اب کیا ہو گا...؟ مجھے نہیں معلوم تھا زمرد خان اچانک پلک پڑے گا یہاں...“ شرینہ نے کہا۔ اس کے لمحے میں ارتھاگر تھا۔ ”کیا چلیں یہاں سے؟“

”نہیں، ابھی ٹھہر دو... اور پر سکون رہنے کی کوشش کرو، میں سنجھاں لوں گا۔ کافی پتی رہو۔“ ڈاکٹر ٹکلیل نے گھبھیر لمحے میں کہا۔ تاہم دونوں کی نظریں سامنے کچھ فاصلے پر رکی ہوئی جیپ، پر مرکوز ٹھیس جس میں سے ایک آدمی نیچے اتر رہا تھا۔ جیپ، احاطے کے باہر ہی رکی ہوئی تھی اور اس کا انجمن بھی ابھی تکہ اسٹارٹ تھا۔ وہ زمرد خان ہی تھا جو جیپ سے اتر کر اس آدمی سے ہدایت دینے کے انداز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ آدمی تاحدارانہ انداز میں بار بار اپنے سر کو ہلا رہا تھا۔ پھر اس نے وہیں کھڑے کھڑے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ زمرد خان نے ان کی طرف دیکھا تھا مگر شاید سرِ دست انہیں ہیجان نہ سکا۔ پھر انہوں نے دیکھا وہ آدمی جیپ میں سوار ہوا اور... دوسری جانب کے راستے پر روانہ ہو گیا جبکہ زمرد خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان کی طرف

اے بھی ان باتوں کا علم ہے۔ ناہم ہوئی۔ ”میں محتاط ہی رہتی ہوں۔ اس وقت بھی میری گاڑی کے گلوکار مہنت میں بھرا ہوا پستول موجود ہے۔“ پرڑا کٹر شکل میرے ساتھ ہیں، آپ کا شکر یہ۔“ یہ کہہ کر وہ پلت گئی۔ زمرد خان اپنے ہونٹ چباتا رہ گیا۔

”آجیں ڈاکٹر صاحب ہم چلتے ہیں۔“ وہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ہوئی۔ دونوں آگے بڑھ گئے اور جیپ میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

”تم نے بھی زمرد خان کو چونکا کر رکھ دیا، بھیڑیوں والاتذ کر کے۔“ ڈاکٹر شکل مسرا کر بولا۔

”ہاں، اس کا منہ بند کرنے کے لیے یہ ضروری تھا۔“

وہ ہوئی۔ ”تم نے دیکھا نہیں کیسی عجیب باتیں کر رہا تھا۔ اس کے بعد اس کا روایتی ہی بدلتا گیا تھا۔“

”مجھے تواب یہ فکر ہونے لگی ہے کہ کہیں وہ اب تمہارے بھائی رازق خان سے میری شکایت ہی نہ کر ڈالے۔“ شکل نے تدریجی تدریجی سے کہا تو شرینہ از راہ تشقی بولی۔

”فکر کی کوئی بات نہیں، میں بھی خاموش نہیں رہوں گی پھر... بتا دوں گی کہ... زمرد خان ہی ہمارا دشمن ہے۔ اس نے آخر کس مقصد کے لیے پیخونخوار بھیڑیے پال رکھے ہیں۔“ شکل خاموش رہا۔

ابھی وہ باڑے کی مدد دے نکلے ہی تھے کہ دفعتاں کی جیپ کو ایک جھنکا لگا اور وہ رک گئی۔

”ارے یہ کیا ہوا، جیپ یوں رک گئی؟“ بے اختیار شرینہ کے لبوں سے نکلا۔ اس نے اگریں سونچ میں دو تین بار چاپی گھمائی مگر انہیں گھر رکھ رکھ کر کے خاموش رہا۔ ”نائی فٹ! اسے بھی ابھی خراب ہو ہے تھا۔“ شرینہ نے جھلا کر اسیزرنگ پر راتھ مارا۔

”میں کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔“ شکل نے کہا۔ تاچار شرینہ کو سیٹ چھوڑتا پڑی وراس کے لیے اسے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر پیچے ازا نا پڑا۔ اس دوران شکل جیپ کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ شرینہ بے جتنی کے عالم میں کھڑی تھی کہ دفعۃ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ دونوں بری طرح ٹھک کئے۔ ”... شرینہ کی نظریں بے اختیار ذرا فاصلے سے نظر آنے والے باڑے کے احاطے پر اٹھ گئیں۔ اس نے زمرد خان کو ہاتھ میں پستول لہراتے ہوئے ایک جانب دوڑتے دیکھا، اس کا رخ باڑے کے دوسرا

”یہ بالکل دیے ہیں بھیڑیے ہیں جنہوں نے اس رات ہم پر حملہ کر دیا تھا اور نتیجے میں بھائی شاہانہ ہلاک ہوئی تھیں۔“ شکل کی نظریں زمرد خان کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ اس نے واسع طور پر زمرد خان کے چہرے پر کئی رنگ جھلکتے محسوس کیے تھے۔ پھر جیسے زمرد خان کے چہرے اور لبجھ سے ساری لٹی جان رہی اور ایک دم دہ چکلی بار مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہاں! یہ کل رات ہی میرے آدمیوں کے ذریعے میں آئے ہیں۔ ایک شکاری چہرے کے ذریعے انہیں ہم نے پکڑا تھا، یہ کھیڑوں میں سوروں کو بھاگانے کے کام آتے ہیں۔“

”... اور انہوں کو ہلاک کرنے میں بھی۔“ ڈاکٹر شکل نے بھی طرز پکھا۔ زمرد نے ایک لمبے کھنکے دار نظروں سے شکل کی طرف دیکھا۔ مگر بولا چکھ نہیں۔ شرینہ اور شکل نے کافی کے ادھ بھرے مگ چار پائی پر رکھ دیے۔ شرینہ نے رخصت ہونے کی غرض سے کہا۔ ”ہم چلیں گے۔“

”میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں اور ڈاکٹر صاحب کو بھی راستے میں اتار داں گا۔“ زمرد خان ایک دم بولا۔ وہ ایک بار پھر الجھا ہوا دکھائی دیئے لگا تھا۔

”نہیں، وہ سامنے میری گاڑی کھڑی ہے۔“ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ شکل نے بھی اس کے عقب میں قدم بڑھائے تو اسے ابھی سے کھڑے زمرد خان نے شرینہ کو رکنے کا اشارہ کیا پھر بولا۔ ”تم ذرا ادھر آؤ۔“ تم سے کوئی بات کرنی ہے۔“

شرینہ قدرے شکلی مگ تجسس بھی ہوا زمرد خان کی بات سننے کا۔ ایک نگاہ ساتھ کھڑے شکل پر۔ ڈالی تو اس نے بھی اپنے سر کے نفیف سے اشیائی اشارے سے باور کر دیا کہ وہ زمرد خان کی بات سن لے۔

زمرد خان، شرینہ کو ایک طرف لے گیا پھر اس سے دھیکی آواز میں بولا۔ ”سنو! تم میرے دوست کی بہن ہو۔ تم نہیں جانتی ہو آنے کل تمہارا بھائی کیسے حالات سے گزر رہا ہے۔ تم لوگوں کا کوئی گتام دشمن یہاں منڈلا رہا ہے جو تم سب کے خون کا پایا سا ہو رہا ہے لہذا محتاط رہو، میں نے اپنے آدی کو ایک ضروری کام سے بھیجا ہے، ابھی آتا ہو گا۔ میں اپنی گاڑی میں گھر تک چھوڑ دوں گھاپنی گاڑی ڈاکٹر شکل کو دے دو وہ چلا جائے۔ بعد میں گاڑی منگوالیں گے۔“

اس بار شرینہ محتاط تھی، اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ

بدک کر وہ برف سے ڈھلے جنگل کی طرف دوڑ گئے۔

”اُف مائی گاؤ! اس قدر خوفناک تھے۔ مجھے تو اس روز کا خونی واقعہ یاد آگیا۔“ شریں خوف سے جھر جھری لیتے ہوئے بولی۔ پھر ایک دم چیز سے اسے یاد آیا۔ غصے سے دانت بھینچ کر بولی۔ ”مجھے پورا لیٹن ہے یہ زمرد خان کی حرکت ہو گی، ہماری جیپ کھڑی دیکھ کر اس نے ہم پر بھیڑیے چھوڑ دیے۔ یقیناً اس نے مجھے بھی جیپ سے باہر کھڑے دیکھ لیا ہو گا۔“

ٹکلیل نے پُرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے، بولا۔ ”مگر اس سے پہلے ہم نے گولی چلنے کی بھی تو آواز سنی تھی۔“

”وہ یقیناً اس نے بھیڑیوں کو کھولنے کے بعد خود سے دور رکھنے اور بھگانے کے لیے چلائی ہو گی۔“ شریں بے ساختہ لبھ میں بولی۔ ”یونکہ بس نے اس کے ہاتھ میں پستول دیکھا تھا اور اسے گولی چلانے کے بعد باڑے کے ایک دوسرے دروازے کی طرف دوڑتے دیکھا تھا۔ ہم وہاں سے زیادہ دور نہیں کھڑے تھیں... وہ دیکھو... سب صاف نظر آ رہا ہے۔“ شریں نے سیٹ پر بیٹھنے پہنچنے کردن گھما کر جیپ کی بیک اسکرین سے شیڈ کی طرف دیکھا۔ ٹکلیل نے بھی اس کی تقلید کی، فاصلہ زیاد نہیں تھا پھر دونوں چونک پڑے۔ انہیں ایک جیپ کھڑی نظر آئی، زمرد خان کا وہ آدمی شاید لوٹ آیا تھا جسے بے قول اس نے ایک ضروری کام سے بھیجا تھا۔ دونوں دم بے خود نظر وال سے اس طرف دیکھنے لگئے۔ زمرد خان بھی ان کی دھنسی ہوئی جیپ کی طرف تکتے ہوئے حواس باخت انداز میں اپنی جیپ میں سوار ہو رہا تھا... اور پھر اگلے ہی لمحے انہوں نے دیکھا اس کی جیپ نے حرکت کی۔ اس کا رخ انہی کی طرف تھا۔

”وہ ادھر ہی آ رہا ہے... ہوشیار...“ ڈاکٹر ٹکلیل نے کہا۔

”آ... آپ... جیپ اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں۔“ شریں ایک بار پھر انہیں خوف کے زبرادر آئی۔

”فکر نہ کرو، میں دیکھتا ہوں۔ تم خود کو سنبھالو۔“

ٹکلیل نے اسے حوصلہ دیا اور پستول احتیاطاً اپنی جیپ میں رکھنے کے بعد اپنی طرف کا دروازہ مھول کر پیچے اتر آیا۔ تب تک زمرد خان آندھی طوفان کی طرح جیپ اڑا تا ہوا وہاں آن پہنچا تھا۔ پھر ایک جھلکے سے جیپ ان کے قریب روک دی اور پیچے اتر آیا۔ تب تک شریں کے دل ددماغ میں زمرد

کھلے دروازے کی طرف تھا، دوسرا منظر شریں کے لیے نہایت ہولناک تھا، خونخوار بھیڑیوں والا بند دروازہ آدھا کھلا تھا اور وہاں سے سفید بھیڑیوں کا غول برآمد ہو رہا تھا اور گولی چلنے کی آواز سے وہ غراتے ہوئے احاطے کے دروازے کی طرف دوڑتے چلے آرہے تھے، جہاں سے مل کھا تا راستہ سیدھا اسی طرف ہی آتا تھا جہاں ان کی جیپ کھڑی تھی۔ شریں کا دل اچھل کر حلق میں آن ٹکا۔ خونخوار بھیڑیوں کا نولہا اس سمت تیزی سے دوڑا چلا آرہا تھا۔

مارے دہشت کے بے اختیار شریں کے حلق سے چین خارج ہو گئی۔ جب اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹکلیل بھی پہلے تو گولی کی آواز پر چونکا پھر شریں کی چین نے اسے پریشان کر دیا۔ شریں چینچی چلاتی دوسری طرف سے گھومتی ہوئی... جیپ کے دروازے تک پہنچنی تو اسے دروازہ لاک ملا۔ وہ زور زور سے کھڑکی کے بند شیشے پر ہاتھ مار کر چلانے لگی۔

”ٹکلیل... ٹکلیل... لاک کھولو... جلدی...“

ادھر بھیڑیے آن واحد میں کویا شریں کے سر پر پہنچ چکے تھے، مگر ٹکلیل نے بروقت پھرتی سے کام لیتے ہوئے اندر سے لاک کھوا اور دروازہ کھلتے ہی شریں اندر کو دپڑی اور جلدی سے دروازہ بند کرتا جاتا تو ایک برفانی بھیڑیے کا خونخوار بھسپھرا سا تھوڑا اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس کے خوف تاک جزوں سے تیز نکلے شکاری دانتوں کی جھلک شریں محسوس کر کے تھرا اگئی۔ وہ اس وقت بدھوا سی اور خوف کے باعث سیٹ پر اپنی دونوں ٹانگیں سیمنے ہوئے تھیں، خوف اور جان بچانے کی خاطر اس نے ذرا ہمت دکھائی اور اپنی دونوں ٹانگوں کی یک وقت ضرب بھیڑیے کے خونخوار تھوڑتھے پر رسید کر دی۔ اس کا تھوڑا غائب ہو گیا۔

شریں نے اپک کر اپنی طرف کا دروازہ بند کر کے لاک بھی کر دیا۔ بھیڑیے اچھل اچھل کر کھڑکی کے بند شیشے پر جھپٹنے لگے۔ شریں اس بڑی طرح دہشت زدہ تھی کہ ڈاکٹر ٹکلیل کے بازو سے چٹ کنی۔ ٹکلیل نے اسے حوصلہ دیا۔

”میک اٹ ایزی... ڈرنے کی ضرورت نہیں... یہ اب ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”گلوو کپار ٹمنٹ میں پستول موجود ہے۔“ شریں نے لرزیدہ آواز میں کہا تو ٹکلیل نے فوراً وہاں سے پستول نکال کر کھڑکی کا شیڈ تھوڑا پیچے کر کے پستول والا ہاتھ باہر نکالا اور دو تین ہوالی فائر کر ڈالے۔ دھماکوں کی آواز سے

وہ تم کو یہاں سے اسی وقت ہے، دخل کر دے گا۔ جانتے ہو تاں تم اچھی طرح سے... میں ان کا پرانا خدمت گار ہوں۔“

”اب مجھے تمہاری اس حکمی کی کوئی پرواہ نہیں رہی ہے... کیونکہ میرا اس میں کوئی قسم نہیں ہے۔“

”میری ایک عمر ان برف زاروں میں گزری ہے۔“ عالی جاہ بولا۔ اس نے مہم کی مناسبت سے بوسیدہ کی مگر گرم لباس پہن رکھا تھا۔ اور ایک طویل عرصے تک میں یہاں کے پرانے جاگیردار کے ساتھ شکار پر رہا ہوں، خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خونخوا جانوروں کا غصب دوسری جانب کس طرح موڑا جاتا ہے۔ میں نے بھیڑیوں کے قدموں کے نشانات تمہارے کوچ تک آتے دیکھے ہیں۔ تم یقیناً بھیڑیوں کو خوراک، ڈاٹتے رہے ہو اور انہیں اپنے مطلب کی جگہ پر ہائکنا بھی جانتے ہو۔“

اس کی بات سن کر پہلی بار حماد کو گرگ باراں دیدہ بذھے سے خطرہ محسوس ہوا۔ اگر وہ مرعوب ہو کر اسے مزید شر نہیں دینا چاہتا تھا، غصے سے، دانت پیس کر اس نے دھر سے دروازہ بند کر دیا اور پلتھے ہوئے دانت پیس کرنفتر انگیز لبھ میں بڑا ہایا۔ ”بذریعے اب کی بار تجھ پر بھیڑیے چھوڑوں گا ورنہ تو میرا سارا منہ وہ خاک میں ملا دے گا۔“

☆☆☆

زمرد خان نے کسی خیال کے تحت ابھی اس روز والے واقعے کا ذکر رازق خان سے نہیں کیا تھا۔ نہ ہی شریینہ اور ٹکلیں کے متعلق اسے بتایا تھا۔ لیکن جب وہ رازق خان کے پاس پہنچا تو اسے بڑی۔ بے چینی سے اپنا منتظر پایا۔ وہ خاصاً غصب تاک بھی ہوا تھا۔ وہ نہیں جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ لہذا اپنے دوست زمرد خان کو دیکھتے ہی اس نے فقط اتنا کہا۔

”آؤ زمرد خان جلدی... میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“ یہ کہتے ہوئے رازق خان اپنی مخصوص چوڑے ثاروں والی جیپ میں سوار ہوا اور زمرد خان بھی حیران و پریشان اس کے پیچھے ہولیا۔ رازق کے بغلی ہوش میں ریو الور ہر وقت موجود رہتا تھا جب اس نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو زمرد خان نے پوچھ لیا۔

”آخر بات کیا۔ ہے دوست...؟ پچھے تو بتاؤ۔“

”وہمن کا پا چل گیا نہ۔“ رازق نے جیسے دھماکا کیا اور زمرد بڑی طرح چوڑک۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب طرح کے آثار بھی نمایاں ہوئے جو رازق نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ

خان کو دیکھ کر خوف کی جگہ جوش سما گیا، وہ بھی نیچے اتر آئی۔

”تت... تم خیریت سے تو ہوتا... میں بہت شرمندہ ہوں... پتا نہیں کیسے بھیڑیوں کے باڑے کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا کہ...“ زمرد خان شرینہ کی طرف دیکھ کر اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ شرینہ غصے سے دانت پیتے ہوئے ہوئی۔

”بس زمرد خان! اب زیادہ ایکٹنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں کہ بھیڑیوں کے باڑے کا دروازہ... ہمارے روانہ ہوں لاد یہاں ہماری جیپ پھنسنے ہی کیوں کھولا گیا تھا۔“

”تم غلط بجھ رہتی ہو۔“ زمرد خان نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتی تھی، ڈاکٹر ٹکلیں بھی تب تک جیپ کا بوٹ اٹھا کر اس کی خرابی دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا، خرابی معمولی تھی درست کرنے کے بعد جیپ اسٹارٹ ہو گئی۔ پھر یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ زمرد خان وہیں کھرا پر سوچ نظر وہیں سے ان کی جاتی ہوئی جیپ کو تکتا رہ گیا۔

☆☆☆

دروازے پر کوئی مسلسل دستک دے رہا تھا۔ حماد کو اس طرح دروازہ کھلنا تا از حد برالگتا تھا۔ اس نے کتاب رکھی اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا اور غصے سے جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ تیز کاٹ دار برفلی ہوا دل نے اس کا پہلے استقبال کیا۔ غصے میں وہ نہ شال اٹھا سکا تھا نہ سر پر اوڑھنے والی بھی اونی گرم نوپی۔ سامنے ایک ضعیف آدی کھڑا تھا۔ یہ عالی جاہ تھا، اسے دیکھ کر تو حماد کا غصہ مزید دوچند ہو گیا۔ لہڑا تیز لبھ میں بولا۔ ”کیا بات ہے اور تم یہ جاہلوں کی طریقے اس طرح زور زور سے دروازہ کیوں بجا رہے تھے؟“

”میرے اعلیٰ نسل کے کتوں کو کل رات پھر بھیڑیوں کے ایک غول نے حملہ کر کے مار ڈالا ہے۔“ عالی جاہ بھی تیز لبھ میں بولا۔

”تو پھر میں کیا کروں...؟“ حماد نے اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ پھر جیسے دل کی پرانی بھڑا اس نکالتے ہوئے مزید بولا۔ ”تمہارے ندیدے کتوں کا یہی حشر ہوتا چاہیے تھا۔ تم انہیں کھلا کیوں چھوڑ دیتے ہو۔ اس نے میری مصری مرغیوں اور ایرانی نسل کے خرگوشوں کو بھینج بھوڑا۔“

”تو وہ بھیڑیے تمہارے چھوڑے ہوئے تھے؟ میں ابھی جا کر نہیں دار رازق خان سے تمہاری شکایت کرتا ہوں۔“

جاہ کی رہائش گاہ سے مانع گتوں کے مختصر باڑے سک پہنچا دیتا ہو گا اور بعد میں وہ موقع ہو کر کر گتوں پر ہلا بول دیتے ہوں گے۔ عالی جاہ نے خود بھی بہت سے بھیڑیوں کو حاد کے کائنچ کے گرد منڈلاتے دیکھا ہے۔ وہ انہیں ”دانہ“ ڈالتا ہے۔ ”رازق نے قدرے صراحت سے بیان کیا اور زمرد نے پر سوچ انداز کی خاموشی اختیار کر لی۔

ذریعی دیر بعد رازق کی جیپ آندھی طوفان کی طرح دوڑتی ہوئی حاد کے کائنچ کے پاس جا کر رکی۔ رازق غصے سے ہونٹ بھینچتا ہوا جیپ سے اتر اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا کائنچ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ زمرد خان اس کے پیچھے تھا۔

دروازے کے قریب بھینچتے ہی اس نے ابھی دستک دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا کہ اچانک خاموش تھکی ہوئی فضا میں خونخواری غراہوں کی آواز ابھری۔ دونوں دوست بری طرح تھکی۔ پلٹ کے دیکھا تو انہیں سانپ سونگھے گیا۔ آٹھ دس کے قریب، برفانی بھیڑیے... ان کی جیپ کے دامن طرف کھڑے، انہیں اپنی چمکتی ہوئی خونخوار آنکھوں سے گھورتے ہوئے غرار ہے تھے، ان کے بھیانک جبڑے اور کملے انداز میں بہت کریبہ منظر پیش کر رہے تھے۔ ان کے نکیلے دانت کی کوہی سفا کی سے بھنجوڑنے کے لیے بے تاب اندر آ رہے تھے۔

اس وقت دن ڈھنل پکا تھا اور سرد شام اتر آئی تھی... آسمان شفاف ہرنے کے باعث ابھی کچھ روشنی باقی تھی۔

دونوں دوستوں کو یوں گامیسے وہ ڈمن کے پہلے سے بچائے ہوئے جاں میں آن ہنسنے ہوں۔ وہ نہ اپنی جیپ کی طرف قدم بڑھا سکتے تھے، نہ تھا کائنچ کے اندر داخل ہو سکتے تھے کیونکہ کائنچ کے دروازے بڑا تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ شکر تھا کہ ان دونوں... تغلی ہولشوں میں پستول موجود تھے۔ ایک دوسرے کی طرف ”اشارتی“، نظروں کا تبادلہ کرتے ہی دونوں نے بجلی کی تیزی کے ساتھ اپنے ہولشوں سے پستول نکال لیے اور تلے اوپر سامنے موجود بھیڑیوں پر اندر حاد ہندہ رنگ کرڈاں۔ دم بہ خود برف زار سنائے میں گولیوں کے لیے در پے دھماکے گونجے تو سارے بھیڑیے دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے... رازق کا ابھی تک غیظ و غضب سے براحال تھا.... اس نے ٹلے پر اپنے پستول کا رخ کر کے ٹریکر دیا۔ گولی نے ٹلے کے پرخی اڑا دیے۔ دروازہ وکھل کر دونوں اندر

اس وقت وہ جوش غیظ سے دانت بھینچے اسٹریگنک دبو پے جیپ دوڑا رہا تھا۔

”کیا وہ آئی؟“ زمرد نے مجہم سے لجھے میں کہا۔

”ہاں...“

”مگر کیسے... پتا چلا تمہیں ڈمن کا...؟ کون ہے وہ...؟“

”حاد۔“

”کیا...؟ حاد... وہی گناہ شکاری...؟“ زمرد یاد کرتے ہوئے بولا۔ ”مگر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ...؟“

”عالی جاہ آیا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے...“ رازق نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”وہ ہمارا پرانا ملازم ہے...“ بابا جانی نے اس کی طویل خدمات کی وجہ سے ایک الگ رہائش گاہ بنانا کر دیے رکھی ہے اور ہر میسینے اسے ہماری طرف سے ایک مخصوص رقم اس کی خدمات کے صلے میں ملتی ہے مگر اب وہ ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہے۔ کبھی کبھار ہمارے پاس آتا جاتا رہتا ہے۔ عالی جاہ کی مختصر رہائش گاہ حاد کے کائنچ کے قریب واقع ہے۔ عالی جاہ نے کچھ کٹے بال رکھ تھے جو اس کے برف پر پھسلنے والے چھکرے (چیج) کو کھینچنے کا کام انجام دیتے تھے، دوبار اس کے کتوں پر برفانی بھیڑیوں کا حمد ہو چکا ہے اور اس کے کٹتے مارے گئے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ بھیڑیے حاد کے چھوڑے ہوئے تھے۔“

”مگر جاہ کو عالی جاہ کے کتوں پر بھیڑیے چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟“ زمرد خان ذہن میں ابھرنے والے ایک فوری خیال کے تحت مستفر ہوا۔

اس پر رازق نے جواب میں کہا۔

”عالی جاہ کے مطابق حاد کو اس سے شکایت تھی کہ وہ اپنے کتوں کو آواڑہ چھوڑ دیتا ہے جو اس کے خروشوں اور مریعنوں پر حملہ کر کے اپنی کھا جاتے ہیں۔“

زمرد خونخوار بھیڑیوں کو کیسے سدھاتا ہو گا؟ کیا اس نے بھیڑیے بھی پال رکھے ہیں؟“

”یہ تو اب وہاں جا کر ہی معلوم کرنا ہو گا۔“ رازق بولا۔ ”لیکن عالی جاہ بھی تجربہ کار بڑھا ہے۔ وہ ماضی میں بابا جانی کے ساتھ کافی شکاری مہماں میں ساتھ رہا ہے۔ وہ جانوروں کی خصائصیں سمجھتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق حاد آواڑہ برفانی بھیڑیوں کو ندیدہ بنانے کا فن جانتا ہے۔ وہ کسی طرح خونخوار بھیڑیوں کے اس ثواب کو ہانگما ہوا عالی

گیا۔ اس نے فوراً اپنے اس طور پر اور داراب کو بھی اعداد دینے میں مصروف ہو گیا۔ ایک گھنٹے بعد داراب کی طبیعت سنچل گئی۔ ڈاکٹر شکیل نے بتایا کہ اسے انحصارتاً کا دروازہ اٹھا تھا اور اسے شہر لے جا کر کسی ہارت ایشلٹ کو دکھانا ضروری تھا۔

شریونہ اور نفیہ نے ڈاکٹر کالمیل کا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہونے لگیں تو شکیل نے کہا۔

”میں اپنے ملازم کو آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔“

”میں نہیں، آپ کا شکریہ۔“ شریونہ نے مسکرا کر کہا۔

”ہم چلے جائیں گے، بھائی جان اُس طبیعت سنچل گئی ہے۔ یہی ہمارے لیے بہت ہے۔“

شریونہ نے بھی منون لجھ بیٹھا کہ ڈاکٹر شکیل سے کہا۔

”آپ تو میجا بن کر ہمارے قبے میں آئے ہیں ڈاکٹر صاحب! آپ کی وجہ سے بڑی سہالت ہو گئی ہے یہاں کے لوگوں کو۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔“

ڈاکٹر شکیل مسکرا کر رہ گیا۔ اُس کے بعد دونوں خواتین داراب کو لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔ شریونہ ہی جیپ ڈرائیور کر رہی تھی۔ برف یاری رات سے ہی شروع ہو چکی تھی، سخت سردی پڑ رہی تھی، جیپ کے اندر ہمیز آن تھا مگر جیپ چلانا ایک دشوار گزار عمل ثابت ہو رہا تھا۔ کیونکہ برف باری کے باعث راستے بھی خراب ہو چکے تھے اور سلانڈنگ کا خطرہ بڑھنے لگا تھا۔ تاہم شریونہ واس خراب موسم میں بھی جیپ چلانے کا خاص تجربہ تھا۔

اُبھی وہ اپنے اس طور پر اسٹال سے تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ اچانک جیپ کا غراتا ہوا انجن گھر گھرا کر خاموش ہو گیا۔ شریونہ نے دو تین بار جیپ اشارت کرنے کی کوشش چاہی مگر جیپ دوبارہ اشارت نہ ہو گئی۔

”کیا ہوا شریونہ؟“ جیپ یوں روک دی تم نے؟“ عقیقی سیٹ پر شوہر کے ساتھ چشمی نفیہ نے نکرمندی سے پوچھا۔ ”داراب خان سویا ہوا ہے۔“

شریونہ نے کہا۔ ”بھائی! کبی خرابی ہو گئی ہے۔ میں اتر کر دیکھتی ہوں۔“ کہتے ہوئے شریونہ نے گلوکپر رہنمی میں رکھی تاریخ اٹھائی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

برف باری کے ساتھ تیز کاٹ دار ہوا بھی بھی چل رہی تھیں۔ جن کا شور جھنپٹ چلائی آئیں روحوں جیسا محسوس ہوتا تھا۔ ہر سو گھری تاریکی کا راجح تھا۔ جیپ کی ہیڈ لائس میں البتہ ذرا درستک کا منظر روشن تھا اور سفید برف نظر آتی تھی۔

داخل ہو گئے۔ کافی اندر سے سنان پڑا تھا۔ اندر کوئی نہ تھا... کسی مقصد کے تحت یہ دونوں دوست تیزی کے ساتھ کافی کے مختلف حصوں کی تلاشی لینے لگے مگر کوئی قابل ذکر شے ہاتھ نہ آسکی۔ نہر یہ دونوں عقیقی دروازے سے پچھلی طرف آئے جہاں مخفیر سا باڑا بنا ہوا تھا۔ وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ نہ کوئی جانور۔

”کہاں چلا گیا یہ مردود؟“ رازق پستول ہاتھ میں لیے غصے سے دانت بیس کر بڑا یا۔

”لگتا ہے بجانہ اپھونتے ہی اس نے کافی چھوڑ دیا ہے اور کسی اور جگہ فروکش ہو گیا ہے۔“ زمرد نے خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”میں تو اس مردود کو پاتال کی گھرائیوں تک سے بھی تلاش کر کے نکال لیں گا۔ کہاں جائے گا فوج کر مجھ سے۔“ رازق کی مارے طیش کے بری حالت ہو رہی تھی۔ پھر دونوں دوست ساری شام حتیٰ کہ رات گئے تک اس کی تلاش میں اردوگرد کے برف زار تھنھر تے دیر انوں میں اسے تلاش کرتے رہے مگر انہیں وہ فکاری کہیں نظر نہیں آیا۔

☆☆☆

داراب خان کے سینے میں آج پھر تکلیف دہ درد اٹھا تھا۔ نفیہ اس کی بھی جو ہر وقت اس کی تمارداری میں گلی رہتی تھی، شوہر کی ہلات زار پر پریشان ہو گئی۔ رازق بھی گھر پر موجود نہ تھا۔ شام بھی ڈھلنے لگی تھی۔ اس نے شریونہ کو بتایا تو وہ بھائی کی حالت پر تشوش زدہ ہو گئی۔ پھر اچانک اسے ڈاکٹر شکیل کا خیال آیا، اس نے فوراً سلیں فون پر اس سے رابطہ لیا مگر موسم کی خرابی کے باعث سکنلز کام نہیں کر رہے تھے۔ رازق سے بھی بات نہ ہو گئی۔ لہذا اس نے یہی فصلہ کیا کہ... داراب خان کو جیپ میں ڈال کر سیدھا ڈاکٹر شکیل کے پاس ہی اپنے اسٹال لے جایا جائے۔ دونوں خواتین نے یہی کہا اور داراب خان کو جیپ میں ڈال کر اپنے اسٹال کی طرف روانہ ہو گئیں۔ رات کا وقت تھا۔ پریشانی کا موقع تھا۔ رازق بھی گھر پر موجود نہ تھا۔ لہذا شریونہ خود ہی جیپ ڈرائیور کرتی ہوئی اپنے اسٹال پہنچی۔ پہنچلی سیٹ پر یہ ہوش داراب خان کو لٹا رہا تھا اور نفیہ اسے سنبھالے ہوئے تھی۔ ڈاکٹر شکیل کو فوراً بینگلے سے بلا یا گیا۔ شاہنے ہی اسے جگایا تھا۔ شریونہ کا سن کر اس نے فوراً بستر چھوڑ دیا تھا پھر اسے داراب خان کی حالت زار کا علم ہوا تو وہ پریشان ہو

دوسرا چال

سکتہ طاری ہو گیا۔ دوسرے عی لمحے ہیڑیوں کے غول بلنے ... غراتے ہوئے جیپ کے کھلے دروازوں پر چھلانگیں لگادیں۔ وہ دو انسانی وجود کی فیافت اڑانے میں مصروف ہو گئے۔ جیپ کے اندر گوشت، چنانے کی کروہ آوازیں ابھر رہی تھیں۔ ان میں غراہنوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

☆☆☆

شیرینہ کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک اجنبی جگہ پر پایا۔ جگد کیا تھی، لکڑی کے بد نما چتوں میں مختصر اور تنگ سی چار دیواری تھی جس پر بیک وقت قید رخانے اور کمرے کا تصور ابھرتا ہے۔ قریبی کونے پر گیس کا ایک ہند دلا تھا۔ شاید اس کی بھی گیس آخری دہوں پر تھی اور وہ ماند ہونے لگی تھی۔ مگر کالی بحث تاریکی میں یہ بھی امید کے دیے کی طرح ٹھٹھا رہا تھا۔ شیرینہ پر موٹا سبل پڑا ہوا تھا اور چار یا تینی پر دراز تھی۔ وہ ایک دم گھبرا کر انٹھ بیٹھی۔ اسے، چکر سا آیا مگر وہ بیٹھی رہی، کھڑی ہو جاتی تو یقیناً چکر آنے کے باعث گر سکتی تھی۔ اس کا ذہن دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگا اور اسے وہ سب یاد آگیا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا تھا۔ اسے اب اپنے علاوہ... بھائی دارا ب اور بھائی نفیسہ کی فکر تانے لگی۔ حواس بحال ہونے میں چند سیکنڈ کا وقفہ آیا اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے زور زور سے دروازہ و ہر دھرا نا شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی چیخنا چلا تا بھی شروع کر دیا۔

” دروازہ کھولو... کس نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے... کون ہوتا...؟ میں کہتی ہوں کھولو... دروازہ...“ اس پر بندیاں دورہ پڑنے لگا۔ مگر دوسری طرف... خاموشی چھائی رہی... البتہ بر قافی ہواں کی شایمیں... شایمیں... بہ دستور سنائی دے رہی تھی۔

وہ غصے اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے دوچار تھی... اسے اپنے بیمار بھائی اور بھائی میں بھی فکر تانے لگی۔ جانے وہ کہاں اور کس حال میں تھے؟ وہ اس اجنبی کے یا میں بھی سوچتے لگی جو اسے اس طرح بے ہوشی کی دو اسکھا کر یہاں اٹھانا یا تھا۔ آخر وہ کون ؟ گھر اچانک ایک خیال آتے ہی وہ لرزائی، کہیں یہ وہ تو نہ تھا ان کا گنائم دھمنیں...؟ جوفون پر اس کے بھائی رازق کو دھکارہ رہا تھا۔ اگر وہ دھمن تھا تو پھر اب تک اسے زندہ کیوں چھوڑا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اسے یہاں قید کر کے اس کے بھائی رازق خان کو جھکانا چاہتا ہو؟ یہ سوچتے ہی اس کے چہرے پر نفرت

شیرینہ نے موسم کی مناسبت سے گرم کوٹ اور ٹوپی پہن رکھی تھی۔ دستا، پہنے ہوئے تھے جو خاصے گرم تھے۔ پیروں میں لانگ، بوٹ تھے مگر برف میں اترتے ہی اس کے پاؤں اندر سک دھنس کے۔ وہ بمشکل جیپ کا سہارا لیتی ہوئی پونٹ تک آئی اور اسے اٹھا کر خرابی ڈھونڈنے لگی۔ دیکھا تو معلوم ہوا بیڑنی کی تاریں شارت ہو گئی تھیں اور اپارٹمنٹ کے باعث جل بھی گئی تھیں۔ وہ پونٹ پر جھک کر تاروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی کہ دفتارے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ کسی متوقع خدشے کے زیر اڑاک دم پلٹی ہی تھی کہ دو آہنی ہاتھوں نے اسے دبوچ لیا۔ اس نے چیخنے کی کوشش چاہی مگر دوسرے ہی لمحے اس کے منہ پر روکا رکھ دیا گیا۔ پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

جیپ کے اندر پریشان سی ٹھیک نظر وند اسکرین کے پار شیرینہ کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن پونٹ اٹھا ہوا ہونے کے باعث وہ یہ نہ دیکھ پائی تھی کہ شیرینہ پر کیا بیتی تھی مگر دوسرے ہی لمحے وہ ایک انسانی ہیوں کو دیکھ کر بڑی طرح چوٹی، وہ ایک طرف سے اچانک ہی نمودار ہوا تھا۔ اس نے لبا اور گوت مانک رکھا تھا۔ ہاتھوں میں دستا، چہرہ کوٹ کے نوپ میں دانتے چھپا رکھا تھا۔ نفیسہ خوف زدہ سی ہو گئی۔ ہیوں نے جیپ کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ نفیسہ نے چیخ ماری مگر انسانی ہیوں کے ایک گھونے نے اسے سیٹ سے نیچے لڑھکا دیا۔ چیخ کی آواز پر لیئے ہوئے دارا ب خان نے اٹھنے کی کوشش چاہی مگر اس پر شدید غنوہ گی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ وہ حرکت کرنے سے قاصر ہی رہا۔ وہ پراسرار انسانی ہیولا بڑے آرام سے باری باری جیپ کے چاروں دروازے کھول رہا تھا۔ سر دبر فلی ہوا یہی شور چاہتی ہوئی جیپ کے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وہ شخص یہ کام نہ نہانے کے بعد ایک جانب سکاریٹی میں غائب ہو گیا۔ نجاتے ایسا کرنے کا کیا مقصد تھا اس کا۔ جیپ کے اندر سرد ہوا یہیں داخل ہو رہی تھیں۔ دارا ب خان نیم بے ہوشی کے عالم میں سیٹ پر پڑا تھا۔ جبکہ نفیسہ سیٹ سے نیچے بے سدھ لڑھکی ہوئی تھی۔ اس کی ناک سے خون بہ رہا تھا... پھر شاید سرد ہوا ہیں کے باعث اسے جلد ہی ہوش بھی آگیا۔ وہ تڑپ کر اٹھی تھی کہ دفتارہ دہشت کے مارے، اس کی آنکھیں نیچے کی پھٹی رہ گئیں۔ جیپ کے کھلے دروازوں کے باہر شخص چند فٹ کے فاصلے پر خونوار بر قافی بھیڑیے غراتے ہوئے دکھائی دیے۔ بے رحم موت کو سامنے دیکھ کر نفیسہ پر جیسے موت کا

پہلے بھی اسے فون پر حکمیاں دے چکا تھا۔ اس کی بات سن کر رازق کی حالت مارے، غیظ و غضب کے دیدنی ہونے لگی... مگر اسے تشویش بھی ہوئی۔

”کیا بکواس کر رہے ہو۔ خونی قائل تم ہو۔ میری معصوم بیوی شاہانہ کے... ہم تمہیں پہچان چکے ہیں۔ ذلیل انسان... تم حماد ہو... اب، بھاگ کہاں گئے ہو... تم...“ ”ہا... ہا... ہا...“ دوسری جانب سے اس کے جنوں انداز میں تھیت کی آواز ابھری۔ ”تم کیا... تمہارے فرشتے بھی مجھے نہیں ڈھونڈ سکتے... سنو میری بات... تمہیں پھر موقع دے رہا ہوں... قانون کے سامنے اپنا اقبال جرم کرو... ورنہ... تمہارے بھائی داراب اور بھائی کے بعد تمہاری بہن شریینہ کی باری ہو گی۔“

”گک... کیا مطالب... ت... تم... تم...“ مم... میرے بھائی اور بھائی کے ساتھ کیا کرڈالا ہے ذلیل انسان۔“

رازق حلقتے مل بیخا۔ اس کے ادسان خطاء ہونے لگے۔ وہ ہیلو... ہیلو کہتا رہ گیا... مگر دوسری جانب سے نہ صرف رابطہ منقطع ہو، چکا ہما بلکہ سم بھی شاید بدی جا چکی تھی، کیونکہ دوبارہ اس نمبر پر رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ سم بدل چکا تھا جو یقیناً گنم بھی ہو سکتی تھی۔

”کیا ہوا، کون تھا...؟ وہی ہمارا دُمن؟“ زمرد نے پوچھا۔ سمجھ تو وہ گیا تھا مگر جانا چاہتا تھا کہ اس نے رازق سے کہا کیا تھا؟

”بھائی داراب اور بھائی نفیسہ کے لیے دعا کرو زمرد خان۔“ رازق کی آواز غم، غصے کے باعث کا نپر رہی تھی اور آنکھیں ڈینے باری تھیں۔ زمرد کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔ اسپتال کی طرف جاتے ہوئے راستے میں انہیں وہ جیپ نظر آگئی جس کے اندر بھیڑیوں کی کھائی ہوئی داراب خان اور اس کی بیوی نفیسہ کی اوہڑی ہوئی لاشیں موجود تھیں... جسے، لیکھ کر رازق کو سکتہ ہو گیا جبکہ زمرد کو ابکائی آگئی۔ شریینہ غائب تھی۔

رازق غم و غصے سے بکل ہو گیا۔ ”میں اس کے حماد کو زندہ نہیں چھوڑوں گا... اور جب تک اسے ڈھونڈ نہ نکالوں چین سے نہیں نٹھوں گا زمرد خان۔“ وہ جنونیوں کی طرح چیخنے لگا... یہاں تک کہ اس کی آواز پھٹ گئی۔ ”وہ ذلیل آدمی میری بہن شریینہ کو بھی اٹھا لے گیا ہے۔“ شدید غم، جوشِ غیظ کے باعث اس کی حالت دیدنی ہو رہی تھی۔ وہ برف پر گھڑا تھا اور وہیں بیٹھ گیا۔

کے آثار نہیں باہ ہونے لگے۔ ”اوہ نہ... بزرگ کہیں کا...“ بہادر ہے تو نحل کر ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا۔“ دفعاً اسے ایک بار پھر اپنے بھائی اور بھائی کا خیال آیا۔ ایک اندیشناک متوقع وسو سے نے اسے ہولا گر کر کھدیا۔

”گا... کہیں اس ظالم نے ان دونوں کے ساتھ... بھائی شاہانہ والا حشر تو نہیں کرڈا۔“ اس روح فرساخیاں نے شریینہ کو سر سے یادیں تک لرزہ کر کر کھدیا۔ اچانک دروازے پر گسکی کے قدموں کی آہٹ ابھری۔ وہ بری طرح ٹھکنگی۔ اسی لمحے دروازہ کھلا۔ وہ کچھی پہنچ نظریوں سے اس اجنبی کو دیکھنے لگی جو بلاشبہ حماد تھا۔

☆☆☆

اردکرد کی خاک چھانے کے بعد رازق خان اور زمرد خان اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچے۔ اس وقت رات اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ انہوں نے حماد کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی تھی مگر وہ انہیں کہیں نہیں نظر آیا تھا۔ یوں بھی برف باری اور خراب موسم کے باعث وہ حماد کی تلاش کا کام اپنے لوگوں نے کل تک کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

مگر گھر پہنچتے ہی... رازق خان کو ایک چونکا دینے والی خبر ملی۔ اس کے بڑے بھائی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور نفیسہ اور شریینہ اسے جیپ میں بٹھا کر ڈاکٹر مکمل خان کے اسپتال لے گئی تھیں۔ یہ سنتے ہی رازق خان پھر چین سے نہیں بیٹھا تھا۔ وہ اسی وقت زمرد خان کے ساتھ اپنی جیپ میں سوار ہوا اور اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔

برف باری اب رک چکی تھی مگر اس کے بعد سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ رازق خان نے ڈرائیور میٹ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ زمرد اس کے برابر والی سیٹ پر برا جمان تھا۔ رازق نے جیپ چلانے کے دوران میں سب سے پہلے اپنکا... بھائی نفیسہ کے سل فون پر رابطہ کیا پہلے تو رابطے میں دُنواری ہوئی۔ رہی اس کے بعد رابطہ ہوا تو تھض نیل کی آواز آتی رہی جس کا مطلب تھا کہ دوسری جانب سے کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اسے تشویش ہونے لگی۔ پھر اس نے اپنی بہن شریینہ سے رابطہ کرنے کا سوچا۔ ابھی وہ اس کا نمبر ملا تھا رہا تھا کہ ایک کال آگئی۔ جو پہلے اسے ریسیو کرتا پڑی۔ ”ہیلو۔“

”ہاں... رازق خان! خونی قائل... ایک اور تھفہ اپنے کاندھوں پر اٹھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

دوسری جانب سے اسی اجنبی کی آواز ابھری جو

دوسروں چال

انھ کھڑا ہوا تھا جبکہ رازق نے ایک ہاتھ سے اپنی روٹی ہوئی بین کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ بین تھامے اپنے پستول کا رخ حماد کی طرف کر دیا اور انھی تر بل پر پھر دوسرے ہی لمحے اس نے پر غنیظ لمحے میں غراستے ہوئے حماد سے کہا۔

”مگر تھے، ذیل انسان! میر تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ حماد پر یثان ہو گیا مگر زمرد نے فوراً رازق کا پستول والا ہاتھ پکڑ لیا۔

”نہ ہر جاؤ رازق! تم پاگل ہو گئے ہو۔ شمن بھی اس طرح خود چل کر نہیں آتا۔“ زمرد نے اسے سمجھایا تو شمرینہ کو فوراً حساس ہوا کہ اس کا بھائی کسی غلط فہمی کا شکار ہے۔ اس نے فوراً چلا کر بھائی سے کہا۔

”انہیں کچھ مت کہو بھائی! انہوں نے ہی میری جان بچائی ہے اور مجھے پہ غماخت یہاں تک لائے ہیں اور قاتل یہ نہیں بلکہ... بلکہ ڈاکٹر شکیل ہے۔“ اس اکشاف پر رازق کو حیرت کا ایک جھنکا لگا۔ تب زمرد اُنی بڑھا یا۔

”مجھے پہلے ہی اس ڈاکٹر پر ثابت تھا۔“

تحوڑی دیر بعد حماد نے انہیں بتایا کہ وہ ایک قریبی شکاری ہے میں موجود تھا جب اس نے ایک گاڑی کی ہیئت لامس دیکھیں...“ میں چونکہ کرہت سے باہر نکلا۔ گاڑی میرے ہٹ کے قریب ہے گز ری تو میں قدرے چونکا کیونکہ وہ ہاپٹل کی ایمبولینس نہیں اس کے اندر میں نے ڈاکٹر شکیل کو بیٹھنے دیکھا۔ گاڑی وہ خود ہی چلا رہا تھا۔ اگر وہ گاڑی یعنی ایمبولینس ہائی رووف میں اکیلانہ نہیں ہوتا تو... اتنی حیرت اور اچھی کی بات میرے اپنے نہیں ہوتی... کیونکہ وہ بہر حال ایک ڈاکٹر تھا... اور کسی بھی وقت کسی کے ساتھ ایم جسی میں مریض دیکھنے جا سکتا تھا مگر میرے چونکنے کی وجہ پر کچھ اور بھی... وہ یہ کہ... اکٹر شکیل... ایم جسی میں کسی مریض کو دیکھنے جا ہی رہا تھا تو تباہی کیوں تھا۔ پھر بھی میں نے اس بات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ مگر میں غور کرنے کے انداز میں ہٹ سے باہر کھڑا اس کی ہائی رووف ایمبولینس کو جاتے دیکھا رہا تو ایک دمٹھک گیا۔ رات کی تار کی میں مجھے ایمبولینس کی عقبی سرخ بیان دوسرے بھی نظر آ رہی تھیں۔ مگر میرے چونکنے کی وجہ یہ بھی کہ وہ رک گئی تھی۔ میں محض مجھس کی خاطر... مارچ سنبھالے... برف میں بہت شکل آ گئے بڑھتا رہا... یہاں تک کہ چھپتا چھپتا تا ہوا قریب جا پہنچا تو ایک اور عجیب مظہر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہاں میں نے ایک اور رانے ماذل کی جیپ کو برف میں پھنسنے ہوئے دیکھا۔ مگر ایمبولینس سے اس کا فاصلہ

”خود کو سنبھالو رازق خان۔“ زمرد نے یہ کہتے ہوئے اسے سنبھالا دیا۔ رازق کے اندر یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ بہت جلد خود کو سنبھال لیا کرتا تھا اس وقت بھی زمرد کے سہارا دینے پر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ دونوں دوست دوبارہ جیپ میں سوار ہوئے اور شمرینہ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔

راتے میں ہی رازق خان کو شمرینہ کا فون موصول ہوا۔

”تت... تتم... میری بہن! کہاں ہو تم؟“ رازق نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اپنے کان سے سل فون لگا رکھا تھا اور وہ ہاتھ اس کا بری طرح کاٹ پر رہا تھا۔ اس بار جیپ وہ نہیں بلکہ زمرد خان چلا رہا تھا۔ وہ بھی چونک گیا۔ تاہم اس کے دونوں ہاتھ مضمبوٹی سے اسٹرینگ پر جئے ہوئے تھے۔ رازق اس کے ساتھ والی سیٹ پر براجمان تھا۔ دوسری جانب سے شمرینہ کی روٹی بلکتی آواز آئی۔

”بھائی! تم ہاں ہو؟ جلدی گھر آ جاؤ...“ اس کی آواز شدتِ غم سے لبریز بری طرح کپکپاری تھی بلکہ اس کے لمحے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بات بھی بڑی مشکل سے کر رہی تھی۔

”میری بہن! میں تمہیں ہی تو ڈھونڈ رہا ہوں۔ تم کہاں ہو؟“ رازق نے غم سے چور لمحے میں کہا۔

”میں گھر پر ہوں... بس تم جلدی آ جاؤ... پلیز۔“ دوسری جانب سے شمرینہ کی روٹی بلکتی آخر میں ڈوہتی ہوئی آواز ابھری اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ رازق حیرت زدہ رہ گیا۔ فوراً زمرد سے بولا۔

”زمرد خان! فوراً گھر چلو... شمرینہ گھر پر موجود ہے۔“

”کیا...؟ شمرینہ گھر پر ہے۔“ زمرد بھی چونکے بنانہ رہ سکا۔ بہر حال وہ آندھی طوفان کی طرح گھر پہنچے۔ رازق تو جیپ سے اترتے ہی اپنے گھر کے دروازے کی طرف گرتا پڑتا پکا۔ ایک او ہیز عمر ملازم نے دروازہ کھولا اور بتایا کہ شمرینہ اور ایک اجنبی آدمی اندر موجود ہیں۔

رازق نے فوراً پستول ہاتھ میں لے لیا اور زمرد نے بھی اس کی تقلید کی۔ دونوں کمرے میں پہنچ اور بری طرح ٹھٹک کر رہ گئے۔

سامنے صوف پر شمرینہ سکری سمٹی بیٹھی رورہی تھی، وہ بھائی کو دیکھ کر فوراً اس کی طرف لکھی اور اس سے لپٹ کر روپڑی۔ مگر رازق نے یہکہ نکل نظریں... ایک دوسرے صوف پر براجمان حماد پر جم کر رہ گئیں۔ وہ بھی انہیں دیکھ کر

چھلانگ مار کر ای بولینس ۔ ے عقیٰ حصے کے دروازے کے ساتھ اس کے بپر پر پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا مگر ذرا دور جانے کے بعد اسے مجھ پر شہر ہو گیا۔ اس نے ای بولینس ایک جھنکے سے روک دی۔ وہ فوراً دروازہ کھول کر ایک پستول ہاتھ میں پکڑے یونچ ترا۔ لرتب تک میں بھی ہوشیار ہو گیا تھا۔ میں نے اسے چھاپ لیا۔ اس پر قابو پانے کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ یہ سب رازق سے انتقام لینے کی خاطر کر رہا ہے کیونکہ رازق خان ۰۰۰ دو مخصوص انسانوں کا قائل ہے۔ ” حاد اتنا بتا کر تھوڑی بیر کے لیے رکا تو رازق خان بے چین سانظر آنے لگا۔ اپنی بہن شرینہ کی موجودگی میں اپنے ماضی کے ایک جنونی ہب کے ہلنے بالفاظ دیگر... افشارے راز ہونے پر وہ بے چین سادکھائی دینے لگا... مگر اسے اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ یعنی حمادب تک شرینہ کو بھی اس راز سے آگاہ کر چکا ہو گا جو حماد کو ڈاکٹر مکمل نے ہی جو ش انتقام میں بتایا تھا۔ مگر رازق خان یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر مکمل کا شہزاد اور نژہت سے کیا علق تھا؟ اس لیے خاموش رہا۔ حماد نے اپنی کنسنٹنی خیز داستان کا آخری حصہ سناتے ہوئے مزید کہا۔

”ڈاکٹر مکمل نے مجھے آگے بتایا کہ...“ نژہت نامی ایک خوب صورت لڑکی اس کے محلے میں رہتی تھی اور وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ بہت جنونی محبت... مگر حقیقت یہ تھی کہ نژہت کو مکمل ناپسند تھا کیونکہ وہ اپنے ایک یونیورسٹی قیلو شہزاد کو پسند کرتی تھی اور وہ اس سے ہی شادی کرنا چاہتی تھی مگر شہزاد کے والدین بہت غریب تھے جبکہ نژہت کے ماں باپ لاپتھی تھے۔ وہ اپنی خوب صورت جوان بیٹی کو شادی کے نام پر ”کیش“ کرانا چاہتے تھے اور کسی دولت مند آدمی سے اس کی شادی کروانا چاہتے تھے تھے، کیونکہ ان کے سر پر صرف ایک جوان بیٹی کا ہی با جھنہ تھا بلکہ نژہت کے دونوں عمر چھوٹے بہن بھائی بھی تھے، نژہت کا باپ یہاں رہتا تھا وہ قوت سے پہلے بوڑھا ہو گیا تھا۔ جبکہ شہزاد غریب ماں باپ کا پیٹا تھا۔ انہوں نے شہزاد کا رشتہ لٹکرا دیا۔ اس دوران رازق خان... یعنی تمہاری نگہ نژہت پر پڑی اور تم اس پر فریغت ہو گئے۔ ” رازق خان ہمیں ان دونوں شہر میں ہی اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا مگر نژہت نے رازق خان کو گھاس نہ ڈالی پر نجانے کس طرح رازق خان نے نژہت کے ماں باپ تک رسائی حاصل کر لی۔ ان سے مل کر اسے اندازہ ہو گیا کہ نژہت کے ماں باپ اپنی انسان تھے۔ انہوں نے فوراً اپنی بیٹی نژہت کا رشتہ رازق خان کے لیے قبول کر لیا۔

خاصاً درختا، جبکہ ڈاکٹر مکمل خان نے اپنی ای بولینس کی بھیڈ لائیں بھی بجھ دیں۔ پھر میں نے اسے ای بولینس سے اتر کر جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مٹڈ منڈ اور کچھ برف سے ڈالکے چھتنا ردرختوں کی بہتات ہی۔ وہ ان کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا لیکن... اس بات سے بے خبر تھا کہ میں بھی اس کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔

” وہ برف میں پھنسی ہوئی جیپ کی جانب بڑھ رہا تھا مگر اس کا اندر چوروں کا ساتھا۔ میں بھتر کے ہاتھوں مجبور اس کے تعاقب میں برف سے ڈھکے درختوں کی آڑ لیتا ہوا جب قدرے تریب پہنچا تو بری طرح ٹھنکا۔ ایک لڑکی کو میں نے ٹارچ جاتا ہے میں سنبھالے، جیپ کے بونٹ پر جھکے پایا اور پھر دوسرا رے ہی لمحے میں بری طرح ٹھنکا۔ ڈاکٹر مکمل نے، جو... ٹارچ بجھا کے اپنی جیپ میں پھنسا چکا تھا اب اس کے ہاتھ میں ایک خیرنگ کا روپال نظر آ رہا تھا۔ وہ اس نے لڑکی کے عقب میں دبے پاؤں پہنچ کر اس کی ٹاک پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے... بے ہوش لڑکی کو برف پر لٹا کر... جیپ میں سوار ایک دہشت زدہ سی عورت کو زدکوب کیا، اس کے بعد جیپ کے چاروں دروازے کھول دیے۔ مجھے اس کی یہ حرکت سمجھ میں نہ آسکی، میں بری طرح الجھ کیا مگر اگاہ، ہی لمحے میں نے... ڈاکٹر مکمل کو بے ہوش پڑی شرینہ کو اپنے کاندھوں پر ڈالتے دیکھا، اب میرا بھی ما تھا ٹھنکا۔ میرا بھجھ گیا تھا کہ معاملہ خطرناک ہے۔ شاید ڈاکٹر مکمل کسی انتقامی جذبے کے تحت اس وقت مغلوب الغصب ہو رہا تھا... یا پھر اس کا مقصد لڑکی یعنی شرینہ کو انغو اکرنا تھا۔ بہر حال میں اس کے پیچھے لپکا۔ اس نے ای بولینس کے پچھلے حصے میں بے ہوش شرینہ کو ڈالا۔ اس کے بعد اس نے ایک عجیب حرکت لیا، اس نے اپنی جیپ سے ایک ”نفیری“ نکالی جسے اپنے منہ میں دبا کر وہ اسے مخصوص آواز میں بجا نے لگا۔ اس کی اس حرکت پر میرا ما تھا ٹھنکا۔ کیونکہ میں نے بھی اپنی ایک عمر شکار کرتے گزاری ہے۔ اس طرح کی نفیری عموماً شکاری لوگ اس وقت بجا تے ہیں جب وہ سعید لو مزیوں پا برداںی بھیزیوں کا شکار کرتے ہیں... نفیری کی آواز کے تھوڑی دیر بعد ہی میں سے بھیزیوں کے چلانے کی آواز ابھری۔ اب تک مجھے اس خبیث ڈاکٹر کی اس حرکت کا مطلب سمجھنہ آسکا۔ میرے سر پر تو بس یہی وہن سوار تھی کہ... میں کسی طرح ایک بے گناہ لڑکی (شرینہ) کو اس انسان نما شیطان کے پیچے سے چھڑالوں۔ لہذا وہ جیسے ہی ای بولینس میں سوار ہو کے روائی ہونے لگا۔ میں کسی طرح

دانتوں کے درد، مسوز ہوں سے
خون آنا، ڈھنڈا گردنے اور
دیگر تکالیف کے لیے

10 پر اب لم
احل

Dr. Atta-ur-Rehman
Dental Surgeon

مریض کا بھروسہ ڈاکٹر پر
ڈاکٹر کا بھروسہ 25 سال سے مصیبیں کیم

جاہ تھا۔ اس نے آجھے گئے پال رکھے تھے جو اکثر میرے خرگوشوں اور مرغیوں کو آرمارڈ التے تھے۔ میں نے جب اس کی شکایت تمہارے لازم عالی جاہ سے کی تو اس نے بڑی خوبی سے یہ کہہ کر میری جائز شکایت کو جھلادیا کہ یہ کام اس کے کتوں کا نہیں بلکہ بر قافی بھیڑیوں کا ہو گا۔ ساتھ ہی اس نے بڑے گھنٹے کے ساتھ اپنا تعارف بھی کروادیا کہ وہ یہاں کوئی پور کے نمبر دار رزق خان کا خاص ملازم بھی ہے۔ تمہارے نام سے بیس واؤچی مرعوب بھی ہوا، میں نے سوچا کہ شکایت لے کر تمہارے پاس بھی آؤں مگر یہ شاید میری غلطی تھی، میں نہیں آیا۔ میں نے سوچا تھا کہ جب ایک توکر اتنا سرچڑھا ہے تو ہتا نہیں تم میری شکایت کا کیا مطلب لو، تب میں نے اپنی شکایت کا ازالہ... خود ہی کرنے کا فیصلہ کیا پھر جس وقت عالی جاہ کے پاتو آوارہ کتوں نے میرے باڑے کا رخ کیا تو... اس وقت تک میں نے چند بر قافی بھیڑیوں کو پکڑ کر کسی طرح وہیں ایک بڑے سے بھرے میں قید کر دیا۔ جیسے ہی عالی جاہ کے کتوں نے وہاں موجود خرگوشوں وغیرہ پر ہلا بولا تو میں نے دور بینہ کر ایک رسی کی مدد سے خونخوار بھیڑیوں کے بھرے کا دروازہ کھول دیا۔ بھیڑیوں کو دیکھ کر رکتے دم دبا کر بھاگے مگر بھیڑی یہ اپنا کام کر چکے تھے۔ عالی جاہ کو شہر ہوا مجھ پر، اس نے مجھے تمہارے حوالے سے دھمکیاں بھی دیں۔ لہذا میں نے وہ کائنج ہی چھوڑ دیا اور اپستال سے قدرے قریب واقع ایک نوٹے پھونٹے چھوٹے سے عارضی شکاری کائنج کو اپناٹھکانا بنایا۔

”مگر تمہارا یہاں آنے کا مقصد کیا تھا؟“ اس بار زمرد نے سوال کیا؟“

”میں چھوٹے موٹے جانور پکڑ کر سرکس کمپنیوں کو فروخت کرتا ہوں۔ یہ میرا شوق ہے۔“

”یہ کچھ کہہ رہا ہے، رازق خان۔“ زمرد خان نے فوراً اپنے دوست سے کہا۔ ”ویسے بھی اگر یہ دشمن ہوتا تو شریینہ کو یہاں لے کر ہرگز نہ آتا۔ اب جلدی چلو، کہیں ڈاکٹر شکیل بھاگ کر اس علاقے سے دور نہ نکل جائے۔“

اس سے پہلے، کہ کوئی حرکت میں آتا، اچانک دھڑ سے دروازہ کھلا۔ سب لوگ، بری طرح ٹھکنے۔ دروازے پر رازق خان کا ایک منبع محافظ اور دوسرا اپستال کا ملازم شاہ کھڑے تھے مگر سب سے زیادہ چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ انہوں نے ایک زخمی ٹھیک کو بھی تھام رکھا تھا۔ وہ ڈاکٹر شکیل خان تھا..... مجانخت نے ایک ہاتھ سے اپنی رانفل تھام رکھی تھی جبکہ شاہ نے پستول، مگر دونوں نے اپنے

نزہت نے بھی مجبور ہو کر اس رشتے کے آگے سر جھکایا۔ رازق خان نے پا قاعدہ منگنی کر لی نزہت کے ساتھ مگر نزہت شہزاد کا پیار نہیں بھولی تھی۔ وہ دونوں پھر بھی آپس میں چوری چھپے ملتے اور اپنی تقدیر پر آنسو بھاتے۔ بالآخر نزہت کی رازق خان سے شادی ہو گئی۔ رازق خان نے یہ شادی اپنے والدین کی مرضی کے خلاف کی تھی اس لیے سردست، وہ اس شادی کو خفیر رکھتا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی نوبیا ہاتا بھی نزہت کو شہری میں رکھا۔ ان دونوں شہزاد اور نزہت پھر بھی ول کے ہاتھوں مجبور ہو کے ملتے رہے۔ کسی طرح رازق خان کی نظر اس وقت ان دونوں پر پڑی تو اس نے جوش غیرت میں آکر دونوں کو گولی مار دی۔ ڈاکٹر شکیل نے یہ سب روتنے ہوئے بتایا تھا کہ ...“

”جب میں نے نزہت کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی اور یہ جانتے کے بعد کہ... نزہت کی اور کوچاہتی ہے، اس کے راستے سے ہٹ گیا تو یہ رازق خان کون ہوتا تھا ان کی محبت کے حق میں آنے والا،“ اس نے محض دولت کے زور پر نزہت سے نہیں ایک زندہ لاش سے شادی کی تھی، شکیل تو رازق خان کا اس دن سے دشمن بن گیا تھا مگر پھر جب اسے یہ پتا چلا کہ رازق خان نے غیرت کی آڑ میں شہزاد اور نزہت دونوں کو اپنے پستول کی گولیوں سے چلنی کر دیا ہے تو اس نے نزہت کا انتقام لینے کی قسم کھالی... پھر یہاں کوئی پور کارخ کیا... ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے۔ وہ اب رازق خان سے بھر پور انتقام لینا چاہتا تھا۔

”مجھے ان ساری باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔“ آخر میں حماد نہ کہا۔ ”میں اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس سے ہمدردی کروں گا۔ میرے عزائم جانے کے بعد اس نے موقع پا کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے اپنا بچاؤ کیا۔ اس دوران میں بے ہوش شریینہ کو ایمپلینس سے اتار چکا تھا۔ وہ مجھے جل دے کر ایمپلینس سیست فرار ہو گیا۔“ حماد اتنا بتا کر خاموش ہو گیا۔

رازق خان نے سوال کیا۔ ”مگر تم نے اپنا کائنج کیوں چھوڑ دیا تھا۔ ہم وہاں گئے تھے، وہاں تالا پڑا تھا۔ پہلے ہمیں تم سرچہرہ ہوا تھا۔“ اس کی بات پر حماد بڑے اطمینان سے سکر اکر جوایا بولا۔

”ہاں وہ کائنج میں نے تمہارے ہی ڈر سے چھوڑا تھا۔ ایک جنم مجھ سے ہوا تھا۔ میرے کائنج سے ذرا فاصلے پر ایک بوڑھے آدمی عالی جاہ کا بھی لکڑی کا چھوٹا ساٹھکانا بننا ہوا تھا۔ وہ تمہارا پرانا قابل اعتماد اور قابل احترام ملازم عالی

ایمپولیس میں روانہ ہوا تو راستے میں وہ سب کچھ ہوا جو یہ مکار آدمی اٹ پٹ کر آپ سب کا بتا چکا ہے مگر اس نے مجھے زخمی کر کے مردہ سمجھ لیا تھا... اسی لیے یہ سب دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔“

” یہ جھوٹ بول رہا ہے۔“ اسی وقت حماد چلنا کر بولا...“ یہ بہت شاطر آدمی ہے۔ خود کا چھانے اور بے گناہ ثابت کرنے کی خاطر... دوسری چال، چلنے کی کوشش کر رہا ہے... خبردار، اس کے فریب میں کوئی نہ آئے۔“

سب لوگ بڑی طرح ششی و زنگ کا شکار ہونے لگے۔ بڑی عجیب صورت حال ہو گئی تھی۔ شرینہ کی بھیکی بھیکی سی تھا جیسی بار بار ڈاکٹر ٹکلیل کے چہرے، کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر ٹکلیل کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ بولا۔

” اس کا بھی ثبوت ہے میرے پاس... کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ... تم آخر میں... خود کو چانے کے لیے یہی مکاری کرو گے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں داراب خان اور اس کی بیوی نفیری کو نہ بھا سکا۔ کیونکہ اس سے پہلے ہی یہ کمینہ شخص مجھے زخمی اور مردہ سمجھ رہا یک اندھے گڑھے میں پھنسنک چکا تھا۔ اس کا خیال تھا میری لاش برف میں دب جائے گی اور لوگ مجھے ہی مجرم سمجھ کر مفریور بھیں گے۔“ بدب اس خبیث نے نفیری بجا کر اپنے اس جھوٹے عارضی کا چنج میں.... پہلے سے موجود بھیڑیوں کو متوج کیا تو میراڑ، ان اس وقت ڈوب رہا تھا۔ بہر حال... اب آتا ہوں ثبوت کی طرف۔ نزہت کے والدین اب بھی زندہ ہیں۔ وہی نہیں جس محلے بیشہ آباد کا یہ رہائش ہے وہاں کے لوگ بھی اسے جانتے ہیں جبکہ اس جھوٹے شخص نے مجھے وہاں کا رہائش بتایا ہے۔ ابھی چل کر یہ معاملہ صاف ہو سکتا ہے اور اس کے جھوٹ کا پوس بھی کھل سکتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے میں تو ابھی ہی ہوں گا۔ مگر وہ اسے فوراً پہچان بائیک گئے۔ کیا یہ ثبوت کافی نہ ہوگا؟ اس کے جھوٹ بولنے کا...؟“

بات سمجھ میں آگئی تھی، حماد بھی سمجھ لیا اب مفریکی راہ نہیں رہی، اس نے فوراً حرکت کی، ابھی اس نے پستول نکالنے کے لیے اپنی جیب میں ہاتھوں ڈالا ہی تھا کہ قریب کھڑے زمرد نے اس پر جھپٹا مارا اور اسے نیچے گرا دیا۔

☆ ☆ ☆

رازق خان یہ معاملہ پولیس تک لے جانا نہیں چاہتا تھا مگر شرینہ کے علاوہ ڈاکٹر ٹکلیل نے بھی اسے سمجھایا کہ... مجرم کو قانون کے حوالے کرنا ہی زیادہ مناسب ہو گا۔ رہی

ہٹھیاروں کا رخ... سامنے کھڑے حماد کی طرف کر رکھا تھا اور غصیل نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔ ڈاکٹر ٹکلیل نے حماد کو گھورتے ہوئے، حیران پریشان کھڑے رازق خان سے کہا۔

” رازق خان، ہم نے اس مکار اور فرمی کی ساری کہانی دروازے کے پیچھے سے سن لی ہے اور اس میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ اس مکار، چالاک اور سفاک شخص کی کہانی کا ایک ایک لفظ بچ پر منز ہے۔ مگر یہ ادھورا بچ ہے۔ باقی بچ میں بتاؤں گا۔“

رازق خان، ڈاکٹر ٹکلیل کو دیکھتے ہی آپ سے باہر ہونے لگا مگر سمجھ دار زمرد خان نے ایک بار پھر اسے روک دیا اور ڈاکٹر ٹکلیل سے کہا۔

” تم کیا کہنا چاہتے ہو، کھل کر کہو۔“

ڈاکٹر ٹکلیل اپنے ملازم شاہ... کے سہارے اندر آکر ایک صوف پر بیٹھ گیا، وہ خاصاً خنثی نظر آ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ایک بازو پر بینڈ بچ پیٹھی گئی تھی۔ شرینہ اشکبار آنکھوں سے یک نک اس کی جانب تکے جا رہی تھی جبکہ حماد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نمودار ہو رہے تھے۔

” رازق خان! ابھی اس نے جو کہانی بیان کی ہے، بلاشبہ یہ وہی کہانی ہے جو یہ مجھے بھی اس وقت سنا چکا ہے۔“ چب میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کی.... کوشش کی تھی۔ مگر اس کہانی میں فرت صرف اتنا ہے کہ... اس مکار اور خونی آدمی نے اپنا چہرہ چھانے کے لیے خود کو میری جگہ اور مجھے اپنی جگہ پر کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں بھی مر چکا ہوں اور تو نخوار بھیڑیوں کی خوراک بن چکا ہوں... مگر اللہ کو ابھی میرنے زندگی منظور بھی اور اس سفاک شخص کے چہرے کو بے نقاب کرنا تھا۔ بظاہر شرینہ کی جان بچا کر یہاں لانے کا ذر امام کرنے کا بھی اس کا یہی مقصد تھا کہ یہ یہاں مزید پکھوں رہ کر اپنے ادھورے انتقام کو پورا کر سکے۔ کیونکہ اسے اس بات کی تسلی تھی کہ یہ مجھے ہلاک کر چکا ہے جو اس کے مکروہ چہرے سے واقف تھا۔ بہر حال... اصل حقیقت اب میں بتانا ہوں۔“ ڈاکٹر ٹکلیل تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

” جب شرینہ! اپنے بمار بھائی داراب کو اسپتال لائی تو میں نے تھوڑی دیر بعد داراب کو طبی امدادوے کر ان سب کو رخصت کر دیا۔ یہ وہی وقت تھا جب مجھے ایکر جسی میں ایک اور سریض کو دیکھنے جانا تھا... میں اکیلا ہی

اعتراض حالت میں دکھ کر دونوں کوشش کر دیا اور خود فرار ہو کر ہمیشہ کے لیے کوٹلی پور آگیا جونکہ اپنی شادی کو اس نے خفیر رکھا تھا یہاں کسی کو معلوم نہ تھا... پھر یہاں اس نے اپنے ہی خاندان کی لڑکی شاہانہ سے شادی کر لی۔ وہ اس سے بہت خوش تھا اور محبت بھی کرنے لگا تھا۔

حامد نے نزہت کے اس بیانات قتل کو اپنے دل و دماغ پہ طاری کر لیا۔ اور یوں وہ ایک بھکاری کا بھیس بھر کے رازق خان سے انتقام لینے کی خاطر کوٹلی پور آ کر رہے تھے لگا... اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ واقعی سرکس پیمنی کے لیے کام کرتا تھا اور نگ ماشر۔ طور پر جانوروں کو سدھاتا بھی تھا۔ اس نے خونخوار بھیڑیوں کے ذریعے رازق خان سے انتقام لینے کا منصوبہ بنایا تا۔ کوئی اس پر شبہ نہ کر سکے اور یہ ایک محض حادثہ معلوم ہو۔

اس نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ رازق خان کی دوسری بیوی شاہانہ کو بھی اپنے منصوبے کے مطابق ہلاک کرنے کے بعد اس کا اگنانشانہ داراب خان اور اس کی بیوی، اور شریونہ تھی۔ اس کے بعد اس کا رازق خان کے سامنے آنے کا ارادہ تھا۔ لہذا وہ ان کی نوہ اور گھات میں رہنے لگا۔ ایک موقع پر جب شریونہ، ڈاکٹر ٹکلیں کے ساتھ زمرد خان کے فارم ہاؤس والے باڑے پر گئی تو حادثے ہی خاموشی اور رازداری سے بچ بڑیوں والے باڑے کا دروازہ کھول دیا تھا تا کہ زمرد خان پر شبہ کیا جائے۔

☆☆☆

رازق نے بھی زمرد اور ڈاکٹر ٹکلیں کے مشورے پر اپنی گرفتاری دے دئی تھی۔ اس کا مقدمہ لڑنے کے لیے وکیل کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔ اس نے امید دلائی تھی کہ رازق کو رہائی نہیں تو اسے کم سے کم سزا ہی ہو گی۔

رازق نے اپنی بہن شریونہ سے بھی معافی مانگی کہ اس نے اپنے اس جرم کو پچھا۔ رکھا تھا جس کا خیاڑہ انہیں بھکتنا پڑا۔

لیکن اس نے بھی انکھوں کے ساتھ آخر میں اتنا ضرور کہا تھا کہ... اگر نزہت اسے حقیقت بتاویں کر وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے تو وہ بھی حادثہ کی طرح خاموشی سے اس کے راستے سے بہت جاتا۔

آخر میں جب، زمرد، ٹکلیں اور شریونہ، رازق خان سے جیل میں ملنے لگئے تو... رازق نے اپنی بہن شریونہ کا ہاتھ ڈاکٹر ٹکلیں کے ہاتھ میز دے دیا۔

بات رازق خان کے اپنے جرم کی تو اس سلسلے میں زمرد خان اور ڈاکٹر ٹکلیں نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ ایک اچھا ساویل کر کے اسے کم۔ سے کم سزا دلوانے کی کوشش کر پی گے کیونکہ وہ حرکت رازق خان سے وقتی استعمال میں ہوئی تھی، یوں بھی اصول یہی تھا کہ ضمیر کا قیدی بننے سے بہتر تھی ہے کہ رازق خان کو بھی اپنے جرم کی سزا بھکتنا چاہیے۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ رازق خان اس خونی واقعہ کے بعد سے خود بھی بھی چین سے نہیں رہا تھا۔ بہر حال وہ تیار ہو گیا۔ پولیس نے حادثے سب اگلوالیا تھا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا کہ... اس نے ایسا انتقامی جذبے سے مغلوب ہو کر کیا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ نزہت، شہزادے سے محبت کرتی ہے تو وہ خاموش ہو گیا مگر نزہت کی محبت اس کے دل سے ختم ہوئی تھی نہ ہی کم ہوئی تھی مگر جب اسے پتا چلا کہ شہزادے کے بجائے کوٹلی پور کے جا گیردار رازق خان سے اس کی شادی ہوئی ہے تو اسے رنج ہوا، یہ حقیقت تھی کہ حادثہ نزہت سے پچھی محبت کرتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ جب نزہت کے اسے... ری فیوز کرنے اور یہ پتا چلنے پر کہ وہ شہزادے سے محبت کرتی ہے تو حادثہ اس کی رضا اور خوشی کی خاطر خود ہی۔ راستے سے ہٹ گیا تھا مگر نزہت کی غیر متوقع طور پر ایک جا گیردار رازق خان سے شادی ہونے پر اسے حیرت بھی ہوئی اور رنج بھی۔ جلد ہی اسے پتا چل گیا کہ نزہت کے ماں باپ نے دولت کے لائچ میں بیٹی نزہت کا رشتہ رازق خان کو دیا تھا کیونکہ نزہت کی چھوٹی بہن اور بھائی کی کفالت بھی کرنا تھی وہ غریب بھی تھے، باپ تو اکثر بیمار رہتا تھا۔ ان حالات نے نزہت کو بھی مجبور کر دیا تھا۔ لہذا اس نے بھی اس حکم پر سر جھکا دیا اور اپنے آنسو اور محبت کا خون ہوتے دیکھ کر پی گئی۔ مگر حادثہ... نزہت کا غم جانتا تھا۔ اسے رازق خان پر سخت طیش آیا تھا جادو پھر چپ نہیں بیٹھا رہا۔ وہ نزہت کی خبر گیری کرنے لگا جس کا نزہت کو علم بھی نہ تھا۔ نزہت، رازق خان کی شہروالی رہائش گاہ میں ہی رہتی تھی۔ اس دران میں حادثہ کو پتا چل گیا کہ شہزاد اب بھی نزہت سے بیوری تھی پہنچنے جاتا ہے۔ اس پر حادثے اسے سمجھانے کی بھی کوشش کی کہ وہ ایسا مت کرے اس طرح نزہت کی زندگی بر باد ہونے کا خطرہ ہے اور جان لے جانے کا بھی مگر وہ نہ تا۔ نزہت بھی پرانی محبت کو نہیں بھولی گئی۔ آخر وہی ہوا جس کا حادثہ کو ڈر تھا، رازق خان کو پتا چل گیا اس کی بیوی کے کسی غیر مرد کے ساتھ تعلقات ہیں۔ ایک دن نوہ لینے پر رازق خان نے اپنی بیوی نزہت اور شہزاد کو قابل